ذکرِ خیر

المعروف بہ

صحیفۂ محبوب

مصنف

حضرت مولانا خواجہ محبوب عالم سیدی قدس سرہ العزیز

مرتب: بزمِ توکلیہ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکرِ خیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

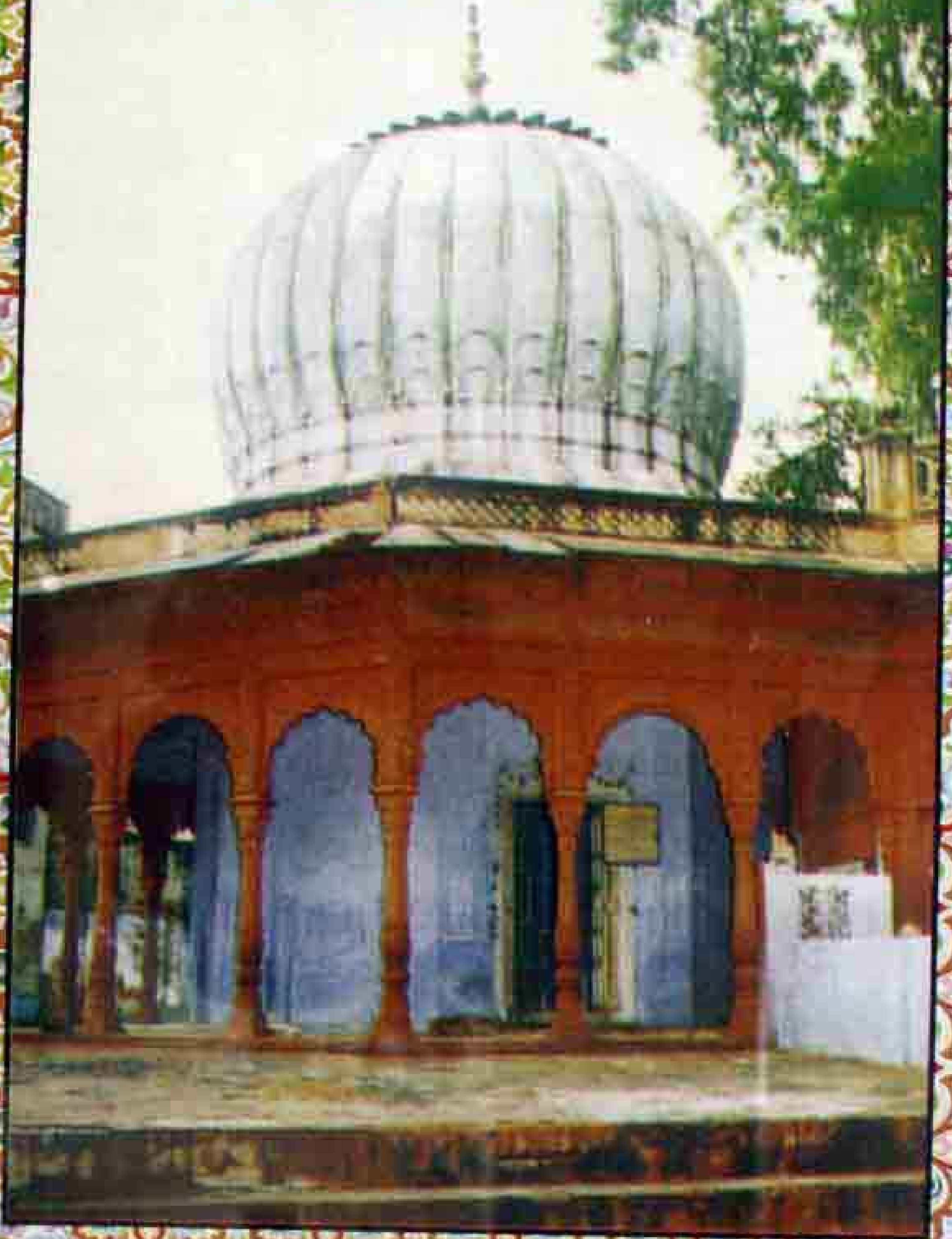
الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

"میرے حضور"

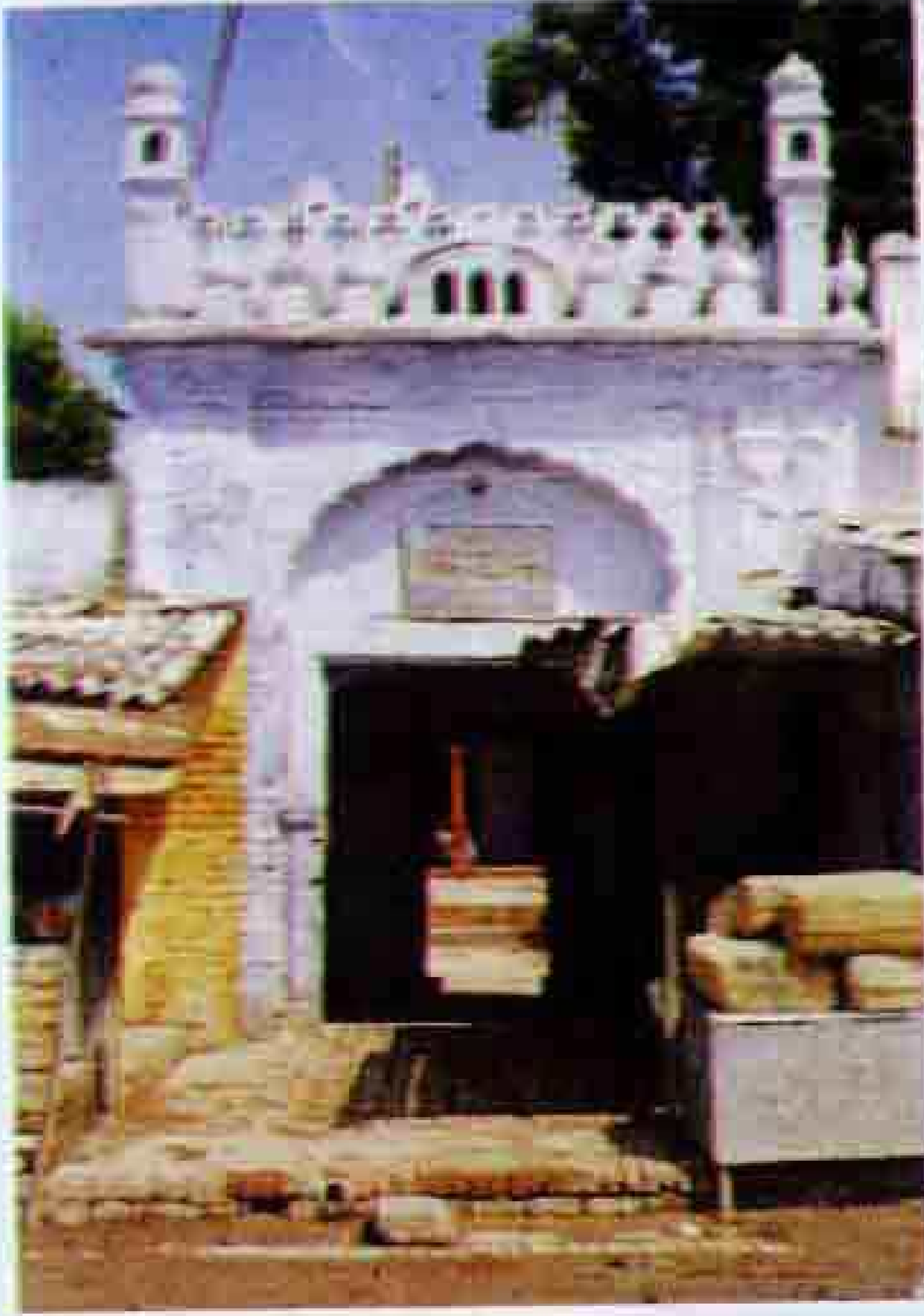
حضرت مقبولِ بارگاہِ صمدیت حبیبُ الرحمن قطبُ الارشاد

خواجہ خواجگاں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہٗ

محمد بہاؤ الدین زاہد


روضہ مبارک حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہٗ

روضہ مبارک
میں داخل
ہونے کا
دروازہ





توکلی مسجد (انبالہ شریف)

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ

الحمد للہ و المنۃ کہ کتاب مستطاب مشتمل بر حالاتِ سراپا کرامات و
خوارقِ عادات نمونۂ سلف حجۃ خلف متوکل علی اللہ باقی باللہ اسمِ با مسمّٰی
حضرت خواجہ توکّل شاہ انبالوی

مسمّٰی بہ

ذکرِ خیر

المعروف بہ

صحیفۂ محبوب

مصنف

عالمِ ربانی، عارفِ حقانی، مظہرِ فیضِ یزدانی
حضرت خواجہ محبوب عالم سیدوی قدس سرہ العزیز
خلیفۂ اعظم حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہٗ

حکومت پنجاب سے سرکلر نمبر ایس۔او (سی ڈی) ایجوکیشن 1-71/37 مورخہ 26 دسمبر 1974ء کے تحت منظور شدہ

نام کتاب	ذکر خیر المعروف بہ صحیفہ محبوب
نام مصنف	خواجہ محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام	صاحبزادہ محمد احمد ہاشمی
پروف ریڈنگ	محمد فیاض صدیقی گجرات۔ طارق محمود ہاشمی
ٹائیٹل	استاذ الخطاطین محمد علی زاہد
کمپوزنگ	محمد شفیق سیالوی
اشاعت	سترہواں ایڈیشن
سن اشاعت	2009ء
تعداد	ایک ہزار
مطبع	عزیز پرنٹرز لاہور۔ 0300-9488328
ہدیہ	350 روپے

ملنے کے پتے

صاحبزادہ محمد احمد ہاشمی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ توکلیہ محبوبیہ صدیقیہ سیدا شریف
تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین
فون نمبر: 0546545020۔ موبائل 0300-7758750
بابو محمد اکرم صدر بزم توکلیہ
450 بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

ذکرِ خیر

المعروف بہ

صحیفۂ محبوب

مصنف

حضرت مولانا خواجہ محبوب عالم سیدوی قدس سرہ العزیز

مرتب : بزمِ توکلیہ گوجرانوالہ

فہرست مضامین

باب چہارم: مسائل تصوف

باب پنجم علمِ لَدُنّی

باب ششم: کمالات

باب ہفتم: حالاتِ وصال وغیرہ

باب ہشتم: معمولات

کچھ حضرت مُصَنِّف رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں

تصنیف اپنے مصنف کا عکس ہوتی ہے۔ کسی مصنف کی کتاب پڑھنے کے بعد اُس کی شخصیت کے تمام خدوخال سامنے آجاتے ہیں۔ ''ذِکرِ خیر المعروف بہ صحیفہء محبوب'' حضرت خواجہ محبوب عالم سیدوی رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے وہ گراں بہا تصنیف ہے جس سے ایک دُنیا فیض اُٹھا رہی ہے اور اُٹھاتی رہے گی۔ ویسے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تمام تصانیف قبولیتِ عام اور بقائے دوام کی حد کو پہنچ چکی ہیں مگر ''ذِکرِ خیر'' کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ اِس کتاب کی مقبولیت کے باعث قاری کو شوق پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ کے ذاتی حالات، عِلمی اور روحانی مقام کو زیادہ نمایاں طور پر دیکھا جائے۔ گو حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح ''ذِکرِ محبوب'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے مگر ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ''ذِکرِ خیر'' کے ساتھ بھی حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ کا مختصر تعارف دیا جائے تاکہ قاری کے ذہن میں آپ کا ذاتی، عِلمی اور روحانی مقام مدِنظر رہے تاکہ خوش عقیدہ اور باذوق لوگ اِس کتاب کے مطالعہ سے کماحقہٗ حظ اُٹھا سکیں۔

قطب الارشاد، غوثِ صمدانی، شمسِ عرفانی، سیّدی، مُرشدی حضرت خواجہ محبوب عالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا وطن سیدا شریف جو ضلع منڈی بہاؤالدین کی تحصیل پھالیہ میں واقع ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد اصل میں یہاں کے باشندے نہیں تھے بلکہ خاندان کے بزرگوں کی روایت کے مطابق ان کا اصلی وطن بغداد شریف ہے۔ بغداد کو جب تاتاری تاخت و تاراج کر رہے تھے اِسی دارو گیر میں یہ خاندان بھی ترکِ وطن کر کے مختلف مقامات پر قیام پذیر ہو کر زندگی کے ایام گزارتے ہوئے دہلی میں مقیم ہوئے اور شاہ عالم ثانی کے دَور میں پرگنہ پانڈووال تحصیل و ضلع منڈی بہاؤالدین کے قاضی مقرر ہُوئے۔ حکومت نے مولانا لطیف اللہ صاحب کو اِس خدمت کے عوض اَسّی 80 بیگھہ زمین دی۔

اِس خاندان کے تین بزرگ یہاں اقامت گزیں ہوئے۔ اِن تینوں بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت لطیف اللہ، حضرت عبدالباری، حضرت درویش محمد۔ یہ ہرسہ بزرگ اپنے

زمانہ میں عِلم اور تقویٰ وطہارت میں نہایت ممتاز اور قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے۔ اب بھی ان تینوں بزرگوں کے مزارات اکٹھے بنے ہُوئے ہیں اور لوگ اُن کا احترام کرتے ہیں۔

اِسی خاندان کے بزرگ خواجہ فیض عالم قدّس سرہ‘ نے اِس گاؤں سے ترکِ سکونت فرمائی اور بصورتِ امامت موضع سیدا کو اپنا وطن بنایا۔ آپ ہی کے خوش نصیب صاحبزادے ہیں جن کا اسمِ گرامی حضرت رکنِ عالم قدس سرہ‘ ہے جن کو اس وحید العصر، فرید الدھر ہستی کے والدِ محترم ہونے کا فخر حاصل ہُوا اور پھر اس یگانہ روزگار ہستی کے طفیل یہ گاؤں سیدا شریف کے معزز نام سے مشہور ہُوا اور یہاں سے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہوئے۔ وطن کے بارے میں حضور قبلہ ام قدس سرہ‘ بارہا اپنی مجالس میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا اصلی وطن بغداد شریف ہے۔

نسب: اس معاملہ میں حضور قبلہ ام اعلیٰ حضرت سیدوی قدس سرہ‘ کا ارشاد ہی حجت ہے۔ آپ نے اپنی جُملہ تصانیف میں اپنے آپ کو ہاشمی تحریر فرمایا ہے۔ آپ کا شجرہٗ نسب حضرت عباس علمبردار کے واسطہ سے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک غالباً پینتیسویں یا چھتیسویں پُشت میں جا ملتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے خاندان کی بقیہ نسل تا حال بغداد شریف میں موجود ہے۔ ہم اُن سے ملے اور ایک عرصہ ان میں قیام کیا۔ ایک دوسرے کو مل کر بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ اُنہوں نے شجرہٗ نسب لکھ کر دیا جس پر اِس خاندان کے مورثِ اعلیٰ کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ نسب کے بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ اللہ والے کا تذکرہ ہے اور نعمتِ فقر حسب نسب کا ثمرہ نہیں بلکہ اعمالِ صالح کا ثمرہ ہے تاہم حُسنِ عمل کے ساتھ عُمدہ نسب بھی ہو تو اچھا ہے ؎

بندہٗ عشق شُدی ترکِ نسب کُن جامی
کاندریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

جامیؔ! عشق کا بندہ بن۔ نسب کا نمود ترک کر کہ اس راہ میں فلاں ابنِ فلاں کی کوئی حیثیت نہیں۔

تعلیم و تربیت: چھ سال کی عمر میں باقاعدہ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم کے زیرِ سایہ شروع ہوئی۔ ابتدائی نظم کی کتابیں اپنے قبلہ والد بزرگوار سے پڑھیں، پابندی اور باقاعدگی نہ تھی۔ اِسی

عرصہ میں آپ کے جدِ امجد حضرت فیض عالم غفرلہ' کا وصال ہو گیا جو آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ دس برس کی عمر میں علم کی پیاس بھڑک اُٹھی اور تحصیلِ علم کا شوق غالب ہوا اور آپ قصبہ بھابڑہ تشریف لے گئے جو ضلع شاہ پور میں تھا مگر آج کل ضلع سرگودھا میں ہے۔ اُس وقت حضرت مولانا سلطان محمود صاحب نقشبندی للّہی کا درس مشہور تھا۔ آپ نے اپنے قبلہ معظم سے اجازت طلب فرمائی۔ آپ نے بکمال شفقتِ پدرانہ سَر مُبارک پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے آبدیدہ ہوکر فرمایا ''بیٹا!'' اَب پردیس'' جاتے ہو تو کچھ بن کر واپس آنا''۔ چنانچہ آپ روانہ ہُوئے اور درس میں داخل ہو گئے۔ مولانا سے کافیہ تک صَرف و نحو پڑھی بعد ازاں موضع مِڈھ ضلع سرگودھا میں اُوپر کی کتابیں شرح جامی تک تکمیل فرمائیں۔ پھر لاہور شہر کی طرف رُخ کیا اور مسجد نیلا گنبد کے مدرسہ میں تقریباً ایک سال قیام فرمایا۔ اِس کے بعد لدھیانہ میں مولانا عبدالقادر صاحب کے پاس کچھ عرصہ ٹھہرے۔ آخر ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں داخل ہو گئے۔ اُس وقت دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت مولانا محمود الحسن صاحب تھے جو علمِ حدیث میں شہرۂ آفاق اور امامِ فن تھے۔ وہاں رہ کر تمام معقول و منقول حاصل کر کے سند حاصل کی۔

اس کے بعد آپ گنگوہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا درسِ حدیث عروج پر تھا اُس میں شامل ہو گئے۔ وہاں سے خصوصی سندِ حدیث حاصل کی۔ علمِ فلسفہ اور ہئیت میں اُس وقت ریاست رامپور کو شہرت حاصل تھی۔ اگرچہ یہ علوم بھی آپ حاصل کر چکے تھے مگر اِن فنون میں خصوصی کمال حاصل کرنے کے لئے رامپور تشریف لے گئے اور اُن کی وہاں تکمیل کی اور امتیازی طور پر کامیاب ہُوئے۔

اَب آپ کی عمر پچیس برس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اَب تک والدین کو اطلاع تک بھی نہ دی تھی کہ کہاں ہیں۔ تکمیلِ علوم کے بعد حبِّ وطن غالب ہوئی اور زیارتِ والدین کا شوق غالب ہُوا۔ اپنے آبائی گاؤں تشریف لائے۔ اتنی مُدت کی جُدائی کی وجہ سے آپ کی شناخت مشکل ہو گئی۔ آپ کے چھوٹے بھائی نور عالم صاحب نے آپ کو نہائت عُمدہ لباس میں دیکھ کر سرکاری اہلکار خیال کیا۔ جب آپ نے گھر میں قدم رکھا تو آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو سرکاری اہلکار خیال کرتے ہوئے فرمایا'' اگر تمہیں نمبردار سے ملنا ہے تو اُس طرف جاؤ۔'' یہ طویل جُدائی کا کرشمہ تھا۔ آپ

نے بکمال اَدب عرض کیا ''اماں! میں تو آپ کا جگر گوشہ ہوں۔'' مائی صاحبہ نے فرمایا ''اچھا تم ڈیوڑھی میں ٹھہرو اگر تم وہی ہو تو پہچان لوں گی، مجھے اپنے بیٹے کی نشانی یاد ہے۔'' جب نشانی کی تصدیق ہوگئی پھر تو حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کا سا سماں بندھ گیا۔ ماں کی ممتا کا نظارہ قابلِ دید تھا۔ ماں بیٹے کی بلائیں لیتی اور اپنی آتشِ ہجر کے سلگتے ہوئے کوئلوں کو محبت کے سرد آنسوؤں سے بجھا رہی تھی۔ آپ زیارتِ والدین سے مشرف ہوکر صرف پندرہ روز کے بعد واپس رامپور تشریف لے گئے۔

رامپور واپس آکر آپ نے عہدۂ مفتی کے امتحان کا ارادہ کرلیا۔ نصاب عہدۂ مفتی پڑھ کر امتحان دیا اور بفضلہٖ تعالےٰ اُس میں اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد آپ کو نائب مفتی کا عہدہ سپرد کردیا گیا۔ یہ نواب قلب علی خان کا دَورِ حکومت تھا۔ نواب صاحب نہایت علم دوست اور علم نواز آدمی تھے۔ نواب صاحب کو آپ پر نہائت درجے کا اعتماد تھا۔

رُوحانی زندگی کا آغاز: رُوحانی زندگی کے آغاز کی کہانی تو آپ حضرت کی زبانی اِسی کتاب میں پڑھیں گے۔ مگر مختصر یہ کہ آپ آستانہ توکلی پر پہلی بار حاضر ہُوئے تو حضور پرنور نمونہ سلف متوکل علی اللہ حضرت خواجہ توکّل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہٗ کے ہزار جان سے فِدا ہوگئے اور جو کچھ آپ چاہتے تھے اُس سے بھی کہیں بڑھ کر حقیقت سامنے آئی۔ خُدا طلبی کا جوشِ ازلی قلب مبارک میں جوش مارتا تھا جس کی وجہ سے آپ کو شیخ کی تلاش ہوئی اس شوق کی تسکین کے لئے خدائے پاک نے آپ کی رہبری فرمائی اور اِس غیبی امداد سے سَرزمینِ پاک انبالہ شریف کی جانب رُخ کیا اور اس پائیدار نعمت سے دامن کو بھرپور کیا جس نعمت کی طلب میں سلاطینِ دُنیا کو تاج وتخت چھوڑنا اور مُلک ومال کو خیرباد کہنا آسان معلوم ہوتا ہے۔

حضرت توکّل شاہ صاحب انبالوی رحمتہ اللہ علیہ ان بلند پایہ ہستیوں میں سے تھے جن کی فطرت میں توحید کا خمیر تھا۔ بچپن سے ہی مئے توحید سے سرشار تھے۔ ہمیشہ وارفتگی کے عالم میں رہتے تھے۔ ایسا مجذوب سالک جب قُطبِ ارشاد کی مسند پر جلوہ افروز ہوتا ہے تو سیاہ بادل کی تاریکی کو بھی ایک نگاہ میں دور کردیتا ہے اور اِسے سراپا نور بنا دیتا ہے۔

جو سالک راہِ ہدایت ایسے قطب ومرشد کی تربیت میں پورے گیارہ سال گزار دے محبت و

عقیدت کے دریا میں شب و روز غوطہ زن رہے اور اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کو مولائے کریم کا حکم جان کر تمام مجاہدات اسی میں صرف کر دے تو اُس کے انوارِ قلبی اور پیر و مرشد کے انوارِ عکسی میں کیا تمیز ہو سکتی ہے؟

آپ بھی اپنی محبت و عمل میں تمام اقرانی[1] طریقت وعقیدت سے بڑھ گئے اور حضرت قبلہ توکل شاہ صاحب کے مسندِ ارشاد کے شایانِ شان مرتبہ پا چکے تو حضرت موصوف نے اِنہیں اپنی زندگی میں ہی مسندِ ارشاد پر فائز فرما کر رُشد وہدایت کی اجازت فرمائی۔ اس کے بعد دنیا نے دیکھا کہ وہ کیا تھے اور کیا کر گئے۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے پیر کا کامل نمونہ بن چکے تھے۔ وہی محبت کی وارفتگی اور جذب کے واردات آپ پر بھی چھا چکے تھے۔ اپنے پرائے کی تمیز اُٹھ چکی تھی اور آپ وحدتِ مطلقہ کا زندہ نمونہ بن چکے تھے۔

سلوکِ مجدّدی میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ اس راہ میں آپ کو اتنا کامل اعتماد حاصل تھا کہ ہر کس و ناکس عقیدت مند کو راہِ سلوک پر چلا دیتے اور راہِ خدا کے سالک کو مقامات وانوارات اتنی جلدی طے کرا دیتے کہ وہ حیران ہو جاتا۔

دِل کا سودا ہونے کے بعد گیارہ سال کا عرصہ دراز گزرنے پر آخر وہ وقت آ گیا جبکہ قطب الارشاد، شہنشاہِ ولایت، سُلطانِ اقلیمِ سلوک وطریقت، حبیبُ الرحمٰن خواجہ توکل شاہ صاحب قدس سرہ' اپنے مخلص خُدام اور روحانی فرزندوں کو داغِ مفارقت دے کر واصلِ باللہ ہوئے اور انہیں غم و اَلم میں تڑپتا چھوڑ گئے۔ دِل بے قرار ہو گیا، بے تابیاں حد سے بڑھ گئیں، جس کی وجہ سے آپ سیر و سیاحت کو چل نکلے۔ دور دراز کا سفر اختیار کیا یہاں تک کہ بغداد شریف جا پہنچے۔ کافی مدت وہاں قیام فرمایا۔ آخر پھر شیخِ کامل کی رُوحانی توجہ سے طبیعت میں سکون واطمینان پیدا ہو گیا اور واپس آ کر مسندِ ارشاد پر جم کر خلق اللہ کی ہدایت اور راہنمائی پر لگ گئے کہ ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ مولا کریم کی مرضی اور اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ سیدا شریف کو عزت بخشنا منظور تھی ورنہ کہاں انبالہ شریف اور کہاں سیدا شریف۔

۲۱ رمضان المُبارک سحری کے وقت ۱۳۳۵ ہجری کو حضور کا وصال ہوا۔

---

[1] یعنی اس زمانے کے ہم عصر

ایک ضروری گذارش

مجھے کچھ دوستوں نے خطوط کے ذریعے یہ اطلاع دی کہ ''ذکرِ خیر'' میں کئی مقامات پر تحریف ہوگئی ہے۔ میں ایسے تمام احباب سے گذارش کرتا رہا کہ ان تبدیلیوں کی نشاندہی کر دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستی کروائی جاسکے مگر بار بار کی گذارش کے باوجود کہیں سے کوئی نشاندہی نہ ہوسکی۔ خوش قسمتی کہئے کہ ڈاکٹر محمد آصف صاحب کی والدہ ماجدہ کے ہاں سے ''ذکرِ خیر'' کا ایک پرانا نسخہ مل گیا۔ مطالعہ پر معلوم ہوا کہ یہ ذکرِ خیر کا پہلا ایڈیشن ہے جو حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کا موجودہ کتاب سے جب موازنہ کیا گیا تو یہ یقین ہوگیا کہ الحمدللہ کتاب امتدادِ زمانہ کے باوجود کسی قسم کی تحریف سے محفوظ و مامون رہی۔ مجھے اس سے دلی سکون اور خوشی نصیب ہوئی۔ یقیناً اب ایسے احباب کی بھی تشفی ہو جائے گی جنہیں کسی وجہ سے بھی تحریف کا گمان گذرا۔ میں نے وہ نسخہ اپنے پاس سنبھال لیا ہے تاکہ مستقبل میں چھپنے والے ایڈیشنوں میں اس سے رہنمائی لی جاسکے۔

بزمِ توکلیہ

جیسا کہ بزمِ توکّلیہ کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی سیاسی یا محض علمی بزم نہیں بلکہ طریقت کی مجلس ہے۔ کیونکہ توکّل اہلِ طریقت ہی کا سرمایہ حیات ہے۔ پس یہ نام رکھنے کی ایک وجہ ہوئی۔ دوسرے یہ بات بھی سامنے آجائے کہ اِس بزم کی نسبت ایک خاص واجب الاحترام شخصیت سے ہے کیونکہ طریقت نام ہی نسبت کا ہے اور نسبت کا تعلق شخصیت سے ہونا لازمی امر ہے۔ جتنی رفیع شخصیت ہوگی اتنی ہی بلند وہ نسبت بھی ہوگی۔ لہٰذا ''توکّلیہ'' کی نسبت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ

بزم کا تعلق اور نسبت ایک بہت بڑی اونچی اور معیاری شخصیت سے ہے جن کا نامِ نامی واسمِ گرامی قطب العالم حبیبُ الرحمٰن متوکل علی اللہ نمونہ سلف حجۃ اللہ علی الخلق سائیں توکّل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہٗ سے ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے کون متعارف نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بزمِ توکّلیہ کی غرض و غایت اور اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ علومِ طریقت کی اشاعت اور احبابِ ذوق کی علمی خدمت کی جائے اور اس ذریعے سے طریقت کا تعارف کرایا جائے۔

بفضلہٖ تعالیٰ بزمِ توکّلیہ نے اس کام کی ذمہ داری اٹھائی اور بڑی احساسِ ذمہ داری سے اپنے فریضہ کو نبھا رہی ہے۔ اراکین بزمِ توکلیہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔

محمد احمد ہاشمی
(ایم۔ ایس۔ سی)

الله

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۃ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۃ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ ط رَضِیۡتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالۡاِسۡلَامِ دِیۡناً وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا وَّ بِالشَّمۡسِ الۡعِرۡفَانِیِّ حَبِیۡبِ الرَّحۡمٰنِ تَوَکَّلۡ شَاہِ مُرۡشِدًا ط اَللّٰھُمَّ اَعۡطِنَا حُبَّکَ وَحُبَّ مَنۡ اَحَبَّکَ وَحُبَّ مَنۡ یُحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیۡ اِلٰی حُبِّکَ وَاجۡعَلۡ حُبَّکَ اَحَبَّ الۡاَشۡیَاءِ اِلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ الۡبَارِدِ لِلۡعَطۡشَانِ یَا ذَاالۡجَلَالِ وَالۡاِکۡرَامِ ط اَللّٰھُمَّ اسۡقِنِیۡ بِکَاسِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ شَرۡبَۃً لَّااَظۡمَآءُ بَعۡدَہٗ اَبَداً بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ ط وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی وَسَلَّمَ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۃ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور عاقبت کے انعامات متقین کے لئے ہیں اور درود و سلام ہو اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل پر اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں راضی ہوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رب ہونے کی حیثیت سے' اور اسلام کے ساتھ دین ہونے کی حیثیت سے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبی ہونے کی حیثیت سے، عرفانیت کے آفتاب، رحمٰن کے حبیب، توکّل شاہ کے ساتھ مرشد ہونے کی حیثیت سے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما' اور ان کی محبت عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اور جن سے تو محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جو تیری محبت کے قرب کا سبب بنے۔ اے صاحبِ جلال وعزت! اپنی محبت کو ہر چیز سے زیادہ ہمارے لئے محبوب بنا دے' یہاں تک کہ جس قدر پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی چاہت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اپنی محبت عطا فرما دے۔ اے اللہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے ایسا شربت پلا

کہ کبھی بھی اس کے بعد پیاس نہ رہے۔ اے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار، ہمارے مولا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل، اور آپ کے تمام اصحاب پر روزِ جزا تک رحمت نازل فرمائے۔

خُدا در انتظارِ حمدِ ما نیست ۔۔۔ محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
خُدا مدح آفرینِ مصطفٰے بس ۔۔۔ محمد حامدِ حمدِ خُدا بس!
مناجاتے اگر باید بیاں کرد ۔۔۔ بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو مے خواہم خُدا را ۔۔۔ الٰہی از تو عشقِ مصطفٰے را!
دگر لب وا مکن مظہر فضولیست ۔۔۔ سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

شعروں کا ترجمہ: (۱) خدا ہماری حمد کا منتظر نہیں ہے اور نہ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ہماری تعریف کے راستے پر لگی ہوئی ہیں۔ (۲) خدا، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے والا کافی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم حمدِ خدا کرنے والے کافی ہیں۔ (۳) مناجات اگر بیان کرنی ہو، تو ایک مصرع میں بھی کی جا سکتی ہے۔ (۴) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے میں خدا کو چاہتا ہوں۔ اے اللہ! تجھ سے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طالب ہوں۔ (۵) مظہر اس کے علاوہ لب نہ کھول کہ یہ فضول ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ کی حاجت بے مقصد ہے۔

اَمَّا بَعْد بندہ ابوالہاشم محبوب عالم کہتا ہے کہ بعد وصال حضرت مقبول بارگاہِ صمدیت حبیب الرحمٰن قطب الارشاد حضرت توکّل شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ آپ کے[1] مسترشدین میں سے بعض صاحبان نے حالات اُن ذاتِ بابرکات کے تحریر کئے۔ لیکن دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کُل حالات ان صاحبان کو معلوم نہیں ہوئے اور جو معلوم ہوئے ہیں ان میں کسی قدر افراط و تفریط ہے۔ چونکہ حضرت موصوف اپنے زمانے میں علمِ حقائق اور حُبِّ عشقی میں اپنی آپ نظیر تھے۔ باوجود سکرت اور مغلوب الحالی اور کثرتِ وُرودِ حالات کے ظاہر احکامِ شرعیہ کے اس قدر مقیّد تھے کہ[2] متبحرین میں ضرب المثل تھے۔ متقدّمین صوفیائے کرام کے آثار اور حالات اور اتباعِ شریعت آپ میں دکھلائی دیتے تھے۔ آپ کی زیارت سے معتقدین کے دل میں خود بخود تصدیق حاصل ہو جاتی تھی۔ کیونکہ جب

---

۱ مریدین۔ ہدایت کے طالب
۲ بڑے بڑے عالم اور فاضل لوگ

نظیر کی ایسی شان ہوئی جن کی نظیر یہ ہیں ان کو بے شک عالیشان ہونا چاہیئے۔ لہٰذا آپ کے حالات بعد وصال کے مخالف حیاتِ دنیاوی نہ ہونے چاہئیں تا کہ دید اور شنید میں فرق نہ واقع ہو۔ تو پہلے میں اپنا قصہ تحریر کرتا ہوں کہ میرا انبالہ میں آنا کیسے ہوا اور میں اس کتاب کے لکھنے کا سب سے زیادہ مستحق کیوں ہوں؟

میں پاکستان کے صوبہ پنجاب میں ضلع منڈی بہاؤالدین، تحصیل پھالیہ میں ایک بستی سیدا ہے وہاں کا رہنے والا ہوں۔ تحصیل علوم عالیہ دینیہ کے واسطے ملک ہندوستان میں وارد ہوا۔ بعد تحصیل علوم کے مدرسہ اسلامیہ کرنال میں ملازم ہوگیا۔ طلبا کو علومِ رواجیہ دینیہ کے درس دینے میں مشغول ہوگیا۔ افواہ عام ہورہی تھی کہ آج کل فقیر تو حضرت توکّل شاہ صاحب ہی ہیں۔ سننے میں تو آگے بھی بہت دفعہ آیا تھا مگر کرنال میں تو بہت کچھ ہی ہر روز نئے سے نئے لوگ کرامت بیان کرتے تھے۔ کوئی صاحب جوش میں آکر یوں فرماتے کہ ''بس صاحب فقر تو حضرت توکّل شاہ صاحب میں پایا جاتا ہے۔'' اور سامعین جو آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل نہ تھے وہ بھی بے اختیار کہتے تھے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ پھر کوئی اور کہہ اٹھتا کہ ''ہاں صاحب میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ صاحب میں فقیری تو نہیں پہچانتا مگر ایک بات میں نے کمال کی یہ دیکھی کہ صورت ایسی پیاری معلوم ہوتی تھی اور یوں دل میں آتا تھا کہ آپ کے حضور میں بیٹھا رہوں اور کمال حسن اور ملاحت[1] برستی تھی اور باتیں بہت میٹھی معلوم ہوتی تھیں۔'' اتنے میں ایک اور صاحب بول اٹھے کہ ''ایک اور کمال آپ کے پاس بیٹھنے میں معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ بارہا میں آپ کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ خواہ کیسا ہی غم اور رنج والم دل پر ہوتا تھا آپ کے پاس بیٹھنے سے فوراً وہ رنج کافور ہو جاتا تھا بلکہ یک شبانہ روز اسی حالتِ سرور پر رہتا تھا اور دل میں یوں آتا تھا کہ دنیا و مافیہا ترک کر کے خدا کے ذکر میں مشغول ہو جائیں۔'' اتنے میں اور صاحب بولے کہ ,,ہاں واقعی یہ تو خود میں نے تجربہ کیا ہے ایک دفعہ میں بھی (کہ انبالہ میں مجھے ضروری کام تھا) انبالہ میں جب وارد ہوا تو دل میں خیال آیا کہ آپ کی زیارت کرتے چلیں۔ جب میں حاضر ہوا، آپ حجرے میں تھے اور حجرہ بند تھا۔ میں نے خادموں سے کہا کہ مجھے بھی زیارت کرنی ہے خدام نے کہا کہ وقتِ مقررہ سے پہلے اجازت نہیں ہوسکتی اب

[1] خوبصورتی۔ سکون

تھوڑی دیر باقی ہے ابھی انشاء اللہ دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسی اثناء میں وقت پورا ہوگیا۔ حجرے کے اندر سے آپ نے ایک تختہ کھولا، تو میں نے ادب سے سلام عرض کیا۔ آپ نے بہت شفقت اور رحم سے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے درفشانی[1] فرمائی۔ ذکرِ الٰہی کے بارے میں اور دنیا کے خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کے بارے میں چند الفاظ فرمائے۔ پھر میں نے رخصت طلب کی۔ آپ نے مصافحہ کر کے رخصت فرمایا۔ جب میں باہر آیا تو تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے قلب میں سے مجھے ایسی آواز آتی ہے جیسے بالکل چھوٹے بچے کی اور اس میں معلوم ہوتا ہے اللّٰہ اللّٰہ حیّ کہ ستائیس روز میں اسی حالت میں رہا،، جب یہ شخص ختم کر چکا تو دوسرے صاحب نے ایسی ہی بات کہنی شروع کی۔ اور جو صاحب بیان کرتا، اپنا چشم دید واقعہ ہی بیان کرتا تھا۔ اس گفتگو سے میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی ان بزرگوں کی زیارت کریں شاید وہ واقعی بزرگ ہوں۔ بقول ,,زبانِ خلق نقارۂ خدا،، مگر چونکہ عام لوگ معترف تھے اس وجہ سے دل متردّد تھا۔ میں نے اپنے رفیق مولوی عبدالرحیم صاحب مسکینؔ اور جوان صالح مولوی حافظ فضل امام صاحب مرحوم سے کہ کرنال میں مقیم تھے مشاورت کی کیونکہ یہ صاحب ذی لیاقت تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی بہت سنتے ہیں مگر دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ آج کل کے زمانے میں قائد بے مکائد[2] کم ہیں اور قائد بامکائد بہت۔ اس میں بہت تامّل کر کے بلکہ بہت تدبر کے بعد زبان سے کوئی کلمہ مدح و ذم کا نکالنا چاہیے۔ صوفیائے کرام کا مقولہ ہے

اے بسا ابلیس آدم رُوئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

ترجمہ: انسانی شکل میں کئی شیطان پھرتے ہیں چنانچہ ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

آخر یہ صلاح ٹھہری کہ مولوی عبدالرحیم صاحب نے مصمم ارادہ کرلیا کہ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، چلو دیکھیں تو سہی۔ جمعرات کی رات کو یہ مشورہ ہوا چونکہ اگلی صبح کو جمعہ کا روز تھا اور مدرسہ میں تعطیل تھی لہٰذا اسی شب کو ریل پر سوار ہو کر گیارہ بجے شب کے انبالہ شہر میں آ پہنچے۔ مگر ہم دونوں

---

[1] موتی بکھیرنا، خوبصورت اور پرکشش انداز میں گفتگو کرنا۔
[2] فریبی۔ دھوکہ باز۔ اس پورے فقرہ کا مطلب ہے کہ آج کل مخلص رہنما کم ہی ہیں جبکہ فریبی رہنما بہت ہیں۔

میں سے کسی کو آپ کے مکان کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ وہ وقت ہر ایک کے سونے کا تھا، کوئی آدمی ہمیں ایسا نہ ملا جس سے آپ کے مکان کا پتہ دریافت کریں۔ آہستہ آہستہ چلے اس انتظار میں کہ کوئی آدمی ملے تو اس سے راستہ دریافت کریں۔ جب مکان کے بالکل قریب آ گئے تو ایک شخص ملا۔ اس سے پوچھا۔ اس نے کہا یہ مکان ہے جہاں لالٹین جل رہی ہے۔ جب ہم قریب آ گئے تو آپ کو آپ کا خادم کریم بخش وضو کرا رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ میاں صاحب کا مکان یہی ہے؟ خادم نے کہا یہی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ مسجد کہاں ہے، میاں صاحب مسجد میں نماز نہیں پڑھا کرتے؟ میاں صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کیا مسجد کی طرف، زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ آپ کی ہمیشہ عادت مبارک تھی کہ وضو کے وقت ہرگز ہرگز کسی سے کلام نہیں کرتے تھے جب تک کہ وضو نہیں کر لیتے تھے۔ ہم مسجد کی طرف چلے گئے وضو کر کے عشاء کی نماز ادا کی۔ بعد نماز خاص کر میرے دل میں خیال آیا کہ میاں صاحب کا یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ (ترجمہ: نہیں کامل ہے مسجد کے پڑوسی کی نماز مگر مسجد میں) حالانکہ ان کے قریب مسجد ہے پھر مسجد میں نماز نہیں پڑھتے۔ یہ خطرہ ایسا بڑھا کہ یہ ارادہ ہو گیا کہ اب ان سے ملاقات کیا کرنی ہے۔ کھانا ہم نے کرنال سے لے لیا تھا اور ریل پر ہی کھا لیا تھا۔ بھوک تو ہمیں بالکل کچھ نہ تھی کہ ہمیں شہر میں جانے کی ضرورت پڑتی۔ اور بار بار دل میں یہ خیال آتا تھا کہ اب فقیر مخالفِ شریعت ہیں، مطابقِ شریعت کوئی نہیں رہا۔ بہت مایوسی ہو گئی کہ اس شخص کی حالت ایسی سُنی تھی اور پھر ایسی دیکھنے میں آئی کہ اپنے گھر ہی پر بے جماعت نماز قریب مسجد کے پڑھی۔ فرض نماز کا یہ حال ہے جو کہیں [1] تفحص کیا تو اس سے بڑھ کر کچھ اور نظر آئے گا بہتر یہ ہے کہ سیدھے پھر کرنال صبح کی گاڑی میں چلے جائیں اور ملاقات کے واسطے دِقت نہ کریں۔

اس خیال کو پختہ کر کے جب لیٹ گیا تو اچانک طبیعت میں ایک وحشت پیدا ہوئی اور دل میں گھبراہٹ اور بے چینی نہایت درجے کی ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر میں خیال پیدا ہوا کہ آئے بھی اور ملاقات بھی نہ کی یہ ٹھیک نہیں۔ کیا حرج ہے، چلو ذرا سی دیر پاس بیٹھ آئیں مگر متردّد ہو رہے تھے۔ کبھی دل میں آتا کہ چلیں اور کبھی دل میں آتا کہ کیا کرنا ہے۔ ابھی ہم اسی اُدھیڑ بُن میں تھے کہ یکا یک طبیعت میں جوش پیدا ہوا اور بے اختیار دل ملاقات کے واسطے بھڑک اُٹھا۔ ذرا دیر کرنے کی

[1] تلاش۔

طاقت نہ رہی اور اس تردّد کا نام ونشان تک نہ رہا کچھ اور ہی حالت ہوگئی اور ہم اپنا بستر اٹھا کر بے اختیار چل دیئے۔ گویا مکڑی کی تمام رات کی محنت کا بنایا ہوا گھر باز نے ایک ہی پر سے سارا توڑ دیا۔ کچھ سوجھ بوجھ نہ رہی حتیٰ کہ پھر میاں صاحب کے پاس آئے تو آپ خود ہی فرمانے لگے آ گئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں جی۔ فرمایا ہم نے تمہارے فکر کی وجہ سے نماز بھی ابھی تک نہیں پڑھی۔ تمہارے انتظار میں بہت ہی وقت گزر گیا ہے۔ ہم دونوں وہیں بیٹھ گئے۔ آپ نے مصافحہ کیا اور حال پوچھا۔ ہم نے سب عرض کیا۔ پھر پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرس ہوں، تعلیم علوم دینیہ کے واسطے۔ آپ نے فرمایا اچھا تو مولوی صاحب ہو۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں آپ کی [1]حلاوتِ لسانی وہ الذ الاشیاء معلوم ہوئی کہ یوں دل میں آتا تھا کہ آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے باتیں سنتے ہی رہیں۔ اور وہ جو خطرات پہلے گزرے تھے ان کا آپ نے بہت ہی حلم اور نرمی سے بطورِ معذرت اس طرح جواب دینا شروع کیا کہ ''مولوی صاحب! میں بہت مریض رہتا ہوں۔ پہلے تو میں مسجد میں نماز پڑھا کرتا تھا لیکن اب معذور ہوں کہ ایک تو بواسیر کا مرض ہے اور دوسرے بے ہوش بہت رہتا ہوں، ان کی وجہ سے کبھی تقدیم و تاخیر ہو جاتی ہے اور جماعت پہلے ہو جاتی ہے۔ اور اگر میرے انتظار میں لوگ بیٹھے رہیں تو یوں گنہگاری ہوتی ہے۔ اس واسطے میں اس جگہ ہی اپنی نماز پڑھ لیتا ہوں۔'' اتنی گفتگو کر کے آپ نے تھوڑا سکوت فرمایا اور پھر تقریر شروع کی۔ مگر ہمارا یہ حال تھا کہ تمام عمر میں ایسی عاجزی نہ تو خدا کے سامنے کبھی دل میں خود بخود ہی آئی تھی اور نہ کسی کی صحبت ہی سے آئی تھی۔ چنانچہ آپ نے ہمارے سامنے اس [2]خضوع وخشوع کی تقریر کی اور حاضرینِ مجلس پر ایسا اثر پڑا کہ ہر ایک کے دل میں اپنے خدا کے سامنے حالت خضوع کی گویا کہ وارد ہوگئی اور ہر ایک عجز کے ساتھ معذرت خدا کی ذاتِ مقدّس میں کرنے لگا۔ دل میں یہ آتا تھا کہ اسی لذت میں رہیں۔ مگر حضرت مقبول بارگاہِ صمدیت نے پھر تقریر شروع فرمائی کہ ,,پڑوسی مسجد کا وہ ہوتا ہے جو بالکل مسجد کے قریب ہو، یہاں سے تو مسجد بہت فاصلے پر ہے۔،، اور فی الواقع مسجد حضرت موصوف کے مکان سے آٹھ دس مکان کے فاصلہ پر ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ اسی حدیث کا جواب فرما رہے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ''میں نے اسی جگہ کو جائے نماز بنا رکھا ہے۔ جماعت سے نماز پڑھ لیتا ہوں، یہیں ایک درویش ہے اُس کو امام مقرر کر رکھا ہے اُسی کے پیچھے میں بھی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور یہ جگہ سکونت کے مکان سے علیحدہ ہے،

[1] زبان اور باتوں کی مٹھاس
[2] عاجزی

ذکر و شغل کے واسطے۔'' غرضیکہ آپ کا وہ فرمان کیا تھا کہ بجائے خود ایک تسلی تھی۔ وہ خطرات جو کہ مانع از محبت ہو رہے تھے ان سب کا جواب ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا ''محمد علی شاہ'' یہ شخص آپ کا خاص پیش امام تھا، بڑا ذی شعور اور صاحبِ تدبیر، آپ کا اس پر بہت اعتبار تھا۔ یہ شخص سُن کر اندر سے آیا تو حضور نے فرمایا'' کہ یہ مولوی صاحب ہیں ان کو کھانا کھلاؤ اور ہمارے حجرے میں ان کو سلا دو، وہیں کسیر بچھی ہوئی ہے اور ہمارا ہی کمبل دے دینا۔'' چنانچہ حسب ارشاد ہم دونوں محمد علی شاہ صاحب کے ساتھ چلے گئے۔ اُس نے ہمیں بٹھا دیا اور اندر کھانا لینے گیا۔ مگر چونکہ وقت اخیر ایک بجنے کے قریب تھا اور کھانے کا وقت نہیں رہا تھا، محمد علی شاہ نے ایک یا دو باسی چپاتی اور ایک رکابی مسور کی دال لا کر آگے رکھی اور معذرت کی کہ اس وقت بازار سے بھی روٹی نہیں ملتی، وقت روٹی کا نہیں رہا۔ ہمارے دل میں کچھ کراہت سی بھی آئی اور دوسرے یہ بھی بات تھی کہ ہم نے کھانا خوب پیٹ بھر کر کھایا ہوا تھا گویا اس وقت اس شعر کا مصداق تھا۔

اے سیر تُرا نانِ جویں خوش نہ نماید
معشوقِ من ست آنکہ بہ نزدیک تو زِشت است

ترجمہ: اے بھرے ہوئے پیٹ! تجھے جو کی روٹی کیسے پسند آئے، میرا معشوق اب تجھے برا ہی لگے گا۔

ہم نے انکار کیا کہ کھانے کی تکلیف نہ فرماؤ ہم نے کھانا ریل پر جو ہمارے ساتھ تھا خوب پیٹ بھر کر کھا لیا تھا اب تو کچھ خواہش نہیں۔ مگر اس درویش مردِ حق نے کس نرمی اور محبت سے کہا کہ اس کا کلمہ تھا یا کہ جادو کا اثر، کہ اس کے مکرر قول نے ہمیں کھانے کی طرف متوجہ کر دیا کہ خیر ایک آدھ لقمہ ان کی خاطر سے کھا لیں۔ جب میں نے اس روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میری زبان، قبل اس کے کہ میرا ارادہ بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کا ہو، خود بخود بے اختیار حرکت کرنے لگی۔ مجھے تعجب ہوا اور خیال آیا کہ یہ کیسی جنبش ہے؟ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ[1] مضغہ زبان سے حرکت صادر ہے اور منضبط بہ حروف بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر جوش زن ہو رہی ہے۔ جب روٹی پر ہاتھ بڑھایا تو چونکہ وہ سوکھی ہوئی تھی اور سخت بھی تھی، ایک طرف سے نرم دیکھ کر تھوڑا سا ٹکڑا توڑا اور دال میں بھگو کر اس کو نرم کیا۔ جب اس کو منہ میں ڈالا تو اللہ اکبر کیا لذت تھی۔ فقط زبان ہی کو لذت نہیں آئی بلکہ

1۔ گوشت کا ٹکڑا

ایک قسم کا ایسا مفرح طور پر سرور وارد ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس لذت کی کیفیت کے بیان کے واسطے کہاں طاقت ہے؟ مگر ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت سے پہلے جس قدر عمر گزر چکی تھی اور جس قدر کھانے کھائے تھے اور کھانا کھانے کا اتفاق بھی کئی جگہ امراء وغیرہ کے ہاں بہت عمدہ عمدہ طرح پر ہوا تھا مگر[1] حاش لِلّٰہ ایسی لذت جو کہ اس خشک روٹی اور مسور کی دال میں تھی، اس کے مشابہ تو کیا بلکہ اس کا عشرِ عشیر بھی کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ ہم دونوں کی یہ حالت تھی کہ کھانے میں جلدی کرتے تھے کیونکہ لذت نے ہم پر سکرت سرور کی وارد کر رکھی تھی۔ مگر افسوس یہ ہوا کہ وہ روٹی چونکہ کمیت میں کم اور کیفیت میں بے انتہا تھی، مرتبہء کمیت میں بہت جلد ختم ہوگئی تو اس وقت ہم نے بے شرم ہو کر اس سے کہا کہ اگر اور روٹی ایسی ہی خشک موجود ہو تو بڑی ہی عنایت اور مہربانی ہوگی اگر آپ عنایت فرمائیں۔ اس مردِ خدا نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! درویشوں کے دو دل نہیں ہوتے بلکہ یک سوئی محض ہوتی ہے۔ اگر اس وقت روٹی موجود ہوتی تو خاطرِ مہمان سے پہلو تہی کرنے میں کیا فائدہ تھا؟ مگر ہمیں وہ لذت مجبور کرتی تھی اور ہم بار بار کہتے تھے مگر وہ مردِ خدا بھی ہر بار ہمیں جواب باصواب سے تسلی دیتا تھا۔ جب ہم کو یقین ہوگیا کہ اب اور روٹی ملنے کی امید قطع ہو گئی ہے تو پھر سونے کا ارادہ کیا اور اسی حجرے میں حسبِ ارشاد لیٹ گئے اور ایک ایک کمبل صُوف ہمیں عنایت ہوا۔ الغرض باوجود کثرت سردی کے ہمیں سردی نے کسی طرح کی تکلیف نہ دی بلکہ خواب باسرور وارد رہا۔ صبح کو جب اٹھے تو ایک عجیب قسم کی نئی کیفیت وارد ہوئی اور کچھ کچھ اُنس اِس دُرِیگانہ[2] کے ساتھ ہونے لگا۔ جب دن چڑھ آیا تو حضرت بھی اپنے اسی برآمدے میں، جہاں ہمیشہ نماز پڑھا کرتے تھے، آ بیٹھے اور درود شریف پڑھنے لگے۔ چند مستفید بھی حلقہ میں بیٹھے تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے یہ حکایت بیان کی کہ ''حضرت! فلاں جگہ فلاں صوفی کا عجب حال دیکھا کہ وہ اپنے پیر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور اپنے پیر ہی کو سجدہ وسلام کرتا ہے اور اسے خدا کہتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کچھ علمِ فقر میں اس کا حال شریعت سے علیحدہ ہے۔'' حضرت اس کو سن کر تھوڑی دیر تو سکوت میں رہے پھر آپ کی صورت مبارک دیکھی گئی تو چہرہ سرخ اور جوش ظاہر ہوگیا اور فرمایا ''شریعت سے علیحدہ ہونا تو ناممکن ہے البتہ یہ خطراتِ نفس کے قبیل سے ضرور ہے۔'' پھر

---

1. اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے۔ یقین دہانی یا قسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
2. بے مثل اور قیمتی موتی یہاں مراد ہے بے مثال جگہ۔

بولے ''سنو تو سہی! تمہیں ایک موٹی بات سمجھا تا ہوں ذرا غور کرنا۔ بعد ذاتِ الٰہی کے مرتبہ سیدّ المرسلین ﷺ کا ہے اور اس مرتبہ سے نیچے سب انبیاء اور ملائکہ کا مرتبہ۔ چنانچہ کسی بزرگ کا مقولہ ہے۔

بعد از خُدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ ہی سب سے بزرگ و برتر ہیں۔

پس قصّہ طے ہو چکا۔ پھر اب خیال کرو کہ جب ایسے شان والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ لقب عنایت ہوا کہ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه، (ترجمہ: اس کا بندہ اور اس کا رسول) چنانچہ سیّد المرسلین ﷺ بھی کبھی کبھی جوش میں آ کر فرماتے اَنَا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه، (ترجمہ: میں اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں) پس جب ایسی ذات کو لقب عبد ہونے سے ملقب کیا گیا پھر کسی اور کی کیا مجال کہ اُلوہیّت کا منصب اسے حاصل ہو۔ یہ سب خطراتِ نفس کے قبیل سے ہیں۔ اے بھائی! بندہ کا اعلیٰ مقام قربِ الٰہی میں عبودیت ہے سو وہ بھی کامل اور اتم اور اعلیٰ رسول اللہ ﷺ کو عطا ہو چکا۔ سوائے آپ کے عبودیت میں بھی ایسا کمال کسی کو میسر نہیں ہوا، نہ نبی مرسل کو نہ مقرب ملائکہ کو۔ پھر ایسے لوگ جو عبودیت میں قدم نہیں رکھتے خدا کی طرف کیسے قدم رکھیں گے؟ وہ جناب مقدس ہے۔ اس کی شان میں کیا مجال کہ کوئی شرکت کا دعویٰ کر سکے۔ ایسے پیر جو مرید کو ایسی باتوں سے منع نہ کریں اور ایسا مرید جو حفظِ مراتب نہ جانتا ہو اس قاعدہ کے تحت میں داخل ہیں۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ'' (ترجمہ: طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں)

یہ مسئلہ اپنی زبانِ دُرفشاں سے جب فرما چکے تو حاضرین کے دل پر ایسا اثر پڑا اور ایسی خوشبو توحید کی آنے لگی کہ خلافِ شریعت کی برائی اور نقصانات کی برائی سامعین کے دل میں جم گئی اور ایک سرورِ کمال درجے کا وارد ہوا۔ اور جب نظر چہرۂ مبارک پر پڑتی تھی تو چکا چوند ہو جاتی تھی، انوارات کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ مگر اس نظرِ کیمیا اثر سے دل منوّر ہو جاتا جو عبادت سے ایسا جلدی نہیں ہوتا تھا۔

اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص نے حبسِ دم کی بابت عرض کیا کہ حضرت یوں ہی کھلا اسمِ ذات کیا جائے تو کیا عبادت میں داخل نہیں ہوتا؟ مقصود عبادت ہے اور عبادت یوں بھی ہو جاتی ہے اور وہ جو خُدا کا کلام ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ اس کے تحت میں داخل ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حبسِ دم کی تسبیحیں کھٹا کھٹ کھٹکتی ہیں، اس میں کوئی اور فضیلت ذکر کے سوا ہے یا یوں ہی بھیڑ

بولے" سنو تو سہی! تمہیں ایک موٹی بات سمجھاتا ہوں ذرا غور کرنا۔ بعد ذاتِ الٰہی کے مرتبہ سیّد المرسلین ﷺ کا ہے اور اس مرتبہ سے نیچے سب انبیاء اور ملائکہ کا مرتبہ۔ چنانچہ کسی بزرگ کا مقولہ ہے۔

بعد از خُدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ ہی سب سے بزرگ و برتر ہیں۔

پس قصّہ طے ہو چکا۔ پھر اب خیال کرو کہ جب ایسے شان والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ لقب عنایت ہوا کہ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه، (ترجمہ: اس کا بندہ اور اس کا رسول) چنانچہ سیّد المرسلین ﷺ بھی کبھی کبھی جوش میں آ کر فرماتے اَنَا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه، (ترجمہ: میں اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں) پس جب ایسی ذات کو لقب عبد ہونے سے ملقب کیا گیا پھر کسی اور کی کیا مجال کہ اُلوہیّت کا منصب اسے حاصل ہو۔ یہ سب خطراتِ نفس کے قبیل سے ہیں۔ اے بھائی! بندہ کا اعلیٰ مقام قربِ الٰہی میں عبودیت ہے سو وہ بھی کامل اور اتم اور اعلیٰ رسول اللہ ﷺ کو عطا ہو چکا۔ سوائے آپ کے عبودیت میں بھی ایسا کمال کسی کو میسر نہیں ہوا، نہ نبی مرسل کو نہ مقرب ملائکہ کو۔ پھر ایسے لوگ جو عبودیت میں قدم نہیں رکھتے خدا کی طرف کیسے قدم رکھیں گے؟ وہ جناب مقدس ہے۔ اس کی شان میں کیا مجال کہ کوئی شرکت کا دعویٰ کر سکے۔ ایسے پیر جو مرید کو ایسی باتوں سے منع نہ کریں اور ایسا مرید جو حفظِ مراتب نہ جانتا ہو اس قاعدہ کے تحت میں داخل ہیں۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ" (ترجمہ: طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں)

یہ مسئلہ اپنی زبانِ دُرفشاں سے جب فرما چکے تو حاضرین کے دل پر ایسا اثر پڑا اور ایسی خوشبو توحید کی آنے لگی کہ خلافِ شریعت کی برائی اور نقصانات کی برائی سامعین کے دل میں جم گئی اور ایک سرور کمال درجے کا وارد ہوا۔ اور جب نظر چہرۂ مبارک پر پڑتی تھی تو چکا چوند ہو جاتی تھی، انوارات کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ مگر اس نظرِ کیمیا اثر سے دل منوّر ہو جاتا جو عبادت سے ایسا جلدی نہیں ہوتا تھا۔

اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص نے حبسِ دم کی بابت عرض کیا کہ حضرت یوں ہی کھلا اسمِ ذات کیا جائے تو کیا عبادت میں داخل نہیں ہوتا؟ مقصود عبادت ہے اور عبادت یوں بھی ہو جاتی ہے اور وہ جو خُدا کا کلام ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ اس کے تحت میں داخل ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حبسِ دم کی تسبیحیں کھٹا کھٹ کھٹکتی ہیں، اس میں کوئی اور فضیلت ذکر کے سوا ہے یا یوں ہی بھیڑ

چال ہے؟ آپ نے تھوڑی دیر قلب کی طرف متوجہ ہو کر سر مبارک اُوپر اٹھایا اور اس چہرۂ منور کی جھلک نے قلوب پر خوب ہی اثر ڈالا۔ شکر خنداں[1] ہو کر فرمایا بندے رب کے! (یہ آپ کا تکیہ کلام ہوا کرتا تھا) یہ اہلِ ذکر کے نزدیک اُس نماز کے سوا ایک نماز ہے جو پانچوں وقت پڑھی جاتی ہے کیونکہ فَاذْكُرُونِىْ کے مامور جو ہوئے، تو کسی وقت ذکر سے فراغت نہیں پاتے بلکہ ان کا کوئی دم بے ذکر چلا جاتا ہے تو کفر میں شامل کر لیتے ہیں یعنی کفرانِ نعمت اور موت میں۔ پھر انسان کو جو غفلت خواب کی یا حوائجِ ضروریہ کی یا باتوں کی ہو جاتی ہے تو وہ ذکر والی نماز فوت ہو جاتی ہے۔ پس صوفیائے کرام نے اس نمازِ دائم کی قضا اس طرح ٹھہرائی کہ شبانہ روز کے چوبیس ہزار سانس ہوتے ہیں اور ہر دم میں ایک دفعہ ذکر اللہ کا ضرور تھا، جب فوت ہو گیا تو اس کی قضا کی یہ صورت تجویز کی کہ دَم بند کر کے بہت دفعہ ذکرِ اسمِ ذات کیا تا کہ وہ سانس جن سے ذکر فوت ہو چکا ہے ان کے بدلہ میں اس ایک دم کا کیا ہوا ذکر ان فوائت[2] کی قضا ادا ہو جائے۔

اس وقت بھی عجب ہی حالت ہو گئی۔ پھر میری طرف خوبصورت اور عجب خوش نما طریق سے اشارہ فرمایا کہ مولوی صاحب آگے ہو بیٹھو۔ حسبِ ارشاد بندہ آگے ہو بیٹھا تو ایک شخص نے پھر اسی وقت عرض کیا کہ حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسائل علماء سے پوچھنے چاہئیں میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ مگر وہ کہنے والا صابر نہ ہوا، کہنا شروع کر دیا۔ آپ پھر متوجہ ہو گئے۔ اس نے یہ تقریر کی کہ جب رسول خدا ﷺ بلکہ آپ کی قبر مبارک کے بقعہ شریف کا مرتبہ عرشِ معلّٰی سے بدرجہا اعلیٰ ہے پھر مسجود یا مسجود الیہ آپ کا مرقد مبارک کیوں نہ ہوا کیونکہ مسجود اور مسجود الیہ افضل اور اولیٰ ہوتا ہے اور شرطِ اولیت اور افضلیت آپ کے بدنِ مطہر میں بدرجہ اتم ہے، پھر یہ الٹا معاملہ کیوں ہوا؟ اس تقریر کو سن کر آپ قلب کی طرف بطورِ مراقبہ متوجہ ہوئے۔ تھوڑی دیر دُرود شریف پڑھا پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (آپ کی عادت مبارک تھی کہ جس قدر دیر بات کرنے میں لگتی اتنی ہی دیر دُرود شریف پڑھ لیا کرتے تھے یعنی کچھ وقت بھی باتوں میں ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔) پھر آپ نے متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ کعبہ شریف کی دیواریں مسجود الیہ نہیں بلکہ اس فضا کی جگہ تجلیاتِ ذاتی کا مورد ہیں۔ اس کے احاطہ کو سمت متوجگی ہے۔ وہ تجلیات اس ذات کی ہیں جس پر

---

[1] مسکراتے ہوئے
[2] فوت کی جمع

حقیقتِ محمدیہ ﷺ عاشق ہے۔ ذات مسجود ہے اور تجلی مسجود الیہ، اور اس تجلی کا مورد یہی کعبہ شریف کی جگہ ہے اور حقائق میں حقیقتِ محمدیہ ﷺ حقیقتِ کعبہ پر عاشق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّل ہی محبت اس قبلہ کی طرف تھی چنانچہ کئی دفعہ آپ کو حکم مسجدِ اقصیٰ کی طرف منہ کرنے کا ہوا پر پھر مسجدِ حرام ہی کی طرف آپ کی محبت رہی۔ آخر الامر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے موافق یہی قبلہ آپ کا بنایا گیا۔

اس قدر بیان فرما کر آپ درُود خوانی میں مشغول ہو گئے اور بڑی لذت سے آپ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بہت ہی لذیذ چیز کو چوس رہے ہیں۔ سامعین پر ایک حالت سکتہ کی طاری ہو گئی۔ ایک اور شخص نے سوال کیا کہ حضرت مجھ کو فلاں بزرگ نے فلاں وظیفہ پڑھنے کے واسطے فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اگر تم پڑھو گے تو تمہیں تمہارے پیر اپنی خلافت عنایت فرمائیں گے اور تم خلیفہ ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر آپ کچھ متوجہ نہ ہوئے۔ بہت دیر کے بعد توجہ فرمائی اور فرمایا کہ اس خیال سے وظیفہ پڑھنا شرک ہے کیونکہ اس میں اپنی ہی خواہش ہے۔ اگر خلیفہ ہو گیا تو کیا ہوا؟ کوئی قطعیت تو اس پر جنّتی ہونے کی نہیں وارد ہوئی۔ درویشی تو اس کا نام ہے کہ ہر فعل اور قول اور حرکت اور سکون رضائے الٰہی میں رکھے اور دل میں یہ تصور اور مقصود ٹھہرائے کہ اس حیاتی میں مقصود میرا خدائے تعالیٰ کو راضی کرنا ہے جس طور پر مولا راضی ہو، پھر خواہ جہادِ نفس سے، خواہ شب بیداری سے، خواہ نوافلِ صوم وصلوٰۃ سے [1] خصائل رذیلہ زائل کرنے اور عاداتِ [2] حمیدہ کو حاصل کرنا۔ مگر [3] علت غائی اس سے یہی ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اس خیال سے جب انسان عبادت کرتا ہے تو اس کی حالت قربِ الٰہی کے لائق ہو جاتی ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے عنایتِ الٰہی متوجہ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اوّل آسمان کے ملائکہ کو فرماتا ہے۔ ”کہ یہ میرا بندہ ہے، میں نے اس کو قبول کر لیا ہے تم بھی اسے قبول کرو۔“ حسبِ ارشاد وہ ملائکہ قبول کر لیتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے دوسرے آسمان کے ملائکہ کو کہ ”فلاں بندہ قبول کر لیا خدا تعالیٰ اور اوّل آسمان کے ملائکہ نے، تم بھی قبول کرو۔“ وہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ پھر تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ ”قبول کر

---

[1] بری عادتیں
[2] قابل تعریف عادتیں
[3] اصل مقصود

لیا اس کو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نے اول آسمان اور دوسرے آسمان کے، تم بھی قبول کرو۔'' چنانچہ وہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ پھر چوتھے آسمان کے ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ ''اس کو قبول کر لیا ہے اللہ تعالیٰ اور اوّل آسمان اور دوسرے آسمان اور تیسرے آسمان کے ملائکہ نے، تم بھی اس کو قبول کر لو۔'' حسب ارشاد وہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ پانچویں، چھٹے، ساتویں آسمان تک اسی طرح قبولیت ہوتی آتی ہے۔ پھر آواز دی جاتی ہے زمین میں کہ ''اے بندو! قبول کرلو اس بندے کو کہ قبول کر لیا ہے اس کو اللہ جَلَّ شانہ، نے اور اوّل اور دوسرے اور تیسرے اور چوتھے اور پانچویں اور چھٹے اور ساتویں آسمان کے ملائکہ نے۔'' چنانچہ حسبِ ارشاد وہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ پھر آواز دی جاتی ہے تمام حیوانات اور حجر اور شجر کو کہ ''قبول کرلو اس بندے کو کہ قبول کر لیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام مخلوقات نے۔'' پھر وہ بندہ قبول ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور جمیع مخلوقات اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔ یہ قبولیت، جس کے حصول کا مایہ رضائے الٰہی ہے، یہ اگر بتمامہ حاصل ہو جائے تب تو خلیفہ خدا تعالیٰ کا کہلاتا ہے۔ اور اگر کچھ قدرے حسبِ لیاقت جس قدر کہ مادہ رکھتا ہو انسان مرضیاتِ الٰہی میں کوشش کرے اسی قدر اس پر مقبولیت وارد ہوتی ہے۔ اور اگر اس کا کچھ شمہ[1] حاصل ہو تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس پر خلافت کا لفظ استعمال ہو جاتا ہے۔ مگر وہ بات حاصل جب ہی ہوتی ہے کہ اپنی رضا کو ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مضبوط پکڑے اور اپنے تمام حرکات وسکنات وارادات واقوال وافعال موافق رضائے الٰہی کے رکھے اور اُمید لقائے[2] اللہ تعالیٰ کی دل میں جمائے۔ یہ تو انسان کا حق ہے اور اگر اس کو کسب ٹھہرائے کہ لوگ میرے مرید ہوں اور میں فلاں کا خلیفہ کہلاؤں، اس میں اپنی رضا ہے اور یہ شرک ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ مِنْ مِّثْلِ هٰذَا الشِّرْکِ

(ترجمہ:۔ پناہ میں رکھے ہم کو اللہ ایسے شرک سے۔)

اس تقریر کو سننے کے بعد عجب قسم کی حالت پیدا ہو گئی اور ایک طرح کا سرور پیدا ہوا۔ اس وقت بندے کے دل میں ایک قسم کی حسن عقیدت بدرجہ کمال پیدا ہوئی اس واسطے بندہ نے خواہشِ بیعت کی۔ مگر دل میں خطرہ واقع ہوتا تھا کہ میاں صاحب میں اور تو ہر طرح کے کمالات جو تصوف کے متعلق ہیں پائے جاتے ہیں مگر ایک علمِ ظاہری نہیں۔ اسی تذبذب میں تھا کہ میرے منہ سے یہ لفظ

---

1. بہت کم
2. لقاء۔ دیدار۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار

نکلا کہ ''میاں صاحب! مجھے اپنی بیعت میں داخل کر لیجئے۔'' تو حضرت نے شکر خنداں ہو کر فرمایا ''آپ مولوی اور اہلِ علم ہو اور میں اَن پڑھ ہوں۔ آپ کو چاہیے کہ جو صوفی اہلِ علم ہو اس سے بیعت ہوں کیونکہ وہ آپ کے مناسب ہے اور مناسبت طبعی سے فائدہ ہوتا ہے۔'' آخر الامر میرے دل میں اس وقت یہی سمایا کہ انہیں سے بیعت ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ میں نے مکرر سہ کرر اصرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ظہر کی نماز کے بعد ہو جانا۔ میرے دل میں یہ بات آپ کی بہت خوش معلوم ہوئی اور کوئی وجہ اس کی نہیں تھی یہ خوشی محض آپ کے فرمان کے اثر سے تھی۔ مگر اس قدر صحبت سے یہ حالت معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کے معنی کی صداقت پوری ہوگئی۔ فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سال بُو دن در تقا

ترجمہ: سو سال پرہیز گاری میں گزارنے سے ایک لمحہ اولیاء اللہ کے پاس بیٹھنا افضل ہے۔

یہ دل چاہتا تھا کہ دنیا و مافیہا کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جائیں۔ چنانچہ انتظار میں تھا کہ ظہر کب ہوگی گویا کہ اشتیاق بڑھا جاتا تھا۔ آخر ظہر کا وقت بھی قریب آ گیا۔ جمعہ پڑھ کر جب مکان شریف پر آئے تو اب بھی نماز وظیفہ پڑھ کر دُرود خوانی میں مشغول تھے۔ آپ نے مجھے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ جب میں بیٹھ گیا تو آپ نے طریق معمول سے بیعت کیا اور کچھ وظیفہ فرمایا کہ یہ وظیفہ پڑھا کرو۔ مگر اس وقت میرے دل میں اثر نہ ہوا جو میں سمجھ رہا تھا کہ بیعت ہونے کے بعد تو کچھ نہ کچھ فقیری کی نشانی آ جائے گی۔ پھر میرا کچھ اور طرح کا حال ہو گیا۔ مغرب کے وقت جب رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ ''وظیفہ جو ہم نے بتلایا ہے اس کو پڑھتے رہنا۔'' اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ تھی کہ مجھے تو کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ میں نے بھی اس وقت غصہ میں آ کر کہا کہ ''میں ہرگز ہرگز کوئی وظیفہ نہیں پڑھوں گا، یہ اس قسم کے وظائف تو میں نے بہت کتابوں میں دیکھے ہوئے ہیں خصوصاً احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں۔ اگر یہی فقیری ہے تو پہلے سے ہی یہ تو ہمیں آتی ہے، ہاں اگر کوئی اور بات ہو تو البتہ وہ مجھے حاصل نہیں۔'' یہ سُن کر آپ فرمانے لگے ''اچھا تم پڑھنا تو سہی وہ بات بھی تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔'' میں نے کہا ''میں قصداً ہرگز نہیں

پڑھوں گا۔'' آپ نے بڑے تحمل سے فرمایا'' تمام بندوں کے دل مثل ایک دل کے ہوکر اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہیں[1] جس طرف چاہے اللہ تعالیٰ پھیر دے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا دل اپنی طرف پھیر دے۔'' چنانچہ آپ نے صورت بنا کر اشارہ کیا تو میرے دل میں کچھ یوں ہی سا درد ہوا مگر خفیف، میں نے سمجھا کہ شاید کھانا زیادہ کھانے سے ہے۔ جب ہم ریل پر آئے تو مجھے ایک قسم کی غنودگی اور سکرت کی حالت ہوگئی۔ میں نے اپنے ہمراہی مولوی عبدالرحیم صاحب سے کہا کہ مجھے نیند غلبہ کر رہی ہے، میں تو کپڑا بچھا کر سو جاتا ہوں جب ریل آ جاوے تو مجھے جگا دینا مگر غلبہ سکرت کا اس قدر رہا کہ طبیعت بے بس ہوگئی۔ آخر ریل کے آنے پر جس طرح ہوسکا سوار ہوگیا۔ مگر اس وقت قلب میں سے کچھ آواز ذکر کی آنے لگی اور ایک عجیب قسم کی لذت اور محویت ہوگئی۔ ایک ہفتہ تک وہی حالت بدستور رہی۔ بعد ہفتہ جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ نمازیں قضا ہوگئی ہیں مگر جب نماز میں مشغول ہوتا تھا تو وہی حالت سکرت کی طاری ہو جاتی تھی۔ اسی طرح قریب تین ماہ کے ہوگئے۔ اسی لاچاری میں مجبور ہوکر نوکری سے استعفیٰ دیا اور انبالہ شریف چلا آیا۔ جب انبالہ میں آیا تو آپ نے فرمایا'' آ گئے ہو؟ جلدی نمازیں چھوڑ کر مست بن گئے۔ آؤ یہاں بیٹھو۔'' چنانچہ بندہ وہاں آپ کے قریب بیٹھ گیا تو آپ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے فرمایا'' نماز پڑھا کرو اور درُود شریف کی کثرت کیا کرو۔'' چنانچہ میں پڑھنے لگ گیا۔

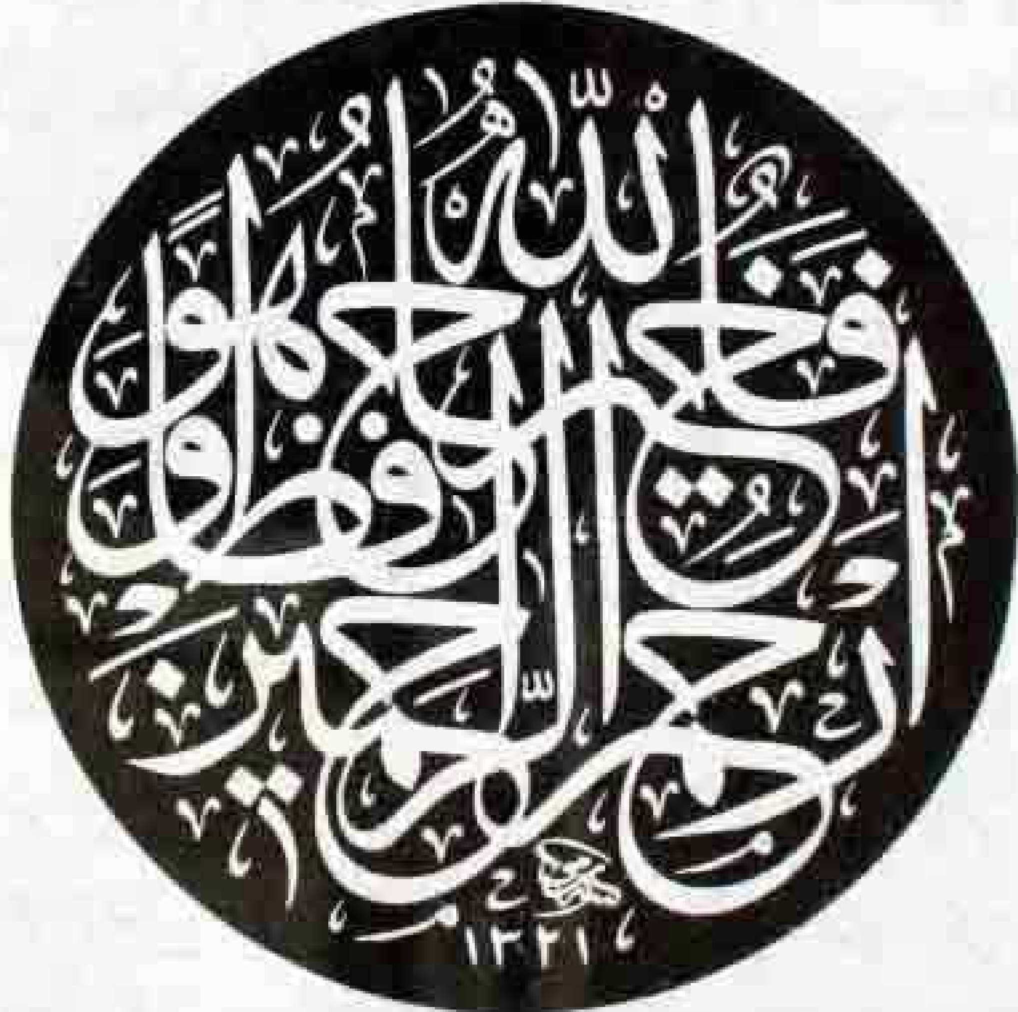
کچھ روز ہی گزرے تھے کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب شہر مظفر نگر کے میاں صاحب کو ملنے آئے۔ انہوں نے بندہ کا حال سن کر بہت تعجب کیا کہ آپ نے عالم ہوکر اس رہبانیت کو کیوں اختیار کیا ہے؟ یہ بہت ہی نامناسب ہے۔ بہت سی نصیحت کے بعد انہوں نے دو روپے اپنی گرہ سے کھول کر مجھے دیئے اور کہا لو یہ چندہ ہے اس کو رکھو اور مدرسہ اسلامیہ جاری کرو تا کہ اللہ کے واسطے یہ کارِ خیر بھی جاری رہے۔ یہ بات حضور میاں صاحب میں پہنچی۔ آپ نے بہت تامل اور فکر کے بعد ایک چونی دی اور فرمایا اچھا اگر خدا کو منظور ہوا تو یہ کام جاری رہے گا، ہمارے پاس تو یہی توفیق ہے۔ ایک پیسہ میاں صاحب کے درویش حاجی محمد شاکر نے دیا۔ آپ نے سیّد یوسف علی شاہ صاحب کو، جو آپ سے بہت اُنس رکھتے تھے اور آپ اکثر کام میں ان سے رائے لیتے اور اکثر کام انہیں کے

---

[1] یہ حدیث مبارک کے الفاظ ہیں۔

سپرد کر دیتے تھے، یہ کام بھی ان کے سپرد کیا۔ انہوں نے بندہ کی تنخواہ مقرر کی اور کام مدرسہ کا جاری ہو گیا۔ طلباء بیرونی قرآن شریف اور کتابوں کے پڑھنے والے آنے لگے۔ ایک حافظ مقرر ہوا اور ایک مدرس فارسی کا ہو گیا۔ فقیر کو علومِ عالیہ کی تعلیم اور فتویٰ نویسی کے واسطے مقرر کیا گیا اور تو کلی مدرسہ خوب جاری ہوا۔ ایک رونق اسلامی ظہور میں آئی۔ حضرت اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتے تھے اور جب قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنتے تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ نور موجیں مار رہا ہے اور بڑی لذت آتی ہے۔ یہ وجہ فقیر کے گیارہ برس حضرت کی خدمت میں رات دن ٹھہرنے کی ہوئی۔ اب آگے حالات حضرت کے اور سوانح تحریر کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب (ترجمہ:۔ ذاتِ باری کے سوا مجھے کوئی طاقت نہیں، اسی پر میرا بھروسہ اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے)

العبد خادمِ شریعت محبوب عالم ابوالہاشم محبوب عالم عفی عنہ





مُبادِی کتاب

کیوں دِگر گوں ہے الٰہی آج رنگِ آسمان — کیوں ہے وقفِ تیرہ روزی اس قدر سارا جہاں
ہرطرف چھائی سیہ بختی یہ کیا اندھیر ہے — شامتِ اہلِ زماں ہے ہر بلائے ناگہاں
ہائے کل تک باغِ عالم تھا شگفتہ باغ باغ — ہو رہا ہے آج کیوں پامال بیدادِ خزاں
کل خوشی سے شاخِ گل پر نغمہ زن تھی عندلیب — آج خارستان میں با صد رنج و غم ہے نوحہ خواں
کل تو تھا نرگس کی آنکھوں میں قیامت کا خمار — آج اندھی ہو گئی لُطفِ نظر بازی کہاں
کل شرابِ عیش سے لبریز جامِ لالہ تھا — آج جامِ لالہ ہے یا کوئی چشمِ خوں فشاں
کل چمن جوشِ گل وسوسن سے تھا رشکِ ارم — آج وہ گل ہے نہ وہ سوسن نہ کوئی باغباں
کل تو تھے مستِ خرامِ ناز طاؤس و تدرو — آج بدمستی میں ہیں زاغ و زغن شادی کناں
یہ ہوا کیسی چلی آیا یہ کیسا انقلاب ! — اہرمن ہے مدعی مَیں ہوں سُلیمانِ زماں
شامتِ اعمال ہے ورنہ معاذ اللہ کہیں — کفر باطل بھی ہوا ہے دینِ حق کا ہم زماں
چھا رہی ہے اک اُداسی جس طرف کیجئے نظر — یاس وحرماں کا ہے عالم درد وحسرت کا ساماں
کون سا گُل اُٹھ گیا ہے گلشنِ آفاق سے — رو رہی ہیں جس کو ساری بلبلیں سب قمریاں
کون سی شمعِ فروزاں ہو گئی گُل یک بیک — اڑ رہا ہے بزمِ عالم میں جو سَرتا سَر دھواں
کس بہارِ باغِ خوبی کو فرشتے لے گئے — رونق دنیا مٹا کر سوئے گلزارِ جناں
کون سی ذاتِ سراپا فیض اٹھی دہر سے ! — جس کے اٹھنے سے اٹھا فقر و تصوف بے گماں
جس کے اُٹھنے سے اٹھے فتنے قیامت آ گئی — وہ غضب ٹوٹا کہ یا رب الحفیظ والاماں
خشک سالی سے کہیں روتے ہیں سب چھوٹے بڑے — تنگدستی سے کہیں نالاں ہیں سب پیر و جواں

سوگ میں کس کے فلک نے نیلگوں پہنا لباس — چشمِ ہر اختر سے کیوں رنگِ شفق ہے خونچکاں
کیا ہُوا دل پر لگا کس کے غمِ رحلت کا تیر — جھک کے پشتِ پیرِ گردوں ہو گئی شکلِ کماں
ہو نہ ہو اس عارفِ حق کی ہے رحلت کا اثر — جس کی ذاتِ پاک تھی کہف و ملاذِ انس و جاں
شمعِ بزمِ قربِ مطلق مظہرِ انوارِ غیب — پیرِ روشن دل توکّل شاہ حق بیں حق نشاں
نخلِ گلزارِ ریاضت سروِ بستانِ سلوک — زیبِ قصرِ لِیْ مَعَ اللّٰہ نقشبندِ طاقِ جاں
ہادیٔ دیں واصلِ حق محرمِ رازِ ازل — اصلِ ایماں کانِ عرفاں عینِ وجداں جانِ جاں
اُس کے لنگر خانہ سے مخلوق پاتی تھی طعام — سامنے اس کے اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ کا تھا خواں
اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یُرْزَقُوْنَ اک اس کا وصف — اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یُمْطَرُوْنَ اک اُس کی شاں
دیکھنے میں اس کے بِیْ یَبْصُرُ کی تاثیرِ نگاہ — بولنے میں اس کے بِیْ یَنْطِقُ کا اعجاز بیاں
اس کے دستِ پُرسخا تھے درِّ بِیْ یَبْطِشُ کا بحر — اس کے گوشِ حق شنو تھے نقدِ بِیْ یَسْمَعُ کی کاں
ہر دعا میں اس کی تھی خاصیتِ رَدِّ قضا — ہر ادا سے اس کے آثارِ ولایت تھے عیاں
اس کے قدموں کی بدولت ہوگیا پایہ بلند — سرزمینِ شہرِ انبالہ ہے رشکِ آسماں
اہلِ دل کو تھا عبادت اس کا دیدارِ جمال! — ہائے آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اب وہ صورت ہے کہاں
باغِ دنیا سے گیا وہ طائرِ گلزارِ قُرب — ہم صفیرانِ چمن کو چھوڑ کر گرمِ فغاں
کیوں نہ برپا ہو قیامت کیوں نہ اب فتنے اٹھیں — اٹھ گئی وہ ذات جو تھی مصدرِ امن و اماں
جب وہ یکتا اٹھ گیا سب نے پڑھا سالِ وصال — محوِ رازِ ھُوْ توکّل شاہ علّیین مکاں
۱۳۱۵ھ
ہائے افسوس اب سکھائے کون اطوارِ سلوک — وا دریغا اب بتائے کون اسرارِ نہاں
وائے قسمت کہہ کے چپ رہیے کسے دکھلایئے — دیدۂ خونبار و جانِ مضطر و قلبِ تپاں
ہائے گیا کہہ کر تسلی دوں دلِ بے تاب کو! — کر دیا ہے دردِ فرقت نے گھُلا کر ناتواں
جی بہلنے کی کوئی صورت نظر آتی نہیں — خانہ دل میں ہے یاس و حسرت و غم کا مہماں
ہاں مگر اس طرح شاید کم ہو دل کا اضطراب — ذکرِ جاناں میں ذرا ہو جایئے رطب اللّساں
بس مناسب ہے مزا دے جائے گی ہاں چھیڑیئے — ہجر کی شب میں وصالِ یار کی کچھ داستاں
پڑھ کے بسم اللہ کچھ ناز و نیازِ حسن و عشق — کچھ وقار و شوقِ محبوب ومُحِبّ کیجئے بیاں

امحدثی با ولاک کیف اولا کا
کرو حدیثهم جعلت فدا کا

باب اوّل

اس میں دو فصلیں ہیں۔

فصل اوّل:۔حلیہ شریف وغیرہ۔ فصل دوم:۔ابتدائی حالات

فصل اوّل۔حلیہ شریف وغیرہ

حلیہ شریف: قد موزوں حضور کا میانہ، جسم بھاری بھرا ہوا فربہ اندام، چوڑا سینہ، ہاتھ پاؤں مضبوط قوی ہیکل، صاحبِ رُعب وداب۔موئے سر سیدھے نرمہ گوش تک دراز، داڑھی گنجان، ابرو باریک خمدار ہلال کی طرح، پیشانی نورانی فراخ، بنی سیف یعنی بہت موزوں، رخسارے بھرے ہوئے آنکھیں بڑی بڑی اور بادۂ وحدت سے مخمور، رنگ سرخ وسفید مثل دانہ انار۔

لباس: حضور اکثر کرتہ بہت نیچا اور کوٹ ہندوستانی قطع کا پہنتے تھے اور عربی طرز کا تہ بند باندھتے تھے۔سر پر کبھی سپاہیانہ وضع کا اور گاہے عالمانہ انداز کا عمامہ ہوتا تھا اور موسمِ سرما میں اکثر کنٹوپ۔ لباس عموماً حضور سفید پسند فرماتے تھے، رنگین یا گیروا لباس آپ کے بدن مبارک پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔

وطن: حضور علیہ الرحمتہ کے وطن مبارک کی نسبت ایک روز میں نے دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ ہمارا گھر موضع پکھوکی میں ہے جو ضلع گورداسپور میں موضع رتر چھتر اور ڈیرہ بابا نانک کے درمیان واقع ہے۔ بعد ازاں میں نے خود اس مقام کو تحقیق کیا تو دراصل اسی جگہ حضور کا وطن ثابت ہوا۔منشی نور احمد صاحب مولّف تذکرہ تو کلّیہ نے صحیح لکھا ہے۔اور لوگوں نے جو مختلف روائتیں نقل کی ہیں وہ نا قابلِ اعتبار ہیں اور جب میں خود اپنے پیشوا کی زبانی تصحیح کر چکا ہوں تو پھر کیا شک باقی رہا؟

تربیت و پرورش: حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی پرورش حضور کے نانا صاحب میاں اللہ دین

شاہ مست نے کی ہے جونوشاہی طریق کے بڑے باخدا اور صاحبِ نسبت درویش تھے۔اور حضور کے والدین نہایت لخورد سالی میں جاں بحق تسلیم کر چکے تھے۔

نام مبارک: بعض کہتے ہیں کہ حضور کا نام کریم شاہ تھا اور کئی کہتے ہیں کہ والدین نے مستان شاہ نام رکھا تھا مگر حضور کے اصلی نام کی پورے طور پر کچھ صحت نہیں ہوئی۔حضرت خواجہ قادر بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خلقی وطبعی توکل آپ کی طبیعت میں دیکھ کر توکّل شاہ نام رکھا تھا۔یہ اختلافات جو بعض لوگوں نے نام کے بارے میں کئے ہیں فقط افواہیں ہیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں۔بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام مبارک یعنی توکّل شاہ والدین ہی کا رکھا ہوا ہے۔

نسب کی بابت نہ ہم کچھ لکھتے ہیں اور نہ ضرورت ہے کیونکہ بظاہر پنجاب میں شاہ کا لفظ سیّد پر مستعمل ہوتا ہے۔اور یہاں ایک مقبول ولی اللہ کے سوانح لکھے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بزرگوں کے حالات کا معرضِ تحریر میں لانا مقصود بالذّات ہے جس کے مقابلہ میں ذات وصفات کی خصوصیت بالکل مفقود ہے ؎

ذات بھانت نہ پوچھے کو   ہر کو بھجے سو ہر کا ہو

بلکہ اِسی ذات وصفات کے فانی ہونے سے وصلِ الٰہی حاصل ہوتا ہے پھر اس کی بحث فضول عندالفحول ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ؎

لَیْسَ الشَّرِیْفُ شَرَائِفَ الْمَالِ وَالنَّسَبِ
اِلَّا الشَّرِیْفُ شَرِیْفَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ

شریف وہ نہیں جو مال اور نسب کی وجہ سے شریف ہے بلکہ اصلی شریف وہ ہے جو علم وعمل کی وجہ سے شریف ہو۔

لَیْسَ الْغَرِیْبُ غَرِیْبَ الدَّارِ وَالْوَطَنِ
اِلَّا الْغَرِیْبُ غَرِیْبَ اللَّحْدِ وَالْکَفَنِ

گھر اور وطن سے نکلا ہوا غریب نہیں ہوتا، درحقیقت غریب وہ ہے جو گور وکفن میں غریب ہے۔

لے چھوٹی عمر۔

فصل دوم ---------- ابتدائی حالات

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضور کے وطن مبارک کا یا آس پاس کے کسی اور گاؤں کا ایک معزز زمیندار انبالہ شریف آیا جس کے ساتھ دو ایک آدمی اور بھی تھے۔ وہ مُسن[1] آدمی تھا۔ کہنے لگا کہ جب آنحضور کو بچپن سے ذرا ہوش آیا تو آپ کو دیکھا کہ مسجد میں یا اور جگہ جہاں اچھے آدمی ہوتے یا ذکرِ خدا جس جگہ ہوتا وہاں بیٹھا کرتے اور نماز پڑھا کرتے۔ جو نہ پڑھتا اس کو فرمایا کرتے کہ نماز نہ چھوڑا کرو یہ بڑی اچھی نعمت ہے۔ تمام لوگوں کو آپ کی باتیں پیاری معلوم ہوا کرتی تھیں اور فرطِ محبت سے ہم آپ کو گود میں اٹھائے لئے پھرا کرتے تھے۔ حالت مستانہ سی اور صورت پیاری تھی۔ میں نے سات برس کی عمر میں آپ کو نماز پڑھتے دیکھا، کبھی کسی وقت کی قضا نہ ہونے دیتے تھے۔ پھر وہاں سے چلے آئے کچھ خبر نہ لگی کہ کہاں ہیں۔ پھر وہ زمیندار حضور علیہ الرحمتہ سے ملا۔ حضور نے اس کو پہچان لیا اور حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کو اس نے پہچان لیا۔ زمانہء طفلی کی باتیں وہ بہت کرتے رہے میں نے اس وقت عرض کیا کہ حضور میاں جی عبدالقادر صاحب تو کہتے تھے کہ حضور سے بچپن اور اوائل میں نماز نہیں پڑھی گئی مگر ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سات برس کی عمر سے برابر ادا فرماتے رہے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ہماری یاد بھی یوں ہی ہے کہ جب سے مجھے ہوش ہے نابالغی سے لے کر میں نے کوئی نماز قضا نہیں کی اور یہ ٹھیک کہتے ہیں ہم ان کے پاس رہے ہیں۔ اور نیز میاں جی عبدالقادر صاحب کی زبانی کُتّے والا قصّہ جو لوگوں نے لکھا ہے یہ بھی غلط ہے۔ میں نے اس قصہ کی بابت بھی حضور علیہ الرحمتہ سے دریافت کیا تھا اور آپ نے اس کی تردید فرمائی تھی۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ ہم کو بچپن سے یہ عادت تھی کہ جہاں کہیں کسی اچھے بزرگ کو سنتے وہیں

[1] عمر رسیدہ۔ بوڑھا

چلے جایا کرتے۔ اسی طرح پھرتے پھراتے ہم اجمیر شریف چلے گئے اور خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ ﷺ خواجہ معین الحق والدّین کے روضہ شریف پر عرصہ تک وہاں رہتے رہے۔ وہاں ایک مولانا صاحب تھے جو ایک حجرے میں گوشہ نشین رہتے تھے اور کسی سے نہیں ملا کرتے تھے۔ ہم ان کی خدمت کرنے لگے، ان کو پانی لا دیا کرتے وضو کرا دیا کرتے، غرض ان کی صحبت میں رہتے۔ ایک روز روضہ شریف پر قوالی ہو رہی تھی۔ لوگوں نے مولانا صاحب کو بلایا کہ آپ مجلسِ سماع میں تشریف لائیے۔ آپ نہ گئے اور فرمایا! میرے عشق کے جوش کو تم برداشت نہ کر سکو گے۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ تم مولانا صاحب سے عرض کرو، تمہارے کہنے سے چلے آویں گے۔ میں نے بھی جا کر عرض کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا بیٹا! میں تو چلا جاؤں گا لیکن میرے جوش کو کوئی برداشت نہ کر سکے گا، میرے عشق سے زمین کانپتی ہے۔ مگر میرے بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ خیر میں تمہارے کہنے سے چلا چلتا ہوں۔ آخر قوالی میں شریک ہوئے اور قوالی شروع ہو گئی تو آپ کو جوش آ گیا اور کھڑے ہو کر ایک نعرہ اِلَّا اللّٰہ کا مارا۔ تمام اہلِ مجلس اور قوال بے ہوش ہو کر گر پڑے اور آپ اچھل کر پیچھے جا پڑے۔ بعد ازاں حجرے میں تشریف لائے۔ جب میں حاضر ہوا تو فرمایا ہم پہلے نہ کہتے تھے کہ ہمارے عشق کے جوش کو وہ نہیں سنبھال سکیں گے، اگر دوسرا نعرہ مارتا تو تمام جل کر خاک سیاہ ہو جاتے۔ مولانا صاحب کی عادت تھی کہ حجرہ کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا کرتے تھے اور کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد مولانا صاحب نے ہمیں کلمہ شریف کی ترکیب سکھائی اور عجیب لذت و کیفیت اس میں آتی رہی اور ہماری یہ حالت ہو گئی کہ جب وہ وقت آتا جس وقت کہ مولانا صاحب نے ہمیں کلمہ شریف سکھایا تھا تو خود بخود ہی کلمہ شریف اندر جاری ہو جاتا تھا۔ ان کا فیض چشتیہ طریق کا تھا اور ہمیں وہیں سے چشتیہ طریق کا فیض حاصل ہوا تھا۔ پھر ان مولانا صاحب کو خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی روح مبارک سے حکم ہو گیا کہ تم بصرہ کے قطب ہو گئے وہاں چلے جاؤ۔ وہ چلے گئے، تو ان کے چلے جانے کے بعد ہماری طبیعت بھی وہاں نہ لگی اور روح پر فتوح خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ہم کو خواب میں ارشاد ہوا کہ تم خاندانِ نقشبندیہ کے صاحبِ طریقت و ہدایت ہو گے، نقشبندی سلسلہ سے فیض حاصل کرو۔ ہم وہاں سے اسی طرف کو چلے آئے اور تلاش میں تھے کہ کہاں جائیں اور کس سے بیعت ہوں۔ ایک روز ایک جگہ ہم کو ایک مست ملا۔ اس نے کہا کہ تم جہان خیلاں جاؤ چنانچہ ہم اسی

طرف چل دیئے۔ جب جہاں خیلاں کے قریب گئے تو ایک عورت مجذوبہ ملی۔ اس نے کہا آ گئے ہو جاؤ آفتابِ ہدایت کے غروب کا وقت قریب آ گیا ہے جلدی اپنا حصہ لے لو۔ ابھی ہماری عمر گیارہ سال کی تھی یا بارہویں میں قدم تھا۔ داڑھی مونچھ کچھ نہیں آئی تھی۔

چنانچہ ہم شمسِ عرفانی حضرت خواجہ قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ہمیں پیار کیا اور بیعت کر کے فرمایا ''توکل شاہ! وقت تھوڑا رہ گیا ہے، اکو واری کہ کیاری[1] کیاری؟'' میں نے عرض کیا ''حضور! اکو واری ٹھیک ہے، کیاری کیاری میں دیر لگتی ہے۔'' حضور نے توجہ دی اور اس قدر غلبہ فیض کا ہوا کہ ہماری ناک سے خون بہنے لگا اور ہم بے ہوش ہو گئے۔ جب حضور نے دیکھا کہ ناک سے خون آ گیا ہے تو کچھ تھوڑا سا فیض کھینچ لیا تب ہمیں ہوش آیا۔ پھر ہم کچھ عرصہ وہاں رہے بعدہٗ انبالہ رہنے کی اجازت ہو گئی۔ ہم انبالہ چلے آئے۔ کبھی کسی مسجد میں پڑے رہتے، کبھی نند سنگھ کے باغ میں اور اکثر قبرستان میں رہا کرتے۔ جب طبیعت چاہتی حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلے جاتے، وہاں رہتے پھر چلے آیا کرتے۔ آخر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم کو اجازت بیعت کرنے کا بھی ارشاد فرمایا۔

ایک روز ہم نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ وہ صحیح نکلا اور خبر لگی کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال واقعی ہو گیا ہے۔ ہم وہاں گئے تو چہلم پر تمام خلفاء کو دستار بندی ہوئی مگر مجھ کو کم سن سمجھ کر کسی نے دستار نہ دی۔ مجھ کو اس بات کا فکر ہوا کہ مجھے کسی نے نہ پوچھا۔ اسی فکر میں باہر جنگل میں چلا گیا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ کچھ سکرت طاری ہوئی۔ دیکھا کہ ایک بڑی لمبی دستار کا پلہ عرش سے اتر کر میرے پاس آیا اور آواز آئی کہ اس کو باندھ لو آپ کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عرش سے دستار آئی ہے۔ پھر میں نے اس کو باندھنا شروع کر دیا اپنے سر پر۔ اتنی لمبی دستار تھی کہ باندھے گیا مگر وہ ختم ہونے میں نہیں آتی تھی۔ جب میں بہت ہی باندھ چکا تو آخر تھک کر اس کو باندھنا چھوڑ دیا پر وہ ختم نہ ہوئی۔

فرمایا بعد وصال حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالخالق و حضرت خالقداد صاحب بہت ہی کم سن تھے۔ لاچار ہم کو ان کی پرورش کی فکر ہوئی اور ہم وہیں رہنے

---

[1] یعنی فیض رفتہ رفتہ دیں یا ایک ہی بار دے دیں۔

لگے۔ ان کے تمام کاروبار کی خبر گیری رکھتے اور کھیتی وغیرہ کو دیکھتے رہتے اور جناب عبدالخالق صاحب کو ہر جگہ اٹھائے پھرتے۔ یہ ہمارے ساتھ بہت پرچ[1] گئے تھے۔ جب ذرا سیانے ہو گئے تو پھر ہم ان کو ساتھ لے کر یہاں انبالہ ہی چلے آئے اور ان کو پڑھوانے لگے۔ جب تک ہم جہان خیلاں شریف میں رہے یہ ہمارا معمول تھا کہ جب تک حساب کر کے تین چار آنے کا ہر روز کام نہ کر لیتے ہم لنگر میں کھانا نہ کھاتے اور اگر کوئی کام نہ ہوتا تو گھاس کھود کر لایا کرتے۔ اور جناب عبدالخالق صاحب کو گودی میں اٹھائے پھرا کرتے اور ان صاحبزادے کو بھی ہم سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ جب کہ ان کی عمر بہت کم تھی اور ابھی بچے ہی تھے میں ان کو گودی میں اٹھائے اور سر پر گھاس کا گٹھہ لئے ہوئے مکان پر آیا۔ مکان کے اندر جا کر ہم نے ان صاحبزادے صاحب کو تو نیچے بٹھا دیا اور آپ گھاس کا گٹھ لئے ہوئے اندر ڈالنے کے واسطے چلے۔ دروازہ بہت تنگ تھا۔ بڑی دقت اور مشکل کے بعد ہم اندر گھاس لے کر گئے۔ ادھر حضرت عبدالخالق کو ضِد ہو گئی کہ گھاس کا گٹھہ پھر باہر لا کر اور اسی طرح سر پر گھاس اور گودی میں مجھے لے کر اندر جائیں تو میں راضی ہوں۔ بچوں والی ضد تھی۔ بمجبوری بڑی مشکل سے گھاس باہر لائے اور ان کی مرضی کے موافق سر پر گھاس اور گودی میں ان کو لے کر نہایت مشکل سے اندر جا کر گھاس ڈالی۔ ہم اس طرح صاحبزادوں کی دلجوئی کرتے اور ایسی محبت سے ان کی پرورش میں لگے ہوئے تھے۔

پھر فرمایا کہ اکثر ہمارا دل جنگل میں یا قبرستان میں لگتا اور ہم یہاں سے جنگل کی طرف ڈیرہ بسی کے پاس اور اس سے آگے پہاڑوں وغیرہ میں چلے جایا کرتے۔ جب ذرا جذب سے افاقہ ہوتا پھر چلے آتے۔ حضرت شاہ لکھی صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالرسول صاحبؒ میں ہم بہت بیٹھا کرتے اور فیض لیا کرتے۔ ان دونوں بزرگوں کی ارواح فرمایا کرتیں کہ تم یہیں ہمارے پاس رہا کرو مگر جب ہمارا دل اکھڑتا پھر اکثر جنگل کو چلے جایا کرتے۔

نقل معتبر ہے کہ بعد وصال حضرت خواجہ[2] صاحب علیہ الرحمۃ ہمارے حضرت شاہ[3] صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدت تک سلسلہء بیعت جاری نہ کیا۔ جو کوئی بیعت ہونا چاہتا اسے حضرت[4]

---

[1] مانوس ہو گئے۔
[2] حضرت خواجہ قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے۔
[3] حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ۔
[4] حضرت حاجی محمود جالندھری رحمۃ اللہ علیہ۔

حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ، اپنے دادا پیر، سے بیعت کرا دیتے کیونکہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اکثر دفعہ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ہی آ کر رہا کرتے تھے۔ یا خلیفہ عالم شاہ صاحب، اپنے پیر بھائی سے بیعت کرا دیتے۔ مگر بعد بیعت کرنے کے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ نام اللہ کے مست سے ہی سیکھنا۔ چنانچہ حضور نے سب سے پہلے نامِ خدا خلیفہ مظفر علی خاں کو بتایا لیکن بیعت ان کو بھی حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ہی کرا دیا تھا۔

نقل معتبر ہے کہ پہلے مدت تک حضور علیہ الرحمۃ عرس میں جہان خیلاں شریف جا کر شریک ہوتے رہے مگر جب وہاں خلقت کا ہجوم وانبوہ زیادہ ہونے لگا تو آپ کی طبیعت میں گھبراہٹ ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا مست اب انبالہ ہی میں اپنے پیر کا ختم دلا دیا کرو چنانچہ حضور علیہ الرحمتہ نے حسبِ فرمان اسی جگہ انبالہ میں خواجہ صاحب کا ختم شروع کر دیا۔ پہلے پہل تو بہت تھوڑے سرمایہ سے یہ ختم شروع ہوا تھا پھر خدائے تعالیٰ کے فضل سے کئی کئی دیگیں پکنے لگیں۔ جب یہاں بھی وہی ہجوم ہونے لگا تو آپ گھبرا کر شاہ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں چلے جایا کرتے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ہجوم دیکھ کر فرمایا مست ابھی گھبراتے کیوں ہو، یہ ختم قیامت تک جاری رہے گا۔ پھر اس ختم میں حضور کے بڑے بڑے پیر بھائی، خلفاء اور صاحبزادہ صاحب اور خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شریک ہوتے اور اس عرش کی دستار والے کے پاس سب آتے اور کئی کئی روز تک رہتے۔ قِسم قِسم کے کھانے کھاتے اور صاحبزادگان کو نذرانے ملتے اور پارچات بھی بعض وقت دیئے جاتے۔ پھر عرشی دستار کا ظہور شروع ہوا اور رونق ترقی پر ہوئی۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ پھر ایک دفعہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک سے حکم ہوا کہ تم لوگوں کو بیعت کیا کرو اور فیض پہنچاؤ تو ہم نے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ جب کبھی ہم چھاؤنی انبالہ جایا کرتے تو وہاں جو ایک مست مجذوبہ عورت تھی وہ ہمیں دیکھ کر کہا کرتی کہ اس لڑکے کی شادی کا مجھے بڑا فکر ہے۔ ہم حیران ہوا کرتے کہ اسے ہمارا کیوں فکر ہے حالانکہ ہمیں تو خیال تک نہیں۔ مگر جب ہمارا نکاح چھاؤنی انبالہ میں ہو چکا تو معلوم ہوا کہ یہ اس مجذوبہ کا تصرف تھا۔

نقل صحیح ہے کہ اوائل میں ایک دفعہ کئی وقت فاقے میں گزر گئے یہاں تک کہ حضرت صاحب

رحمۃ اللہ علیہ میں کسی قدر ضعف کا احساس ہونے لگا۔ حضور شاہ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جا کر مراقب ہو گئے۔ بعد مراقبہ جب خانقاہ سے باہر تشریف لائے تو لیٹ رہے اور لیٹنے کے ساتھ ہی غشی ہو گئی۔ بہت دیر کے بعد ہوش آیا تو درویشوں سے فرمایا کہ بے ہوش ہونے کے وقت ہماری زبان سے کیا لفظ نکلا تھا؟ انہوں نے کہا کہ لفظ اللّٰہُ نکلا تھا۔ فرمایا خیر ہو گئی۔ جب ہم بے ہوش ہو گئے تو ہماری روح اُڑی اور چلی آسمانوں پر، دور چلی گئی یہاں تک کہ جس جگہ رزق کا خزانہ ہے وہاں پہنچی اور اس کے دروازے پر روح کی ٹکر لگی اور اس کا کنڈا کھل گیا۔ اب یقین ہے کہ روزی کھل گئی۔ پھر آپ خانقاہ شاہ عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ کے اندر جا کر مراقب ہو گئے مگر آپ نے درویشوں کو حکم دیا کہ باہر کا کنڈا بند کر دو کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا درویشوں نے اسے اندر آنے سے روکا۔ اس نے بڑی عاجزی سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ اس کی عاجزی دیکھ کر درویشوں نے کنڈا کھول دیا۔ بعد مصافحہ اور دست بوسی اس نے پچیس روپے نذرانہ کے طور پر پیش کئے۔ آپ نے ان کی طرف نہیں دیکھا اور یہ سمجھ کر کہ یہ پیسے ہوں گے درویشوں کو حکم دیا کہ جاؤ تم ان کی روٹی کھالو۔ انہوں نے عرض کی حضور یہ تو روپے ہیں۔ آپ نے دو روپے گھر بھیج دیئے اور باقیوں کیلئے حکم دیا کہ ان کا کھانا پکا کر اللہ تعالیٰ کے واسطے کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ اور اس میں سے کچھ ہمیں بھی دینا۔ پھر آپ نے اس نذر لانے والے کو بلا کر اس کا حال پوچھا۔ وہ کہنے لگا حضور میں جگادھری کی تحصیل میں خضر آباد سے پرے رہتا ہوں اور گھاس بیچ کر اپنا گزارہ کیا کرتا ہوں۔ روزمرہ ایک پیسہ یا کبھی زیادہ جو میں نے مقرر کیا تھا حضور کی نذر کا ایک کیسہ میں ڈالا کرتا تھا۔ اب میں یہ روپے جو جمع ہو گئے تھے لایا ہوں اور دو روز کے گزارہ کا خرچ دے آیا ہوں۔ اس عرصہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا پھر گھر کی خبر لے لوں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے عین حلال روزی ہم کو پہنچائی اور اس شخص کے واسطے دعا کی کہ خداوند! اس کی تنگی اور بھوک دور کر دے۔ (چنانچہ میرا مشاہدہ ہے کہ وہ شخص اس وقت سے بہت فراغت کی حالت میں ہے۔ اب گھاس کھودنے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اور لوگ اس کے گھاس کھودنے والے ہو گئے ہیں۔ زمین بھی اس کے پاس بہت ہے اور مال بھی ہے اور صاحبِ اولاد بھی ہے۔)

باب دوم

توکّل

اس میں چھ فصلیں ہیں۔

فصل اوّل: مذمت دنیا
فصل دوم: رزقِ حلال
فصل سوم: انقطاع عن الخلق[1]
فصل چہارم: رسمی پیروں فقیروں کو نصیحت
فصل پنجم: استغنا و شکر
فصل ششم: توکّل

فصل اوّل ______ مذمتِ دنیا

حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی عادت مبارک تھی کہ کھانا کھاتے ہوئے داہنے ہاتھ کی انگشت سبابہ[2] کو لقمہ سے علیحدہ فرما لیا کرتے تھے۔ میں نے بارہا اس کی حقیقت دریافت کرنی چاہی مگر کوئی وقت نہ ملا۔ مدت کے بعد ایک روز جب کہ حضور بہت ہی خوش وقت تھے، میں نے پیر جی عنایت حسین صاحب مرحوم لدھیانوی کو اس امر کا راز دریافت کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمانے لگے اس کا بڑا عجیب قصّہ ہے۔ لو تم کو سنا ہی دیتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حالتِ سکرۃ میں مکاشفہ ہوا۔ دیکھا کہ ہم ایک جنگل میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہے اور ہزارہا مولوی و عامل اور طرح طرح کے لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھے ہیں۔ کوئی کچھ پڑھ کر اس کی طرف پھونکتا ہے، کوئی منتر پڑھتا ہے، کوئی تعویذ گنڈے کر رہا ہے، غرضیکہ سب ان حیلوں سے چاہتے ہیں کہ یہ عورت ہماری طرف نظر کرے اور

---

[1] لوگوں سے علیحدگی اور دوری۔ گوشہ نشینی
[2] شہادت کی انگلی

متوجہ ہو مگر وہ کسی کی طرف نہیں دیکھتی اور نہ متوجہ ہوتی ہے۔ اگر توجہ کرتی بھی ہے تو تھوڑی سی متوجہ ہوتی ہے اور اگر دیکھتی ہے تو کن انکھیوں سے دیکھتی ہے۔ ہم بھی جا کر وہاں دیکھنے لگے اور پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ مگر کسی نے جواب نہ دیا اور سب اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ ہم نے جو دیکھا کہ یہ عورت ہے تو اس خیال سے کہ عورت کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، ہم وہاں سے چلے آئے۔ وہ بھی ہمارے پیچھے پیچھے چلی اور کہتی رہی کہ حضرت آپ کیوں تشریف لے چلے؟ ٹھہریں، میں آپ کی خدمت گزار اور فرماں بردار ہوں، جس طرح آپ حکم دیں گے میں ویسے ہی بجالاؤں گی۔ ہم نے ایک نہ سنی اور وہاں سے بھاگے۔ پیچھے وہ بھی بھاگی چلی آئی مگر ساتھ ہی یہ کہتی چلی آتی تھی کہ اگر آپ حجرے میں تشریف لے جائیں گے تو آپ کی خدمت گزاری کے واسطے میں بھی وہیں حاضر ہوں گی، یہاں تک کہ ہم حجرے میں چلے آئے اور اس کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ بھی سوراخوں کے ذریعے سے حجرے کے اندر چلی آئی۔ ہم ہر چند اسے نکالنا چاہتے تھے مگر وہ نہ نکلتی تھی۔ آخر ہم نے یہ انگلی مار کر اسے باہر نکال دیا۔ وہ حجرے کے دروازے کے پاس ہی باہر نکل کر بیٹھ گئی۔ پھر ہم نے پوچھا کہ تو کون ہے، اور تو ان لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور ہمارے ساتھ چلی آئی، اس کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا کہ میں دنیا ہوں اور وہ میرے عاشق تھے سو میں اپنے عاشقوں کو ہمیشہ ذلیل وخوار کیا کرتی ہوں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی خدمت میرے ذمے ہے سو میں اب یہاں باہر بیٹھ جاؤں گی اور آپ کی خدمت کروں گی اور یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تو وہ عرش کے نیچے ہزار برس تک سجدہ میں پڑی رہی۔ ہزار برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تجھ کو زمین پر بھیجتے ہیں تو وہاں جا کر ہمارا کیا کام کرے گی؟ اس وقت دنیا نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ خداوندا! جو میرے عاشق ہوں گے میں ان کو ہمیشہ ذلیل وخوار کروں گی مگر جو تیرے عاشق ہوں گے اور تیرا ذکر کریں گے خواہ وہ جنگلوں میں ہوں خواہ پہاڑوں کی کھوہ میں خواہ حجروں میں، غرض وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے میں ان کو وہیں سے تلاش کر کے ان کی خدمت کیا کروں گی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا پس یہی کام کرنا اور اسی واسطے ہم نے تجھ کو بنایا ہے (یہ اس حدیث شریف کا مضمون ہے اَلَآ وَاِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ۔ ترجمہ: تحقیق دنیا تمہارے لیے

لئے پیدا کی گئی ہے اور تحقیق تم آخرت کے لئے پیدا کیے گئے ہو۔۱۲) اس تقریر کے بعد فرمایا کہ ہم نے جو اس کو دھتکار کر اور اس انگلی سے مار کر حجرے سے باہر نکالا تو چونکہ یہ انگلی اس کے بدن کو چھوئی تھی اس لئے ہمارا دل نہیں چاہتا کہ اس کو کھانے کی چیز پر لگائیں۔

اسی کے متعلق ایک روز فرمایا کہ ایک فقیر کسی پہاڑی پر رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک عورت دونوں وقت عمدہ سے عمدہ کھانے لاتی۔ جب وہ درویش کھانا کھا چکتے تو پانچ جوتے اس عورت کے سر میں مار دیا کرتے۔ ایک دفعہ کوئی اور فقیر بھی وہاں جا بیٹھا۔ وہ عورت اس کو بھی معمولی سا کھانا دینے لگی مگر اس درویش کے لئے نہایت عمدہ کھانے لاتی اور جوتے کھاتی۔ اس فقیر نے سوچا کہ شاید یہ عورت جوتے کھانے سے راضی ہوتی ہے، جو اس کے جوتے لگا دے اسی کو اچھا کھانا لا کر دے۔ آج آؤ ہم بھی جوتے لگا دیں تا کہ ہمیں بھی اچھا کھانا دیا کرے۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد یہ بھی جوتا اتارنے لگا۔ عورت نے کہا کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا تیرے سر میں ماروں گا۔ پوچھا کیوں؟ فقیر بولا اس واسطے تا کہ تو اس درویش کی طرح مجھے بھی اچھے کھانے دیا کرے۔ وہ بولی بس صبر! کر یہ اسی کا مرتبہ ہے اور وہ جوتے اسی کے ہیں جن کو میں کھاتی ہوں۔ میں رات دن اس کی اس قدر خدمت کرتی ہوں، مگر وہ بندۂ خدا میری طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ میں اس کی خدمت میں ہر صورت سے آئی، مال بن کر بھی آئی، گھوڑے بن کر بھی آئی، دھن دولت بن کر بھی آئی، غرض ہر رنگ میں آئی مگر وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس واسطے اب میں اپنے ہاتھ سے کھانے پکا کر اس کو کھلاتی ہوں۔ وہ عاشقِ خدا ہے میں اس کی خدمت گزار ہوں۔ جوتے کھاؤں گی اور اس کی خدمت کروں گی اور تیرے سر پر میں خود سوار ہوں۔ وہ دیکھ تیرے سر کی پگڑی میں جو اٹھنّی بندھی ہوئی ہے وہ میں ہی تو ہوں۔ میں عورت نہیں بلکہ میرا نام دنیا ہے۔ یہ کھانا بھی میں تجھے صرف اس واسطے دیتی ہوں کہ تو اس کا ہمسایہ ہو گیا۔ ورنہ تیرے جیسے میرے ہزاروں غلام ہیں جن کی طرف میں نے آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھا۔

اک نقطے نال یگانہ ہے　　اک نقطے بنا بگانہ ہے

ایک روز ارشاد ہوا کہ دنیا بہت ہی ردّی چیز ہے۔ اس کے واسطے دنیادار ناحق سرگرداں اور پریشان پڑے پھرتے ہیں۔ نقل ہے کہ کسی جگہ ایک درویش صاحبِ کمال رہا کرتا تھا۔ اس کے

ساتھ بہت سے مرید بھی تھے۔ بادشاہ کے ہاں سے ان کا وظیفہ مقرر تھا جو ہمیشہ ان کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ ایک دفعہ وزیر نے بادشاہ کو صلاح دی کہ ان درویشوں کو وظیفہ دینے سے ملک یا بادشاہ کو کوئی فائدہ نہیں۔ اگر یہ عبادت کرتے ہیں تو اپنے واسطے، ملک یا بادشاہ کو کیا فائدہ؟ بہتر ہے کہ ان کا وظیفہ بند کر کے اس وظیفہ سے فوج بڑھا دی جاوے۔ بادشاہ نے اس کی صلاح پر عمل کر کے ان کا وظیفہ بند کر دیا اور ان کو خبر کرنے کے واسطے آدمی بھیجا کہ تمہارا وظیفہ بند ہو گیا ہے، اپنے گزارہ کی تم خود صورت کرو۔ درویش صاحب نے کہا کہ کہاں سے ہمارا وظیفہ بند ہوا ہے، خدا تعالیٰ کی درگاہ سے یا بادشاہ کے ہاں سے؟ اس نے کہا بادشاہ کے ہاں سے بند ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کچھ پرواہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بند نہ ہو۔ خیر درویش اپنا گزارہ آپ کرنے لگ گئے۔ چند روز کے بعد بادشاہ کے پیٹ میں درد ہوا اور ہوا بالکل رک گئی، گوز ہرگز نہ آتا تھا۔ اس نے بہت سے معالجے کرائے مگر کسی سے آرام نہ ہوا۔ جب حد سے زیادہ تکلیف ہوئی کسی نے عرض کیا کہ حضور ان درویش صاحب سے دعا کرائیں شاید آرام ہو جائے۔ اس نے وہاں نوکر بھیجا کہ ان کو بلا لاؤ۔ درویش صاحب نے جواب دیا کہ اب ہم جس بادشاہ کے دروازے پر پڑے ہیں وہاں سے ہم کو آنے کی فرصت نہیں۔ آخر خود بادشاہ چارپائی پر پڑا ہوا وہاں پہنچا اور درویش سے عرض کیا۔ درویش صاحب نے کہا کہ اگر تم راضی ہو جاؤ اور تمہاری یہ تکلیف جاتی رہے تو کیا دو گے؟ بادشاہ نے کہا کہ جو حضور فرمائیں وہی دے دوں گا مجھے کسی طرح کا عذر نہیں، مگر میری جان بچ جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا ساری بادشاہی دے دو۔ اس نے منظور کر لیا۔ درویش صاحب نے کہا کہ اچھا لکھ دو اور وزیرا اور امراء وغیرہ کے اس پر دستخط کروا دو۔ اخیر بادشاہ نے اپنے قلم سے یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ اگر اس بزرگ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشے تو تمام سلطنت اس بزرگ کی مِلک ہے اور میں اس کا وظیفہ خوار رہوں گا اور اس پر سب کے دستخط کرا کے درویش صاحب کے حوالہ کیا۔ درویش نے ہاتھ پر کچھ پڑھ کر بادشاہ کے پیٹ پر پھیرا تو بڑے زور سے اسی وقت اس کو ایک گوز آیا اور تمام تکلیف جاتی رہی۔ بعد آرام ہو جانے کے درویش صاحب نے فرمایا کہیے اب کیا ارادہ ہے؟ بادشاہ نے تخت و تاج ان کے حوالے کیا اور کہا اپنا ملک سنبھالئے اب میرا کچھ واسطہ نہیں، گزارا دیتے رہیں۔ درویش نے کہا کہ تیرا یہ تمام ملک و مال اور تخت و تاج صرف اس ایک پاد کی قیمت ہے

اور اس ایک پاد کے بدلے تو نے یہ سب کچھ ہمارے ہاتھ بیچ دیا۔ تو جو شے ایسی ذلیل چیز کی قیمت ہو وہ ہمارے مصرف کی نہیں اور جو ایک گوز کا مرتبہ رکھتی ہے اس کو لے کر ہمیں کیا کرنا ہے؟ (سچ فرمایا رسول اللہ علیہ ﷺ نے اَلدُّنیَا جِیفَةٌ" وَّطَالِبُهَا کِلَاب"۔ ترجمہ:۔ دُنیا مردار ہے اس کے طالب کتے۔) اور کاغذ اقرار نامہ چاک کر کے پھینک دیا اور بادشاہی اس کے حوالہ کر دی۔ اس نقل کو بیان کرنے کے بعد حضور نے جوش میں آ کر فرمایا ؎

اللہ نام کی جپنا کر لے دو جگ نوں توں اپنا کر لے

ترجمہ شعر: اللہ تعالیٰ کے نام کا ورد کر کے دو جہان کو اپنا بنا لو۔

پھر فرمایا، رسول اللہ علیہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی مچھر کے پر کے برابر بھی قدر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ اس کا نہ ملتا۔ اس موقع پر جلد ثالث مکتوباتِ امام[1] ربانی کا سینتالیسواں مکتوب مناسب نظر آتا ہے جو بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے۔ وَهُوَ هٰذَا۔

مکتوب چہل و ہفتم۔ بسُلطانِ وقت مدظلہٗ در اسرارِ دعا و مدحتِ علماء و صلحاء۔ کمترین دُعا گویان احمد بعرضِ باریافتگانِ معلّٰے درگاہ و خادمانِ والا بارگاہِ میٖرساند و اظہارِ شکستگی و نیازمندی مے نماید و شکر نعمت امن و امانے کہ بدولت و اقبالِ بندگان شاملِ حال عوام و خواص ست بجامی آرد و در اوقاتِ رجا و آوان مظنّہ اجابتِ دُعا و زمانِ اجتماعِ فقراء فتح و نصرتِ عسکر ظفر قرین مے خواہد۔ زیرا کہ مصرع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ کہ عبث در کارخانۂ خداوندی ممنوع ست۔ کاریکہ بہ لشکرِ غزاو جہاد مربوط ساختہ اند تقویت و تائید پایۂ دولتِ قاہرہ سلطنت ست۔ کہ ترویجِ شریعتِ غرّا منوط بآں ست کہ اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ گفتہ اند و ہمیں کار جلیل الاعتبار نیز مربوط بہ لشکر دعاست کہ اربابِ فقرو اصحابِ بلا اندچہ۔ فتح و نصرت دو قسم ست۔ قسمی ست کہ آن را مربوط باسباب ساختہ اند و آن صورتِ فتح و نصرت است کہ تعلق بہ لشکرِ غزا دارد و قسم دیگر حقیقتِ فتح و نصرت ست کہ از نزد مسبب الاسباب ست آیت کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اشارت بآنست تعلق بہ لشکرِ دعا دارد و بس لشکرِ دعا بواسطہ ذُل و انکسار خود از لشکر غزا اسبقت نمود و از سبب و مسبب دلالت فرمود ؏ بُردند شکستگان ازیں میدان گوی۔ و ایضاً دُعاء ردِ قضا می نماید۔ چنانچہ مخبرِ صادق فرمودہ علیہ و علیٰ آلہٖ

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ، لَایُرَدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وسیف و جہاد ایں قدرت ندارد کہ ردِّ قضا نماید پس لشکرِ دُعا باوجود ضعف و شکستگی بقوت تر آمد از لشکرِ غزا۔ و نیز لشکرِ دُعا ہمچوں رُوح ست مر لشکرِ غزا را و لشکرِ غزا قالب ست مر او را پس لشکرِ غزا را از لشکرِ دُعا چارہ نبود کہ قالب بے رُوح قابلِ تائید و نصرت نباشد ازیں جا ست کہ گفتہ اند کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصُعَالِیْکَ الْمُھَاجِرِیْنَ یعنی پیغمبر خدا طلبِ فتح و نصرت می فرمود بتوسلِ فقراءِ مہاجرین باوجود لشکرِ غزا او استیلائے محارباں ۔ پس فقراء کہ لشکرِ دُعا اند باوجود خواری و زاری و بے اعتباری کہ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ گفتہ اند روزِ گار بکار می آیند و باایں بے اعتباری اعتبار پیدا مے کنند واز ہمگنان و ہمکاران پیش قدم می گردند۔ مخبرِ صادق فرمودہ علیہ من الصلوات اتمہا کہ فردائے قیامت خون شہداء را باسیاہیِ علماء وزن کنند، پلہء آں سیاہی راجح آید۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ایں سیاہی وایں سیاہ روئی باعثِ عزّت و سرخروئی ایشاں گشت و پایۂ ایشاں را از حضیض بہ اُوج رسانید ع بتاریکی دَرُونِ آبِ حیات ست ۔

شاعری گوید ؎

غلام خویشتم خواند لالہ رُخسارے　　سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے

ہر چند کہ ایں کمترین شایانِ آں نیست کہ خود را در اعدادِ لشکرِ دُعا داخل سازد لیکن بمجر داسمِ فقر و احتمالِ اجابتِ دُعا خود را از دُعائے دولتِ قاہرہ فارغ نمی دارد و بلسانِ حال و قال بدعاء فاتحہء سلامت رَطْبُ اللِّسَان مے باشد۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔

ترجمہ: سینتالیسواں مکتوب بادشاہِ وقت کے نام دراز ہوسایہ اس کا۔ اسرارِ دعا اور علما اور صلحا کی تعریف کے بیان میں۔ کمترین دعا کرنے والا احمد (یعنی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمتہ اللہ علیہ) بارگاہِ معلّی میں داخل ہونے والوں اور عالی درگاہ کے خادموں کی خدمت میں نیازمندی و شکستگی ظاہر کرتا ہے۔ اور اس امن و امان کی نعمت کا شکر جو حضور کے دولت و اقبال سے عوام و خواص کے شاملِ حال ہے بجالاتا ہے۔ اور اُمید کے وقتوں اور قبولِ دعا کے گمان کے زمانوں اور فقیروں کے جمع ہونے کے وقت میں فتح نصیب لشکر کی فتح و نصرت چاہتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو ایک کام کے لئے بنایا ہے۔ کیونکہ بے فائدگی خدا کے کارخانہ میں منع ہے۔ جو کام کہ لڑائی کے لشکر کے ساتھ مربوط کیا ہے وہ تائید اور

تقویت دولت زبردست کے پایہ یعنی سلطنت کی ہے کیونکہ شریعت کو رواج دینے کا دارومدار اسی پر ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شریعت تلوار کے نیچے ہے اور یہی بڑے اعتبار والا کام لشکرِ دُعا کے ساتھ بھی مربوط ہے جو اربابِ فقر اور اصحابِ بلا ہیں۔ کیونکہ فتح ونصرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو اسباب کے ساتھ مربوط کیا ہے اور وہ فتح ونصرت کی صورت ہے جو کہ لڑائی کے لشکر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسری قسم فتح ونصرت کی حقیقت ہے اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے۔ جس کی طرف وَمَنْ نَصرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور نہیں ہے فتحیابی مگر خدا تعالیٰ کے پاس سے۔) میں اشارہ ہے، یہ لشکرِ دُعا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ پس لشکر دُعا کا بسبب اپنی عاجزی و انکساری کے لڑائی کے لشکر سے سبقت لے گیا اور سبب سے سبب والے کی طرف راستہ دکھایا۔ ٹوٹے ہوئے اس میدان سے گیند لے گئے۔ اور نیز دُعا قضاء کو لوٹا دیتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نہیں لوٹاتی قضا کو مگر دُعا۔ اور تلوار اور جہاد یہ قدرت نہیں رکھتے کہ قضا کو لوٹا دیں۔ پس لشکرِ دُعا کہ باوجود ضعف اور شکستگی کے لڑائی کے لشکر سے قوت میں زیادہ ہے و نیز لشکر دُعا کا مانندِ رُوح کے ہے لشکرِ جہاد کے واسطے اور لشکرِ جہاد مثل قالب کے ہے اس کے لئے۔ پس لشکرِ جہاد کو لشکرِ دُعا سے چارہ نہیں کیونکہ قالب بے رُوح تائید ونصرت کے قابل نہیں ہوتا اسی وجہ سے کہا ہے کہ تھے رسول اللہ ﷺ فتح ونصرت طلب کرتے ساتھ وسیلے فقراءِ مہاجرین کے باوجود لشکرِ جہاد اور غلبے لڑنے والوں کے۔ پس فقراء جو کہ لشکرِ دُعا ہیں باوجود اس خواری وزاری اور بے اعتباری کے کہ فقر دوجہاں کی رُوسیاہی ہے، ان کے بارے میں کہا ہے کہ کام کے دن کام آتے ہیں اور باوجود اس بے اعتباری کے اعتبار پیدا کرتے ہیں اور ہم عصروں میں پیش قدم ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کل قیامت کو شہیدوں کے خون کو عالموں کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے اور سیاہی کا پلہ بھاری رہے گا۔ سبحان اللہ! یہ سیاہی اور سیاہ رُوئی ان کی عزت اور سرخروئی کا باعث ہوگی اور اُن کا پایہ پستی سے بلندی پر پہنچا دیا کیوں نہ ہو، تاریکی میں ہی آبِ حیات ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک لالہ رخسار نے اپنا غلام مجھے بنایا۔ آخر کار میری سیہ روئی کام کر گئی۔ ہر چند کہ یہ کمترین اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکرِ دُعا میں داخل کرے لیکن محض فقیری کے نام اور قبولیتِ دُعا کے احتمال پر اپنے آپ کو دولتِ قاہرہ کی دعا سے خالی نہیں رکھتا اور زبانِ حال وقال سے دُعا فاتحہ سلامتی کے ساتھ رطب اللسان رہتا

ہے۔اے ہمارے پروردگار! ہماری دعا قبول کر بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔)

ایک روز ارشاد ہوا کہ بہشت میں یہ سب چیزیں موجود ہیں جو دنیا میں ہیں، میوے بھی ہر قسم کے ہیں، دودھ، گھی، گوشت وغیرہ سب سامان ایسا ہی ہے۔ مگر بات یہ ہوئی کہ جب روحوں کو حکم ہوا کہ تم زمین میں جاؤ وہاں خاک کے پتلے میں رہو اور ہماری عبادت اور ذکر کر کے تم خود بھی منور ہو اور اس خاک کے پتلے کو بھی منور کرو، تو تم کو یہ سب نعمتیں دی جائیں گی۔ وہ سب گھبرائیں اور زمین میں اندھیرا اور خاکی پتلے میں سیاہی دیکھ کر رونے لگیں کہ خداوندا! ہم تیری وہاں یاد کس طرح کریں گے؟ ہم تیری یہ سب نعمتیں جو یہاں دیکھی ہیں وہاں جا کر بھول جاویں گے، اگر تو ہی ہم پر رحمت نہ کرے تو ہم کسی طرح بھی یہاں آنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نعمائے بہشت کا وہ کوڑا کرکٹ جو ردی اور عالمِ ارواح کے ناقابلِ استعمال تھا زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ یہ گندہ اور ناکارہ نمونہ ہم دنیا میں تم کو دیتے ہیں تاکہ تم اس کو دیکھ کر بہشت کا وہ سامان یاد کرو اور اس میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرو۔ خوب یاد رکھنا کہ یہ سب جو دنیا میں بھیجا گیا ہے نعمائے بہشت کی ردی کا کوڑا کرکٹ ہے۔ افسوس کہ لوگ اسی ردی پر فریفتہ ہو کر ان اصلی اور حقیقی نعمائے بہشت کو بھول بیٹھے اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور جس شے سے وہ نعمائے بہشت حاصل ہونے والی ہیں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بڑا لمبا سفر ہے اور یہ لوگ اس نجس و ناپاک بازار کی چیزوں کی خرید و فروخت میں لگ کر سفر کو بھول گئے۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ نعمائے بہشت کی تعریف و توصیف اسی واسطے فرمائی گئی ہے تاکہ تم کو یہ گندی اشیاء جو تمہاری نظر کے سامنے ہیں، دیکھ کر وہ اصلی اور حقیقی نعماء اور وہ وعدہ یاد آ جاوے اور تم اس کی طلب کے واسطے خدا تعالیٰ کی عبادت اور یاد میں لگ جاؤ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان نعماء کا ردی اور کوڑا کرکٹ جب اس قدر دلفریب اور عمدہ ولذیذ ہے تو وہ اصلی نعمتیں کس درجہ کی ہوں گی جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھی اور نہ کانوں نے سنی۔ پس ان نعمتوں کو نمونہ سمجھ کر اصلی اور حقیقی کی طرف کوشش کرنی چاہیے اور تمام نعماء سے اعلیٰ اور سب کی اصل دیدارِ الٰہی ہے جس کے مقابلہ میں نعمائے جنت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں

ایک شخص، جو بہت ہی شکستہ حال اور تنگدست تھا، آیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور اس شخص نے دنیا کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تو دنیا کو نہیں چھوڑا البتہ دنیا نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب شام کو حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اس نے تنگیِ رزق کے دور ہونے کے واسطے عمل دریافت کیا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ واقعی دنیا نے اس کو چھوڑا ہوا ہے۔ فقیر وہ ہے جو دنیا کو آپ ترک کرے یعنی آئی ہوئی کو رد کرے۔ جب اس پر دنیا خود نہیں آتی تو یہ ترک نہیں کہلاتا۔ پھر فرمایا یہ غریبی اور مسکینی ہی بندہ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی بھاری نعمت ہے اس کا رنج نہ کرنا چاہیے۔ یہ غریبی اور مسکینی ہی بندہ کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے کا وسیلہ بن جاتی ہے اور جو خوش قسمت ہے اس پر ہی یہ آتی ہے۔ اسی واسطے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ الٰہی مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور مسکین ہی اٹھا اور مسکینوں میں ہی میرا حشر کر۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ جب سلطنت چھوڑ کر چلے تو راستہ میں ایک شخص نے کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیں کہ میری غریبی دور ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اے عزیز! میں نے اپنی تمام سلطنت کو بیچ کر یہ غریبی مول لی ہے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن مسکینوں غریبوں کی جماعت میں ہوں گے۔ تو جب میں نے یہ غریبی و مسکینی جو بڑی بھاری نعمت ہے سلطنت بیچ کر مول لی ہے پھر میں تیرے واسطے کس طرح دعا کروں کہ ایسی بھاری نعمت تیرے پاس سے جاتی رہے۔ تو اس نعمت سے خدا کی یاد میں مشغول ہو جا اور اس نعمت کو ضائع نہ کر کیونکہ یہ وہی نعمت ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے تو فرشتہ دوزخیوں کو ندا دے گا کہ اب تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ پھر بہشتیوں کو خطاب کر کے آواز دے گا کہ اب تم کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بہشت اور دوزخ کو حکم دے گا کہ اب تم دونوں بھر گئے ہو کیا اب تمہاری اور بھی خواہش باقی ہے؟ تو بہشت عرض کرے گی کہ خداوندا! جو وعدہ میرے ساتھ تھا وہ پورا ہو گیا مگر اس بات کی آرزو رہی کہ امیر ایک بھی میرے اندر داخل نہ ہوا۔ ادھر دوزخ عرض کرے گی کہ خداوندا! میں بہت خوش ہوں، جو وعدہ تو نے میرے ساتھ کیا تھا وہ پورا ہو گیا مگر افسوس کہ غریب ایک بھی میرے حصّہ میں نہ آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بہشت اور دوزخ کو فرمائے گا کہ جو تیرا حق تھا وہ تجھے دے دیا اور جو اس کا حق تھا وہ اسے دے دیا، حق تلفی ہم نہیں کرتے، اپنے اپنے حق پر شاکر رہو۔ پس معلوم ہوا کہ بہشت غریبوں کی میراث ہے

بشرطیکہ یادِ خدا کے ساتھ ہو۔ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ (ترجمہ: پس خوشخبری ہے واسطے غریبوں کے۔) غریب اور مسکین سے وہ مراد ہے جو اطاعتِ الٰہی اور یادِ الٰہی میں رہے خواہ مالدار ہی ہو۔ اور جو بھوکا ہو اور اطاعتِ الٰہی اور یادِ الٰہی سے بھی محروم ہو وہ ان امیروں میں داخل ہے جو دوزخ کے حصہ میں ہیں ۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ترجمہ شعر: مال وزر اور زن و فرزند میں مشغول ہونا دنیا نہیں بلکہ یادِ خدا سے غفلت کا نام دنیا ہے۔

نقل ہے کہ حضور کا ایک مرید تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میرے واسطے دعا فرمائیں کہ میرا روزگار ہو جائے۔ حضور نے دعا فرمائی تو وہ کسی جگہ سو روپیہ ماہوار کا نوکر ہو گیا۔ اس کا خط آیا۔ حضور افسوس کر کے فرمانے لگے کہ اچھا آدمی تھا اللہ اللہ کرتا تھا اور مزے میں لنگر سے روٹی کھاتا تھا۔ اب کیا ہوا سو روپیہ میں ایسی بھاری نعمت سے رہ گیا۔ لوگ الگ جا کر آپس میں ہنسنے لگے کہ حضور کو افسوس ہوا کہ اس کا کام بن گیا اور سو روپے کا نوکر ہو گیا۔ ایک درویش کوئی اور بھی صاحبِ کمال کہیں کا مسافر وہاں بیٹھا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ مردِ کامل مکمل ہیں ان کے سامنے سو یا ہزار روپے کی کچھ حقیقت نہیں، اللہ اللہ ان کو جہان بھر کی بادشاہی سے اچھا معلوم ہوتا ہے، تم نہیں سمجھتے تم کو دنیا کی بہتات اچھی معلوم ہوتی ہے۔

پھر فرمایا خوش نصیب وہ شخص ہے جس کو دنیا کا کام کم کرنا پڑے اور روٹی بافراغت اس کو ملتی رہے اور باقی تمام اوقات اپنے وہ اللہ کی یاد میں خرچ کرے۔ اس وقت وہی زمانہ ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے بعد فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس وقت کامل مومن کو لازم ہے کہ گھر کا ٹاٹ بن جائے یعنی گوشہ نشینی اختیار کرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ جو دروازے بند کر کے گھر میں بیٹھ رہے تو بھی دروازہ کو پھاڑ کر فتنے اندر آ جاتے ہیں۔ تھوڑے پر قناعت کرے کیونکہ اگر رزق تھوڑا ہے تو وہ دینے والا تو بہت بڑا ہے۔ پھر فرمایا بڑی مبارک اور

بابرکت وہ غریبی ہے جس کے ساتھ خدا کی یاد ہو اور جس غریبی اور تنگی کے ساتھ فسق و فجور یا کفر مل جائے وہ خدا کے غضب کی نشانی ہے کیونکہ دنیا تو گئی ہی تھی دین بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ کوئی شخص آ کر عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے کوئی روٹی کا وظیفہ بتا دیں۔ فرمانے لگے کہ روٹی دینے والے سے ملنے کے تو بہت وظیفے آتے ہیں مگر روٹی کا کوئی وظیفہ نہیں آتا۔ اس نے بہت ہی اصرار کیا تو مسکرا کر فرمایا تجھے ایسا ہی شوق ہے تو ''یا روٹی یا روٹی'' کہا کر۔ اس کے بعد فرمایا یادِ الٰہی کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسان غلہ بیجتا ہے تو اس کا مقصود اناج ہی ہوتا ہے، بھوسہ پرالی وغیرہ اس کا اصلی مقصود نہیں ہوتا۔ حالانکہ جب کھیتی اُگتی ہے تو دانوں سے پہلے بھوسہ اور پرالی وغیرہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اور دانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ تو اسی طرح یادِ الٰہی اور اس ذات کا وصل دانوں کی مانند ہے اور یہ دنیا کا مال و اسباب بھوسہ اور پرالی وغیرہ کے مشابہ۔ پس جس شخص کا مقصود ذات کے ساتھ یاری لگانا ہو اس کی نظر ہمیشہ ذات کی طرف رہتی ہے اور جب ذاتِ الٰہی کے ذکر میں مشغول ہو گیا اور وصل شروع ہو گیا تو اسے یہ دنیا کا مال و اسباب خود بخود ایسے ہی حاصل ہو جاتا ہے جیسے بھوسہ اور پرالی کسان کو بغیر طلب ملتا ہے۔ اور جو شخص فقط بھوسہ ہی کا خواہشمند ہو وہ دانوں سے بھی محروم رہتا ہے اور بھوسہ وغیرہ سے بھی۔ اسی طرح جو شخص محض دنیا کا ہی طالب ہو وہ مال و اسبابِ دنیا سے محروم رہتا ہے اور آخرت میں بھی خسارے میں رہتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک درویش عبداللہ شاہ نامی نے جو کیمیاگر بھی تھا عرض کیا کہ حضور میں کیمیا سے سونا بنانے کی ترکیب جانتا ہوں۔ اور یہ سونا میرا بنایا ہوا میرے پاس موجود ہے اور قریب دو تولے کے سونا پیش کیا اور کہا کہ اور سونا بھی بنا سکتا ہوں، حکم ہو تو ابھی دوالا کر تیار کر سکتا ہوں۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ ہے تو خوب بات۔ وہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد درویشوں کو حکم دیا کہ فلاں آدمی کو ہمارے پاس نہ آنے دینا، اس کے فساد سے ہماری کمر میں درد ہو گیا اور یہ ورم ہے۔ درویشوں نے عرض کیا کہ حضور کیا بات ہے؟ فرمایا کہ جب وہ چلا گیا تو ہمیں عالمِ سکرت میں یہ حالت دکھلائی دی ہے کہ ہم نے خیال کیا کہ اب اکٹھا اناج لے کر رکھا کریں گے۔ پھر سوچ ہوئی کہ اسے پیسے گا کون؟ ایک شخص آیا کہ حضور خراس بنالیں، چنانچہ خراس بھی ہو گیا۔ پھر اس کے چلانے کے لئے بیلوں کا فکر ہوا، بیل بھی آ موجود ہوئے۔ پھر خراس کی جگہ کا فکر ہوا، مکان بھی بن گیا غرض

بڑا لمبا چوڑا فساد سا پھیل گیا۔ ہم جو چلے تو ایک بیل نے ہماری کمر میں سینگ چبھو دیا اور کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانے کو گھاس نہیں ملی۔ ہم کو اس کی تکلیف ہوئی۔ یہ دنیا کا حرص و فساد ہم کو دکھلایا گیا ہے۔ سو اس کو کہو کہ ہمارے سامنے نہ آوے، ہم کو کچھ ضرورت کسی کے سونا چاندی کی نہیں۔ چنانچہ یہ پیغام اس کو پہنچا کہ ادھر نہ آوے۔ اسے یہ سن کر بڑا رنج و فکر ہوا۔ لوگوں نے اس کی سفارش کی تو فرمایا اچھا اسے کہو کہ یہاں نہ آوے کیونکہ وہ ہمارے دوست کے دشمن کا دوست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اور ہمیں محفوظ رکھا ورنہ ہمیں اپنے توکّل کے ٹوٹنے کا خطرہ ہو گیا تھا لیکن خاتمہ اس کا بخیر ہو جاوے گا۔ چنانچہ اس کا خاتمہ بخیر ہو گیا۔

ارشاد: ایک دفعہ کسی نے مجلسِ حضور میں ذکر کیا کہ قیامت کے دن بہت سے لوگ چھلوں میں سے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اٹھیں گے اور بہت سی قبروں میں سے رام رام کہتے اٹھیں گے۔ حضور نے فرمایا ہاں ممکن ہے کہ کوئی ایسا مسلمان ہو کہ اس نے کلمہ شریف کبھی سنا ہو لیکن احکامِ شریعت کا پابند نہ رہا ہو اور نہ دل سے تصدیق کی ہو۔ ایسے مسلمان اگر قبروں سے رام رام کہتے اٹھ کھڑے ہوں تو تعجب نہیں۔ اور بہت سے ہندو جو دل سے مسلمان تھے اور بظاہر مسلمان نہ تھے وہ کلمہ شریف پڑھتے ہوئے نکل آویں گے۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا سکرت کی حالت میں ایک روز ہماری سیر ہوئی۔ ہم چھلوں میں گئے تو وہاں کلمہ شریف کا فیضان محسوس ہوا۔ ہم نے جو خیال کیا تو ایک شخص کو وہاں کلمہ شریف پڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ شخص وہاں کلمہ شریف بھی پڑھتا تھا مگر اس کے پیٹ میں آگ لگی ہوئی تھی اور دھواں نکلتا تھا۔ ہم نے پوچھا اس کی کیا وجہ کہ تیرا اور تمام بدن تو اچھا ہے اور پیٹ سے دھواں نکلتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ مجھے اسلام پر یقین تھا اور احکامِ اسلام کا متبع تھا لیکن میں جو کھانے کی حرص سے کافروں کے دین میں رہا اس واسطے اسی جگہ پیٹ میں آگ لگی ہوئی ہے باقی سب بدن آگ سے بچا ہوا ہے۔ پھر ہم نے اور ایک دو کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کلمہ شریف پڑھتے تو ضرور ہیں مگر مغموم ہیں۔ ہم نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم صدقِ دل سے مسلمان ہو چکے تھے اور احکامِ اسلام سے واقف اور ان کے پابند تھے مگر ہم نے جو اسلام کو باوجود ذی اختیار ہونے کے ظاہر طور پر اختیار نہیں کیا اس وجہ سے ہم کو دیدارِ رسول اللہ ﷺ اور تجلی دیدارِ الٰہی میں کمی ہے۔

ارشاد: ایک دفعہ حضور کے ایک خاص خادم کے نکاح کے بارے میں انبالہ شہر کے اندر گفتگو ہو رہی تھی۔ کچھ لوگوں کا یہی منشا تھا کہ یہیں نکاح ہو جاوے تو بہت اچھا ہے مگر اس نے اس معاملہ کو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ، کی رضا پر چھوڑا ہوا تھا۔ آخر یہ معاملہ حضور تک پہنچا تو حضور نے مجمع میں ایک تقریر فرمائی جو یہاں درج کرنے کے قابل ہے۔ فرمایا فقیر کو چاہیئے کہ یا تو پہلے نکاح کر کے یہاں کی لذتیں حاصل کر لے اور ان کو ترک کر کے پھر ذاتِ خداوندی جل شانہ، کی طلب میں کوشش کرے۔ اور یا وصلِ ذاتِ الٰہی جل جلالہ، پہلے حاصل کر کے پھر نکاح کرے کیونکہ جب تک فقیری میں پختہ نہ ہو جائے اور روزی کے تمام اسباب منقطع ہو کر آسمان سے بلا سبب اس کی روزی نہ مقرر ہو جائے تب تک نکاح کرنا عورت کا بار اپنے سر لینا ہے۔ اور عورت کی ذات فقیر کو ذلیل کر دیتی ہے اور دنیا داروں کے دروازوں پر پہنچا دیتی ہے۔ یہ فقیر کیلئے مقصود سے مانع ہے۔ ہمیں ایک حکایت یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ ایک فقیر کو خدائے تعالیٰ سے ملنے کا شوق ہوا۔ اس نے سوچا کہ اس سے تب ہی مل سکتے ہیں جبکہ شہوات اور لذّات دور ہو جائیں اور لذت، حرص، طمع، شہوت وغیرہ یہ سب کھانا کھانے سے پیدا ہوتی ہیں تو بہتر ہے کہ کھانا کھانا چھوڑ دیا جائے اور اسی خیال کے ساتھ جنگل میں جا رہا۔ سوائے نباتات کے اور کچھ نہ کھاتا، ہرنوں کی طرح سینگ باندھ لیے اور نباتات پر گزارہ کرتا رہا اور یادِ خدا میں مشغول رہتا۔ نباتات سے طبیعت مانوس ہوگئی اور ساتھ ہی اسے مشق حاصل ہوگئی کہ طعام کی طرف طبیعت مائل نہ ہوتی۔ جب مدت گزر گئی تو اس کا عام شہرہ ہو گیا۔ ایک روز بادشاہ نے عام جلسہ کیا تو اس کو شوق پیدا ہوا کہ تمام صلحاء مشہورِ زمانہ میرے دربار میں حاضر ہوں چنانچہ اس کو بھی بلا بھیجا۔ اس نے صاف جواب دے دیا کہ مجھے بادشاہ سے کچھ غرض نہیں۔ بادشاہ کو غصّہ آیا اور کہا کہ اگر کوئی شخص اس فقیر کی فقیری چھین لے اور اس کو میرے دروازے پر لے آوے تو اس کو میں بڑا انعام دوں گا۔ ایک عورت نے وعدہ کیا کہ میں لے آؤں گی مگر مجھے جس قدر خرچ کی ضرورت ہو کچھ عرصہ تک ملتا رہے۔ بادشاہ کے حکم سے خرچ اس کو مل گیا اور وہ چلی گئی۔

اور اس نے یہ تدبیر کی کہ پتلا پتلا حلوا بنا کر جس طرف وہ فقیر پتے کھایا کرتا تھا اس طرف کے درختوں اور نباتات کے پتوں پر لگانے لگی۔ وہ فقیر جو وہاں کھانے لگا تو اس کو مزہ آیا۔ وہ دوسری

طرف جانے سے رک گیا بلکہ اسی طرف جایا کرتا اور وہی پتے کھایا کرتا۔ جب کچھ روز گزر رے تو وہ اچھی طرح کھانے لگ گیا۔ پھر وہ عورت اس کو کہنے لگی کہ یہ کھایا کرو اچھی عمدہ چیز ہے اس میں قوت ذکرِ الٰہی کی حاصل ہوتی ہے، معرفت کی ترقی ہوتی ہے اور قوت دماغ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ خوب شوق سے کھانے لگ گیا۔ پھر گوشت وغیرہ لا کر اس کو کھلاتی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب قوتِ شہوت آ گئی تو عورت نے کہا کہ آپ مجھ سے نکاح کر لیں، خدا تعالیٰ کی نعمت سے روگردانی نہیں چاہیے۔ میں اپنا گزارہ آپ کر لوں گی تمہارے اوپر بار نہیں ڈالوں گی۔ آخر اس نے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد اولاد ہوگئی۔ تب عورت نے کہا کہ میں اپنا گزارہ تو کر لیتی تھی مگر اب اولاد ہوگئی ہے اس کے واسطے ضرور کوئی صورت ہونی چاہیے۔ فقیر نے کہا پھر کیا علاج کریں؟ عورت بولی بادشاہ آپ کا معتقد ہے اور چاہتا ہے کہ اگر میرے پاس آ جائیں تو وظیفہ مقرر کر دوں سو آپ کا کیا حرج ہے چلے چلو۔ وہ عورت کے کہنے سے بادشاہ کے ہاں چلا گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی کہ وہ عورت اس کو لے آئی ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور جب فقیر اس کے سامنے گیا تو کہا کہ میں تم کو بلاتا رہا، اس وقت نہ آئے اب دیکھو ہم نے تم کو کس طرح بلا لیا۔ اب وہ فقیری اور بے پروائی تمہاری کہاں ہے؟ آج ہم دنیا داروں کے دروازے پر تم آ گئے اور خدائی دروازہ چھوڑ آئے ہو؟ فقیر بڑا نادم ہوا اور فوراً وہاں سے لوٹ کر اور سب جھگڑوں کو چھوڑ کر اپنے جنگل کو چلا گیا۔ گو وہ فقیر پھر واپس جنگل میں چلا آیا مگر اس عورت کی وجہ سے ذلیل تو بہت ہی ہو چکا اور رجوع الی اللہ تو ٹوٹ ہی چکا۔ پس جب تک فقیری میں پختہ نہ ہو لیوے اور دنیا سے رشتہ قطعی ٹوٹ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ مضبوط نہ ہو جاوے دنیا کے جھگڑوں میں پھنسنا فقیر کو سخت نقصان دیتا ہے۔

ارشاد: ایک روز اس حدیث شریف کا تذکرہ تھا کہ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ یعنی دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کے لیے بہشت۔ اسی پر کسی شخص نے سوال کیا کہ سلطانِ روم کے پاس اس قدر سلطنت اور مال و دولت ہے کہ بعض بعض کفار کے پاس اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں حالانکہ وہ مسلمان ہے، اور بہت سے ہندو نانِ شبینہ[1] تک کو محتاج ہیں، پھر اس حدیث شریف کے معنی کیونکر ٹھیک ہوئے؟ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہم نے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی یہی مسئلہ پیش ہوا تھا اور صورتِ واقعہ یہ پیش آئی

[1] رات کا کھانا

کہ ایک امیر چار گھوڑوں کی گاڑی پر سوار تھا۔نقیب آگے آگے مورچھل ہاتھوں میں لیے اور چھتری لگائے ہوئے تین چار آدمی پیچھے،غرض پورے ساز وسامان اور امیرانہ ٹھاٹھ سے جا رہا تھا۔اس کے تھوڑی دیر بعد ایک اور کافر کا وہاں کو گزر ہوا جو بہت ہی تنگدست اور مفلسی کے ہاتھوں سخت لاچار تھا۔لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں یہی سوال پیش کیا۔آپ نے جواب دیا کہ اس حدیث شریف میں بہشت دوزخ اضافی امور میں سے ہیں۔یہ امیر گو بظاہر عیش میں ہے مگر دنیاوی امور میں جو احتیاج اسے پیش آتی ہے کہ اگر کھانا کھالیا تو بول و براز کی تکلیف ہے۔اگر وہ تکلیف بڑھ گئی اور بول و براز ٹھیک نہ آیا تو دوا کی ضرورت پڑی یا کم سے کم پاخانے میں بیٹھ کر بدبو کی تکلیف سہنی پڑی۔غرض اسی طرح دنیا بھر کی محتاجیاں اور ضرورتیں اسے تکلیف دیتی ہیں۔تو جب یہ شخص بہشت میں جائے گا اور وہاں کی نعمتیں اور لذتیں دیکھے گا کہ نہ پاخانہ پیشاب کی حاجت ہے نہ کوئی اور تکلیف ہے اور جو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو دل میں ارادہ ہونے کے ساتھ ہی وہ ضرورت خود بخود پوری ہو جاتی ہے۔تو جب مومن یہ حالت دیکھے گا اور بہشت کے عیش و آرام اسے معلوم ہوں گے اس وقت یہ تمام عیش و آرام اسے قید خانہ سے زیادہ سخت معلوم ہوں گے۔اور یہ کافر باوجود ان سب تکالیف دنیاوی کے جب دوزخ میں جائے گا اور وہاں کے آلام و مصائب دیکھے گا اسے یہ دنیا کی تکلیفیں دوزخ کی تکالیف کے مقابلہ میں بہشت سے بھی بڑھ کر معلوم ہوں گی۔تو یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت'' اس کا یہ مطلب ہے کہ مسلمان یہاں کتنا ہی عیش و آرام میں ہو بمقابلہ نعمائے بہشت کے قید خانہ ہی میں ہے۔اور کافر دنیا میں خواہ کتنی ہی تکلیفیں اٹھائے عذابِ دوزخ کے مقابلہ میں یہ تکالیف دنیاوی اس کے نزدیک بہشت ہیں کیونکہ دنیا میں وہ خود مختار ہے۔اگر فاقہ میں ہے تو مزدوری کر لے گا یا اس پر رحم کر کے کوئی اس کی دست گیری کرے گا مگر آگ میں تو اسے کوئی نہیں ڈالتا۔جب دوزخ کا عذاب چکھے گا تو اسے دنیا جنت دکھلائی دے گی۔

فصل دوم

رزقِ حلال

ارشاد: ایک روز ایک سیاح آدمی آیا اور کہنے لگا، حضور مجھے چھ روپے روز کی کیمیا بنانی آتی ہے، حضور بھی سیکھ لیویں حضور کے ہاں خرچ بہت ہے اور یہ روزی حلال ہے۔ حضور نے فرمایا چھ روپیہ سے کیا ہوتا ہے، یہ تو تھوڑے ہیں۔ پھر حضور نے ایک تسبیح قل ھواللہ شریف کی پڑھی۔ اتنے میں ایک شخص غیب سے ظاہر ہوا اور بیس روپے پیش کئے، تو حضرت علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ یہ کیمیا اچھی ہے ایک کام دو کاج۔ ایک اپنا خالق راضی دوسرے دنیا کی دفع احتیاج۔

اسی پر مولوی علی کریم بہاری نے سوال کیا کہ حضور کیمیا بہتر ہے یا روزی کے واسطے کوئی عمل پڑھنا؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیمیا سے عمل بہتر ہے۔ کسی نے کہا کہ حضور دستِ غیب کی روزی تو حرام ہے۔ فرمایا دستِ غیب کے سب عمل حرام نہیں ہوتے بلکہ عمل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص عمل کے طریقے پر کوئی اسمِ الٰہی پڑھتا ہے تو دو طرح کے خادم اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ایک تو ملائکہ میں سے دوسرے جنات میں سے۔ جنات روزی لانے میں حرام وحلال کی تمیز نہیں کرتے اسی واسطے کسی عمل کے جس طریقہء عمل سے جنات تابع ہوتے ہیں اس طریقے سے عمل پڑھنا منع ہے اور اس طریقے کی روزی حرام ہوتی ہے۔ مگر ملائکہ ہمیشہ روزی حلال طیب تلاش کر کے کسی ایسے خزانہ سے جو کسی کی ملکیت نہیں اور اکثر زمینوں میں مدفون ہوتے ہیں لاتے ہیں، ایسا عمل جائز ہے۔ پھر فرمایا اوّل تو خدا تعالیٰ پر توکّل اور بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اگر کسی کی طبیعت مانے ہی نہیں اور بہت ہی ضرورت ہو تو بھی کیمیا میں نہ پھنسے بلکہ روزی کے واسطے کوئی عمل پڑھ لے کیونکہ جو کلام عامل پڑھتا ہے اس میں کچھ نہ کچھ تو خدا تعالیٰ کا نام آ ہی جاتا ہے اور اس کی یاد ہو ہی جاتی ہے۔ (مجھے اس میں شبہ ہوا کہ دستِ غیب تو ممنوع ہے پھر حضور نے کس طرح جائز بتلا دیا؟ ایک روز میں ہَوامع شرح حزبِ البحر مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ دیکھ رہا تھا بعینہٖ یہی مسئلہ اس میں نکلا کہ ملائکہ سفلی عامل کے مطیع ہو کر حلال روزی اس کو پہنچا دیتے ہیں اور اس طرح کی روزی جائز ہے اور بے شبہ حلال ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حَسْبِیَ اللّٰہُ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ . (ترجمہ: میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) کی شرح میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ مؤلف)

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی یاد بہت ہی اچھی اور عمدہ نعمت ہے۔ کبھی کبھی جھوٹ موٹ کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دیتا ہے۔ اس پر یہ حکایت بیان فرمائی:۔

نقل ہے کہ ایک شاہی بھنگی تھا۔ وہ جو پاخانہ صاف کرنے کے لئے محل میں گیا تو اتفاقاً اس کی نظر شہزادی پر پڑ گئی اور وہ اس پر عاشق ہو گیا مگر اپنے کمینہ پن اور اس کے علو مرتبہ کو دیکھ کر کہ یہ وصل تو ناممکن ہے نا امید تھا۔ مرضِ عشق نے جب غلبہ کیا تو وہ بہت بیمار ہو گیا اور بجائے بھنگی کے اس بھنگی کی عورت پاخانہ کمانے لگی۔ کششِ دل کا اثر مشہور ہے، شہزادی کے دل میں بھی اس کے عشق کا اثر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس بھنگی کی عورت سے شہزادی کہنے لگی کہ اب تیرا خاوند کیوں نہیں آتا؟ اس نے کہا کہ وہ بیمار ہے۔ شہزادی نے کہا ہم شاہی طبیب اس کے معالجے کے واسطے بھیج دیں، اس کو کیا بیماری ہے؟ اس پر جب شہزادی نے بہت اصرار کیا اور بھنگن کو سخت دھمکی دی کہ بتلا اس کو کیا بیماری ہے، تو ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور اگر جان کی امان ملے تو عرض کروں۔ شہزادی نے امان دی تو اس نے کہا کہ حضور اصل بات یہ ہے کہ بیماری تو اسے کچھ نہیں، وہ حضور کو دیکھ کر آپ کا عاشق ہو گیا ہے۔ اب جو دیدار ممکن نہیں اس غم سے لاچار ہو کر قریب المرگ ہو گیا ہے۔ شہزادی نے کہا کہ یہ اختیاری بات نہیں، اگر میرے دیکھنے سے اس کی جان بچ جائے تو میرا کوئی نقصان نہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ میرا مرتبہ مجھے اس کے سامنے آنے سے مانع ہے کیونکہ باعثِ بدنامی ہے۔ میں ایک ترکیب بتاتی ہوں اگر وہ اس پر عمل کرے تو شاید مجھے دیکھ سکے اور اس کی جان بچ جائے۔ وہ یہ ہے کہ وہ فقیرانہ شکل بنا کر دریا کے کنارے پر بیٹھ جائے اور تو رات کو اسے روٹی وغیرہ کھلا دیا کر۔ وہ تمام دن اللہ تعالیٰ کا نام لیتا یعنی اللّٰہ اللّٰہ کرتا رہے اور کسی طرح کا خیال دل میں نہ رکھے۔ اگر کوئی اس کو نقدی یا کھانے کی کوئی چیز نذر دے تو اس کی طرف مطلق توجہ نہ کرے اور اگر کوئی اٹھا کر لے جائے تو اس کو منع نہ کرے۔ چند روز میں جب اس کی شہرت ہو جائے گی تو امیر وزیر وغیرہ سب اس کی زیارت کو جائیں گے۔ پھر بادشاہ بھی جائے گا۔ پھر میں بھی اجازت بادشاہ سے لے کر اس کے پاس چلی جاؤں گی اور اسے ملنے اور بات چیت کرنے کا خوب موقعہ مل جائے گا۔ چنانچہ جب

اس کی عورت نے یہ بات اس بھنگی کو سنائی تو اس نے بخوشی قبول کیا اور اسی وقت وہاں سے کنارہ دریا پر جا بیٹھا اور نامِ خدا میں مشغول ہو گیا۔ اور پھر ایسی حالت بنالی کہ اگر کوئی نذر پیش کرتا تو اس کی طرف توجہ نہ کرتا اور جو کوئی رکھ جاتا اور دوسرا اٹھا لے جاتا تو اسے منع نہ کرتا۔ رفتہ رفتہ تمام شہر میں اس کی شہرت ہو گئی۔ لوگ اس کے پاس آنے لگے اور نذریں وغیرہ بھی لانے لگے مگر اس نے کسی کی طرف دھیان نہ کیا اور اللہ اللہ کرتا رہا۔ ہوتے ہوتے بادشاہ کو بھی خبر ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو اس کا حال دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا کہ کیا واقعی وہ فقیر سچا اور دنیا سے بے تعلق ہے؟ چنانچہ وزیر نے جا کر نذر پیش کی۔ اس نے کچھ توجہ نہ کی، نہ اس کی طرف دیکھا۔ وزیر نے یہ حال بادشاہ کو سنایا کہ واقعی اس کا ایسا ہی حال ہے کہ دنیا کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اگلے روز خود بادشاہ بھی گیا اور اس کو ویسا ہی پایا۔ رات کو شہزادی نے پوچھا کہ سنا ہے آج آپ کسی فقیر کے پاس تشریف لے گئے تھے، اس کو کیسا پایا؟ بادشاہ نے کہا وہ فقیر بہت ہی سچا اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہے۔ شہزادی نے عرض کیا کہ میں بھی اس کی زیارت کرلوں؟ بادشاہ نے اجازت دی کہ تم کو اختیار ہے جب چاہو چلی جاؤ، ایسے شخص کی زیارت ضرور کرنی چاہیے۔ شہزادی نے اس کی عورت یعنی بھنگن کو کہا کہ اس سے کہہ دینا کہ میں صبح کو آؤں گی اب تیرا کام ہو گیا اور دلی مراد بر آئی۔ اس بھنگن نے جا کر اُسے خبر کی۔ اس نے دل میں سوچا کہ میں نے آج تک یہ کام جھوٹ موٹ محض ایک نفسانی غرض کے لئے کیا تھا۔ جس کے نام میں اس قدر تاثیر ہے کہ میرے جیسے ناچیز اور حقیر کے پاس بڑے سے بڑے اعلیٰ مرتبہ والے بادشاہ کو بھیج دیا تو اگر میں سچے دل سے اس کا نام لوں پھر معلوم نہیں کہ اس سے بھی زیادہ اور کیا کیا نعمتیں ملیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ زار و زار رونے لگا اور اپنے پہلے ارادے سے نہایت عاجزی کے ساتھ توبہ کر کے اس نے دعا کی کہ خداوندا! مجھے اپنا دیدار دکھا دے۔ جب تیرے نام میں اتنا اثر ہے تو پھر آپ تو خبر نہیں کتنا سوہنا ہوگا؟ اور جب میں نے جھوٹ موٹ مکر کے لئے تیرا نام لیا اور تو نے اتنے بڑے بادشاہ کو میرے پاس بھیج کر میری عزت کرادی تو اب جب کہ میں سچے دل سے تجھے پکارتا ہوں تو ایسا رحیم و کریم ہے کہ تو خود بھی ضرور ہی میرے پاس آجائے گا اور مجھے اپنا دیدار دکھا دے گا۔ اسی طرح تمام رات روتا رہا۔ جب پچھلی رات ہوئی تو عجز و زاری اس کی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گئی اور فرش سے عرش تک اس کو

انکشاف ہو گیا اور بہشت کی حوریں اس کو دکھائی دینے لگیں۔ صبح کو شہزادی اس کے پاس گئی مگر وہ مطلق اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور حورانِ بہشتی اس کی طرف نظر اٹھا کر زیارت کر رہی تھیں اور تجلیاتِ ذاتِ الٰہی اس پر وارد ہو رہی تھیں اور مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں مستغرق ہو رہا تھا۔ باندیوں نے کہا کہ یہ شہزادی بیٹھی ہے اس کے ساتھ کچھ بات چیت کر لو۔ اس نے بڑی دیر کے بعد جواب دیا کہ اب مجھے شہزادی کی کچھ پرواہ نہیں، شہزادی سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر حسین و خوبصورت حوریں اس وقت میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ شہزادی نے یہ سن کر ایک طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور کہا کہ بے وفا تیری مرشد تو میں ہی ہوں۔ تو آپ تو حوروں اور بہشتوں کے تماشے میں مشغول ہو گیا اور وہاں تک چلا گیا اور میں یہیں رہی؟ مجھے بھی تو اپنے ساتھ یہ تماشے دکھلا۔

سو اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہر طرح سے فائدہ ہی فائدہ رکھتا ہے چاہے جھوٹ ہو چاہے سچ۔ اس کام میں کبھی کبھی جھوٹا بھی سچا ہو ہی جاتا ہے۔ سچ ہے۔

جھوٹے کھیڈوں سچا ہو سچا تے کوئی وِرلا ہو

ترجمہ۔ جھوٹ موٹ سے ہی سچا بنتا ہے ورنہ شروع سے ہی سچا تو کوئی کوئی ہوتا ہے۔

ارشاد: ایک روز حلال روزی کا تذکرہ تھا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حلال طیب روزی ملنی تو آج کل محال ہے لیکن اگر جائز پر بھی عمل کیا جائے تو فی زمانہ کافی اور بڑا ہی غنیمت ہے۔ پر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کو تو روزی حلال طیب ہی ملتی ہے کیونکہ روزی جو ہمارے ہاں آتی ہے جب وہ پکائی جاتی ہے تو اس عرصے میں ہر وقت فیضان پڑتے رہنے کی وجہ سے اس میں جو نقصان ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے اور اگر کوئی نقصان نہیں ہوتا تو پاکی اور بڑھ جاتی ہے۔

فصل سوم

انقطاع عنِ الخلق

ارشاد: ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے کہ ہائے موت ہائے موت تجھے بھی آنا ہی ہے۔ میں نے عرض کیا حضور موت کو یاد کرنا بھی بڑی اچھی چیز ہے۔ فرمایا ہاں ہم نے حدیث شریف میں سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں دانا کون ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا وہ موت کو یاد کرنے والا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں حضور وہ حدیث شریف کے الفاظ مجھے بھی یاد آ گئے۔ اس کی عبارت یوں ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکْیَسُ مِنْکُمْ قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہ، اَعْلَمُ قَالَ ذَاکِرُ الْمَوْتِ (ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، تم میں سب سے زیادہ دانا کون ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ فرمایا موت کو یاد کرنے والا۔)

آپ نے فرمایا، ہاں ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا موت کو یاد کرنے میں لذتیں ٹوٹ جاتی ہیں اور دل دنیا کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور جو موت کو یاد نہ کرے اسے غفلت ہو جاتی ہے۔ موت کو یاد کرنے سے توکّل بھی پک جاتا ہے اور یہ شعر پڑھا ؎

آیا ساون ماہ سارکھ بولے نالے بولے ڈڈُو
اندر بیٹھ کے نام نہ لیتا لئے کی جاوے گا ندُو

حضور کی طبیعت دنیا کی طرف سے ہمیشہ اداس رہتی تھی اور ایسا حال تھا جیسے کوئی شخص مسافرت میں ہو کہ وہ نہ بہت سامان پاس رکھتا ہے نہ کسی جگہ سے کوئی شے لیتا ہے تا کہ بوجھ نہ ہو جائے اور سفر اور راستہ کا خیال اس کو مغموم رکھتا ہے۔ ایسا ہی حال حضور عالی کا تھا۔ کوئی جائیداد وغیرہ حضور اپنی ملکیت میں نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ مکان اور حجرہ وغیرہ بھی سب حضرت مائی صاحبہ کی مِلک تھے، اپنے نام کوئی شے بالکل نہیں لی تھی اور نہ کوئی چیز اپنی مِلک قرار دیتے تھے۔ اگر مائی صاحبہ کسی درویش

سے ناراض ہوکر فرماتیں کہ ہمارے مکان سے نکل جاتو حضور اس سے حجرے میں نہ ملتے اور فرماتے کہ یہ ان کی مِلک ہے اور وہ تجھ سے ناراض ہیں، ہم تجھ سے ناراض نہیں اور حجرے سے باہر تشریف لاکر گلی میں ملتے۔

نقل ہے: ایک روز حضرت مائی صاحبہ نے حضور علیہ الرحمتہ کو گھر میں بلایا۔ چند بار کے تقاضے سے حضور اندر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عمدہ چارپائی پر اچھا عمدہ ایک سفید بستر لگا ہوا تھا۔ اس کو دیکھا اور پاس بیٹھ گئے اور دو تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہ سُبْحَانَ اللّٰہ کی پڑھی۔ پھر اس چارپائی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کیا کریں تو بھی اچھا اور سوہنا ہے، پر ہم کو سفر بڑا لمبا ہے اور بہت ہی کام کرنا ہے۔ اس قدر فرصت نہیں کہ تیرے اوپر لیٹ کر آرام کریں۔ تو یہی سمجھ لینا کہ تیرے اوپر شاہ جی لیٹ چکے، یہ ہاتھ تو تیرے اوپر رکھ ہی دیا ہے نا، لے راضی رہ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تو بہشت میں چل کر پلنگوں پر مشاہدہ جمالِ الٰہی میں آرام سے بیٹھیں گے، یہ دنیا آرام کی جگہ نہیں یہ کمائی کی جگہ ہے۔ اتنا فرما کر حضور اسی وقت باہر تشریف لے آئے۔

ارشاد: ایک روز برسبیلِ تذکرہ حضور نے یہ حکایت ارشاد فرمائی۔ نقل ہے کہ ایک بزرگ سفر میں تشریف لے جارہے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور آپ لنگر خانہ کے واسطے ایسے پختہ مکان بنوائیں اور رہنے کے واسطے بالاخانے اور عمدہ عمدہ مکانات تیار کرائیں تو بہت اچھا ہے اور مدت تک آپ کی یادگار رہے گی۔ لوگ ہمیشہ آرام پائیں گے۔ وہ بزرگ پہلے تو خاموش ہو گئے پھر ان لوگوں میں سے ایک کو ایک مٹھی مٹی دے کر فرمایا کہ اسے پلے باندھ لو۔ اس نے باندھ لی تو آپ نے اس پر پڑھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور آگے چلے گئے۔ کچھ دور جا کر فرمایا دیکھو تو مٹی کہاں ہے؟ انہوں جو کھول کر دیکھا تو مٹی اس میں ندارد تھی اور بجائے اس کے کپڑے پر لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس پر ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ مٹی فانی شے تھی، سو اڑ گئی اور کلمہ شریف باقی ہے۔ تو اس باقی کو پکاو، فانی سے کیا لینا۔ اگر مکان بنائے یا لنگر خانے، یہ سب فانی اور فنا ہونے والے ہیں۔ اللہ کا نام باقی رہنے والا ہے اس کو پکاو تا کہ باقی کے ساتھ باقی رہو۔

نقل ہے کہ انبالہ میں ایک مسلمان منصف تھا وہ آیا۔ حجرے میں کسیر[1] پر ایک چھوٹی سی دری

[1] ایک قسم کی گھاس جسے سردیوں میں فرش پر بچھا لیتے ہیں۔

بچھی ہوئی دیکھ کر اسے ملال ہوا۔ اس نے ٹوؔل[1] سرخ کے گدیلے بنوا کر بھیجے اور جب حضور استنجے کے واسطے گئے ہوئے تھے۔ خالی موقع پا کر حجرے میں بچھوا دیئے۔ جب حضور بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو نورِ باطن سے معلوم کر کے مکان سے باہر ہی کھڑے ہوئے فرمایا کہ نکلوا دو اسے، یہ کیا ہے، اور لے جاؤ۔ ہم کو وہی اپنی کسیرا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے منظور فرمالیا تو پھر بہشت میں اچھے اچھے گدیلے لے لیویں گے۔ ان فانی چیزوں سے ہمیں کیا لینا ہے۔ حضور علیہ الرحمۃ موسمِ سرما میں کمبل یا اون کے لباس کو بہت ہی پسند فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ مسنون ہے اور اس پر بہت خوش ہوتے تھے۔

وَجَعَلْنَا وَجَعَلْنَا وَجَعَلْنَا وَجَعَلْنَا

---

[1] ٹول انگریزی لفظ Twill سے بگڑا ہوا لفظ۔ ایک کپڑا جو کھیس کی قسم کا ہوتا ہے۔

فصل چہارم

رسمی پیروں فقیروں کو نصیحت

نقل ہے کہ ایک بار ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ حضور میرا مرید مجھ سے پھر گیا۔ فرمایا پھر کدھر گیا؟ اس نے کہا ایک اور بڑے بزرگ ہیں، ان کے پاس چلا گیا۔ فرمایا کس واسطے چلا گیا؟ عرض کیا اللہ کا نام سیکھنے گیا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی طرف بلانا چاہیئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گیا ہے، اُس نے اچھا کیا تمہیں بھی ثواب ہوگا۔ (یہ شخص رسمی پیر تھا اور وہ دوسرے بزرگ بہت بڑے کامل تھے۔) پھر فرمایا جو ناقص ہو اور ابھی فقر میں اس نے کمال نہ پیدا کیا ہو اسے چاہیئے کہ لوگوں کو مرید کر کے قید نہ کر لیا کرے بلکہ آزاد چھوڑ دیا کرے کہ جہاں کہیں اسے کوئی کامل مردِ خُدا ملے اسی سے وصلِ الٰہی، جو مقصودِ اصلی ہے، حاصل کرے۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کی گردن پر، جو کامل نہ تھے اور لوگوں کو مرید کر لیا کرتے تھے، بڑا وبال ہوگا۔ پھر فرمایا اگر کوئی کامل مرد موجود ہو اس کا مرید یا کوئی غیر شخص کسی کو اس کا مرید کرا دے تو جس قدر ثواب پیر کو اللہ کا نام بتانے کی وجہ سے ہوا ہے اتنا ہی ثواب مرید کرانے والے کو بھی ہوگا کیونکہ اسے اللہ کے نام کا راستہ بتایا ہے یعنی خدا کی طرف بلایا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے اَلدَّالُ عَلَے الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ (ترجمہ:۔نیکی پر دلالت کرنے والا اس کے کرنے والے کی مانند ہے۔) اور حدیث شریف میں اس ثواب کا اندازہ بھی آیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص زمین سے آسمان تک سونے سے بھر کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دے تو جس قدر ثواب اس شخص کو ہوا ہے اسی قدر ثواب اس کو ہوگا جو ایک شخص کو ہدایت کرے۔

ایک روز ارشاد فرمایا۔ اگر فقیر اس نیت سے لوگوں کو مرید کرے کہ ان سے مجھے دنیاوی فائدہ ہوگا، روزی کی طرف سے فراغت حاصل ہوگی، یا شہرت و ناموری ہوگی، لوگ بزرگ کہیں گے، یا امیر کو اس خیال سے کہ یہ مجھے زیادہ نذریں روپے وغیرہ دے گا، مرید کرلے اور غریب کو نہ کرے یہ سب شرک ہے۔ فقیر کو اس قسم کے خیالات سے پاک رہنا چاہیئے اور جس کسی کو بیعت

کرے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے واسطے کرے۔ چنانچہ ہمیں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ اوائل میں ہم سے ایک امیر بیعت ہوا۔ ہمیں خیال آیا کہ یہ امیر ہے اس سے ہمارے لنگر اور درویشوں کو بہت مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایسا فضل کیا کہ وہ امیر آج تک پھر ہمارے پاس آیا ہی نہیں۔ اور بجائے اس کے دوسرے دن ہی ایک اور غریب آیا جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور بظاہر بہت ہی مسکین نظر آتا تھا اس نے یہاں کے درویشوں کی بہت خدمت کی اور اسے بھی خدا کا نام حاصل ہوگیا۔ اس وقت ہم نے سمجھا کہ یہ نفس کا خطرہ تھا۔ اس واقعے سے گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا کہ میری ذات پر بھروسہ رکھنا چاہیئے، میں جس سے چاہوں خدمت کرادوں۔ چنانچہ اب ہمارا یہ حال ہے کہ یہ لوگ جو ہمارے پاس آتے ہیں اگر چلے جائیں تو غم نہیں اور آجائیں تو خوشی نہیں۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ بہت سے سرمنڈے گداگر فقیر خدمت شریف میں آئے جو سر ہلاتے اور بزرگان کا نام لیتے تھے۔ حضور نے تین تین پیسے ان کو دلا دیئے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ بھی صورت تو فقراء کی بنائے پھرتے ہیں معلوم نہیں ان کے اندر بھی کچھ فقیری کا اثر ہے یا نہیں؟ تو اس پر فرمایا یہ تارک الدنیا کے لباس میں طالبِ دنیا پھرتے ہیں۔ دوسرے روز اور ہندو فقیروں کا گروہ جو حاجی رتن کے چیلے کہلاتے تھے آیا۔ ان کو بھی حضور نے چار چار پیسے دلا دیئے۔ میں نے عرض کیا حضور ان ہندو فقیروں میں بھی کوئی صاحبِ کمال ہوتا ہے؟ فرمایا مولوی صاحب! یہ بھی تارک الدنیا کے لباس میں طالبِ دنیا ہیں اور دنیا کی طلب میں دربدر سرگرداں پھرتے ہیں۔ افسوس کہ اگر یہ فقراء صالحین کی صرف نقل ہی اچھی اور صحیح کرتے تب بھی فائدے میں رہتے۔ انہوں نے فقراء کی نقل بھی پوری نہیں کی۔ اس پر شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قصہ بیان فرمایا۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ چلے جاتے تھے۔ بازار میں ایک بہت خوبصورت طوائف یعنی کنچنی[1] بیٹھی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ظاہر میں تو بڑی باجمال اور خوبصورت ہے اور اس کے باطن کو غضب کی سیاہی نے تباہ کر رکھا ہے۔ اس بات کے دیکھتے ہی آپ نے عرض کیا "خداوندا! یہ تیری ایسی اچھی خوبصورت صنعت ہو کر پھر بھی آگ میں جلے گی؟ تو بڑا ہی بے نیاز ہے۔" بعد ازاں اس کے پاس کچھ روپے بھیجے کہ ہم رات کو تیرے ہاں آئیں گے۔ وہ بہت خوش

---

[1] ناچنے والی

ہوئی کہ ایسے شیخ وقت میرے ہاں تشریف لاتے ہیں اور تیار ہوگئی۔ رات کو بعد فراغت نمازِ عشاء کے آپ اس طوائف کے ہاں تشریف لے گئے اور مصلّے پر بیٹھ کر تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس طوائف نے آ کر عرض کیا کہ ''حضور میں حاضر ہوں۔ میرے واسطے کیا حکم ہے؟'' آپ نے فرمایا ''پہلے جو کام ہم کہتے ہیں وہ کر۔'' اس نے کہا ''فرمایئے، میں آپ کی لونڈی ہوں۔'' آپ نے اپنے پاس سے ایک کرتہ اور تہہ بند اور ٹوپی اس کو دے کر فرمایا کہ ''لے یہ ہمارا کرتا اور تہہ بند پہن لے اور سر پر ہماری ٹوپی پہن کر ہمارے برابر دائیں جانب کھڑی ہو جا۔'' اس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ کھڑی ہوگئی تو آپ سجدہ میں جا کر دعا کرنے لگے کہ ''خداوندا! مجھ مسکین بندے سے اتنا ہی ہوسکتا تھا کہ اس کی ظاہری شکل تیرے پاک بندوں کی سی بنا کر تیری بارگاہ میں میں نے اسے لا کھڑا کیا۔ اب اس کا باطن اپنے پاک بندوں کا سا بنانا تیرے اختیار ہے۔'' دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا۔ اس پر فیضان وارد ہوا اور اس کے بال بال میں ذکرِ الٰہی جاری ہوگیا اور مشاہدۂ الٰہی میں بے ہوش ہو کر مستغرق ہوگئی اور بعد افاقہ تمام برائیوں سے تائب ہو کر آپ سے بیعت ہوئی اور ذکر و شغل کرتی کرتی اولیاءِ واصلین میں سے ہوگئی۔ چونکہ اس کی ظاہری صورت انہوں نے خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سچے اور پاک بندوں کی سی بنائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس خلوص کی وجہ سے اپنی رحمت نازل فرما کر اس کا باطن بھی اپنے مقبول بندوں کا سا بنا دیا۔ اسی واسطے فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(ترجمہ:۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اسی قوم میں سے ہوتا ہے)

ایک روز بر سبیل تذکرہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص فقیر کی صورت بھی بنائے تو چاہیئے کہ شیخوں کی سچی صورت بنائے۔ بعض لوگ بزرگوں کی نقل کرتے ہیں مگر افسوس نقل بھی پوری نہیں کرتے۔ کاش پوری نقل کرتے تو مواخذۂ آخرت سے کچھ تو نجات مل جاتی۔ ہمیں ایک حکایت یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ عالمگیر بادشاہ کے وقت میں ایک بہروپیا یعنی نقال اپنے فن میں بڑا کامل تھا۔ جب بادشاہ عالمگیر کو خبر ہوئی تو اُس نے نقال کو بلا کر کہا کہ ہم تیرے دھوکے میں نہیں آ سکتے۔ نقال نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں آپ کو دھوکا دے دوں تو مجھے کیا انعام ملے گا؟ عالمگیر نے کہا کہ اگر تو نے مجھے دھوکا دے دیا تب تو تجھے دس ہزار روپیہ انعام دوں گا ورنہ پھانسی تیار

ہے۔نقال نے عرض کیا کہ حضور! مجھے منظور ہے لیکن آپ اس بارے میں مجھے ایک دستاویز لکھ دیں۔ بادشاہ نے اپنی مہر ثبت کر کے دستاویز لکھ دی اور نقال لے کر چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد عالمگیر کو ملک دکن کی تسخیر کے واسطے فوج کشی کرنی پڑی۔ ادھر اس نقال نے بادشاہ کا ارادۂ فوج کشی معلوم کر کے ملک دکن میں اورنگ آباد کے قریب کسی جنگل میں ڈیرا جالگایا اور فقیرانہ صورت بنا خلقت سے منہ موڑ بظاہر یادِ خدا میں مشغول ہو گیا اور دنیا واہلِ دنیا کی طرف سے بالکل بے رغبتی ظاہر کی اور خدا کے مقبول بندوں کے عادات واخلاق کو خوب ہی نباہا۔ جو لوگ نذریں وغیرہ اس کے پاس لاتے، ان کی طرف توجہ نہ کرتا اور دن رات یادِ خدا میں مشغول رہتا۔ گردونواح میں اس کی بڑی شہرت ہوگئی۔ لوگ کثرت سے اس کے گرد جمع ہونے اور مقبولِ خدا ولی اللہ جاننے لگے۔ اس کی شہرت کا عام چرچا ہو گیا۔ وہ عالمگیر بادشاہ کے آنے کا منتظر رہتا کہ کب آئے تو دھوکا دوں۔ آخر کار کچھ عرصہ کے بعد عالمگیر بھی وہاں پہنچا۔ عالمگیر بڑا ہی خدا پرست اور فقیر دوست بادشاہ تھا اس کی عادت تھی کہ جہاں کہیں کسی متقی و پرہیز گار فقیر کو پاتا، اس سے ملتا اور شاہانہ سلوک سے اس کے ساتھ پیش آتا۔ جب اورنگ آباد میں پہنچا تو حسبِ عادت لوگوں سے پوچھا کہ یہاں بھی کوئی باخدا درویش ہے کہ نہیں۔ لوگوں نے اسی فقیر کا ذکر کیا اور حد سے زیادہ اس کی تعریف وتوصیف بیان کی۔ بادشاہ نے سوچا کہ اُسے آزمانا چاہیے۔ اگر واقعی وہ دنیا سے بے رغبت اور انقطاع والا ہے تو ہم بھی اس کی زیارت کریں۔ چنانچہ عالمگیر نے وزیر کو سو اشرفیاں دے کر بھیجا۔ جب وزیر اس کے پاس گیا تو اس نے دور سے دیکھتے ہی گردن جھکا لی اور گویا مراقب ہو کر بیٹھ گیا۔ وزیر آیا اور ادب سے بیٹھ گیا۔ بڑی دیر کے بعد جب وزیر اُٹھ کر واپس جانے کے حیلے کرنے لگا تو اس نے گردن اٹھا کر وزیر کی طرف دیکھا۔ وزیر نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ فقیر نے پوچھا ''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام ہے؟'' وزیر نے کہا ''میں عالمگیر بادشاہ کا وزیر ہوں اور حضور کے سلام وزیارت کو آیا ہوں۔'' اور اشرفیاں پیش کر کے کہا کہ'' بادشاہ نے یہ حضور کی نذر بھیجی ہے، اسے منظور فرمالیں۔'' فقیر نے جواب دیا کہ'' میں ایسی ہی گتی دنیا سے منہ موڑ کر اور کنارہ کش ہو کر صرف خدا تعالیٰ کے وصل اور دیدارِ الٰہی کے شوق میں یہاں آ بیٹھا ہوں۔ مجھ پر آپ کا بڑا ہی احسان ہوگا اور میں آپ کے واسطے بہت ہی دعا کروں گا جو آپ مجھے اس سے معاف رکھیں اور یہ اشرفیاں واپس

لے جائیں۔'' وزیر نے دینے میں بہت اصرار کیا لیکن فقیر نے ایک نہ مانی۔ آخر مجبور ہوکر وزیر اشرفیاں لئے ہوئے واپس چلا گیا اور بادشاہ کے پاس سارا قصہ جا سنایا۔

بادشاہ کو بھی اس کی ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا اور سات گاؤں کا پٹہ معافی اور دو ہزار اشرفیاں نذر کے واسطے لے کر فقیر کے پاس پہنچا۔ فقیر بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر مراقب ہو گیا اور جس وقت بادشاہ وہاں پہنچا اور سلامُ علیک کی تو اٹھ کر بڑے تپاک سے ملا۔ مصافحہ کیا، بہت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ انجام کار بادشاہ نے وہ پٹہ معافی اور اشرفیاں پیش کیں۔ فقیر نے لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے پھر دینے میں اصرار کیا۔ اس نے پھر بھی انکار ہی کیا۔ تین چار بار جب اسی قسم کا اصرار و انکار ہو چکا تو تنگ آ کر فقیر نے کہا کہ آپ بار بار یہی دینا چاہتے ہیں تو میں کسی اور جنگل میں جا بیٹھوں گا مگر اس کی طرف منہ نہیں کروں گا۔ بادشاہ کو مجبور ہو کر اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔ مگر فقیر کی عقیدت دل میں زیادہ بڑھ گئی۔ چلتے وقت بالحاح فقیر سے کہا کہ ''حضرت! کل صبح میری فوج کا کوچ ہوگا۔ میری دلی تمنا ہے کہ کل آپ کی زیارت کر کے کوچ کروں۔'' فقیر نے کہا کہ آپ بادشاہ ہیں، سلطنت اور فوج کے کاروبار آپ کو بہت ہیں، آپ تکلیف نہ فرمائیں، کل صبح میں خود ہی حاضرِ خدمت ہوں گا۔'' آخر بادشاہ تو اقرار کرا کر چلا گیا اور فقیر نے اپنی وہی پرانی خنجری بغل میں دبائی اور صبح ہوتے ہی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی تو تخت سے اتر کر اس کے استقبال کو آیا اور ساتھ لے جا کر تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فقیر جو دراصل بہروپیا تھا۔ دعائے ترقی سلطنت اور جان و ایمان دے کر عرض کرنے لگا کہ ''حضور! میں وہی بہروپیا ہوں جس نے حضور کو دھوکا دینے کا وعدہ کیا تھا، سو اب دھوکا پورا ہو چکا کیونکہ آپ مجھے نہیں پہچان سکے۔'' اور بغل میں سے وہی خنجری نکال کر بجانے لگا۔ بعد ازاں وہی دستاویز دکھا کر کہا کہ حضور اپنا وعدہ پورا کریں۔ بادشاہ تخت پر جا بیٹھا اور اس بہروپیے سے کہا کہ بیشک تو مجھے دھوکا دے چکا اور میں تجھے نہیں پہچان سکا مگر ایک بات بتا کہ جب میں تیرے پاس سات گاؤں کی معافی کا پٹہ اور دو ہزار اشرفیاں جو نسلاً بعد نسل تیرے اور تیری اولاد کے کام آتیں اور یہ دس ہزار روپیہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، لے کر گیا تو وہ تو نے کیوں نہ منظور کیا؟ حالانکہ نہ میں نے تجھے پہچانا تھا اور نہ تیرے پاس کسی کو تفتیشِ حالات کے واسطے آنا تھا تو مدت العمر چین

سے زندگی بسر کرتا۔ پھر کون سا امر تجھے مانع ہوا؟'' اُس نے کہا کہ ''حضور! سچ تو یہ ہے کہ جس پاک گروہ کی نقل کر کے میں نے حضور کو دھوکا دیا ہے ان کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اگر میں آپ سے وہ اشرفیاں اور پٹہ لے لیتا تو اس پاک گروہ پر دھبہ لگتا اور نقل میں غلطی اور جھوٹ ہوتا اور میدانِ قیامت میں مجھے شرمندگی ہوتی کہ ارواحِ طیبہ اولیاء کی فرماتیں کہ نالائق کیا ہم ایسے ہی تھے جیسی تو نے نقل اتاری ہے؟ ہم تارکِ دنیا تھے، تو نے ہمیں طالبِ دنیا بنایا ہے۔ اس لئے دس ہزار روپیہ پر اکتفا کیا اور اتنی بڑی جائیداد اور سونا ترک کیا۔ میں نے نقل صحیح صحیح اتار دی، اس میں کوئی غلطی نہیں ہونے دی۔ اب آپ جو یہ روپیہ مجھے دیں گے وہ میں نے نقل صحیح کر کے لیا ہے اور یہ میرے واسطے حلال ہے۔'' عالمگیر نے اس کو اٹھ کر چھاتی سے لگا لیا اور کہا شاباش ہے کہ تو نے نقل اتارنے میں ان بزرگوں کی تعظیم کا اتنا خیال تو رکھا اور دھبہ نہیں لگنے دیا۔

یہ نقل بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی نقل اولیاء کی کرے تو چاہیے کہ صحیح صحیح کرے جس سے اولیاءِ کرام کی کسی طرح کی تہمت اور مذمت نہ ہووے۔ اس پاک گروہ کے ادب کا خیال رکھے۔ تاہم امید نفع کی ہے کہ جس کی شباہت کی ہے اس کا اثر اس مشابہت کرنے والے میں بھی آ جائے ورنہ وبالِ جان ہے۔ اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ۔

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ

فصل پنجم

شکر و اِستغناء

نقل ہے: آپ کی عادت مبارک تھی کہ امیر و غریب مالدار و نادار جو کوئی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا سب سے ایک ہی برتاؤ فرماتے تھے۔ امیر یا کوئی روپے وغیرہ نذر لے کر آتا تو اس کی کچھ زیادہ تعظیم اور توقیر نہ فرماتے اور اگر مسکین و نادار یا کوئی خالی ہاتھ آتا تو اس سے کسی طرح کی بے توجہی نہ برتی جاتی تھی۔ غرض آپ کے نزدیک ہر بات اور ہر حال میں دونوں مساوی ہوتے تھے۔ کھانا امیر و غریب، مسافر و نادار سب کو وہی گیہوں کی روٹی اور مسور کی دال جو لنگر میں درویشوں کے واسطے پکتا تھا، دیا جاتا تھا۔ یہ نہ ہوتا تھا کہ امیروں کے واسطے کچھ اور کھانا تیار کیا جائے اور غریبوں مسکینوں کے واسطے کچھ اور۔ غرض آپ کے ہاں کسی کے واسطے کسی بات میں کسی طرح کا تفاوت نہ تھا۔ اور اکثر دنیاداروں کا خیال تھا کہ اگر حضرت صاحب دروازہ کھول دیں تو روپیوں کی کمی نہ رہے مگر کبھی بھول کر بھی آپ کو اس بات کا خیال نہ آتا تھا۔ اور جس طرح عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جو کوئی ان کے پاس کچھ روپیہ وغیرہ لے کر آوے تو اس سے چاپلوسی کی اور خوشامد آمیز باتیں کیا کرتے ہیں، آپ کے ہاں ان باتوں کا کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا۔

آپ کا یہ طریقہ دیکھ کر ایک مولوی صاحب نے، جو بہار کی طرف کے رہنے والے تھے، عرض کیا کہ حضور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ یعنی جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا۔ تو جو لوگ فقراء کی خدمت و تواضع کریں فقراء کو ان کا شکریہ ادا کرنا ان کے ساتھ کسی قدر زیادہ محبت سے پیش آنا چاہیئے اور ان کی خاطر و مدارت زیادہ کرنی چاہیے۔ اسی گفتگو کے اثناء میں چٹھی رساں ایک منی آرڈر لے کر آیا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روپے پیش کئے۔ آپ نے فرمایا ''مولوی صاحب! اب بتاؤ اس چٹھی رساں کا احسان مانیں یا اس بھیجنے والے کا؟'' لوگوں نے کہا ''حضور! اس میں اس کا کیا احسان ہے، یہ تو ایک مزدور ہے اور دراصل احسان اس بھیجنے والے ہی کا ہے۔ آپ نے آسمان کی

طرف اشارہ کر کے فرمایا'' واقعی بھیجنے والا تو وہی ہے اور یہ جتنے بندے ہمارے پاس روپے پیسے لے کر آتے ہیں سب چٹھی رساں ہیں۔ باقی چٹھی رساں میں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ ان کے حق میں فقیر کو دعا کرنی چاہیئے اور چٹھی رساں اس کا بھی مستحق نہیں، کیونکہ وہ مزدوری اُدھر سے پالیتا ہے۔'' پھر فرمایا'' روپے پیسے لانے والوں کا شکریہ تو اسی میں ادا ہو جاتا ہے کہ فقیر ان کے واسطے دعا کر دے، چاپلوسی اور فضول باتیں جانبین کے حق میں بے نفع ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقیر کی روزی آسمان سے اتار کر اور لوگوں کے ہاتھ بھیجتا ہے تاکہ اس کی مخلوق کو قربِ اولیاء اللہ حاصل ہو ورنہ معطی حقیقی وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن غیب میں دعا کرنی بہتر ہے کیونکہ وہ جلدی قبول ہو جاتی ہے اور جو دعا اس کے سامنے کی جائے اس میں خوشامد کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں حکم ہے کہ کم سے کم شکریہ اس سے بھی ادا ہو جاتا ہے کہ جزاک اللہ کہہ دے۔ اور عام دنیا داروں کا شکریہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ باقی اصلی شکریہ وہ ہے جو پیشوایا علمِ دین کے اُستاد کا کیا جائے۔ ان کے شکریہ میں ان کی جس قدر محبت اور تعظیم و توقیر اور خدمت و تواضع کرے سب تھوڑی ہے۔ اور اصلی شکریہ ان بزرگوں کا احسان ماننا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کا سیدھا راستہ دکھایا اور دین کی تعلیم دی۔''

نقل صحیح ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ جموں ہندوستان کی سیر کو آتا ہوا انبالہ شریف میں راجہ ناہن کی کوٹھی میں اترا۔ ایک نقال جسے بہروپیا کہتے ہیں حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی صورت کا بہروپ بنا کر تسبیح ہاتھ میں لئے مستانہ صورت بنائے راجہ جموں کے پاس پہنچا۔ حضور کے مکان سے راجہ ناہن کی کوٹھی بہت فاصلے پر ہے۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے نورِ باطن سے معلوم کیا اور راجہ ناہن کی کوٹھی کی طرف منہ کر کے فرمایا'' دیکھ وے! نقل سچی سچی کرنا، کوئی بات چھوڑ نہ دینا، جھوٹی نقل میں گناہ ہوتا ہے۔'' آپ کی عادت مبارک تھی کہ بعض اوقات یا رحیم یا کریم یا اللہ ایک خاص ادا کے ساتھ فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات ایک خاص طرز و انداز کے ساتھ فرمایا کرتے تھے اَللّٰہ اَللّٰہ حق حق حق۔ اتنا فرما کر آپ تو اپنے فکر و مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ ادھر وہاں نقل کرتے کرتے بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ حق حق حق۔ ان کلمات کے سننے سے راجہ جموں کو وہ لذت و تاثیر اور محویت ہوئی کہ وہ رہ نہ سکا اور نقال سے کہا کہ سن! جو لینا ہو لے مگر بتا دے کہ جس بزرگ کی نقل تو نے اتاری ہے وہ فوت ہو گئے یا زندہ ہیں اور

جو زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ نقال نے کہا نہیں حضور، وہ زندہ ہیں اور یہیں انبالے میں موجود ہیں۔ راجہ نے کہا جن بزرگ کی نقل سے اتنا اثر ہوا ہے اصل تو خدا جانے کیسے کچھ ہوں گے؟ چنانچہ راجہ پانچ سو بیگھہ زمین کا قبالہ لکھ کر اور پانچ سو روپے کا نوٹ اور کسی قدر اشرفیاں نقد ایک سینی میں رکھ نقال کو ہمراہ لئے ہوئے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کیوں بندے اللہ دے، نقل تو ٹھیک کی تھی؟ نقال نے شرمندہ سا ہو کر عرض کیا کہ حضور مجھ سے غلطی ہوئی معاف فرمائیں۔ فرمایا غلطی تو تب ہوتی اگر سچ سچ نقل نہ کرتا۔ آخر راجہ جموں نے اشرفیاں اور کاغذات کی وہ تھال پیش کی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ راجہ نے عرض کی حضور ایک تو یہ پانچ سو بیگھہ زمین کا قبالہ ہے اور ایک نوٹ اور کچھ اشرفیاں۔ فرمایا ہمیں یہ زمین کیا کرنی ہے، یہ تو فساد کی جڑ ہے۔ باقی تیرے ان روپے پیسوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ دیکھ، وہ ہمارا لنگر ہے اور وہ دبا دَب روپے پیسے اناج وغیرہ ہمارے درویشوں کے واسطے چلا آرہا ہے۔ پھر نقال کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس نے بڑی محنت کی ہے اسی کو دے دو۔ راجہ نے ہر چند اصرار کیا، آپ نے ایک نہ مانی۔ آخر کچھ اشرفیاں نقال کو دلا دیں اور باقی سب چیزیں واپس کر دیں۔ بعد ازاں راجہ نے کسی تکلیف کے واسطے دعا کرائی۔ آپ نے دعا فرمائی اور اس کی وہ تکلیف دور ہوگئی اور اللہ اللہ پہلے ہی اس کی زبان پر جاری تھا پھر اس کے دل میں جاگزیں ہوگیا۔

نقل ہے کہ ایک روز میرٹھ کا ایک مسلمان رئیس ایک ملازم کو ساتھ لئے ہوئے حاضرِ حضور ہوا۔ خفیف سا ترشح[1] ہو رہا تھا اور سردی کا موسم تھا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی عادت مبارک تھی کہ وضو یا غسل جو کچھ آپ کو کرنا ہوتا تھا، آپ کئے[2] بدوں نہ رہتے تھے۔ اس وقت لوگ ہر چند عرض کرتے رہے کہ حضور سردی ہے اور غسل بھی فرض نہیں پھر کسی وقت غسل فرمالیں مگر حضور نے نہ مانا اور غسل فرمانے لگے۔ وہ رئیس حجرے کے اندر بیٹھا تھا یکا یک کہنے لگا کہ بچوں اور درویشوں کی ایک حالت ہوتی ہے۔ جس طرح وہ کسی کے ہٹانے سے باز نہیں آتے، درویش بھی کسی کا کہنا نہیں مانتے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور علیہ الرحمۃ غسل سے فراغت پا کر اور اسی ترشح میں وضو کر کے حجرے

---

[1] ترشح۔ بوندا باندی
[2] بغیر

میں تشریف لائے اور اس رئیس کی طرف آنکھ اٹھا کر جوش سے نگاہ کی۔ وہ کانپ گیا اور عرض کرنے لگا حضور مجھ سے غلطی ہوئی۔ فرمایا کیا ہوا؟ اس نے کہا حضور میں نے جناب کی شان میں یہ لفظ غلطی سے کہا ہے۔ فرمایا کوئی بات نہیں، بچے بھی تو معصوم ہی ہوتے ہیں۔ اور ایک جلیبی اس کو کھانے کے واسطے دلائی۔ پھر اس نے اسی حالتِ لغزش وہراس میں مبلغ ساٹھ روپے نذرانہ کے پیش کیے۔ حضور نے اس روپے کو دیکھ کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا آسمانوں والے مجھے بچا، میں بڑا مسکین غریب ہوں۔ پھر فرمایا، یہ روپے باہر ریتی میں پھینک دو۔ ایک درویش لے کر دروازے سے باہر چلے۔ ان کے دل میں خیال گزرا، کہ مائی صاحبہ کو دے دوں۔ حضور نے ان کو بلالیا اور فرمایا رکھ دے پھر اور کو دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کو بھی بلالیا اور فرمایا یا اللہ! ان درویشوں کے دل سے دنیا کی جڑ کاٹ دے۔ پھر مجھ کو بلایا اور آپ میرے ساتھ باہر تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ یہاں پھینک دے۔ آپ نے فرمایا کہ غرباء ومساکین اس کو لے لیں اور ہمارا درویش اس کو کوئی نہ لے۔ پھر فرمایا خداوندا! تو بڑا کریم ہے۔ میرے جیسے مسکین بندے کو ہر بلا سے بچاتا ہے۔ بعد میں مَیں نے عرض کیا کہ حضور اگر یہ روپیہ رکھ لیا جاتا تو کیا حرج تھا، آج لنگر کے کام آتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ لنگر کے واسطے اور جگہ سے حلال طیب بھیجے گا۔ یہ مالِ زکوٰۃ تھا جو غنی پر حرام ہے اور بفضل خدا ہم غنی ہیں کیونکہ ہم تندرست ہیں اور تمام خزانوں کی کنجیاں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ یہ روپیہ ہم کو پیپ اور خون نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس رئیس نے بھی اس کی تصدیق کی کہ واقعی یہ زکوٰۃ کے روپے تھے۔

نقل معتبر ہے کہ ایک روز نواب ابراہیم علی خاں والی مالیر کوٹلہ حضور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور تھال میں تقریباً تین سو روپے پیش کیے۔ حضور علیہ الرحمتہ نے منع فرمایا کہ ہم نہیں لے سکتے لے جاؤ۔ نواب نے دینے میں اصرار کیا۔ دو تین مرتبہ کے اصرار میں حضورِ انور کو جوش آ گیا اور حضور نے وہ تھال پرے پھینک دیا جس کا کچھ حصہ نواب کی پیشانی پر بھی لگا اور چوٹ آئی اور نواب کی طبیعت اسی وقت بگڑ گئی۔ حضور فوراً جوش کی حالت میں جنگل کو تشریف لے گئے، حضرت حاجی[1] صاحب رحمتہ اللہ علیہ جالندھری بھی انبالہ شریف میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ نماز میں نواب مذکور بھی حاضر تھا۔ بعد نمازِ جمعہ نواب صاحب نے حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

---

[1] حضرت حاجی محمد محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو کہ حضرت توکل شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے دادا پیر تھے۔

سے عرض کیا کہ مالِ زکوٰۃ درویشوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا جائز ہے۔ اُس نے کہا آپ لے لیں گے۔ فرمایا ہاں ہم بھی لے لیں گے اور سب درویشوں کو جائز ہے۔ مگر یہ مست خدا کا مقبول ولی ہے اور خدا تعالیٰ کے خزانوں کے دروازے اس پر کھلے ہوئے ہیں، اس کو یہ مال لینا جائز نہیں تھا اسی واسطے اس نے نہیں لیا۔ چنانچہ نواب نے وہ تمام روپیہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیا اور آپ نے درویشوں میں تقسیم فرما دیا۔ بعدہٗ عرض کی کہ حضرت شاہ صاحب مجھ سے ناراض ہو گئے، حضور معاف کرا دیں۔ حاجی صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے فرمایا کہ مست! نواب اپنی خطا کو تسلیم کرتا ہے آپ معاف کر دو۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو روپیہ یہ لے کر آیا تھا مجھے اس میں خون پیپ نظر آتے تھے کیونکہ زکوٰۃ کا روپیہ تھا جو مسکینوں محتاجوں اور بیواؤں کا حق ہے ان کو دینا چاہیے تھا۔ اور میرے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے کہ جس قدر ضرورت ہوا کرے اس سے اتنا ہی خرچ کر لیا کروں۔ آج کل میرا خرچ دو روپیہ روز ہے سو اللہ تعالیٰ سے ہر روز نیا لے لیا کرتا ہوں۔ اور جب زیادہ درویش ہو جاویں گے تو زیادہ لے لیا کریں گے۔ آخر نواب نے معافی مانگی اور بیعت ہو کر چلا گیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی مال زکوٰۃ نہیں لیا کیونکہ یہ مال اولادِ رسول ﷺ و بنی ہاشم اور اغنیاء پر قطعاً حرام ہے۔

نقل ہے: کہ ایک دفعہ سکھ راجگان میں سے کسی راجہ کا خط حضور علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اس مضمون کا آیا کہ ہمارے ہاں لڑکے کی پیدائش کی خوشی میں جلسہ ہے کیا خوب ہو جو آپ جیسے بزرگ بھی اس جلسہ میں تشریف لائیں اور دعا کی برکت سے مالا مال کریں، حضور کی خاطر و مدارت میں پوری کوشش کی جائے گی۔ ضرور تشریف لائیں۔ حضور نے جواب میں لکھوایا کہ ''ہم ایسے غنی کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں جس کے دربار کے گداگر تجھ سے زیادہ بہتر ہیں۔ ہم کو تیری خاطر و مدارت کی کچھ پروا نہیں اور ہم اس کے دروازے سے اٹھ کر کہیں نہیں جاتے اور ہماری اصلی وراثت توکّل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامل عطا فرمائی ہے۔ ہم اس میں کمی نہیں کرنا چاہتے۔''

نقل ہے کہ ایک بار ایک نواب حاضرِ خدمت ہو کر عرض کرنے لگا کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی، حضور دعا فرمائیں۔ وہ سنِ یاس کو پہنچا ہوا تھا۔ دعا کے واسطے جب اس نے بہت ہی منت و زاری اور الحاح کے ساتھ التجا کی تو حضور نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی میرے میاں صاحب کے

طفیل سے اس کو بیٹا مرحمت فرما دے اور اس کو رخصت کر دیا۔ ایک سال کے بعد اس کا خط آیا کہ حضور کی دعا کی برکت سے میرے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا ہے اور ساتھ ہی کچھ نقدی بھی بھیجی۔ حضور نے وہ نقدی واپس کر دی اور فرمایا کسی مسکین بندے کی دعا سے ہو گیا ہو گا۔ لے جاؤ، اسی طرف کسی مسکین بندے کو دے دینا۔ ہر چند کہ انہوں نے بہت اصرار کیا مگر حضرت علیہ الرحمۃ نے منظور نہ فرمایا۔

لا حول ولا قوة الا بالله

فصل ششم

توکّل

ارشاد: ایک روز توکل کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ ایک پانی پت کے شیخ زادے صاحب آئے ہوئے تھے اور وہاں ہی رہنے لگے تھے۔ وہ ان دنوں روزے رکھا کرتے تھے۔ ہوتے ہوتے ذکر آیا کسی شخص کی نسبت کہ فلاں شخص اگرچہ روزے نہیں رکھتے تاہم یہاں رہ کر روٹی نہیں کھاتے کیونکہ انہوں نے توکّل اپنا شعار بنایا ہوا ہے۔ فرمایا ہمارے یہاں رہ کر ان کو توکّل نہیں کرنا چاہئیے تھا جب کہ ہمارے لنگر میں سب کچھ موجود ہے اور اس کا نام توکّل نہیں۔ توکّل کئی طور پر ہوتا ہے۔ ایک تو عام دنیاداروں کا توکّل ہے کہ مثلاً کسان نے زمین میں ہل چلایا، اسے بویا بیجا، اس کی راکھی کی اور اپنی طرف سے تمام باتیں کھیتی کے متعلق صرف کر چکا۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا کہ خداوندا تو چاہے تو اناج ہمارے ہاتھ آ سکتا ہے ورنہ کچھ نہیں۔ اسباب ہم تیار کر چکے، اب ان اسباب میں تاثیر ڈالنا تیرے اختیار ہے۔ تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیل، لکڑی، جرس، کنواں وغیرہ تمام سامان بیکار نہیں پیدا کئے (اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً اور ہمارے رب نے کچھ بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پر عمل کیا ہے۔) اس کا نام بھی توکّل ہے اور یہ عام دنیاداروں کا توکّل ہے۔ اور ایک قسم مثلاً سیاحوں کا توکّل ہے کہ انہوں نے اپنی ضرورتِ سفر مثلاً مصلّے، لوٹا، تسبیح، کپڑا وغیرہ دیگر ضروریات کو مہیا کیا ہوا ہے اور ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ یہ بھی توکّل کے خلاف نہیں بلکہ انہوں نے اسباب کو جمع کر کے پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے۔ اور مغلوبُ الحال لوگوں کی ریس نہیں کرنی چاہئیے، اُن کا کچھ اور حال ہوتا ہے۔

اور ایک توکّل مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کہ وہ حضرات جہاد کے واسطے گھوڑے بھی مہیا کرتے تھے اور تلوار نیزہ وغیرہ آلاتِ حرب بھی جمع کرتے تھے۔ اور بعض اوقات بعضے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین جوشِ توکّل میں آ کر جہاد کے وقت اپنی زرہیں اتار کر لڑتے تھے۔ اور رسولِ کریم ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ اگر اور ایک زرہ پہنتا تو آپ دو پہنتے تھے۔ یہ عین توکّل تھا مگر عامہ امت

کی تعلیم کے واسطے تھا۔ اور ایک توکل ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اسباب کو بالکل قطع کر دیا ہے اور ہر بات اور ہر کام میں ان کا بھروسہ صرف ذات پر ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں یہ حکایت یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی خُلّت[1] کا آوازہ دیا گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں تو آپ نے عرض کیا کہ خداوندا! میں تیرا خلیل ہوں۔ میرے سوائے کوئی اور بھی ایسا ہے جو تیری ذات پر اتنا بھروسہ رکھتا ہو جس قدر کہ میرا بھروسہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اے خلیل! تجھ سے بھی زیادہ بھروسہ رکھنے والے میرے بہت سے بندے ہیں۔'' (خلیل اسے کہتے ہیں جس کے دل میں گنجائش سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی نہ ہو۔) حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے عرض کیا ''خداوندا! مجھے بھی ان میں سے اپنا بندہ کوئی دکھا دے''، حکم ہوا جاؤ فلاں جنگل میں جا کر دیکھو وہاں ہمارا ایک ایسا ہی بندہ ہے، اس سے ملاقات کرو۔ چونکہ وہ جنگل بہت دور کے فاصلہ پر تھا آپ کو کچھ یوں ہی فکر سا ہوا۔ حکم ہوا کہ یہ اسم پڑھتے چلے جاؤ، جلدی پہنچ جاؤ گے۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اس سے ملے، سلام علیک کی۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ کو کسی کام کی ضرورت ہو تو فرمایئے تا کہ میں آپ کا وہ کام کر دوں۔ اس بزرگ نے کہا آسمانوں میں ایک شخص کے خلیل ہونے کا آوازہ دیا گیا تھا جس کا نام ابراہیم ہے (علیہ السلام)۔ میں نے دعا کی تھی کہ خداوندا! اپنے اس خلیل کی زیارت مجھے بھی کرا دے، سو یہ حاجت ہے اور تو کوئی کام نہیں۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام نے فرمایا آپ کی دعا تو قبول ہو گئی یہ دیکھئے میں موجود ہوں۔ میرا نام ہی ابراہیم ہے (علیہ السلام)۔ اس بزرگ نے بہت ہی محبت ظاہر کی اور اسرار و معرفت کی باتیں دونوں کے درمیان بہت دیر تک ہوتی رہیں۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے جانے کے واسطے اجازت مانگی تو انہوں نے کہا کہ کھانے کا وقت قریب آ گیا ہے کھانا کھا کر ہی چلے جانا۔ آپ نے فرمایا یہاں جنگل میں سامان کوئی نہیں ہے بہتر ہو اگر آپ رخصت دے دیں۔ اس بزرگ نے پوچھا سامان کیا ہوتا ہے؟ فرمایا یہی چولھا، توا، چھلنی، آٹا وغیرہ وغیرہ۔ وہ بزرگ پہلے تو چولھا، توا، چھلنی وغیرہ کا نام سن کر گھبرائے۔ پھر پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں اور انہیں کیا کیا کرتے ہیں؟ آپ نے اوّل سے آخر تک سب قصہ سنایا کہ اس طرح اناج بیجتے ہیں وہ اگتا ہے، پھر پکتا ہے، پھر اسے کاٹتے ہیں،

---

[1] گہری دوستی

صاف کرتے ہیں، پیستے ہیں، چھانتے ہیں، پھر اس طرح پکاتے ہیں، تب جا کر کہیں کھانا نصیب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی دودھ، گھی، سالن، نمک، مرچ، پھول، پھل، ترکاریوں وغیرہ کا بھی اجمالی ذکر فرمایا۔ وہ بزرگ یہ سن کر بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے آپ تو خدا کے خلیل ہیں، پھر بھی آپ کا ان اسباب پر خیال ہے؟ پھر افسوس کر کے کہا ''کیا اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں جو اس پر اتنا بھی بھروسہ نہیں رکھتے اور اپنے کسب پر نظر رکھتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے کہا آپ کس طرح گزارہ کرتے ہیں؟ کہا اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ کیا ہوا ہے جب ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیتا ہوں وہ بھیج دیتا ہے، میں کھا لیتا ہوں۔ آپ ٹھہر جائیں آپ کے واسطے بھی کھانا آجائے گا۔ چنانچہ اس بزرگ نے تسبیح لے کر کچھ اسمائے الٰہی پڑھے آسمان سے اتر کر دستر خوان بچھ گیا اور کھانے چنے گئے دونوں نے کھانا کھایا۔ پھر اس بزرگ نے آسمان کی طرف نظر کر کے عرض کیا خداوندا! میں تو سمجھتا تھا کہ خلیل کو دنیاوی تعلقات سے کوئی مَس ہی نہ ہوگا، مگر خیر کیا عرض کروں۔ خلیل تیرا بھید ہے تو اس کا بھید ہے، مجھے دم مارنے کی جگہ نہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام وہاں سے چلے آئے اور توکّل کے بارے میں آپ کی طبیعت میں فکر پیدا ہوا، کہ ہمیں اس قسم کا توکل کیوں نہ عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خلیل! تو کیوں گھبراتا ہے؟ تو اسباب کو مہیا کر کے میری قدرتوں کا اظہار کرتا ہے۔ تو ان دیوانوں کی باتوں سے کیوں پریشان ہوتا ہے؟ یہ دنیا کی طرف سے دیوانے ہو گئے اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور میری طرف سے عقل مند ہو گئے۔ ان کا یہی مرتبہ ہے کہ میں کھانے پینے کی چیزیں ان کو پہنچا دیتا ہوں اور یہ کہ وہ معصوم و مغفور ہیں اور قیامت کے دن بے حساب بخشے جائیں گے۔ باقی دنیا کی نعمتیں ولذتیں اور آخرت کے عیش و آرام اور لذت دیدارِ الٰہی کی اور مراتب قرب کے اور شان انعام کی اور بے انتہا دیدارِ الٰہی تمہارے ہی واسطے ہے اور مصداق اَلْاَنْبِیَاءُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّھُمْ یعنی انبیاء میرا بھید ہیں اور میں ان کا بھید ہوں، کے تم ہی لوگ ہو اور تیرے طفیل بے انتہا خلق کو بخشوں گا اور میری خلافت کا حق تم ادا کر رہے ہو۔ شانِ خلافت تم کو ہی شایاں ہے۔

اور ایک توکّل وہ ہے جو اصحابِ صُفّہ کو دیا گیا تھا اور جس کا نمونہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرح دکھایا تھا کہ جب لوگوں نے آپ سے توکّل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے

اپنا ہاتھ اٹھا کر سانپ کے منہ میں دے دیا اور فرمایا جس کے بندے ہم ہیں اسی کی مخلوق یہ ہے، اس کی مجال نہیں کہ بغیر حکمِ خُدا کے ہمیں نقصان پہنچا سکے۔ پھر سانپ کے منہ سے نکال کر آگ پر رکھ دیا اور فرمایا اس کی بھی مجال نہیں کہ سوائے حکمِ خدا کے ہمیں کوئی تکلیف پہنچا سکے۔ چنانچہ کسی نے بھی آپ کو ضرر نہ پہنچایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ عین ذات میں فانی اور مستغرق تھے اور مغلوب الحالی میں آپ سے یہ واقعہ سرزد ہوا تھا اور مغلوب الحالوں کی باتیں کچھ ایسی ہی ہوتی ہیں۔ جو شخص مغلوب الحال نہ ہو اس کو ان کی ریس نہیں کرنی چاہیے بلکہ رسولِ کریم ﷺ کی شریعت میں جس توکّل کا حکم ہے اس پر ہی قائم رہے اور جس منصب کا وہ شخص ہو اسی منصب کا توکّل اسے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر بآوازِ بلند برتوکل زانوئے اُشتر بہ بند
گر توکّل مے کنی درکارکن کسب کن پس تکیہ برجبار کن

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے واضح فرما دیا کہ اونٹ کا گھٹنا باندھنا توکّل ہے۔ اگر تو توکّل اختیار کرنا چاہتا ہے تو (اسکا طریقہ یہ ہے کہ) محنت کر اور پھر نتیجہ کیلئے بھروسہ رب تعالیٰ کی ذات پر کر۔

تقریر مولف: توکّل کی کئی قسمیں ہیں اور سب کی سب رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک کے نور سے نکل کر اولیاء اللہ کے سینوں میں علیٰ حسبِ مراتب آئی ہیں۔ مثلاً ایک توکّل تو رسول اللہ ﷺ کا یہ تھا کہ کھانے، پہننے کا سامان بھی مہیا فرماتے تھے۔ شانہ[1]، مسواک وغیرہ بھی ہمراہ رکھتے تھے اور بازار میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں کفار کا قول اس طرح بیان فرماتا ہے کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ بازاروں میں چلتا اور کھانا کھاتا ہے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ فرماتے تھے اور عامہ مومنین اُمت کی تعلیم کیلئے حضورِ انور ﷺ یہ توکّل فرماتے تھے۔ پس اسباب کو کام میں لانا اور مسبب اور موثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو جاننا یہ بھی توکّل ہی ہے۔

اور ایک توکّل آنحضرت ﷺ کا یہ تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے اور ہتھیار آپ کے پاس کوئی موجود نہ تھا۔ ایک کافر آیا اور تلوار اٹھا کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچاوے گا؟۔ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا ''اللہ''۔ اُس نے دوسری

[1] کنگھا

بار پھر کہا یا رسُول اللہ ﷺ! آپ کو میرے ہاتھ سے اب کون بچاوے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ۔ اُس نے تیسری بار پھر کہا یا رسُول اللہ ﷺ! آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچاوے گا؟ آنحضرت ﷺ کو پھر بھی کسی قسم کا فکر و گھبراہٹ پیدا نہیں ہوا اور اُسی تسلی و اطمینان سے فرمایا ''اللہ'' اُس کافر پر حضورِ اکرم ﷺ کا ایسا اثر پڑا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر جا گرا اور تلوار بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے وہ تلوار لے کر اور اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا اب بتا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچاوے گا؟ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور ہی کی مہربانی ہو تو جان بچ سکتی ہے۔ آنحضرت رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بتاؤں تجھے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا ہاں حضور فرمایئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔'' چنانچہ وہ شخص اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ یہی نور اولیاء اللہ کے سینوں میں آیا ہوا ہے۔

اور ایک توکّل یہ ہے کہ ایک لڑائی میں حضورِ انور ﷺ نے تین روز تک کچھ نہیں کھایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر جا کر اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ کچھ موجود ہے جو رسُولِ خدا ﷺ کو کھلایا جائے؟ انہوں نے کہا کہ صرف دو روٹیاں اور مکھن ہے۔ تم چپکے سے جا کر رسولِ اکرم ﷺ کو بُلا لاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چپکے سے یہ بات رسولِ اکرم ﷺ کے گوش گزار کی۔ آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو آواز دے کر فرمایا کہ ہاتھ دھو لو، جابر نے تمہاری دعوت کی ہے۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ کھانا لے آؤ۔ جابر رضی اللہ عنہ، کو سخت تشویش ہوئی اور گھر جا کر بیوی پر ناراض ہونے لگے کہ تو نے خواہ مخواہ میری بے عزتی کی۔ رسولِ خدا ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگی تم نے رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض بھی کر دیا تھا کہ صرف دو ہی روٹیاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ تو میں نے عرض کر دیا تھا۔ کہا تو کچھ فکر نہیں۔ رسول کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ تم بلا تامّل یہ دونوں روٹیاں اور مکھن لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہی لے کر حاضرِ خدمت[1] ہوئے۔

توکّل بڑی ہی اعلیٰ درجہ کی صفت ہے۔ توکّل پر ہی ایمان کا دارومدار ہے، اسی سے اعلیٰ مراتب ملتے ہیں، اسی سے علمِ توحید میں کمال حاصل ہوتا ہے، اسی سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے، اسی سے راہِ خُدا میں ثابت قدمی ہوتی ہے، اسی سے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ کے معنی ظہور پاتے

[1] پورا واقعہ یوں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کپڑا اٹھاتے اور اس کے نیچے سے روٹیاں نکالتے جاتے، تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سیر ہو کر کھانا کھالیا۔

ہیں۔(ترجمہ:۔اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو (۱۲مدظلہ العالی) اسی سے عبودیت کامل ہوتی ہے، اسی سے اُلوہیّت کا اظہار عبودیت پر ہوتا ہے، اسی سے انسان پورا محکوم اللہ تعالیٰ کے احکام کا ہوتا ہے، اسی سے ہر کام میں انسان کو معاونتِ خداوندی شاملِ حال ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (ترجمہ۔ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے بہت اچھا آقا ہے اور بہت ہی اچھا مددگار ہے) یہ تم بھی کہا کرو۔ ارکانِ خمسہ اسلام کے بعد یہی ایک صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قُرب در قُرب و رضاو خوشنودیِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور ہر کام ہر بات ہر طرز و انداز میں ذاتِ الٰہی جل شانہ پر ہی نظر رہتی ہے۔ بلکہ انسان کو ارکانِ اسلام پر توکل ہی استحکام کے ساتھ قائم کرنے والا ہے اور ان ارکان کے حقائق تک کی وجہ سے انسان پہنچ سکتا ہے اور شرکِ خفی وجلی سے امن میں رکھنے والا یہی توکل ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (ترجمہ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) اس کا بڑا مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے قرآن شریف میں چوبیس جگہ توکل کا حکم فرمایا ہے۔ (۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (ترجمہ۔ اے ہمارے (رسول ﷺ) تم مسلمانوں سے کام میں مشورہ کرو۔ پس جس وقت پورا ارادہ کرلو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توکل والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (ترجمہ۔ مسلمانو! اگر مدد کرے تمہاری اللہ پس کوئی غالب آنے والا نہیں تم پر۔ اور اگر وہی تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے، جو تمہاری مدد کرے اس کے بعد۔ اور مسلمانوں چاہیے کہ اللہ ہی پر ہمیشہ بھروسہ رکھیں) اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ (ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ تحقیق کافروں نے تمہارے مقابلہ کیلئے بڑا لشکر جمع کیا ہے پس تم ان سے ڈرتے رہنا۔ تو اس بات نے اُن کو ایمان میں بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (ترجمہ۔ پس

منہ پھیر لے اُن سے اور بھروسہ رکھ اللہ پر اور اللہ ہی کارساز کافی ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْهَمَّتْ الطَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ط وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ط (ترجمہ۔ اور اے ہمارے رسول (علیہ السلام) یاد کرو جبکہ تم نکلے صبح ہوتے ہی اپنے گھر سے کہ بٹھاتے تھے مسلمانوں کو لڑائی کے موقعوں پر اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا تم میں سے دو جماعتوں نے نامرد بن جائیں اور مددگار تھا ان کا اللہ اور چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں مسلمان) ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (ترجمہ۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (ترجمہ۔ اور اللہ سے ڈرو اور چاہئیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ کریں مسلمان) ایک جگہ ارشاد ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ (ترجمہ۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پیدا کرنے والا تمام چیزوں کا تو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط (ترجمہ۔ اور اگر جھکیں وہ صلح کی طرف پس تو بھی جھک جا طرف اس کے اور بھروسہ کر اللہ پر) ایک جگہ ارشاد ہے۔ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (ترجمہ۔ اور جب کہا منافقوں نے اور ان لوگوں نے جنکے دل میں بیماری ہے کہ ان کو تو مغرور کر دیا ہے ان کے دین نے اور جو بھروسہ کرے اللہ پر تو بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ترجمہ۔ تو کہہ دے اے پیغمبر علیہ السلام ہرگز نہ پہنچے گا ہم کو مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ کریں مسلمان۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط (ترجمہ۔ اور طرف اسی کے لوٹایا جاتا ہے سارا کام پس اے پیغمبر علیہ السلام تو اسی کی عبادت کر اور بھروسہ رکھ اُوپر اسی کے) (۱۳) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَتَوَكَّلْ

عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ (ترجمہ۔اور تو بھروسہ کر اوپر اس زندہ کے جو نہیں مرے گا) (۱۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ ۚ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ۝ (ترجمہ۔کسی کا حکم نہیں سوا اللہ کے اور اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور چاہیے کہ اسی پر بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے) (۱۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔وَتَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ (ترجمہ۔اور تو بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر) (۱۶) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ۔ (ترجمہ۔اور وہی زبردست سب کچھ جاننے والا ہے۔پس تو اللہ پر بھروسہ کر) (۱۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا (ترجمہ۔اور بھروسہ کر اوپر اللہ کے اور کافی ہے اللہ کارساز) (۱۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ (ترجمہ۔ تو کہہ دے اے پیغمبر ﷺ کافی ہے مجھ کو اللہ، اوپر اسی کے بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے) (۱۹) ایک جگہ ارشاد ہے۔وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا وَّتَوَکَّلْ عَلَے اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا (ترجمہ۔اور فرمانبرداری کر اے محمد ﷺ اس حکم کی جو وحی کیا جاتا ہے طرف تیرے پروردگار تیرے کی طرف سے۔تحقیق اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے اور بھروسہ رکھ اللہ پر اور اللہ کارساز کافی ہے) (۲۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۝ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ ط وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط (ترجمہ۔اور جو اللہ سے ڈرے اللہ پیدا کردیگا اس کے واسطے نجات کا راستہ اور اس کو رزق پہنچائے گا ایسی جگہ سے جہاں سے اُس کو گمان بھی نہ ہو۔اور جو اللہ پر بھروسہ کرے پس وہ اس کو کافی ہے) (۲۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ (ترجمہ۔اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرمانبردار ہو) (۲۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۝ (ترجمہ۔ رب مشرق اور مغرب کا۔نہیں کوئی معبود مگر وہی پس پکڑ تو اسی کو کارساز۔)

(۲۳) ایک جگہ ارشاد ہے۔فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (ترجمہ۔ پس جس وقت حملہ کروگے تم ان (قوم کفار) پر پس تحقیق تم ہی غالب

ہو گے اور اوپر اللہ کے بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو) (۲۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔(ترجمہ۔پھر اگر منہ پھیر جاویں کافر تو کہہ اے پیغمبر ﷺ کافی ہے مجھ کو اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہ اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور وہ رب ہے عرش بزرگ کا) جس کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کیا ہے وہ ان آیات سے بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ توکّل ہی ہر مشکل کا حل کرنے والا اور ہر سامان کا آلہ اور خدا تعالیٰ کے شہود اور وصلِ عریانی تک سہولت کے ساتھ پہنچانے والا ہے۔(مؤلف)

ارشاد: ایک روز حضور کے ایک درویش نے عرض کیا کہ ''حضور مجھے اجازت فرمائیں تا کہ میں جنگل میں جا بیٹھوں اور جس طرح پہلے بزرگ جنگلوں میں رہ رہ کر عبادتیں کرتے تھے، میں بھی اسی طرح عبادت کروں۔ آپ نے فرمایا ہمیں ایک بزرگ کی حکایت یاد آ گئی ہے۔ جب تک فقیر اس بزرگ کا سا مرتبہ حاصل نہ کر لے، فقیر کے واسطے اسباب قطع کر کے جنگل میں بیٹھنا منع ہے۔

نقل ہے کہ ایک بزرگ بہت ہی قوی جذب رکھتے تھے اور حالتِ جذب میں کئی کئی دن بے ہوش رہتے تھے اور جذب کی حالت میں بعض اوقات جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے تھے مگر باوجود اس قدر جذب کے احکام شرعیہ کے پورے پابند تھے۔ ایک مرتبہ جذب کی حالت میں وہ بزرگ تن تنہا جنگل میں نکل گئے، کسی درویش کو ہمراہ لینے کا خیال نہ رہا۔ اسی بے ہوشی اور جذب کی حالت میں رات بھر میں بہت دور نکل گئے اور جس وقت پہاڑ میں پہنچے اور ہوش آیا تو صبح کی نماز کا وقت تھا۔ حسبِ معمول انہوں نے فرمایا وضو کے واسطے پانی لاؤ۔ درویش تو کوئی ساتھ نہ تھا جو پانی دیتا۔ بجائے اس کے ایک ریچھ جنگل سے پانی کا تاش ہاتھوں میں لئے ہوئے آیا اور وضو کرا کر واپس جنگل میں جا چھپا اور ان بزرگ نے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو جب تک فقیر میں اتنا کمال نہ ہو جائے کہ جنگل کے تمام چرند و پرند درندے اس کا حکم ماننے لگیں اس وقت تک فقیر کے واسطے اسباب کو توڑنا اور جنگل میں رہنا بہتر نہیں۔

پھر ارشاد فرمایا لو ایک بات اور یاد آئی۔ مولوی وصیت علی شاہ صاحب کا ایک مرید تھا۔ وہ ہتھنی کنڈ سے پرے پہاڑوں میں جا کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گیا اور ایسی لذت و محویت اور فنا اس پر طاری ہوئی کہ ہر وقت ذکرِ خدا میں ہی مشغول رہتا۔ کچھ مدت اسی طرح گزر گئی۔ ایک مرتبہ

مولوی وصیت علی شاہ صاحب اپنے اس مرید کو دیکھنے کے واسطے اسی جنگل میں تشریف لے گئے اور مرید کے حالات و مقامات دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ادھر وہ مرید بھی آپ کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا اور بہت ہی عزت و تعظیم کی۔ پھر عرض کیا حضور! آپ کب کب تشریف لائیں گے؟ یوں تو میرے پاس کچھ نہیں مگر خیر جیسا کچھ ہے حاضر ہے اور سب آپ کے ہی طفیل ہے ورنہ میں کس لائق تھا۔ اس نے ہرنیوں کو آواز دے کر کہا ہرنیوں! ہمارے پیر آئے ہیں ان کی کچھ خاطر کرنی چاہیے اور کچھ نہیں تو تم ہی آ کر دودھ پلا جاؤ۔ ایک دم میں ہرنیوں کی قطاریں کی قطاریں آ کر کھڑی ہوئیں۔ ہر ایک آپ کے سامنے تھنوں میں دودھ لے کر حاضر ہو گئی۔ آپ نے دودھ ان کے تھنوں سے نکال کر پیا۔ پھر عرض کیا حضور! آپ اتفاق سے تشریف لے آئے ہیں آج پہاڑ کے عجائبات کی بھی سیر کر لیں۔ اتنا کہہ کر آواز دی او ہاتھیو! ہمارے حضرت صاحب تشریف لائے ہیں۔ آؤ انہیں لے جا کر پہاڑوں کی سیر کرا لاؤ۔ معاً ہاتھیوں کی قطاریں کی قطاریں آ کھڑی ہوئیں۔ مولوی وصیت علی شاہ صاحب گھبرا کر فرمانے لگے بھئی مجھے تو وہیں پہنچا دے جہاں سے میں آیا ہوں اور ان اپنے ہاتھیوں کو اپنے ہی پاس رکھ، ہمیں تو ان سے ڈر لگتا ہے۔ اس نے ہر چند اصرار کیا اور عرض کیا کہ جو ہاتھی آپ کے پسند ہو اس پر بلا تکلف سوار ہو کر سیر کر لیں۔ مگر مولوی صاحب نے ایک نہ سنی اور تشریف لے آئے۔ تو جب تک اس منصب کا آدمی نہ ہو جنگل میں نہیں رہ سکتا۔ پہلے یہ منصب حاصل کر لے پھر اسباب توڑ کر جنگل میں رہنا اختیار کرے تو حرج کچھ نہیں۔ پھر بھی افضل یہ ہے کہ جس جگہ نماز با جماعت پنج وقتی مل جائے، وہاں رہے۔ اس پر کسی نے عرض کیا کہ حضور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسولِ خدا علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے اور اس سے زیادہ فضیلت باغ کے اندر نماز پڑھنے میں ہے اور اس سے زیادہ جنگل میں۔ ارشاد فرمایا، لیکن اگر جماعت قضا نہ ہو۔ اگر جماعت کے قضا ہونے کا خطرہ ہو تو مسجد میں نماز پڑھنے کی سب سے زیادہ فضیلت ہے۔ پھر فرمایا جو شخص ہمیشہ نماز با جماعت پڑھتا رہے، اس پر کوئی مصیبت نہیں آتی، نہ دینی نہ دنیاوی۔

پھر ایک روز تذکرۃً فرمایا۔ جب ہم چھوٹے سے تھے اور ابھی ہماری عمر دس گیارہ برس ہی کی تھی کہ ہم لدھیانہ میں آئے۔ وہاں ہم نے وعظ میں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنے زمین پر رہنے

والے ہیں سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اس طرح فرماتا ہے اور پھر وہیں وعظ میں یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکّل اور بھروسہ کرلے، اللہ تعالیٰ اس کے واسطے کافی ہے۔ جب ہم نے توکّل کی بہت تعریف سنی تو ہمارے دل میں آیا کہ اب ہم بھی کسی کے ہاتھ سے کھانا نہ کھائیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہمارے پاس کھانا لے کر آوے گا تو کھانا بھی کھاویں گے اور ساتھ ہی اس کا دیدار بھی ہو جاوے گا۔ یہ خیال ہمارے دل میں ایسا پختہ ہوا کہ ہم شہر سے نکل کر اور لوگوں سے چھپ کر وہ جو شہر سے پہاڑ کی جانب پژاوے[1] ہیں ان پر پژاووں میں جا چھپے اور سوچتے رہے کہ بس اب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ سے کھانا کھائیں گے اور یہ خیال رکھا کہ کھانا ابھی آتا ہے، ابھی آتا ہے۔ ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے معلوم نہیں کس قدر عرصہ گزرا تھا، ہم نے دور سے دیکھا کہ ایک خوبصورت بڈھا سا آدمی کچھ روٹیاں اور سالن ایک ٹوکری میں سر پر رکھے ہوئے اور لسی کا لوٹا ہاتھ میں لئے ہوئے میری طرف چلا آرہا ہے۔ میں سمجھا کہ یہ شخص مجھے روٹیاں کھلائے گا اور مجھے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سے کھانی نہیں، جب نہیں کھاؤں گا تو پھر اللہ تعالیٰ خود ہی آکر کھلائے گا۔ اس خیال سے میں اس کی صورت دیکھتے ہی بے تحاشا بھاگا۔ اس آدمی نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا اور کھانا کھانے کے واسطے کہا۔ میں نے جواب دیا میں آپ کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے وہ آپ ہی کھلائے گا تو کھاؤں گا اور ساتھ ہی مشاہدہ بھی ہو جائے گا۔ اُن بڈھے میاں نے فرمایا دیکھو! سنو تمہارا عقیدہ ٹھیک ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یوں ہی ہے اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے، پر اللہ تعالیٰ جل شانہ بذاتِ خود آکر کسی کو کھانا نہیں کھلایا کرتا بلکہ اپنے نوکروں کے ہاتھ بھیج دیا کرتا ہے۔ اور یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے ادنیٰ مہمانوں کو کھانا کھلائے، ایسا خیال نہیں رکھنا چاہیے۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کا نوکر ہی ہوں اور ہزاروں اللہ تعالیٰ کے نوکر ہیں۔ وہ جس کسی کو حکم دے دے گا، وہی آکر کھانا کھلا جائے گا۔ اب تم یہاں رہنا چھوڑ دو اور شہر میں رہا کرو، وہاں سینکڑوں ہزاروں اللہ تعالیٰ کے نوکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ہی میں سے کسی نوکر کو حکم دے دیا کرے گا اور وہ تمہیں آکر کھانا کھلا جایا کرے گا اور تم کسی طرح کا فکر نہ کرنا۔ تمہارا یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہو گیا ہے۔ اُس دن سے ہمیں اللہ تعالیٰ

[1] اینٹوں کے بھٹے

پر پورا توکّل ہو گیا اور روزی کی طرف سے ہم بالکل بے فکر ہو گئے اور سمجھ آ گئی کہ اللہ تعالیٰ خود غنی و صمد ہے اور منزہ ہے۔ اس کی ذات پر بھروسہ کرنے کا حکم ہے۔ یہ نہیں کہ[1] اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ وہ خود آ کر اپنے ہاتھ سے کھلائے۔

ارشاد: ایک روز اسی بارے میں ارشاد فرمایا کہ عشق خدائے تعالیٰ تک پہنچا تو دیتا ہے مگر بدوں[2] توکّل کے درویش کی پختگی نہیں ہوتی اور نہ علمِ توحید کامل طور پر اسے حاصل ہوتا ہے۔

نقل ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے جنگل میں جا کر بہت مدت مجاہدے اور یادِ خدا میں گزاری۔ بعد ازاں پہاڑ سے نیچے اترے تو پیاس لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دور کے فاصلہ پر ایک کنواں ملا مگر ڈول رسی وہاں کچھ نہ تھا۔ خیال کیا کہ یہاں نہ ڈول ہے نہ رسی ہے کس طرح پانی پئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہرنوں کی ایک قطار آئی اور کنوئیں کو دیکھ کر آسمان کی طرف نظر کی۔ اسی وقت پانی کنوئیں سے جوش مار کر باہر نکل آیا اور تمام ہرنوں نے خوب پیا۔ جب وہ پانی پی کر چلے گئے تو حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ بھی گئے تاکہ پانی پئیں مگر پانی فوراً کنوئیں میں چلا گیا۔ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ سجدے میں گر پڑے اور عرض کی ''خداوندا! کیا میں ان ہرنوں کا ساتھی نہیں کہ تو نے ان کے واسطے تو پانی کنوئیں سے نکال دیا اور میرے وقت میں کنوئیں کے اندر پہنچا دیا۔'' حکم ہوا کہ اے میرے بندے! تو نے میری ذات پر ہرنوں کا سا بھی عقیدہ نہ رکھا۔ تو میرا دوست ہے، میرے خلیفہ آدم کی اولاد سے ہے اور تو بھی خلیفہ ہے بہر حال تو اِن سے برتر ہے۔ مگر افسوس کہ ہرنوں کو تو میری ذات پر توکّل ہوا اور تو نے ڈول رسی پر بھروسہ کیا، اسی واسطے یہ تماشا تم کو دکھلایا گیا، ورنہ تمام دنیا و مافیہا اولادِ آدم ہی کے واسطے ہے۔ مگر چونکہ تم نے ہماری ذات پر بھروسہ نہیں کیا اس واسطے ہم نے بھی بلا ڈول رسی کے پانی نہیں دیا۔ اس پر حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ بہت روئے اور استغفار کی۔ پھر کنوئیں سے پانی وہیں پہنچا جہاں آپ بیٹھے تھے۔ آپ نے پیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ بعد ازاں پھر عرصہ تک جنگل میں مجاہدہ کیا اور خوب طرح توکّل کو پکایا۔

یہ نقل بیان فرما کر حضور علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تو بڑی اعلیٰ شان والے بزرگ اور صاحب کمال گزرے ہیں، پر ایک روز ذرا سا توکّل کا امتحان ہمارا بھی ہوا تھا۔ یعنی ایک روز باوجود

---

1. اللہ تعالیٰ کی پناہ
2. بغیر

اس بات کے کہ لوگ ہمارے پاس کثرت سے آتے رہے اور تھانیدار اور تحصیلدار ہمارے پاس آ کر پاؤں دباتے اور خدمتیں کرتے رہے مگر کھانے کو کسی نے نہیں پوچھا۔ جب بھوک بہت ہی لگی تو ہم اپنے ایک محبت والے کے گھر گئے کہ وہاں روٹی کھائیں گے۔ جب وہاں پہنچے تو اس نے کچھ بھی خیال نہ کیا اور کہنے لگا حضور آپ مسجد میں بیٹھ جائیں میں کسی کام کو جاتا ہوں، تختے بند کروں گا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔ اور اس وقت خیال آیا کہ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے توکّل کا امتحان تھا۔

چنانچہ ہم جنگل میں چلے گئے اور توبہ کی اور آئندہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ تیرا دروازہ چھوڑ کر اب میں کہیں نہ جاؤں گا۔ چنانچہ پھر دل میں تسلی و تسکین ہی وارد رہی اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ پھر شام کو وہی ہمارا ملنے والا بھی پچیس روپے نذر کے لے کر حاضر ہوا اور معذرت کی کہ حضور میرے سے بہت خطا ہوئی ہے۔ ہم نے کہا تجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اب جو ہم اللہ تعالیٰ کے دروازے پر آ گئے تو اس نے تجھے بھی روپے دے کر بھیج دیا، ورنہ تو بھی نہ آتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا اور ایسی استقامت ہم کو توکّل میں عطا ہوئی کہ اس روز سے بعد پھر ہم نے ایک جگہ ٹھکانا کر لیا۔ ہم نے اس واقعہ سے یہ سمجھا کہ ارادۂ الٰہی اس طرح ہے کہ اب ایک جگہ بیٹھ جاؤ، ہم آپ تمہارے پاس بھیج دیا کریں گے اور ہر طرح سے خود تمہاری پرورش کریں گے۔ اور اب تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ توکّل عطا فرمایا ہے کہ اگر یہ تمام محبت والے ہم سے پھر جائیں اور جنگل ہو، سامان بھی کوئی پاس نہ ہو تو کچھ فکر نہیں۔ اور اگر ان سے دس گُنے اور ہمارے ملنے والے ہو جائیں تو خوشی نہیں۔ پھر فرمایا اب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ والی بات بن گئی ہے۔ لوگوں نے جب ان سے پوچھا تھا کہ حضور آپ کا توکّل کہاں تک پہنچ گیا ہے؟ تو فرمایا اب یہاں تک پک گیا ہے کہ بارہ برس تک بارش نہ ہو اور ساری زمین کی مخلوق میرا کنبہ ہو تب بھی مجھے اتنا فکر نہ ہو جتنی اُڑد پر سفیدی۔ پھر اتنا فرمایا

ع

ہاتھ میں نہ مالا لیں مُنہ سے جپیں نہ رام
اب پیا ہمارے گھر میں بسیں ہم پائیں بسرام

اور حق حق حق کہتے ہوئے اندر تشریف لے گئے۔

ارشاد: ایک روز توکّل کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ توکل نہایت عمدہ

صفت ہے۔ توکّل کرنے والے پر اوّل اوّل بے شک سختیاں گزرتی ہیں، مگر جب توکّل میں پختہ ہو جائے تو تین روز سے زیادہ بھوکا نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ نقل ہے کہ تین درویش توکل کی نیت سے ایک پہاڑ کے غار میں جا بیٹھے۔ دو روز فاقہ سے گزر گئے تو ان میں سے دو تو بھاگ کر آبادی میں چلے گئے اور ایک اسی طرح بیٹھا رہا۔ تیسرے روز اس کے پاس غیب سے ایک طاش کھانے کا ایک شخص لایا۔ یہ چاول تھے۔ اس درویش نے کھائے تو نیچے سے ان چاولوں میں سے تین اشرفیاں نکلیں۔ درویش نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی کی وجہ سے یہ ان تین روز کی دعوت بھی، جو خالی گزر گئے تھے، بھیج دی ہے۔

غرض توکّل ایک بڑی بھاری دولت ہے مگر جو اس کو سنبھال لے۔ ورنہ اکثر مصیبت میں توکّل کو توڑ بیٹھتے ہیں۔ فقیر کو استقامت بہت ہی ضروری ہے۔ ایک استقامت سو کرامت سے بہتر ہے۔ پھر اسی کے متعلق فرمایا کہ پہلے زمانہ میں ایک درویش پہاڑ پر توکّل کی نیت سے جا بیٹھا۔ جب ایک وقت اس پر فاقہ سے گزرا تو ٹھہر نہ سکا اور گاؤں میں چلا گیا۔ وہاں کسی یہودی سے اس نے سوال کیا۔ یہودی نے اس کو تین روٹیاں دیں۔ وہ لے کر چلا۔ جب وہاں سے نکلا تو ایک کتّا جو اسی یہودی کے مکان پر رہتا تھا اس کے پیچھے لگا۔ اس نے ایک روٹی ڈال دی۔ کتّا کھا کر پھر اس کے سر ہوا۔ اس نے دوسری بھی ڈال دی۔ کتّا اسے کھا کر پھر اس کے پیچھے ہولیا۔ آخر اس درویش نے تیسری بھی ڈال دی۔ وہ کھا کر پھر اُس کے پیچھے لگا۔ درویش نے کہا ''او کُتّے! تو بڑا بے حیا اور بے صبرا ہے۔ تیرے مالک نے تین روٹیاں مجھے دی تھیں وہی میں تجھ کو دے چکا اب بھی تو میرے پیچھے ہی چلا آتا ہے۔'' حکمِ خدا تعالیٰ سے وہ کُتّا بولا۔ ''بے صبرا تو ہے یا میں، ذرا انصاف تو کر۔ تو پہاڑ پر بیٹھا ہوا اللہ اللہ کرتا تھا، اس کے دروازے کو چھوڑ کر تو اس کے دشمن یہودی کے گھر آیا۔ مجھے دیکھ کہ میں اس کے دروازے پر رہتا ہوں۔ جو کچھ روکھی یا سوکھی ہڈی یا روٹی یہ مجھے دے دیتا ہے اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ کبھی سوائے اس کے دوسرے کے دروازے پر نہیں گیا، جو دے دیتا ہے، کھا لیتا ہوں۔ اور کئی کئی وقت یہ بھول بھی جاتا ہے اور مجھے کچھ نہیں دیتا تو بھی چپ پڑا رہتا ہوں۔ تو کیسا درویش ہے کہ اس خالق کے در کو چھوڑ کر غیروں سے مانگتا ہے۔'' وہ درویش بہت نادم ہوا اور پہاڑ پر جا کر توبہ استغفار کی اور توکّل میں اپنا قدم پختہ کیا اور علمِ توحید اور رحمتِ الٰہی کے

دروازے کھل گئے۔

پھر فرمایا ہمارا توکل ایسا ہے جیسا کہ بچہ باپ کی گود میں ہوتا ہے، بچے کو کسی طرح کا فکر نہیں ہوتا اور باپ کو اس کے سارے فکر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا اصل اصول توکل میں یہ ہے کہ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے موافق برتاؤ کرتا ہوں۔ جیسا گمان وہ میرے ساتھ کرتا ہے میں اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہوں۔

ارشاد: ایک دفعہ مسئلہ توکّل میں گفتگو تھی۔ میں نے عرض کیا کہ اسباب کو کلی طور پر قطع کرنا ٹھیک نہیں۔ اور حضور علیہ الرحمتہ فرماتے تھے کہ فقیر متوکل کو تمام اسباب نظر سے قطع کر ڈالنے چاہئیں تب توکّل پختہ ہوتا ہے، اعلیٰ درجہ توکل کا یہ ہے۔ اسی اثناء میں ایک روز بکثرت بارش ہوئی اور راستہ میں حضرت صاحب کے مکان اور شہر کے درمیان جوندی حائل ہے وہ چڑھی ہوئی تھی راستہ بند تھا۔ دوپہر تک نہ کوئی شخص حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہ مٹھائی وغیرہ کچھ آئی۔ دوپہر کو میں نے عرض کیا کہ حضور معلوم ہوتا ہے کہ اسباب کو کلی طور پر منقطع نہ کرنے کا مسئلہ ٹھیک ہے۔ آج ہی بارش سے تمام اسباب قطع ہو گئے تھے سو آج ہی کچھ نہیں آیا ورنہ ہمیشہ صرف ایک ہی درویش اگر چاہتا تو اس کے حصے کے پتاشوں سے ایک لوٹا بھر سکتا تھا۔ حضور نے متبسم ہو کر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ (ترجمہ۔ تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے) جب ظہر کا وقت قریب آیا تو ایک سکھ اور اس کے ساتھ ایک مزدور ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے آیا اور لوگوں سے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا مکان پوچھنے لگا۔ چونکہ اس وقت بسبب کثرتِ بارش کے کوئی آدمی باہر نہ تھا، وہ آگے چلا گیا پھر پیچھے لوٹ کر آیا۔ پھر اس کو بتلانے والا کوئی نہ ملا۔ غرض دو ایک چکر کاٹ کر آخر وہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں پہنچ ہی گیا اور وہ ٹوکرا لڈوؤں کا پیش کیا۔ حضور نے مجھے اور خلیفہ مظفر علی خان صاحب کو بلایا اور پھر اس سے پوچھا "تو کہاں رہتا ہے؟" اس نے عرض کیا کہ "حضور! ملتان رہتا ہوں۔ میں خود بھی محتاط ہوں اور یہ شرینی کل ہی ایک مسلمان نمازی سے حضور کے واسطے تیار کرائی تھی۔" پھر پوچھا "وہاں بارش بھی ہوئی تھی؟" اس نے عرض کیا "ہاں حضور! بہت ہوئی تھی۔" پھر فرمایا "راستہ میں کیچڑ پانی بھی تھا؟" اس نے کہا "ہاں حضور بہت

تھا۔'' فرمایا'' پھر تو کیسے آیا؟'' اس نے کہا'' حضور! وہاں سے تو ریل میں آیا تھا مگر اسٹیشن سے یہاں تک پیدل ہی آیا ہوں۔'' فرمایا'' ہاں راستہ میں کیچڑ پانی بھی تھا اور ہمارے ہاں کا راستہ بھی کسی نے نہ بتلایا پر تو چلا ہی آیا۔ خیر۔'' پھر فرمایا'' آؤ مولوی صاحب کھاؤ۔'' ہم دونوں حضور کے ساتھ بیٹھ گئے اور خوب سیر ہو کر کھائی۔ آخر میں فرمایا'' مولوی صاحب! تم وہ لوٹا بھی جو درویشوں کے حصہ میں بھرنا تھا بھر لو۔ دیکھا جس نے ملتان سے ہمارا مقسوم یہاں اس تکلیف و دِقّت کے وقت میں بھیجا ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت اور ہر طریقہ سے بھیج سکتا ہے۔ فقیر کو اسباب پر کبھی نظر نہیں رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت جو اپنے بندوں پر کرتا ہے اس کا ظہور اس طور پر تعلیم کرتا ہے کہ جو رزق مجھے پسندیدہ اور لائق میرے بندے کے ہے وہ کہیں ہو خواہ کتنے ہی فاصلہ پر ہو اس کو پَر لگ جاتے ہیں۔ اس کافر غیر مذہب والے کو فقط اس رزق کے اٹھانے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔'' وہ سکھ پہلے ہی حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے اللہ کا نام سیکھ چکا تھا۔ اور وہ تھانیدار تھا اس پر ایک مقدمہ دائر ہو گیا تھا اس لئے اس نے نذر مانی تھی اور یہ اُس نذر کی شیرینی لایا تھا۔

حق تعالیٰ جن کا ہو پروردگار
حشمت دنیا سے اُن کو کیا ہے کار

هٰذَا رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ اِلَيْنَا وہ مثل کہ رزق کو پَر لگتے ہیں، یہ لانے والے لوگ وہ پَر ہوتے ہیں۔ (مؤلف)

نقل ہے کہ ایک روز کسی نے توکّل کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ توکّل کے یہ معنی ہیں کہ مخلوق سے غنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو۔ جب یہ بات پک جاتی ہے تو توکل پختہ ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ بات حاصل ہو جائے پھر اگر اسباب بھی مہیا کرے تو توکّل کا ثواب مل جاتا ہے اور توکّل کے خلاف نہیں ہوتا خواہ کتنے ہی اسباب مہیا کرے۔ مگر فقیروں کا توکّل اور ہی ہے۔ ان کا توکّل اسباب کو توڑتا رہتا ہے۔ جہاں کوئی سبب پیدا ہوا انہوں نے فوراً اس کو توڑا تب اُن کا توکّل پختہ ہوتا ہے۔ وہ اسباب کو توڑ کر کُلّی طور سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس مخلوق کے ذریعے چاہے بھیج دے۔ ماسویٰ اللہ سے امیدیں منقطع ہو کر ذات پر لگ جاتی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ ہمیں ایک بزرگ کی حکایت یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ ایک بزرگ تھے۔ جب کوئی شخص دو تین روز کی ان کی دعوت کرتا تو منظور نہ کرتے بلکہ صرف ایک وقت کی دعوت منظور کرتے اور فرماتے کہ ایک وقت سے زیادہ کی دعوت کر کے تو ہمارا بھروسہ اور توکّل توڑتا ہے۔ تیری طرف ہمارا خیال رہتا ہے۔ اس سے ہمارے توکّل میں نقصان آتا ہے۔ غرض ایک وقت سے زیادہ کی دعوت کبھی قبول نہ کرتے۔

پھر فرمایا بعض لوگ ایسے متوکل ہوتے ہیں کہ ان کا سلوک بھی توکّل ہی سے پورا ہو جاتا ہے اور ان کے توکّل کی ہمت دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا اور انہیں منظور فرمالیتا ہے۔ اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آ گئی۔ نقل ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک نوعمر جوان لڑکا اپنی گائے بھینسوں کو چرانے کے واسطے جنگل میں لے جانے لگا تھا۔ جانوروں کو تو اس نے جنگل کی طرف ہانک دیا اور آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور مجھے فقیری جلدی سکھا دیں میرے جانور آگے چلے جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ گم ہو جائیں۔ حضور دیر نہ فرمائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کیا تو نے فقیری اتنی آسان سمجھ لی ہے کہ چلتے چلتے مل جائے؟ اس نے کچھ غور نہ کیا اور آپ کے ہر جواب پر بار بار یہی اصرار کرتا رہا کہ آپ جلدی سے مجھے فقیری سکھا دیں تاکہ میں جلدی جا کر اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کروں۔ پاس ہی بہت بڑا گہرا اور لمبا چوڑا ایک تالاب تھا۔ آخر کار آپ نے فرمایا کہ فقیری لینی ہے؟ اس نے کہا ہاں ضرور۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اسی تالاب میں ڈال دو۔ خادموں نے فوراً اس کو اسی تالاب میں ڈال دیا۔ جب غوطہ لگا کر نیچے سے اس نے سر اٹھایا تو آواز دی کہ حضرت مجھے نکال لیں۔ آپ نے پاس والے لوگوں کو حکم دیا کہ کوئی مت پکڑنا۔ وہ پھر نیچے چلا گیا۔ جب دوبارہ سر اٹھا کر اس نے پھر آواز دی، آپ نے لوگوں کو پھر روک دیا۔ پھر تیسری بار اس نے آواز دی، آپ نے پھر بھی روک دیا۔ جب چوتھی بار وہ غوطہ کھا کر باہر آیا تو دیکھا گیا کہ پانی کے اوپر سوکھے پاؤں چلتا پھرتا ہے اور بہت ہی خوش وخرم ہنستا ہوا یہ کہتا ہوا پھرتا نظر آتا ہے کہ بات تو پاس ہی تھی۔ خدا مل گیا، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گیا۔ آپ نے اسے پاس بلا کر فرمایا سنا تو سہی وہ کیا بات تھی اور تجھے خدا کس طرح مل گیا اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کیونکر ہو گیا؟ اُس نے کہا جب آپ نے مجھے تالاب میں گرنے کا حکم دیا تو میرے دل میں لوگوں کی طرف امیدیں تھیں کہ آپ نے مجھے تنبیہ کے واسطے پانی میں

ڈال دیا ہے ابھی نکال لیں گے۔ جب میں نے پہلی دفعہ لوگوں کو اپنے نکالنے کے واسطے بلایا اور کسی نے مجھے نہ پکڑا تو میری وہ تمام امیدیں مضمحل ہوگئیں۔ جب دوبارہ میں نے آواز دی اور پھر بھی میری کسی نے مدد نہ کی تو وہ امیدیں اور بھی سُست ہوگئیں۔ آخرکار جب تیسری بار میں نے آواز دی اور پھر بھی میری مدد پر کوئی کھڑا نہ ہوا تو لوگوں کی طرف سے امیدیں بالکل ٹوٹ گئیں اور کامل طور سے مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوگیا اور میں نے درد سے کہا کہ خداوندا! اب تیرے سوا کوئی ایسا نہیں کہ مجھے یہاں سے زندہ نکال سکے۔ فقط تیری رحمت اور تیرے فضل پر ہی بھروسہ ہے۔ جو تو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ میرے دل سے تمام امیدوں کا ٹوٹنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی تھا کہ معاً میرے دل میں ایک طاق کھل گئی اور دَبادَب ذات کی تجلّی کا نور میرے دل میں پڑنا شروع ہوا اور آن کی آن میں میرا دل نور سے بھر کر روشن ہوگیا۔ ادھر تجلّی کا وارد ہونا تھا کہ اس نور کے اثر سے پانی میرا حکم ماننے لگا۔ یوں کہتا ہوں کہ بات تو نزدیک ہی تھی۔ دل ماسویٰ اللہ سے خالی کرنا ہی تھا کہ فوراً تجلّی ذات کا مظہر ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہوجاتا ہے اور اس میں کسی طرح کی خامی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ کا فضل اسی طرح سے دستگیری کر لیتا ہے جیسے اس لڑکے کی تھی۔ مگر یہ جان لے کہ زندہ ہی مرجانا ہے، ہر کوئی ایسا نہیں کرسکتا۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۔ ترجمہ:۔ جو لوگ میرے وصل کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں تو میں ان کو ضرور بالضرور اپنے راستے آپ دکھا دیتا ہوں۔

پھر فرمایا! اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ توکّل کرکے اللہ تعالیٰ سے بھی نہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا اور ہر حاجت کے واسطے اس سے دعائیں مانگنا یہ عین توکل ہے۔ کیونکہ توکّل کے معنی یہی ہیں کہ مخلوق سے غنا اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جس قدر ہو سکے عاجزی ظاہر کرے اور جہاں تک بن پڑے مانگتا ہی چلا جائے۔ اس میں کبھی کوتاہی نہ کرے۔ کیونکہ بندہ محتاج ہے اور جس قدر بندہ اپنی محتاجی اللہ کے سامنے ظاہر کرے گا۔ اسی قدر اس کا توکّل بڑھے گا اور خدا تعالیٰ راضی ہوگا۔ مانگنے کی چیزوں میں سے بڑی اعلیٰ درجے والی اس کی رضا اور معرفت ہے۔ یہی اس سے مانگتا رہے۔

اللہ کولوں منگ دعائیں سوئی تے دھاگے تائیں
اللہ منگیاں ہردم دیندا بندہ دیندا ناہیں!

پھر فرمایا آزمائش بڑی سخت چیز ہے، اس سے پناہ مانگے اور ہمیشہ اپنی قضائے حاجت کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ بندہ بڑا محتاج ہے آزمائش میں کبھی پورا نہیں اتر سکتا بلکہ ہر وقت اپنی محتاجی خدا تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرتا رہے۔

نقل ہے کہ کسی زمانے میں ایک نبی علیہ السلام تھے۔ ان کو جنابِ خداوندی سے ارشاد ہوا کہ میری آزمائش سے پناہ مانگا کرو، میری آزمائش بہت سخت ہے۔ اس میں سوائے میری پناہ کے پورا کوئی نہیں اتر سکتا۔ ان نبی علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام نے عرض کیا کہ بے شک آزمائش اپنی ڈال مجھ پر۔ پورا ثابت قدم رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آزمائش وارد کی۔ روزی کی تنگی کر دی، ان سے تمام عبادتیں چھوٹ گئیں اور مارے بھوک کے روٹی ہی روٹی کرتے وفات پا گئے۔

اور کسی کتاب میں ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے پاس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وظیفہ آتا تھا وہ وظیفہ کافی نہ ہوتا تھا۔ ایک بار امام حسین علیہ السلام رسُول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارک پر گئے۔ روحِ رسُول اللہ ﷺ سے کسی کلام کے پڑھنے کا ارشاد ہوا۔ انہوں نے وہ کلام پڑھنا شروع کر دیا تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو چند وظیفہ بھیجنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک میں تاثیر ہے۔ اگر روزی کے واسطے دعا مانگے تو یہ توکل کے خلاف نہیں۔ باقی رضا و تسلیم والا گروہ الگ ہے، ان کی ریس نہ کرے جب تک کہ اس مقام میں نہ پہنچے اور بندہ جب اس مقام میں پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ہی فضل کر دیتا ہے اور اس مقام کی باتوں کی سمجھ اس کو آپ ہی آجاتی ہے۔

اس جگہ ایک اور نکتہ یہ فرمایا کہ جب بندہ کوئی کلام پڑھتا یا دُعا مانگتا ہے تو جن لوگوں پر انکشاف نہیں، ان کے واسطے قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ کلام پڑھنے میں لذّت آوے اور خوب دل لگے۔ جب یہ بات حاصل ہو تو سمجھ لے کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے یا ہونے لگ گئی ہے اور جن لوگوں پر انکشاف ہوتا ہے ان پر قبولیت کی تجلّی جو لذت اور سرور والی ہے وارد ہو جاتی ہے اور وہ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہوگئی ہے۔

پھر فرمایا! اگر کوئی شخص خدا کو یاد کرنے والے کو یا فقیر کو تحفے کے طور پر کچھ دے تو اسے رد نہ کرے بلکہ لے لیوے، یہ بھی توکّل کے خلاف نہیں۔ بلکہ اس میں یہ مصلحت ہے کہ آزمائش میں نہ گرفتار ہو۔ کیونکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال ڈالا ہے اور موثر و مُعطی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

ارشاد: ایک روز فرمانے لگے کہ فقیر کو توکل تو ضروری ہے مگر شروع میں روزی کی پریشانی عبادت سے روکتی ہے۔ اگر جانے کہ ابھی ربوبیتِ الٰہی وارد نہیں ہوئی تو کسی قدر ضرورت کے موافق روزی ڈھونڈ لے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ غارِ حرا میں اپنا توشہ ساتھ لے جاتے تھے۔ اور جب ربوبیتِ الٰہی شاملِ حال ہو جاتی ہے تو خود پرورش ہونے لگ جاتی ہے اور درویش کو ضرورت تلاش روزی کی نہیں رہتی۔ پھر فرمایا۔

نا کچھ دیکھا سادھ سنت میں نا کچھ دیکھا پوتھی میں
کہے کبیر سنو بھئی سادھو جو کچھ دیکھا روٹی میں

یعنی حلال روٹی اور بے شبہ اور طیّب مال کی روٹی کھانے میں جو قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے وہ اس کے غیر میں نہیں۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ توکّل کے واسطے کسی مرتبے اور مقام کی ضرورت نہیں کہ وہ مقام حاصل ہو جب ہی توکّل حاصل ہوتا ہے۔ جب فقیر توکّل کرے تو پہلے کچھ تکلیف ہو کر پھر پک جاتا ہے۔ پھر فرمایا اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آ گئی۔

نقل ہے: کہ کوئی درویش توکّل پکانے کے واسطے پہاڑ میں ایسی جگہ جہاں راستہ نہ تھا چھپ کر بیٹھ گیا اور یہ خیال کیا کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (ترجمہ: کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے، خدا تعالیٰ اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جس جگہ کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ یہ ایسے طریقے سے روزی کیونکر پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ جہاں سے گمان بھی نہ ہو؟) جب ایک دو وقت گزر گئے تو سوداگر راستہ بھول کر وہیں پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کو پڑا دیکھا اور سانس وغیرہ سے پہچانا کہ زندہ ہے۔ اس نے دانستہ منہ کو خوب مضبوط بند کر رکھا تھا کہ میں آدمی کے

ہاتھ سے نہیں کھاتا پھر دیکھوں اللہ مجھے کس طرح کھلاتا ہے؟ وہ سوداگر حلوا پکا کر کھانے جو بیٹھے تو انہیں خیال آیا کہ یہ مسافر بھوکا ہے شاید دو تین روز سے اسے کھانا نہیں ملا اور اسی وجہ سے یہ مضمحل پڑا ہے۔ وہ حلوا لے کر اس کے پاس گئے تو وہ منہ نہیں کھولتا تھا۔ ہاتھ سے اس کا منہ کھولا مگر نہ کھلا۔ پھر اس کا منہ لوہے کی کسی سخت چیز سے کھول کر حلوا اس میں ڈالا جب حلوا حلق میں اٹکا اور سانس تنگی سے آنے لگا تو حلوا نگل گیا اور اٹھ بیٹھا اور ہنس کر کہا کہ ''خداوندا! تیری ذات پر توکّل ہی مشکل ہے اور جب توکّل پختہ ہو جائے تو پھر تو دانت توڑ کر کھلاتا ہے، تو بڑا ہی قادر ہے۔'' کیونکہ لوہے سے جو اس کا منہ کھولا تو اس کے دانت ٹوٹنے کا خطرہ ہو گیا تھا اس واسطے جلدی سے منہ کھول دیا تھا۔

ارشاد: ایک دفعہ حضور فرمانے لگے کہ ہمارا خرچ بند ہو گیا دو روز تک کچھ نہ آیا۔ ہم سوچنے لگے کہ کیا بات ہوئی۔ رات کو بیگم صاحبہ یعنی حضور کی حرمِ محترم کی روح آئی اور کہنے لگی کہ فلاں برتن میں پچیس روپے رکھے ہیں وہ نکال کر خرچ کرو۔ ہم نے جا کر اندر کہا کہ وہ فلاں برتن میں پچیس روپے رکھے ہیں وہ خرچ کرو۔ وہ کہنے لگیں کہ آپ کو یہ روپے کس نے بتلائے؟ ہم نے کہا تیری روح نے خبر کی تھی۔ یہ توکّل کے خلاف ہے، جمع نہیں کرنے چاہئیں۔ وہ خرچ کر ڈالے تو پھر دَبا دَب خرچ آنے لگ گیا۔

وجعلنا وجعلنا وجعلنا

باب سوم

پابندئ شریعت

اس کی چھ فصلیں ہیں۔

فصل اوّل: کلامِ اکابر کی تطبیق — فصل چہارم: حُسنِ معاملہ
فصل دوم: اختلاط با خلق و احتیاط — فصل پنجم: ہدایتِ خلق
فصل سوم: آدابِ بزرگاں — فصل ششم: اتباعِ سنّت

فصل اوّل

کلامِ اکابر کی تطبیق

نقل ہے کہ جناب مولانا مولوی غوث علی شاہ صاحب کے حال کی بابت گفتگو سنی کہ وہ قلندر مشرب تھے اور گفتگو ان کی ظاہراً بے باکانہ ہوا کرتی تھی۔ حضور علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ[1] سخنِ قلندراں، قلندراں دانند کے مطابق عام لوگ ان کی گفتگو نہیں سمجھتے اور ان کو گستاخ و بے باک خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ایک مست مجذوب تھا۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر جاتے وقت وہ مجذوب ملا اور کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے خدا کو میری طرف سے کہہ دینا کہ پلاؤ کی آگے ایک رکابی بھیجتا تھا اب دور کا بیاں بھیجا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو خود کیوں نہیں کہتا؟ اس نے کہا کہ میری اور اللہ تعالیٰ کی آپس میں بول چال نہیں ہے۔ آپ ہی میری طرف سے عرض کر دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو بڑا گستاخ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ آپ کو کیا غرض، میری طرف سے عرض کر دینا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ جب واپس ہونے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

---

[1] قلندروں کی بات قلندر ہی سمجھ سکتے ہیں

کہ اے موسیٰ! ہمارے مست مجذوب کی طرف سے بھی عرض کر دے، وہ کیا کہتا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا بارِ الٰہ! وہ بڑا گستاخ ہے۔ اس کی طرف سے کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کیا کہتا تھا جس سے تم نے بے ادبی معلوم کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی فقرہ دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! وہ ٹھیک اور سچ تو کہتا تھا کیونکہ ہمارے بالمشافہ کلام نبی ہی کر سکتا ہے، ولی کی کیا طاقت ہے جو بالمشافہ کلام کر سکے۔ اس نے سچ کہا کہ میری کیا مجال ہے کہ میں کلام کر سکوں بالمشافہ۔ لیکن دل اس کا میری محبت سے بھرا ہوا تھا مگر زبان کو الفاظ کی انکل نہیں آئی اور ہم دلوں کو دیکھتے ہیں ؎

ما بُروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

ترجمہ:۔ ہمارے ہاں ظاہرداری اور خوبصورت اندازِ گفتگو کی اہمیت نہیں بلکہ ہم تو صرف دردِ دل ہی کو قیمتی جانتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت غوث پاک سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ تھا کہ حضور غوث پاک نے جو یہ فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کی گردنوں پر میرا قدم ہے، بظاہر اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا یہ درست ہے کہ آپ کے وقت سے لے کر قیامت تک جس قدر لوگ قادریہ نسبت کو حاصل کریں گے ان سب کی گردنوں پر آپ کا قدم مبارک ضرور ہوگا۔ کیونکہ نسبتِ قادریہ کی تکمیل اسی وقت ہوئی جبکہ آپ کا قدم مبارک ان کی گردنوں پر آوے گا۔

چنانچہ ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ایک دفعہ ہم بغداد شریف کی طرف منہ کر کے حضرت پیرانِ پیر رحمتہ اللہ علیہ کی روح سے فیض لے رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت پیرانِ پیر غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی روح مبارک ہماری گردن پر آ سوار ہوئی ہے اور آپ کے دونوں پاؤں مبارک ہماری گردن کے دونوں طرف سینہ پر لٹکے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مست راضی ہے؟ اس روز ہم کو بہت ہی فیض ہوا، بڑا استغراق اور جوش آیا اور نسبتِ قادریہ کی تکمیل ہوگئی۔

ایسے ہی ایک روز اجمیر شریف کی طرف منہ کر کے متوجہ ہو کر خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمتہ

کی روح سے فیض لے رہے تھے۔ آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی۔ آپ نے نسبتِ چشتیہ وارد کر کے فرمایا کہ تم کو ہماری طرف سے بھی اجازت ہے۔

ایک شخص رہتک کا رہنے والا حضور علیہ الرحمتہ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا! حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے نسبتِ چشتیہ کی اجازت ہوگئی ہے اور فرمایا کہ پہنچاؤ، سو ہم تم کو پہنچاتے ہیں۔ مگر اس وقت حضور کی یہ حالت تھی کہ جوش وگرمی طپش بہت تھی اور منہ سے عشقیہ شعر نکلنے لگے تھے اور زانو پر جو ہاتھ رکھے ہوئے تھے انگلی بھی ہلنے لگ گئی تھی۔ فرمایا آج تو نسبتِ چشتیہ پوری ہی وارد ہوگئی اور یہ شعر بھی بے اختیار زبان مبارک سے نکلے۔

یا الٰہی یا الٰہی یا اللہ
جستجو میں تیری گزرے سالہا
نَحنُ[1] اَقْرَبُ جبکہ فرماتا ہے تو
پھر ہے کیوں یہ کدّو کاوش جستجو

بعض لوگوں نے اس شعر کی تصریح حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی طرف منسوب کی ہے سو یہ میری موجودگی میں تو وقوع میں نہیں آیا۔ شعر یہ ہے

انبیاء و اولیاء یک جان و تن
ذاتِ شاں باشد خدا بشنو زِ من

ترجمہ:۔ انبیاء و اولیاء دراصل جسم و جان میں ایک ہی ہیں۔ میں تو یوں کہوں گا کہ ان کی ذات ذاتِ خدا کے فیض سے ہی ہے۔

البتہ بر سبیل تذکرہ ایک روز ذیل کی تقریر بیان فرمائی تھی۔

ارشاد: ایک دفعہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کو ذاتِ الٰہی میں فنا اور بقا ساتھ ذاتِ الٰہی کے[2] تم طور پر ہوتی ہے۔ اور اولیاء اللہ کو، جس نبی کی وہ اُمت ہیں، اس کی پیروی کرتے کرتے ذاتِ الٰہی میں فنا اور اسی ذات کے ساتھ بقا طفیل اس نبی کے ہو

---

[1] اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے نَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِید یعنی ہم شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ [2] مکمل

جاتی ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ اقوال وافعال، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے غرض تمام حرکات وسکنات میں انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کرتے ہیں تو چونکہ وہ جو ایک نور انبیاء علیہم السلام کو اصلی طور پر عطا ہوا تھا وہ اولیاء اللہ کو ان کی تابعداری اور شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جان، جس کو حیات کہتے ہیں، اسی نور کا نام ہے۔ تو وہ نورِ توحید و معرفت جو حیاتی ہے اوّل ہی اوّل نبی کریم ﷺ میں کامل طور پر موجود تھی۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی شریعت پر عمل کرنے اور اقوال وافعال وعقائد اور تمام حرکات وسکنات میں آپ کی تابعداری حاصل کرنے سے اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ اولیاء اللہ اور دیگر امتی لوگوں کو جو کچھ ملتا ہے نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے ملتا ہے۔ پس جب وہ حیاتی رسولِ خدا ﷺ سے اولیاء اللہ کے سینے پر وارد ہوتی ہے اور اولیاء اللہ کو اس میں فنا و بقا ہو جاتی ہے تو اب روح تو اس وجہ سے کہ اس کو اسی نور میں فنا ہو چکی ہے، اور بدن اس لئے کہ وہ رسولِ خدا ﷺ کی تابعداری کرتے کرتے تمام افعال و اقوال، حرکات وسکنات اسی طرح بجالانے لگا جس طرح رسول اللہ ﷺ ادا کیا کرتے تھے اور ظاہر شریعت کے نور سے آراستہ ہو گیا، اس لئے ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ جدائی کچھ باقی نہیں رہتی۔ انتہی۔

حاصل کلام، اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ جو جو انعامات رسولِ اکرم ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالذات فائض[1] ہوئے ہیں اور جن انوار کا مظہر ان حضرات کا بدن مبارک ہے یعنی شریعت، طریقت، معرفت چونکہ بوجہ اتباع جناب سرورِ کائنات رسولِ خدا ﷺ ان بزرگوں کا بدن مبارک بھی انہیں کمالات اور انعامات وانوارات کا مظہر ہے اس لئے انبیاء و اولیاء یک جان وتن ہیں۔ کیونکہ ان تمام اولیاء اللہ کے سینے میں جو نور ہے وہ بعینہٖ وہی نور ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک میں تھا اور بطورِ تبعیت اسی مقدس سینہ مبارک سے آیا ہوا ہے اور صدر مبارک سید المرسلین ﷺ میں اسی ذات نے مع الصفات الکمالیہ، جو منزہ[2] ہر نقصان سے ہے، عروج وظہور پایا ہے۔ جب اولیاء اللہ پر انہیں انوارات کی واردات ہوئی جو سینہ رسول اللہ ﷺ میں مخزون[3] تھے اور ان میں روح کو پوری فنا ہو گئی اور ظاہر بدن شریعت کے مطابق آراستہ ہو کر انوارِ شریعت سے منور ہو گیا اور شریعت کا مظہر بن گیا پھر انبیاء کے یک جان وتن ہونے میں کیا شک ہے؟ وجہ یہ

---

1. بہت افراط سے۔ بہت زیادہ 2. عیبوں سے پاک 3. خزانہ میں شامل

کہ رسول اللہ ﷺ کا وہی نور پہلے انبیاء واولیاء کے سینے میں تھا اور وہی اس زمانے کے اولیاء اللہ کے سینے میں ہے اور قیامت تک تمام اولیاء اللہ کے سینہ میں وہی ہوتا چلا جائے گا اور یہ بعینہ وہی نور ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک میں تھا اور اس سینہ مبارک میں نور عین ذاتِ الٰہی کا تھا۔ پس لازم یہ بات بھی آئی کہ تمام اولیاء اور انبیاء میں وہی توحید کا ایک نور جوش زن ہے۔ دوئی اٹھ گئی اور وحدت ظاہر ہوگئی۔ صرف تقدم وتاخر زمانی ہے اور اس تقدم وتاخر زمانی کی وجہ سے اس نور میں کچھ فرق نہیں آتا اور یہ وہی نور ہے جو اولیاء اللہ کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ قدیم سے ایک جان اور ایک تن کرتا چلا آیا ہے اور قیامت تک کرتا چلا جائے گا اور یہی نور موجب فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کا ہے۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمتہ نے اسی کی مثال میں لکھا ہے ؎

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

مثنوی

آب خواہ از جوبجو خواہ از سبو
کایں سبورا ہم مدد باشد زِ جو
نور خواہ ازمہ طلب خواہی ز خور
نور مہ ہم زآفتاب است اے پسر
مقتبس شَو زود چوں یابی نجوم
گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم
خواہ زآدم گیر نورش خواہ ازو
خواہ از خم گیرے خواہ از کدو
کیں کدو باخم، پیوست ست سخت
نے چو تو شاداں کدوے نیک بخت
گفت طُوبیٰ مَن رَاٰنِی مُصطَفٰے
وَالَّذِیْ یَبصُرُلِمَنْ وَّجَھِیْ یَرَیٰ
چوں چراغے نور شمعے راکشید
ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید
ہم چنیں تاصد چراغ از نقل شُد
دیدنِ آخر لقائے اصل بد
خواہ از نور پسیں بستاں تواں
ہیچ فرقے نیست خواہ از شمع داں
خواہ بیں نور از چراغِ آخریں
خواہ بیں نورش زِشمع غابریں

ترجمہ اشعار یہ ہے

ڈھونڈ پانی خُم سے تو خواہ نہر سے
خُم میں جو پانی ہے آیا نہر سے
نورِ مہ سے لے تو یا خورشید سے
نورمہ خورشید کا ہے جان لے[1]
نور چن جلدی جو تو پائے نجوم
قولِ پیغمبر ہے اصحابی کنجوم[2]
نور لے آدم سے یا اس مہ سے لے
مے تو خُم سے لے یا شیشے سے لے
خم سے یہ شیشہ ہے رکھتا اتصال
وصل کا شیشہ نہیں تیری مثال
بولے طُوبیٰ مَن رَآنِی مُصطفٰے[3]
وَالَّذِیْ یَبصُرُلِمَنْ وَّجھِیْ یَریٰ
جو چراغ اکِ نور سے روشن ہوا
شمع اس نے دیکھی جس کو دکھا
سُو چراغ اس سے اگر روشن ہوئے
دیکھ آخر کا چراغ اوّل سا ہے
خواہ چراغ آخریں سے نور لے
خواہ لے تو شمع سے نے فرق ہے
خواہ چراغِ آخریں کا نور دیکھ
خواہ شمعِ اوّلیں کا نور دیکھ

---

1. چاندکا نور سورج کے نور سے مستفید ہوتا ہے۔ 2. اس حدیث مبارک کی جانب اشارہ ہے ترجمہ:۔ میرے سب صحابی ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔ 3. یہ اس حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ ترجمہ:۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے بے شک حق تعالیٰ کو دیکھا

مولانا روم علیہ الرحمتہ نے ثابت کیا ہے کہ جس طرح مٹکے اور نہر کا پانی ایک ہے اور جو پانی مٹکے کے اندر ہے وہ بھی نہر ہی سے آیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک شمع سے ایک چراغ جلایا، دوسرا جلایا، تیسرا جلایا،[1] وَهَلُمَّ جَرّاً سو چراغ جلائے تو ظاہر ہے کہ جو نور شمع میں ہے وہی نور پہلے چراغ میں اور وہی نور دوسرے میں، وہی تیسرے میں علیٰ ہذا القیاس سب سے آخر چراغ میں بھی وہی نور ہے جو شمع میں ہے۔ پس جس طرح شمع سے لے کر سب سے آخر والے چراغ تک سب چراغ ایک جان اور ایک تن کہلانے کے مستحق ہیں اسی طرح انبیاء واولیاء بھی ایک جان اور ایک تن ہیں۔ مقصود اصلی یعنی توحید اور معرفت اور محبت ہیں۔ اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ اولیاء و انبیاء مراتب میں مساوی ہیں، نہیں۔ نبی کا بڑا اعلیٰ مرتبہ ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا ولی، نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک تک پہنچ سکتا ہے۔ انبیاء واولیاء یک جان وتن ہیں جو اولیاء و انبیاء میں اتحاد معلوم ہوتا ہے اس کی تفصیل تو ذکر ہو چکی ہے۔ لیکن صوفیائے کرام کے بعض کلمات طیبات ہیں جن سے اتحاد ذاتِ الٰہی اور ذاتِ اولیاء اللہ کا وہم ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ان دو مکتوبات سے جو اکابر اولیاء اللہ کے ہیں ان میں خوب طرح سے واضح ہے۔ وَهُوَ هٰذَا.

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ ''چوں فیض رسد چشم واشود وتماشائے فیضِ مقدس بنی و بعد از استقرار با سرار فیض اقدس رسی۔ چنداں افاضہ وفیض بنی کہ از افاضہ وفیض از بصیرت مستتر گردد و بجز فیاض ہیچ نہ بنی۔ چوں سعادت ازلی در رسد وکمالِ ایمان و ایقان نصیب تو گردد از ہمہ فیوض فانی شوئی و بہ فیاض باقی گردی[2] اَلْفَقْرُ اِذَاتَمَّ فَهُوَ اللّٰه ایں ست۔

ترجمہ: جب فیاضِ ازل کا فیض پہنچے تو آنکھ کھل جائے اور تو پاک فیض کا تماشا دیکھے۔ اس حالت پر ٹھہر جانے کے بعد تو فیضِ اقدس کے اسرار پر پہنچے گا اور اس قدر اضافہ دیکھے گا کہ اضافہ و فیض کے غلبہ کی وجہ سے بصیرت پوشیدہ ہو جائے گی اور بجز فیاض کے کچھ نہ دیکھے گا۔ جب سعادتِ ازلی پہنچے گی کمال ایمان اور کمال یقین تجھ کو نصیب ہو جائے گا تو اس وقت تو تمام فیوض سے فانی ہو کر فیاض کے ساتھ باقی ہو جائے گا۔ اَلْفَقْرُ اِذَاتَمَّ فَهُوَ اللّٰه کے یہ معنے ہیں۔

---

[1] چراغ روشن ہو
[2] جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

اور حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات جلد اوّل کے مکتوب نمبر ۲۶۵ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''وآں چہ از بعضے عبارات صوفیہ معنی اتحاد مفہوم مے شود خلاف مراد ایشاں است۔ زیرا کہ مراد ایشاں ازیں کلام کہ موہم اتحاد ست اَلْفَقْرُ اِذَاتَمَّ فَهُوَ اللّٰهآنست کہ چوں فقیر تمام شود و نیستی محض حاصل آید باقی نمے ماند مگر اللہ تعالیٰ۔ نہ آں کہ آں فقیر بخدا متحد مے شود خدا اگردد کہ آں کفر و زندقہ است تعالیٰ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُوْنَ عَلُوًّا كَبِيْرًا و حضرت خواجہ قدس سرہ مے فرمودند کہ معنی عبارت[1] انا الحق نہ آنست کہ من حقم بلکہ آنست کہ من نیستم و موجود حق است''۔ ترجمہ: اور وہ جو صوفیوں کی بعض عبارات سے معنے اتحاد سمجھے جاتے ہیں یہ ان کی مراد کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کلام اَلْفَقْرُ اِذَاتَمَّ فَهُوَ اللّٰه سے جو کہ[2] موہم اتحاد ہے ان کی یہ مراد ہے کہ جب فقیر پورا ہو جاتا ہے اور نیستی محض حاصل ہو جاتی ہے تو باقی نہیں رہتا مگر اللہ تعالیٰ، نہ یہ کہ وہ فقیر خدا کے ساتھ متحد ہو جاتا اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے۔ بہت ہی بلند ہے وہ پاک ذات ان ظالموں کے توہمات سے اور حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ عبارت انا الحق کے یہ معنی نہیں کہ میں حق ہوں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نیست ہوں اور خدا موجود ہے۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کو میں نے پالیا مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے خیمہ تک نہ پہنچ سکا۔ پھر فرمایا سنا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے تیس سال تک قلب پر مجاہدہ کیا۔ جب پورے تیس برس گزر چکے تو مجاہدہ سے نکلے۔ آپ نے دیکھا قلب کی اصلاح ویسے تو بہت کچھ ہو گئی ہے مگر ابھی کچھ ریشے باقی ہیں۔ پھر مجاہدہ میں مشغول ہو گئے اور تیس برس ہی پھر مجاہدہ کیا۔ ساٹھ برس کے مجاہدہ کے بعد جب قلب بالکل درست ہو گیا تو لوگوں نے پوچھا ''حضور! اب کیا حال ہے؟'' فرمایا ''عرشِ معلّٰی میرے قلب کے ایک کونے میں ہے''۔ پھر انہوں نے مجاہدہ شروع کیا تو دیکھا کہ ہماری روح اولیاء اللہ کی صفوں میں پہنچی۔ پھر بڑے بڑے غوث قطب اور اولعزم اولیاء اللہ کی صفوں میں پہنچی۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی صف کے پاس بڑے زور مار کر پہنچی۔ ہر چند بڑی کوشش کی مگر آگے نہ بڑھ سکی۔ انبیاء علیہم السلام کی صف سے آگے رسول اللہ ﷺ کا خیمہ تھا بہت زور مار کر اور بہت ہی کوشش کے بعد اتنا ہوا کہ

---

1. منصور حلاج کے مغلوب الحالی میں نکلے ہوئے الفاظ یعنی میں حق ہوں۔
2. وہم میں ڈالنے والا یعنی جس سے اتحاد کے وہم کا شبہ ہو سکتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے خیمہ کی رسیاں پکڑیں جو انبیاء علیہم السلام کی صف تک تنی ہوئی تھی۔

اس پر ایک عالم نے سوال کیا کہ حضور اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے بھی آگے ہیں اور نیز یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے خیمہ تک بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جیسے اکابر کی رسائی نہ ہوئی تو یہ فقیر کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی یہ زیارت کیسے ہوتی ہوگی اور کیونکر اس صورت میں زیارت ہونی ممکن ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہونی آسان ہے پر رسول اللہ ﷺ کے خیمہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اسے یوں سمجھنا چاہیئے کہ خیمہ والا آپ ہی خیمہ سے باہر نکل کر اپنی زیارت کرادے تو آسان ہے اور کسی کا خیمہ تک پہنچنا مشکل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ اپنی رعیّت کو دیکھنے کے واسطے دورہ پر نکلے تو ہر شخص بادشاہ کی زیارت کرسکتا ہے پر اتنی مجال کسی کی نہیں کہ بادشاہ کے تخت پر جا بیٹھے۔

پھر فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفتِ علمی نے ظہور فرمایا اور نور کا بے تہاہ دریا موجیں مارنے لگا اور پھر اسی صفتِ علمی کی تجلی کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کی پاک روحیں پیدا کی گئیں۔ اسی نور کے بے تہاہ دریا کا نام حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہے اور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی مراد محمد ﷺ کے خیمہ سے یہی حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں رسول اللہ ﷺ کا مقام بھی یہی حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہے جس کا نام تعین اول ہے۔ یہاں کسی ولی اللہ یا امتی کا تو ذکر کیا ہے انبیاء مرسلین علیہم السلام کا بھی اس جگہ گزر نہیں سوائے ذاتِ رسول اللہ ﷺ کے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں سب سے زیادہ اعلیٰ مقام یہی ہے۔ باقی رہا اللہ تعالیٰ کا پانا اور اس کی ذات کا وصل ہونا، اس کی حقیقت یوں ہے کہ عرش کے اوپر عالمِ امر میں اللہ تعالیٰ کے قُرب میں ہر انسان کی ایک حقیقت موجود ہے اور ہر شخص کو اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اسی حقیقت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت حاصل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو۔ تو ہر ولی اپنی اسی حقیقت اور معیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے واصل ہوتا ہے۔ مگر حقیقتِ محمدیہ واحمدیہ (ﷺ) جو مقاماتِ قرب میں سب سے اعلیٰ مقام اور بہت ہی دور ہے، اس مقام کو حاصل کر کے داخل ہونا بہت محال ہے۔ اس مقام میں انبیاء علیہم السلام کا ہی جب گزر نہیں تو پھر اولیاء اللہ اور دیگر امتی لوگوں کا کیا ذکر ہے کہ اس جگہ مقام بنا سکیں۔

پھر فرمایا ایک دفعہ خود ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ علم کا ایک بہت بڑا دریا ہے اور اس میں بڑے بڑے دستار والے عالم اور بہت سے صوفی لوگ داخل ہوئے ہیں۔ کوئی ٹخنوں تک پانی میں جا کر رہ گیا اور کوئی گھٹنوں تک چل کر تھک گیا، کوئی کمر تک پہنچا، کوئی سینے تک گیا، اور ایسے بہت کم عالم وصوفی تھے جو حلق تک پانی میں پہنچے۔ کچھ اور بھی آگے چلے مگر وہیں گر کر ڈوب گئے غرض پار کوئی نہ نکلا، پر ہم بے تکان بڑی آسانی سے پار نکل گئے۔ آگے چل کر پھر ایک اور بہت بڑا دریا آیا ہم اس سے بھی پار نکل گئے۔ ہم نے پوچھا، یہ کس کا دریا ہے۔ آواز آئی کہ اولیاء اللہ کے نور اور معرفت کا دریا ہے۔ مگر ہم درود شریف پڑھتے رہے اور یہ خیال رہا کہ اس کی برکت سے آسانی کے ساتھ پار نکل جائیں گے۔ پھر ہم اور آگے چلے، وہاں سبز رنگ کے نور کا ایک بڑا لمبا چوڑا بے تھاہ دریا دیکھا، یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا دریا تھا، اس کے اندر داخل ہو گئے اور برابر درود شریف پڑھتے رہے۔ مگر اس دریا میں داخل ہو کر ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارا سارا بدن نور بن گیا۔ ہم کو اپنا سارا بدن نور ہی نور نظر آتا تھا۔ ہم اس دریا سے بھی پار نکل گئے۔ آگے ایک اور دریا دیکھا کہ جس کے اوّل وآخر کا کہیں پتہ ہی نہ ملتا تھا۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے نور کا دریا تھا۔ ہم اس میں بھی داخل ہوئے کچھ تھوڑی دور گئے پھر واپس چلے آئے۔ اس میں اگر ذرا بھی ہم قدم آگے رکھتے تو یہاں لوٹ کر نہ آتے۔

پھر فرمایا وہاں کے ذوق وشوق، وہاں کی کیفیات اور اسرار ولذات کا کیا ذکر کیا جائے، عقلیں کند ہیں، اور وہاں کی باتیں یہ دنیا کی عقلیں ادراک کرنے سے عاجز ہیں۔

پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کی زیارت بعض کو اس طریقہ سے بھی ہو جاتی ہے کہ کوئی درود شریف کثرت سے پڑھے تو درود شریف کا نور ہی اس کو رسول اللہ ﷺ کی مثالی شکل میں نظر آجاتا ہے اور بعضوں کو اپنے قرب ومرتبہ کے موافق رسول اللہ ﷺ کی زیارت اس عنصری بدن مبارک کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے جو تمام اسماء وصفات کا مظہر اور تمام مقامات وکمالات کا جامع ہے اور یہ زیارت خاص زیارت ہے اور یہ خاص لوگوں کو ہی ہوتی ہے۔ باقی رہا اس مقام میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہونا جو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے اور جس کا نام حقیقتِ محمدیہ واحمدیہ (ﷺ) ہے وہاں سے صرف فیض آتا ہے۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ع۔ترک دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ مولیٰ، ترکِ ترک۔

آپ نے اس قول میں چار ترک فرمائے ہیں جو سالک کے لئے ضروری ہیں۔ جب تک یہ چار ترک سالک نہیں کرتا، اپنے مطلوب کی طرف کا سیر اسے حاصل نہیں ہوتا۔ اوّل ترک تو دنیا کا ہے جو ظاہر ہے اس ترک بدوں[1] چارہ ہی نہیں۔ (۲) ترکِ عقبیٰ یعنی بہشت اور دوزخ کا امید وخوف چھوڑنا ہے کیونکہ جو عبادت بہشت و دوزخ کے امید وخوف سے ہو اس میں بھی مطلوب حصولِ جنت ہے ، وصلِ ذات الٰہی مطلوب نہیں، اس لئے عاشقانِ الٰہی کے واسطے اس کا ترک کرنا بھی ضروری ہوا۔ (۳) ترکِ مولیٰ ہے، سو یہ بھی سچ ہے کیونکہ جب کوئی سالک یہ دونوں مذکورہ ترک دل سے کر دیوے تو اس پر تجلیاتِ انوار ظاہر ہوتے ہیں اور ان میں بشارات بھی ہوتی ہیں۔ اور ان انوارات و تجلیات کو دیکھ کر سالک سمجھ بیٹھا کہ یہی خدا ہے، جو چیز سالک کے خیال میں خدا آوے اسی کو ترک کرتا جاوے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بے چگوں اور بے چوں اور بے مثل اور بے مانند ہے اور ادراکِ عقل سے آگے ہیں۔ اسی کا نام ترکِ مولیٰ ہے۔ (۴) آخری ترکِ ترک ہے اور ترکِ ترک کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر انوارات وتجلیات سالک پر کھلیں اور وارد ہوں اور جس خیال کو وہ خدا سمجھے سب کو ترک ہی کرتا چلا جائے۔ کسی تجلی پر نہ ٹھہرے۔

سن او طالب مولیٰ والے وَل مولا دے آویں
ہردم قدم اگیرے رکھیں ٹھہر کتے نہ جاویں

ترجمہ: اے طالب مولیٰ سن! اپنے مولیٰ کی طرف یوں بڑھ کہ تیرا ہر قدم آگے ہی پڑے اور کسی جگہ تو رک نہ جائے۔

---

[1] ترک کے بغیر۔

فصل دوم

اختلاط با خلق و احتیاط

ارشاد: ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جس کا باطن خداوند تعالیٰ سے ملا ہوا ہے وہ ظاہر میں اگر لوگوں سے اختلاط رکھے تو کچھ حرج نہیں۔

نقل معتبر ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الرحمتہ ڈیرہ بسی میں تھے۔ میراں ملہی صاحب یا عاشق شاہ میں آپ نے دیکھا کہ بہت عمدہ اور قیمتی گھوڑے پر نہایت اعلیٰ درجے کا لباس پہنے ہوئے ایک شخص دور سے چلا آرہا ہے اور اس پر بڑے اعلیٰ مقام کا فیضان پڑ رہا تھا۔ حلیہ اس کا یہ تھا کہ داڑھی چڑھی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑی بڑی، ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی، چوڑی دار چست پاجامہ، لیس دار ٹوپی ٹیڑھی سر پر، ایک نہایت عمدہ قیمتی گھوڑے پر سوار، غرض پوری بانکپن سے جارہا تھا۔ آپ نے آدمی اس کے بلانے کو بھیجا۔ اس نے آدمی کو آتا ہوا دیکھ کر سڑک سے نیچے دوسری جانب کو گھوڑا اتارلیا، تاکہ چھپ کر نکل جائے۔ جب وہ بہت دور نکل گیا تو حضور نے باطنی کشش کی تو وہ فوراً بے اختیار چلا آیا اور گھوڑے سے اترتے ہی ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور میرا راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ حضور نے اس سے فرمایا کہ تم نے جو اس نعمت کو چھپا رکھا ہے اور خلقتِ خدا گمراہ ہو رہی ہے اور ضرورت ہدایت کی ہے، تم کو اس کا خوف نہیں آتا؟ اس نے کہا کہ حضور مجھے اندیشہ ہے کہ میں لوگوں کے اختلاط[1] میں کہیں اپنے درجے سے نہ گرجاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ بالفرض تو نے ہدایت نہ کی اور نہ تو درجے سے ہی گرا تب بھی تجھ کو یا مخلوقِ خدا کو کیا فائدہ ہوا، اور تیرا عروج کس کام آیا؟ مراتب جو ہدایت اُمتِ سیّد المرسلین ﷺ کی وجہ سے نصیب ہوتے اس سے بھی گمراہی ہوتی ہے اور جو ترقی قربِ الٰہی میں ہوتی ہے اس سے محرومی۔ اگر اکیلا آدمی بخشا گیا تو کمال مردِ خدا کا نہیں۔ وہ نادم ہوا اور توبہ کی اور حضور سے عرض کیا کہ حضور میرے اجرائے ہدایت کے لئے ہمت فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے اس کو فیض دیا۔ اس نے فیض لیا اور پھر وہاں سے جاتے ہی اپنا تمام لباس اور شکل شریعت کے موافق بنا کر ہدایتِ خلق میں مصروف ہوگیا۔

---

[1] لوگوں سے میل جول۔

پھر فرمایا کہ جب فقیر باعثِ ہدایت ہو اور اس سے فیضان جاری ہو کر دوسرے پر اثر ہوتا ہو تو اس کو چھپانا نہیں چاہیے بلکہ چاہیے کہ لوگوں کو ہدایت کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف بلا دے۔

ارشاد: ایک دفعہ فرمایا کہ وہ شخص بڑا نقصان دینے والا ہے جس کا ظاہر درویشانہ ہو اور باطن میں دنیادار، ایسے آدمی سے ہمیشہ الگ رہنا چاہیئے۔ یہ فرما کر ارشاد ہوا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب فتوح الغیب میں ہم نے سنا ہے کہ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) وہ نہ جن کی زبان ذکرِ خدا کرے اور نہ دل۔ (۲) وہ لوگ جن کی زبان ذکر کرے دل کو خبر نہ ہو۔ (۳) وہ لوگ جن کی زبان بھی ذکرِ خدا میں ہی مشغول ہو، دل بھی ذکرِ خدا میں۔ سو اوّل گروہ کی صحبت زہر کا اثر رکھتی ہے، اس سے دور بھاگنا چاہیئے۔ اور دوسرے گروہ کی صحبت میں جو نفع نہیں تو ضرر بھی نہیں اور تیسرے گروہ کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ان کی ایک دم کی صحبت سو سال کی عبادت کے برابر ہے

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: اولیاء اللہ کی صحبت میں کچھ عرصہ گزارنا سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے

ارشاد: ایک روز فرمایا! فقیر کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیئے۔ بہت سے ایسے ہیں کہ دن بھر یادِ خدا تعالیٰ کی اور رات کو کسی کی غیبت کر کے تمام نیکیاں ہلاک کر دیں۔ اور کسی نے رات بھر عبادت کی اور جاگا، صبح کو دنیا کے لوگوں میں گیا اور کسی کی برائی کی، حسد کیا اور نیکیوں کو برباد کر دیا۔ تو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے اعمال کی نگہداشت رکھے، ضائع نہ ہونے دے۔ یعنی سحر کے وقت اپنے تمام اعمال کا محاسبہ کرے کہ اس قدر نیکیاں ہیں اور اتنی برائیاں۔ نیکیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے ان پر شکر بجا لائے اور برائیوں کو اپنے نفس کی طرف منسوب کر کے استغفار پڑھے۔

ارشاد: حضور علیہ الرحمتہ کی یہ عجیب عادت مبارک دیکھی کہ اگر مجمع میں تشریف فرما ہوتے اور پانی وغیرہ کوئی شے طلب فرماتے تو وہ حسبِ معمول ڈھکی ہوئی تو ہوتی ہی تھی مگر اس شے کے لانے والے کو باہر ہی ٹھہرا کر انگلی کے اشارے سے فرماتے کہ اس طرح چکّر لگا کر لاؤ۔ لوگ اس

امر کو وہم وغیرہ پر محمول کیا کرتے۔ ایک روز راقم نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ اکثر ایسے لوگ بھی باہر سے آ کر بیٹھتے ہیں جن کے ساتھ بلیات ہوتی ہیں اور ان بلّیات کا اثر اس چیز پر بھی پڑتا ہے جو ان کے پاس کو گزرے۔ اس واسطے ہم اشارہ سے ان کو سمجھا دیتے ہیں کہ ان سے الگ ان لوگوں کے پاس سے لاویں جن کے ساتھ بلیات نہیں ہیں بلکہ ان پر انوارات نازل ہوتے ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضور کے پاس کوئی شخص کپڑا وغیرہ یا کچھ اور نقدی و جنس لایا حضور نے واپس فرما دی اور قبول نہ کی۔ پوچھنے پر فرمایا اس شے کے ساتھ بلیات تھیں اس وجہ سے ہم نے نہیں لیں۔ اور فرماتے کہ اشیاء کے ساتھ بلّیات کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض کے استعمال سے طاقتِ عبادت کم ہو جاتی ہے، بعض سے بیماری وغیرہ ہو جاتی ہے، بعض سے اور نقصان ہوتے ہیں۔ بعض کی وجہ سے فتنہ و فساد پیدا ہو جاتے ہیں تو ان سے احتیاط لازم ہے۔

ارشاد: ایک دفعہ کوئی شخص بیماری کے صدقہ کا گوشت پکا کر لایا۔ حضور نے اس کے لینے سے تمام درویشوں کو منع فرما دیا، کسی نے نہ لیا مگر ایک درویش نے باہر جا کر لے کر اس کو کھا لیا۔ کھانے کے ساتھ ہی اس کو زور سے بخار چڑھا اور صدقہ دہندہ مریض کو آرام ہو گیا کیونکہ وہ بھی بخار ہی میں مبتلا تھا۔ جب حضور کو خبر ہوئی فرمایا کہ صدقہ دے۔ چنانچہ اس نے دے دیا، تب آرام ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل سوم

آدابِ بزرگاں

ارشاد: ایک روز سائیں عبدالکریم عرف مغلی شاہ حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت مبارک میں حجرہ کے اندر تھے۔ حضور کو ان سے بہت محبت تھی۔ بعض وقت فرطِ محبت سے سینہ مبارک پر ڈال لیا کرتے تھے۔ اس وقت فرمانے لگے مغلی شاہ تیرے نزدیک ہم کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور اور تو مجھے کچھ خبر نہیں، اتنا جانتا ہوں کہ زندوں میں تو حضور جیسا کوئی ہے نہیں، قبروں میں کوئی ہو تو مجھے خبر نہیں۔ حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مغلی شاہ تو آج بچ گیا، آدابِ بزرگان کا تو نے اچھا لحاظ رکھا۔ اگر تو اس وقت کہہ دیتا کہ آپ جیسا کوئی نہیں اور نہ ہوا ہے تو مرتبہ سے گر جاتا۔ یہ تو نے خوب ہی جواب دیا اور نہایت خوش ہوئے۔

ارشاد: ایک دفعہ کوئی شخص اہلِ علم جو کسی بزرگ کا مرید تھا جوشِ محبت میں کہنے لگا کہ چار امام تو ہیں مگر پانچواں امام اب اس وقت میرا پیر ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس طرح نہیں کہنا چاہئیے یہ بے ادبی ہے، مگر وہ نہ مانا بلکہ اسی پر اڑا رہا۔ چنانچہ کچھ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پیر سے منحرف ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ میرا پیر ہی نہیں ہے اور میں اس کا مرید ہی نہ تھا اور اس کو فقیری وغیرہ کچھ نہیں آتی۔ حضور نے فرمایا کہ یہ تیری بے ادبی کا نتیجہ ہے کہ تو اپنے پیر کو ائمہ مجتہدین کے برابر بناتا تھا۔ پیر کے ساتھ اور اعتقاد رکھنا تھا، امام کی بہت عالی شان ہوتی ہے۔ اور اپنے دل میں جو محبت یا جس قدر عقیدہ ہو پوشیدہ رکھ، لوگوں کے سامنے نہ کہو، اس طرح فتنہ دین میں برپا ہوتا ہے۔ مذاہبِ اربعہ کی امامت ختم ہو چکی ہے۔ کسی ائمہ دین کی برابری دینے میں ان کی بے ادبی ہے۔ یہ ان کی ارواحِ طیبہ کی غیرت ہے یہ درست نہیں اور ان کی غیرت ہوتی ہے۔ باقی عقیدۃً جس قدر محبت ہو اپنے پیشوا کو سمجھے اور ظاہر وہی الفاظ ہوں جو موافق شریعت کے ہوں۔ اگر ایسا کرے تو تمام اولیاء اللہ خاص کر خواجگان نقشبندی بہت ہی ناراض ہوتے ہیں کیونکہ اس میں التزام شریعت کا بہت ضروری ہے اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔

فصل چہارم

حُسنِ معاملہ

ارشاد: ایک حافظ گنگوہ کا رہنے والا تھانہ دار تھا اور وہ کسی جرم میں قید ہو گیا۔ اس نے شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں ایک خط تمام کیفیت کا مفصل لکھ کر عرض کیا کہ حضور دعا فرماویں اپیل منظور ہو جائے، جرم سے بَری ہو جاؤں، ملازمت بحال رہے اور ساتھ ہی ترقی مل جائے۔ جب وہ خط حضور کے سامنے پڑھا گیا تو کسی شخص نے پاس سے عرض کیا کہ حضور اس نے تو ساری ہی دعاؤں کے واسطے عرض کر دیا، کوئی بات بھی نہیں چھوڑی۔ ایک دو دعا ہوتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اس پر آپ مسکرائے اور فرمایا ''اچھا سب دعا کرو کہ خداوندا! اس کی اپیل منظور ہو جائے اور جرم سے بَری ہو جائے، اسے ملازمت مل جائے اور ساتھ ہی ترقی بھی ہو جائے۔'' پھر فرمایا خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی بڑی بات ہے کہ یہ تمام باتیں ایک ساتھ ہو جائیں؟ اس نے اچھی دعا کرائی ہے، اس کو خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہے اور ہمیں اللہ کا بندہ سمجھ کر اس نے ہمارے پاس لکھ بھیجا اور اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ پھر ہمارا کیا حرج ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ نے حضور کی دعا کے صدقے سے مجھے قید سے رہائی دے دی اور جو باتیں میں نے خط میں عرض کی تھیں وہ سب حاصل ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی ترقی بھی عطا فرما دی۔

ارشاد: ایک مرتبہ مغرب کے بعد ایک قریب البلوغ لڑکا حاضرِ خدمت ہوا۔ وہ کسی کا مرید تھا، گو کچھ حاصل نہیں ہوا تھا لیکن پیر نے ویسے ہی کہہ دیا تھا کہ تیرے لطیفے پورے ہو گئے ہیں۔ وہ حضور کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ حضور میرے نو لطیفے تو پورے ہو گئے آپ دعا فرماویں کہ دسواں لطیفہ بھی جاری ہو جائے۔ آپ نے فرمایا بندے اللہ دے تو بڑا ہی اچھا آدمی ہے، ہمارے تو لطیفے ابھی طے نہیں ہوئے۔ حاضرینِ مجلس کپڑے منہ کے سامنے کر کے مسکرانے لگے مگر آپ نے ان کی طرف کچھ التفات نہ کی اور نہایت نرمی سے اس لڑکے کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ لوگوں نے اس خیال سے کہ شاید اس میں کچھ مصلحت ہو مسکرانا بند کر دیا اور خاموش ہو گئے۔ آپ نے لڑکے

سے مخاطب ہو کر فرمایا تو بڑا ہی اچھا آدمی ہے، تیرے نو لطیفے پورے ہو گئے، تو ہمارے واسطے دعا کر کہ ہمارے لطیفے بھی پورے ہو جائیں۔ اس نے بے تکلف کہا کہ حضور آپ تو بزرگ ہیں، میرے واسطے دعا فرمائیں۔ آخر آپ نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے تو اس کو فوراً جذب ہو گیا اور بال بال سے ذکر جاری ہو گیا۔

ارشاد: ایک مرتبہ انبالہ میں ایک بڑا نامی اور طاقتور زبردست ہندوؤں کی طرف سے پہلوان آیا تھا۔ انبالہ کے مسلمانوں کی طرف سے ایک تیلی پہلوان اس کے ساتھ لڑنے کے واسطے مقرر کیا گیا۔ انبالہ والا تیلی اس ہندوؤں کے پہلوان کے مقابلے میں قد و قامت، طاقت اور فنِ کشتی غرض سب باتوں میں کم تھا۔ جس دن اس کی کشتی تھی وہ تیلی اس خیال سے کہ شاید ہار جاؤں اور سب مسلمانوں کو ناحق خفت ہو چند آدمیوں کو ساتھ لے کر دعا کرانے کیلئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ظہر کا وقت تھا اور میں بیٹھا ہوا طالب علموں کو پڑھا رہا تھا۔ پہلے وہ میرے ہی پاس آیا اور مُدّعا ظاہر کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ اس وقت بیت الخلاء میں تھے۔ میں نے اس کو سختی اور غصہ کے ساتھ کہا۔ ''بیوقوف تو نماز نہیں پڑھتا۔ جب تو ہی خدا کے سامنے نہیں گرتا تو اللہ تعالیٰ اسے کیونکر تیرے سامنے گرائے گا، جا! کہاں دعا کرانے آیا ہے۔'' ساتھ والوں میں سے کسی نے کہا میاں ان سے کیا لیتا ہے یہ تو مولوی لوگ ہیں۔ ان کا کام ہی ہدایت کرنا ہے، وقت بے وقت۔ چلو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں چلیں۔ وہ فقیر ہیں، فقیروں میں رحم زیادہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر وہ وہیں کھڑا رہا۔ اتنے میں شاہ صاحب استنجا خشک کرتے ہوئے بیت الخلاء سے باہر تشریف لے آئے۔ وہ پہلوان فوراً حضور کے قدموں میں گر پڑا اور مُدّعا ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا ''او جا، جس طرح ہمارے مولوی صاحب نے کہا ہے، جا کے نماز پڑھا کرو۔ جا تو اُسے جاتے ہی گرا لے گا۔ اور جا نماز پڑھنا۔'' اور محبت سے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ وہ میدانِ کشتی میں گیا اور جاتے ہی اس زبردست پہلوان کو گرا لیا اور کشتی مارتے ہی حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں سلام کرنے کو حاضر ہوا۔ پھر پکا نمازی ہو گیا۔

ارشاد: ایک روز کوئی شخص حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس دس روپے لے کر آیا (آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جو شخص آپ سے تعویذ لینے آتے تھے یا دم کرانے تو کسی درویش

سے کرادیتے اور اگر پھر کچھ نذر یا شیرینی وغیرہ لاتا اور کہتا کہ یہ اس کا عوض ہے تو آپ قبول نہ فرمایا کرتے بلکہ واپس کر دیا کرتے تھے۔) اس شخص نے عرض کیا کہ حضور میں نے آپ سے ایک مرتبہ دعا کرائی تھی اللہ تعالیٰ نے میرا وہ کام پورا کر دیا، میں آپ کے واسطے یہ نذر لایا ہوں اس کو قبول فرمائیں۔ حضور نے فرمایا نہ ہم نے تیرے واسطے کبھی دعا کی ہے اور نہ ہم کو یاد ہے اور نہ ہم یہ نذر لیں گے۔ اس نے عرض کیا حضور یہ سچ ہے نہ آپ نے دعا کی نہ میں نے دعا کے واسطے عرض کیا۔ اصل بات یہ تھی کہ حصولِ مُدّعا کی نیت سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ عقیدت کے ساتھ جو شخص کسی بزرگ کے پاس نیت سے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ غرض پوری فرما دیتا ہے۔ میں بھی اسی نیت سے حاضر ہوا تھا اور صرف دل میں خیال کر لیا تھا۔ حضور سے دعا کے واسطے عرض کیے بغیر ہی اس عقیدت کی وجہ سے اٹھ کر چلا گیا۔ رب تعالیٰ نے میرا وہ کام بخیر کر دیا۔ میں یہ تحفہ حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اللہ کے واسطے منظور فرمائیں۔ آپ نے منظور فرما لیا اور حاضرینِ مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اور متقدمین اکابر اولیاء اللہ کا تو یہ حال تھا کہ جب کوئی شخص کسی غرض کی نیت کر کے گھر سے چلا تو راستے ہی میں وہ غرض پوری ہو جاتی تھی مگر اب زمانۂ نبوت کے بُعد کی وجہ سے وہ بات تو نہیں رہی مگر ہاں اتنا پھر بھی ضرور ہے اور یہ جو کچھ اس نے بیان کیا سب سچ ہے۔

ارشاد: حضور کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی سوالی آتا تو آپ دستِ مبارک کی انگلیوں کے اشارہ سے فرما دیا کرتے کہ اس کو تین پیسے دے دو یا پانچ یا جس قدر دلانے منظور ہوتے۔ پہلے سوال پر کسی کو خالی نہیں جانے دیتے تھے۔ البتہ جب کوئی دوبارہ سوال اور تقاضا کرتا تو بعضوں کو دلا دیا کرتے اور بعضوں کو نہ بھی دلاتے خواہ کتنا ہی تقاضا کیے جاتا۔ وجہ یہ کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے موقعوں پر دو طرح کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے (۱) تجلیِ رضا کا (۲) تجلی غضب کا۔ اگر تجلی رضا کا ورود ہوتا ہے تو درویش اس میں سیر کرتا ہے اور معلوم کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام پر راضی ہے۔ اور وہ جو بزرگوں نے لکھا ہے کہ ایسے وقت میں فقیر اپنے دل سے فتویٰ لیتا ہے، مفتیوں سے نہیں لیتا۔ اس دل سے فتویٰ لینے کے یہی معنی ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بزرگ صورت نے ہم سے مراقبہ میں فرمایا کہ ایک بھلا آدمی طالب علم اس شکل صورت کا ہے اس کے پاؤں میں جوتی

نہیں رہی، اگر وہ آپ کے پاس آوے تو اس کو جوتا لے دینا۔ صبح سے انتظار کرتے کرتے ظہر کا وقت ہو گیا۔ جب نماز ہو چکی تو اس صورت کا ایک شخص آیا کہ اس کے پاؤں میں جوتی نہیں تھی، اور اس نے جوتی کا سوال کیا تو ہم نے اس کو جوتی دلا دی۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو جو دلانا ہوتا ہے خود ہی دلا دیتا ہے اور اشارہ ہو جاتا ہے۔ اور دوسری غضب کی تجلی ہوتی ہے۔ جس کام کے کرنے سے غضب کی تجلی ظاہر ہو تو فقیر سمجھ لیتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ پھر فقیر بالکل اس کا مرتکب نہیں ہوتا خواہ کتنا ہی کوئی تقاضا کرے۔

ارشاد: ایک روز ایک عورت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور کہا کہ حضور مجھے بیعت فرمالیں۔ حضور نے فرمایا کہ جا کسی سے نکاح کر لے پھر تجھ کو بیعت کر لیں گے۔ اس نے عرض کیا کہ حضور مجھے کوئی نہیں چاہتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تو چاہے گی تو کوئی اور بھی چاہ کر تجھ سے نکاح کر لے گا۔ وہ عورت وہاں بیٹھنے لگی کہ کچھ دیر ٹھہرے۔ حضور نے حکم دیا کہ اس کو باہر نکال دو۔ چنانچہ درویشوں نے اس کو نکال دیا۔ وہ چلی گئی اور صبح ہوئی تو لوگوں سے کہا کہ بیشک یہ شخص ولی اللہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تجھ کو تو جھڑک کر باہر نکال دیا اور بیعت نہ کیا پھر تو نے کس طرح جانا کہ یہ ولی ہیں؟ اس نے کہا کہ میں فعل شنیع کر کے حالتِ جُنب میں حاضر خدمت ہوئی تھی۔ اس واسطے حضور نے شناخت کر لیا اور بیعت نہ کیا اور مجھے نکلوا دیا پھر ان کے ولی اللہ ہونے میں کیا شک ہے؟ اور پہلے میرے دل میں نکاح کرنے کا ارادہ بالکل نہ تھا مگر اب حضور کے ارشاد کے ساتھ ہی پختہ ارادہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے نکاح کر لیا۔

ارشاد: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ہندو بڑھیا عورت بانگر کی رہنے والی تھی، حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے بیٹے نے کوئی خون کر دیا تھا اور اس مقدمہ میں وہ گرفتار تھا۔ عرض کیا کہ حضور میرے بیٹے کے واسطے دعا فرمائیں کہ وہ چھوٹ جائے، خون کے مقدمہ میں وہ گرفتار ہے۔ حضور کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی اہلِ مقدمہ دعا کی استدعا کرتا تو آپ یوں فرمایا کرتے کہ "خداوندا! حق حق کرنا۔" اس بڑھیا کی استدعا سن کر مجھے بھیجا کہ اس سے پوچھو واقعی اس کے بیٹے نے خون کیا ہے یا اس پر یوں ہی تہمت لگی ہے۔ بڑھیا بولی۔ حضرت جی! حاکم کے سامنے تو میرے بیٹے نے انکار کر دیا ہے مگر تم بھگوان کے پیارے ہو، بھگوان جھوٹ سے

بُرا مانے ہے، خون تو واقعی میرے بیٹے نے ہی کیا ہے۔ وہ رحم کرنے والا ہے، آپ دُعا فرمائیں۔ میں نے واپس آ کر سارا واقعہ حضور سے عرض کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ خداوندا! حق حق کرنا۔ کیونکہ ظالم پر رحم کرنا مظلوم پر ظلم کرنا ہے اور ظالم پر سختی مظلوم پر رحم ہے۔ پھر حضور نے ایک یہ تقریر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے اس کے دربار میں امیر غریب فقیر گدا سب یکساں ہیں اور اس کی رحمت سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسی طرح فقیر لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ رحیمی کا برتاؤ اس کے بندوں کے ساتھ کیا کریں۔ قیامت کے دن بعضے فقیر اس واسطے پکڑے جاویں گے کہ انہوں نے حق ناحق نہیں دیکھا۔ ناحق والے کے لئے دُعا کر دیا کرتے تھے، اس کی صفت رحیمی کا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ فقیر کو چاہئے کہ جس قدر لوگ اس کے پاس آئیں سب کو رحم کی نظر سے دیکھے۔ جب اس کے پاس کوئی دعا کرانے آئے تو حق ناحق کا خیال رکھے کہ ناحق والے کے حق میں اس واسطے دُعا نہ کرے کہ وہ نذریں وغیرہ بہت لاتے یا خدمت زیادہ کرتے ہیں۔ اور فقیر کو چاہئے کہ بیعت کے وقت بھی امیر و غریب سب پر یکساں نظر رکھے۔ یہ نہ کرے کہ جو امیر ہو اس کو مرید کرلے اور غریب کو نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی اصل نعمت کا دسترخوان بڑا وسیع ہے۔ ایک اصل نعمت تو اللہ تعالیٰ کی کلمہ طیبہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کلمہ میں اس کی تمام مخلوقات شریک ہے۔ امیر، وزیر، بادشاہ، غریب، تیلی، سیّد، جولاہ، پٹھان اور جو کوئی مسلمان ہو سب کے واسطے یہی ایک کلمہ ہے۔ یہ بات نہیں کہ امیروں اور بادشاہوں کے واسطے کوئی چھوٹا سا کلمہ ہو جس میں کچھ محنت نہ کرنی پڑے اور فقیروں اور غریبوں کے واسطے بڑا سا کلمہ ہو جس میں زیادہ دیر لگے اور محنت بہت کرنی پڑے بلکہ سب کے واسطے ایک ہی کلمہ ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دیا وہ بہشتی ہو چکا۔ اور اسی اصل نعمت کے دسترخوان میں سے ایک نماز ہے اس میں بھی سب برابر ہیں۔ یہ نہیں کہ چھوٹی ذات والوں کو زیادہ رکعتیں پڑھنی پڑتی ہوں اور بڑی ذات والوں کو کم یا امیروں، بادشاہوں کے واسطے تھوڑی نماز ہو اور غریبوں کے واسطے زیادہ بلکہ سب کے ذمہ یکساں ہے۔ پھر جماعت ہے کہ امیروں و بادشاہوں کے واسطے کوئی الگ جگہ امتیاز کی نہیں بلکہ امیر، غریب، بادشاہ، فقیر، محتاج سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ایک دوسرے کو کسی جگہ سے ہٹا سکے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ

نے اس صفتِ رحیمی کا برتاؤ کر کے دکھا دیا کہ جب جنگِ اُحد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو وحشی غلام نے شہید کر دیا تو حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا از حد رنج تھا کیونکہ آپ کو ان سے از حد محبت تھی اور آپ ان کو شیرِ خدا فرمایا کرتے تھے۔ باوجود اس قدر رنج کے جب وحشی غلام نے خدمت بابرکت رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے مسلمان کر لیں اور میرا ایمان قبول فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ سے گزشتہ رنج کا کچھ خیال نہ فرمایا اور حکم دیا کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ جب وہ مسلمان ہو چکا تو فرمایا کہ ایمان تیرا قبول ہو چکا مگر تو ہماری نظر سے الگ رہ کیونکہ تیرے اوپر نظر پڑنے سے میرے دل میں چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا جو شہید ہوا وہ بھی، جس نے شہید کیا وہ بھی، دونوں بہشتی ہیں۔ (اس حدیث کے الفاظ ہیں اَلْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ هُمَا فِي الْجَنَّةِ یعنی شہید ہونے اور شہید کرنے والا دونوں جنتی ہیں۔) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا تو بسبب شہادت کے ظاہر ہے اور وحشی غلام کا اس وجہ سے ہے کہ وہ سیّد المرسلین ﷺ کے حضور میں ایمان لایا اور کلمہ شہادت پڑھا اور آپ نے اس کا ایمان قبول فرمایا، یہ کمال درجہ کا رحم فرمایا۔ اس واسطے فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے کہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اِرْحَمُوْا تُرْحَمُوْا رحم کرو، تم بھی رحم کئے جاؤ گے۔ یعنی تم بندوں پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا اور جو رحم نہ کرے گا بندوں پر، اللہ تعالیٰ سے بھی رحم کا مستحق نہ ہوگا۔

فصل پنجم

ہدایتِ خلق

ارشاد: ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک سِکھ جو غالباً نابھہ کی طرف کا رہنے والا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کو سکھ لوگ بھائی جی کہہ کر پکارتے تھے اور ان میں وہ گرنتھ کا پڑھنے والا اور واقف تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور مجھے بھی نامِ خُدا بتادیں، لیکن کلمہ نہ سکھائیں۔ آپ نے فرمایا بندے اللہ کے ہم کو تو یہی آتا ہے اور اِسی کو تو سیکھنا نہیں چاہتا۔ اس نے عرض کیا حضور آپ تو پرمیشر[1] کے رُوپ ہیں آپ کو سو چیزیں آتی ہیں، کچھ اور ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا ہاں خوب بات بتائی۔ اس سکھ کی طرف مخاطب ہوکر حکم دیا آ تجھے کچھ سکھائیں۔ جب وہ پاس آیا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کا مونڈھا ہلا کر کہا ''کہہ، میں نہیں۔'' اس نے کہا ''میں نہیں۔'' اتنا کہتے ہی اس پر استغراق کی حالت طاری ہوگئی۔ آپ نے پھر اس کا مونڈھا ہلا کر فرمایا ''او بندے رب کے! جلدی نہ کر' آگے بھی کہہ لے۔ کہو ربّ ہے۔'' اس نے کہا ''ربّ ہے۔'' اتنا کہتے ہی بالکل بے ہوش ہوگیا اور تقریباً گھنٹہ بھر اسی حالت میں رہا۔ جب اس پر یہ استغراقی حالت طاری ہوئی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا ''[2] ایتھے نہیں اُدھار سودا نقداں دا۔'' پوری طرح ہوش تو اسے عصر کے وقت آیا تھا۔ لیکن گھنٹہ بھر کے بعد کچھ ہوش آیا تو کہنے لگا ''حضور آپ نے تو مجھے وہی کلمہ سکھا دیا جس کا میں انکار کرتا تھا۔ یہ دیکھئے حضور میرے تمام بدن سے کلمہ جاری ہے اور شور پڑ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں خوب موج کیا کرو اور کلمہ شریف باقاعدہ پڑھنے لگا۔ جب وہ اپنے گھر گیا تو وہاں بھی یہی کہا کرتا تھا کہ گرنتھ میں کچھ نہیں، جو کچھ ہے اس کلمہ شریف میں ہے۔ اور بہت دنوں تک کلمہ شریف پکارتا رہا اور پھر کلمہ شریف کی اسی استغراقی حالت میں مر گیا۔

ارشاد: ایک حافظِ قرآن شریف بنگالہ کا رہنے والا رمضان شریف میں حاضرِ خدمت حضور علیہ الرحمتہ ہوکر عرض کرنے لگا کہ حضور میرے واسطے دعا فرمائیں تاکہ لوگ میرا قرآن شریف

---

[1] اللہ تعالیٰ

[2] یہاں کوئی اُدھار نہیں بلکہ ہم نقد سودا دیتے ہیں۔

سنیں ۔ تمام مسجدیں حافظوں سے رکی ہوئی ہیں اور میرا قرآن شریف کوئی نہیں سنتا ۔ آپ نے فرمایا تو لوگوں کو کیوں سناتا ہے؟ عرض کیا حضور مدّعا یہ ہے کہ تراویح میں میرا قرآن شریف سنیں، میں تنگدست ہوں تو شاید میرا خرچ چل جاوے ۔ فرمایا بندے اللہ دے! تو لوگوں کو کیوں سناتا ہے، قرآنِ پاک جس کا کلام ہے اسی کو سنا وہ اس کو سب سے زیادہ پیارا ہے اور سب سے زیادہ قدر کرے گا ۔ کیونکہ اس کا کلام جو ہوا ۔ کلام والے کو اپنے کلام کی زیادہ قدر ہوتی ہے ۔ اس نے عرض کیا حضور اسے کس طرح سناؤں؟ فرمایا تو نماز بھی پڑھتا ہے کہ نہیں ۔ عرض کیا ہاں ۔ فرمایا تو بس جس طرح نماز میں اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ میرے کلام کو سن رہا ہے اسی طرح قرآن شریف بھی اسی کو سنا دو، اس کی اچھی قدر کرے گا ۔ چنانچہ اس حافظ نے یہ معمول کیا کہ دریائے گھگر پر جا کر قرآن مجید تراویح کی نیت سے پڑھا کرتا اور لنگر میں آ کر کھانا کھا لیتا ۔ ایک دن اس نے عرض کیا کہ حضور اب تو لذّت بہت آنے لگی ہے اور خوب دل لگتا ہے اور قرآن خوانی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سچ مچ اللہ پاک خود ہی سن رہا ہے ۔ فرمایا بس تو اللہ تعالیٰ نے تیرا قرآن شریف منظور کر لیا ہے ۔ غرض اس نے تمام قرآن مجید اسی طرح ختم کیا ۔ ایک روز قرآن شریف پڑھتے ہوئے سکرت سی ہوگئی اور غنودگی آ گئی ۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا دوپٹہ کے پلّے میں ساٹھ یا ستر روپے بندھے ہوئے ہیں ۔ وہ لے کر خوش ہوتا ہوا حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور سارا قصہ بیان کیا ۔ آپ نے فرمایا تو نے ادنیٰ چیز کی نیت کی تھی سو وہ تجھ کو مل گئی ۔ اگر تو وصل کی نیت کر لیتا تو تجھے وصل ہی ہو جاتا ۔ جا خیر ہوگئی، یہ بالکل حلال روزی ہے اور خود خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہے ۔

ارشاد: ایک روز حضور علیہ الرحمۃ توجہ دے رہے تھے ۔ اسی اثناء میں ایک سکھ بھی جو ہمیشہ حضور سے خدا کا نام پوچھا کرتا تھا آ کر حلقہ میں بیٹھ گیا، اس پر جو توجہ پڑی تو انکشاف ہوگیا ۔ ایک بکری چلی جا رہی تھی کہنے لگا، اس کے پیٹ میں دو بچے ہیں ۔ ایک عورت پانی لئے آ رہی تھی اس کو کہنے لگا کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے ۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور ہوا ۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کو روکا، کہ ظاہر نہ کرنا چاہیئے ۔ اخیر بد پرہیزی اور حلال وحرام میں تمیز نہ رکھنے کی وجہ سے وہ کیفیت اس کی زائل ہوگئی ۔ صحبتِ کامل نے تو اپنا اثر کر لیا جو خود قدر نہ کرے اور نگاہ نہ رکھے اس کا کیا علاج؟ جب لعل مل

جائے تو چوروں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

ارشاد: ایک شخص بابو کیول کشن نامی انبالہ کا رہنے والا تھا جو کہ ہمیشہ خفیہ نماز روزہ وغیرہ ادا کیا کرتا تھا حتی کہ نمازِ تراویح رمضان شریف عرصہ تک میرے پیچھے اس نے ادا کی۔ میں نے چند بار اس کو کہا کہ تو ظاہر طور پر کیوں مسلمان نہیں ہو جاتا؟ کہنے لگا کہ میری ایک بہن ہے اس کی شادی کرلوں تو ہو جاؤں۔ ایک روز میں نے اس سے اس کا باعث پوچھا۔ کہنے لگا کہ میں اکثر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور ان سے محبت تھی۔ ایک روز اتفاقیہ میں حضور کی توجہ میں بیٹھ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری روح ہمیشہ آسمانوں پر عروج کرنے لگ گئی اور تمام بدن سے کلمہ طیبہ کا ذکر ہونے لگا۔ ایک توجہ کی برکت سے سات آٹھ ماہ تک برابر رُوح کا عروج رہا اور انکشافات اور کیفیات بیان کیں۔

ارشاد: ایک دفعہ میاں جی عبدالقادر پٹیالہ گئے وہاں ایک فقیر ملا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر پتھر یا لکڑی کا قلب بنا کر بھی میرے آگے رکھا جائے اور میں اس پر توجہ دوں تو ذکر اللہ اس سے جاری ہو جائے۔ اور حضور علیہ الرحمتہ کی نسبت کہا کہ وہ فقیر نہیں بلکہ عامل ہیں۔ میاں جی صاحب اس کے اس کلام سے رنجیدہ ہوئے، مگر یہ ترغیب دی کہ کسی طرح حضرت علیہ الرحمتہ کے حضور میں انہیں لے چلیں تب انہیں کیفیت معلوم ہوگی۔ چنانچہ ان کی ترغیب سے آخر وہ فقیر کہنے لگا کہ میاں چلو ہم شاہ صاحب کے پاس چلتے ہیں اور ان سے فقر کے بارہ میں گفتگو کریں گے۔ چنانچہ میاں جی صاحب کے ساتھ وہ آیا اور خدمت مبارک میں پہنچا مگر ایسی اس پر ہیبت طاری ہوئی کہ مطلق بول نہ سکا، چپ چاپ بیٹھا رہا، بڑی دیر کے بعد حضور علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ کہو تم کہاں سے آئے ہو اور کیا چاہتے ہو۔ وہ برابر خاموش بیٹھا رہا کچھ نہ بولا۔ حضور ہی خود بخود درویشوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ بعض لوگوں کو قلبی ذکر کچھ کھل جاتا ہے تو پھر اس میں مشغول ہو کر آئندہ ترقی نہیں کرتے، وہیں رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ بدن کے اور اعضاء کا بھی تو ذکر میں حصّہ ہونا چاہئیے۔ کیا وہ قیامت کو دعویٰ نہیں کریں گے کہ ہم کو ذکرِ الٰہی کا حصّہ کیوں اس نے نہیں دیا؟ اور خدا تعالیٰ کے حضور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے والے ذکر و فکر سے خالی نہیں ہوا کرتے اور اگر اسی کا نام عامل ہے تو تمام اولیاء اللہ ایسے ہی ہوئے ہیں۔ اور اگر لوگ جن بھوت وغیرہ کو مطیع کرنے کا نام عامل رکھتے ہیں تو یہ کام ان سے نہیں

ہوا کرتا، یہ دھوکہ بازوں کے فعل ہیں۔ خدا اور رسولِ خدا علیہ اپنے مطیعوں کو ایسے دھوکوں سے بچا لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فقیر وہاں سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ راستہ میں میاں جی نے اس سے کہا کہ تو نے شاہ صاحب سے گفتگو کیوں نہ کی، تو کہا کہ مجھ پر آپ کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ مجھ میں بات کرنے کی تاب نہ رہی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ حضرت شاہ صاحب کامل مکمل فقیر ہیں۔ میرے تمام اعتراضات کا خود ہی معقول جواب اپنی تقریر میں ادا فرما گئے اور اس وقت ان کے سامنے میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے میں فقر کا نام ونشان نہیں رہا ہے۔

نقل معتبر ہے کہ ایک فقیر انبالہ میں تالاب پر جو شہر سے مغرب کی طرف واقع ہے آ کر ٹھہرا اور ایک عمل کے زور سے اس نے تمام شہر کے امیر وغریب کو اپنی طرف کھینچا۔ حتیٰ کہ شہر کے تمام نامی اور سر برآوردہ ادنیٰ واعلیٰ غرض سب لوگ اس کے پاس حاضر ہو کر سلام کر چکے۔ ایک دن لوگوں سے اس نے پوچھا کہ شہر میں کوئی شخص ایسا تو نہیں رہا کہ جو ہمارے سلام کے لئے نہ آ چکا ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ سب حاضر ہو چکے ہیں، ایک شاہ صاحب نہیں آئے۔ اس پر اس نے ایک آدمی حضرت علیہ الرحمتہ کی خدمت مبارک میں بھیجا کہ آ کر سلام کرو۔ حضرت علیہ الرحمتہ نے اس کو ایک روپیہ اور کچھ مٹھائی دلا کر فرمایا کہ ان کو کہہ دینا کہ ہم مجبور ہیں۔ کیا ہوا جو ایک میرے جیسے مسکین بندے نے نہ سلام کیا، معاف رکھو۔ اس نے نہ مانا اور پھر آدمی بھیجا۔ حضور نے پھر بھی اسی طرح تواضع سے معافی مانگی۔ تیسری دفعہ اس نے پھر آدمی بھیجا کہ یا تو آپ آ جائیں ورنہ میں کشش کر کے آپ کو بلا لوں گا۔ یہ سن کر فرمایا کہ اچھا۔ اس بھتنی دے نوں کہہ دیو کہ جا کھینچ لے۔ ہم نے شریعت کے موافق تیرے سامنے عاجزی کی تو نہیں مانتا، جا جو تیرا جی چاہے کر لے۔ اس سے کہہ دو کہ جس طرح چاہے کھینچ لے۔ دوسرے دن صبح کو اس نے پھر آدمی بھیجا کہ اب کشش کرنے لگا ہوں۔ فرمایا! ہوں ہوں۔ پھر آپ نے حجرہ بند کر لیا اور وظائف میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ فقیر ننگے سر، ننگے پاؤں بھاگا ہوا آیا اور مسجد کے دروازے پر جہاں حضور مشغول تھے بے دھڑک گرا۔ حضور نے دروازہ کھول کر اس کو پکڑا اور خوب مارا یہاں تک مارا، کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ بتلا کہ تیرے اندر کیا بھوت بلا بڑی ہوئی تھی جس نے تجھ کو مغرور کیا اور اب تیری وہ بلا کدھر گئی، اب کیوں بھاگا آیا؟ وہ کہنے لگا کہ حضور میں نے آیت کریمہ با

موکل پڑھی تھی اوراس کے موکل میرے تابع ہو گئے تھے۔ وہ تمام مخلوق کو کھینچ کھینچ کر میرے قدموں پر ڈالا کرتے تھے اور اب حضور نے جو وہاں جا کر میرے طمانچہ مارا تو پہلے ہی طمانچہ کے ساتھ میرا عمل ٹوٹ گیا اور وہی موکل مجھے کان سے پکڑ کر دھکے دیتے ہوئے یہاں لے آئے اور پھر سب بھاگ گئے۔ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ پھر وہ قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ حضور مجھے مسلمان کریں۔ چنانچہ آپ نے اس کو توبہ کرائی اور حمام بھرنے کی خدمت اس کے سپرد کی اور فرمایا اچھا ہوا۔ ہماری اس مار نے تیرے اندر کی صفائی خوب کر دی۔ چنانچہ چھ ماہ تک وہ مسجد کا پانی بھرتا رہا پھر اس کو کلمہ شریف تلقین کیا۔ اگرچہ وہ مسلمان تھا مگر اس عمل کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو مسلمان نہ سمجھا اور مسلمان کرنے کو عرض کیا۔

کارِ مردان روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیل و بے شرمی است

ترجمہ:۔ مردانِ خدا کا کام انوارات اور سوزِ دل کا حصول ہے۔ کمینوں کا کام حیلے بہانے بنانا اور بے شرمی ہے۔

ارشاد: ایک روز فرمانے لگے کہ جو صاحبِ ارشاد ہوتا ہے اس کی ہر بات میں جان پڑ جاتی ہے اور روحِ مبارک رسول اللہ ﷺ سے اس کی پرورش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ کوئی صاحبِ ارشاد کسی علاقہ پر متعین ہوئے مگر وہاں کے لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے تھے نہ سنتے تھے۔ موسم قحط سالی کا تھا۔ انہوں نے یہ تجویز کی کہ بہت سے مزدور بلائے کہ ہمارا کام کرو اور اپنی مزدوری لو۔ وہ آ گئے تو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھو اور یہ تسبیح کر لیا کرو۔ آٹھ روز تک کرا کر بعد دینے مزدوری کے ان کو رخصت کر دیا کرتے اور فرمایا کرتے اب تمہاری مرضی ہے چاہے کرو چاہے نہ کرو۔ دوسرے ہفتہ میں اور بیس بیس مزدور اپنے ہاں رکھ لئے اور ان سے بھی یہی کام کرایا کرتے۔ غرض آٹھ دن تک رکھتے اور بعد دینے مزدوری کے رخصت فرما دیا کرتے اور آئندہ کو اور نئے بھرتی کر لیتے۔ جو مزدور ان کے پاس جاتے ان سے نہ نماز قضا ہوتی نہ وظیفہ اور وہ اپنا کام و مزدوری وغیرہ بھی برابر کئے جاتے اور اس میں ان کو خوب لذت آتی۔ اگر کسی کا کبھی وظیفہ یا نماز قضا بھی ہو جاتی تو آ آ کر دُعا کراتے کہ ہمارا معمول قضا ہو گیا، آپ دعا فرمائیں۔ تھوڑے عرصہ میں بہت ہی ہدایت ہو گئی

اور خلقت کو خوب فیض پہنچا اور تمام لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص ولی اللہ ہیں۔ سب معتقد ہو گئے اور خوب فیض مخلوقِ الٰہی کو پہنچایا۔ صاحبِ ارشاد میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ جس جگہ وہ بیج بودے وہیں جم جاتا ہے اور خوب پھلتا پھولتا ہے۔ سو چاہیئے کہ خدا کا نام صاحبِ ارشاد سے سیکھے اور صاحبِ ارشاد ہی کی صحبت میں بیٹھے۔ قطبِ ارشاد، ظلِ نبوت کا ہوتا ہے یعنی خلیفہ رسول اللہ ﷺ کا ہوتا ہے (یہ صاحبِ ارشاد حضرت خواجہ عزیزانِ علی رامیتنی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ صاحب رشحات نے اس واقعہ کو بالتفصیل لکھا ہے۔ مؤلف)

نقل ہے کہ ایک دفعہ انبالہ کا ایک ڈپٹی بیعت کے واسطے آیا۔ حضور اس وقت پاخانہ میں تھے۔ آپ کے متوسلین میں سے کسی نے حجرہ کے اندر بیٹھا دیکھا۔ حضور جب فارغ ہو کر تشریف لائے تو فرمایا اندر کون ہے، اس کو باہر لے آؤ۔ اور حضور ریتی میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی باہر آ گیا۔ فرمایا کہو کیا کہتا ہے؟ اس نے عرض کیا حضور مجھ کو بیعت فرمالیویں۔ حضور نے فرمایا، اچھا تو درود شریف پڑھا کر ہم تجھ کو بیعت نہیں کرتے، کیونکہ تو یہاں ڈپٹی ہے۔ لوگ ہم کو تنگ کریں گے کہ اس کے پاس ہماری سفارش کر دو۔ ہم کو کیا خبر کون حق پر ہے کون ناحق پر۔ بے فائدہ بار ہم پر ہوگا۔ جب تم پنشن لے لوگے اس وقت تم کو بیعت کر لیویں گے اور رخصت کر دیا۔ مگر طریق تلقین پورا ارشاد فرما دیا۔ چنانچہ اسے اسی وقت فیضان ہو گیا اور ذکر و شغل میں لگ گیا۔

فصل ششم

اتباعِ سُنّت

ارشاد: ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ والا میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور فلاں پیر کا مرید اس کو سجدہ کرتا ہے اور نماز ادھر ہی منہ کر کے پڑھتا ہے کہ یہاں بھی وہی ذات ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بیچارہ مسکین کیا چیز ہے۔ سب سے بڑی شان رسول اللہ ﷺ کی ہے اور ان کی شان میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یعنی بندہ اس کا اور رسول اس کا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے طفیل اور قربِ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے فقیر کو وصل ذاتِ الٰہی کا ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا قرب کمالِ عبودیت تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ باوجود اس عظمت وشان کے عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پکارے گئے تو اور کس کی طاقت ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرے یا بندہ کو خدا سمجھے۔ یہ خطرہ نفس کا ہے۔ اس بے ادبی کی وجہ سے شاید اس پر کوئی وبال پڑے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پیر و مرید میں دشمنی ہوگئی اور مُرید نے کہا کہ میری ان کی دوستی تھی، میں ان کا مرید نہ تھا بلکہ ایک اور کا تھا۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہی قصہ بیان کیا اور بعد میں اپنے اسی پیر کی مذمت شروع کی۔ آپ نے فرمایا! اپنے خیالی خدا سے جلدی پھر گئے؟ اس نے معذرت اور توبہ کی۔ پھر آپ نے اس کو نامِ خدا تلقین کیا۔

ایک روز ایک شخص حاضرِ خدمت ہوا۔ وہ ملازم آدمی تھا، سیاہ الپاکے[1] کا کوٹ اُوپر تھا، اس نے آ کر حضور کو سجدہ کیا۔ آپ نے دیکھ کر اس کو سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ اگر آپ کو کوئی سجدہ کرتا تو آپ اس سے بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ تجھ کو پہلے یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ سجدہ کرنا غیر اللہ کو منع ہے؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں معلوم ہے تب تو بہت ہی ناراض ہوتے اور اگر کہتا کہ مجھے معلوم نہیں تھا تو فرماتے یاد رکھنا، سجدہ کرنا غیر اللہ کو منع ہے، آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور آگے کو توبہ کر پھر ہرگز ایسا نہ کرنا۔ تو اس وقت حضور کے کلام سے معلوم ہوتا تھا کہ پہلے بھی

---

[1] ایک کپڑا جو الپا کا نامی جانور کی اون سے تیار ہوتا ہے۔

کئی بار وہ آپ کے پاس آیا تھا اور حضور اس کو چند بار منع فرما چکے تھے۔ اس واسطے اب کی مرتبہ اس کو بہت ہی سختی کے ساتھ روکا اور بے حد ناراضگی ظاہر فرمائی۔ اس نے کہا میں تو سجدہ ہی کروں گا۔ اِدھر بھی وہی ہے اُدھر بھی وہی ہے، مجھے ہر جگہ وہی نظر آتا ہے۔ اور آپ کا کیا حرج ہے میں اسی کو پڑا سجدہ کرتا ہوں، دوئی کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا تو ہم کو سجدہ نہ کیا کر اور اگر مانتا ہی نہیں تو بجائے اس کے ایک آنہ ہم کو دے دیا کر۔ اس میں تجھے بھی نفع ہے ہمیں بھی۔ تجھے ثواب ملے گا، ہمارا کوئی کام چلے گا اور سجدہ میں تیرا ایمان ضائع ہوتا ہے اور ہم کو گناہ۔ اس نے کہا بہت اچھا، ایک آنہ روز دے دیا کروں گا۔ چنانچہ دو تین روز تک وہ آتا رہا اور بجائے سجدہ کے ایک آنہ دیتا رہا، اور آپ خوش ہو کر لے لیتے اور ہر دفعہ اس کو یہی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ خدا خدا ہے اور بندہ بندہ۔ اس عقیدت سے باز آنا چاہیے۔ مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھا اور کہتا تھا کہ نہیں جی یہ فقیروں کی رمز ہے۔ میں نے دوئی اٹھا دی ہے۔ جب وہ اس ہٹ دھرمی پر قائم رہا تو چار پانچ روز کے بعد اس کی نوکری چُھٹ گئی اور اس کے بعد اس پر تنگی کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی اس کو کھانے کے واسطے قرض بھی نہ دیتا تھا۔ وہ اس تنگی کی حالت میں بھوکا مرنے لگا اور آکر لنگر میں روٹی کھاتا۔

ایک روز خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ حضور میری نوکری جاتی رہی، میرے واسطے حضور دعا فرمائیں۔ فرمایا دعا کس کے واسطے، تُو تو خود ہی خدا ہے۔ خدا کو دُعاؤں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ بہت ہی زار زار رویا اور دعا کے واسطے التجا کی۔ آپ نے فرمایا بس تین چار ہی دن کے فاقے میں دوئی آگئی اور خدائی جاتی رہی۔ پھر اس نے اس عقیدے سے توبہ کی اور استغفار پڑھا اور حضور نے کلمہ توحید اس کو تلقین کیا۔ خداوند تعالیٰ نے پھر اسے ملازمت پر بحال کر دیا۔ اس کے بعد حضور نے یہ تقریر فرمائی۔ بندہ بڑا محتاج ہے۔ اگر اس کو روٹی نہ ملے تو اسے کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ اگر کپڑا نہ ملے تو عاجز ہے۔ اس کو بیماری ہو جائے تو مجبور ہے۔ اگر دھوپ تکلیف دے تب لاچار ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی دشمنی کرے تو اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اگر روٹی کے ساتھ سالن نہ ملے تو محتاج۔ گرمی سردی کی تکلیف میں محتاج ہے۔ پیٹ میں درد ہو تو محتاج۔ اگر آنکھ میں نظر نہ رہے تو محتاج۔ اگر کان نہ کھلے ہوں تو محتاج ہے۔ اگر ہاتھ کی ایک انگلی کٹ جائے تو اس کو بنوا نہیں سکتا۔ اگر پاؤں کی کوئی انگلی کٹ جائے تو چلنے پھرنے سے مجبور ہے، درست نہیں کرا سکتا۔ اگر آٹا بھی ہے

تو او غیرہ سب سامان بھی ہے صرف ایندھن نہیں تو محتاج ہے اور روٹی بھی میسر ہو گئی مگر پانی نہ ملے تو ہلاکت کا خطرہ۔

جب ہم اس بدن کے اندر غور کرتے ہیں تو ہم کو ہر چیز محتاج دکھلائی دیتی ہے۔ ہر جوڑ ہر ٹکڑا بدن کا ایک ایسی ذات کی طرف محتاج ہے کہ خود وہ کسی کی محتاج نہ ہو اور تمام دکھ اس انسان کے اٹھا دیوے اور آرام پہنچا دیوے۔ اور جب باہر کی طرف غور کرتے ہیں تب بھی تمام چیزیں محتاج دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً زمین کو دیکھیں تو یہ ایسی لاچار ہے کہ اپنا کچھ اختیار نہیں رکھتی۔ کوئی اسے کھودے تو اس کو روک نہیں سکتی۔ کوئی اس پر پاخانہ پیشاب کرے تو کچھ نہیں کر سکتی۔ کوئی اس پر آگ جلا دے، کوئی باغ لگا دے تو اس کا کوئی دخل نہیں۔ اس پر نماز پڑھو یا کانٹے لگا دو، تلخ و کڑوے بیج بو دو تو یہ عاجز ہے کچھ نہیں کر سکتی۔ چاہو اس پر کوٹھا بنا لو چاہے کھود کر اس کے اندر سوراخ کرلو، ہر طرح سے مجبور ہے۔

جب ہم اس سے اُوپر نظر کرتے ہیں تو ہوا ہے وہ بھی سرگرداں ہے، تسلی و تسکین نہیں رکھتی۔ جب بدبو پر پہنچتی ہے تو بدبودار ہو جاتی ہے، اور جب باغ میں پہنچتی ہے تو خوشبودار ہو جاتی ہے، اگر کسی پہاڑ کی کھوہ میں سے گزرے تو اس سے متاثر ہو، اور اگر پاخانہ پیشاب پر گزرے تو اسے یہ طاقت نہیں کہ اس گندی جگہ سے بچ جاوے بلکہ اس کو مجبوراً وہاں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اور جب ہم پانی کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ بھی مجبور محض ہے۔ اگر ہم اس سے استنجا کریں تو روک نہیں سکتا بلکہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگر پاخانہ پیشاب پر اس کو بہا دیں تو گزرنا پڑتا ہے انکار نہیں کر سکتا۔ گندے نالوں میں بھی بہتا ہے، دریاؤں میں بھی چلتا ہے، کوڑے کرکٹ، گندی زمین سب جگہ بہتا ہے، خود اس کو کوئی اختیار نہیں۔ اگر اس کو کھیت میں سینچا جاوے تو مجبوراً کیاریوں میں جاتا ہے اور عاجز ہے۔ اور جب آگ کو دیکھتے ہیں تو باوجود سرکش ہونے کے یہ بھی محتاج ہے۔ ہوا چلے تو کبھی اس کو اُدھر اڑا لے جاتی ہے کبھی اِدھر۔ آدمی اس کو لکڑیوں پر ڈالے تو انہیں جلا دیتی ہے اور جب لکڑیاں نہ رہیں تو ٹھنڈی ہو کر خاک سیاہ ہو جاتی ہے، نام و نشان نہیں رہتا اور جو پانی ڈالیں تو بجھ جاتی ہے۔ اور جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ بھی پھرتا ہی نظر آتا ہے۔ چاند، سورج، ستارے کبھی مشرق میں کبھی مغرب میں۔ کبھی کہیں سے نکلتے ہیں اور کہیں چھپ جاتے ہیں اور کبھی

کہیں سے، ایک حالت ان کی بھی نہیں، یہ بھی محتاج ہے۔ تو یہ سب ایک ایسے کے محتاج ہیں جس کے قبضہ میں ان سب کی تار ہے جیسے کہ پتلیوں والے کے ہاتھ میں پتلیوں کی تار ہوتی ہے۔

انسان ایسا محتاج اور ایسی محتاج چیزوں میں رہ کر کب دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں وہی ہوں۔ اب لازم ہے کہ ہمیشہ اسی اللہ کی طرف سجدہ کرے اور ہمیشہ اسی سے دعا مانگے، اسی سے التجا کرے، اسی کی طرف خیال رکھے، اسی سے حاجت روائی کی دعا مانگے۔ بندہ پر جو اس کا حق ہے اور بندہ کا یہ منصب ہے کہ اسی کو سجدہ کیا کرے، تب اللہ تعالیٰ کے ساتھ پکی یاری لگتی ہے۔

یاری اجیہے نال لگایئے جس دے شہر گراں
آپ ہی کرے مقدمے تے آپ ہی کرے نیاں

ترجمہ: ایسی ذات سے دوستی لگائیں جو سب شہروں اور دیہاتوں کا مالک ہے۔ خود ہی مقدمہ کرتا ہے اور خود ہی رہا کرتا ہے۔

نقل ہے کہ جس مکان میں اب مائی صاحبہ رہتی ہیں اس کے پاس والے مکان کی چھت پر ایک شخص کھڑا رہتا تھا جو بڑا پہلوان تھا اور اس کے چھت پر چڑھنے سے بے پردگی ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا، بھائی شریعت کا حکم ہے کہ اس طرح چھت پر نہیں چڑھا کرتے۔ اس نے نہ مانا اور کہا میں تو ہمیشہ چڑھا کروں گا۔ حضور نے پھر اس کو روکا مگر وہ نہ مانا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ او ہم تجھ کو شریعت کا مسئلہ بتاتے ہیں، اس طرح چھت پر نہ چڑھا کر۔ اس نے کہا آپ کی شریعت دیکھی ہوئی ہے۔ فرمایا ہیں! (اتنا فرماتے ہی نہ معلوم کس ذریعے سے) حضور لاٹھی ہاتھ میں لئے ہوئے چھت پر نظر آئے اور مار مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ دوسرے روز وہ خدمت میں حاضر ہوا اور توبہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری لاٹھی نے تجھے ایمان تو دے دیا۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ سوائے شقی ازلی کے اور جس کسی کو آپ مارتے اس کو ایمان نصیب ہو جاتا اور صفائی باطن تو نقد ہاتھ آ جاتی۔ اس شخص کو حضور نے نامِ خدا تعلیم کیا۔ چنانچہ پھر ایسا مشغول ہوا کہ کبھی پہلوانی کا نام تک بھی نہیں لیا اور تمام کاموں سے منہ پھیر کر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا، آخر اسی میں وصال ہوا۔

ارشاد: ایک دفعہ کا واقعہ ہے جو خاص میرے ساتھ گزرا، کہ میں ایک مرتبہ کرنال گیا اور

قلندر صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کی غرض سے پہنچا۔ وہاں ایک رنڈی میرے سے پہلے ریوڑیاں قبر پر چڑھا کر باہر نکلی تھی۔ میں اندر پہنچا تو بعد فاتحہ مجاور نے ان میں سے کچھ ریوڑیاں بطورِ تبرک مجھ کو دیں۔ مجھ پر چونکہ ایک سکرۃ کی حالت تھی میں نے لے کر وہ ریوڑیاں پلے باندھ لیں اور جب واپس انبالہ شریف پہنچا تو وہ ریوڑیاں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کیا کہ حضور میں قلندر صاحب کے مزار پر گیا تھا وہاں سے یہ تبرک ملا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ رنڈیاں بزرگوں کی قبروں پر شیرینی چڑھا جاتی ہیں اور پھر وہ لوگوں میں تبرک بن کر تقسیم ہوتا ہے۔ تب مجھے یاد آیا کہ واقعی یہ رنڈی کا چڑھایا ہوا تبرک تھا۔ چنانچہ حسب الارشاد میں نے باہر پھینک دیں۔ بعد ازاں مجھے بہت نصیحت فرمائی کہ صاحبِ نسبت کو ہر چیز جو ہاتھ میں آجائے نہیں کھانی چاہئے بلکہ سوچ سمجھ کر کھانا چاہئے مگر خدا کا شکر ہے کہ میں نے اس میں سے کھائی نہ تھی۔

نقل ہے کہ ایک روز صبح کے وقت ایک تھانیدار جو شاہ آباد میں متعین تھا، انبالہ شریف آیا۔ مجھے کہنے لگا کہ میری حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے ملاقات کرادو۔ میں نے کہا کہ تم ٹھہرو، حجرہ کھلے تو عرض کروں گا۔ وہ بہت دیر تک بیٹھا ہوا میرے سے مدرسہ کی بابت باتیں کرتا رہا۔ جب قریب دس بجے کے حجرہ کھلا تو میں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے عرض کیا، حضرت علیہ الرحمتہ نے بلایا۔ جب وہ اندر گیا تو بائیں جانب کی جیب سے دو یا تین روپے نکال کر نذر میں پیش کئے۔ حضور نے اشارہ سے فرمایا ''ہوں ہوں دوسری جیب سے۔'' اس پر تھانیدار مذکور نے دوسری جیب سے کچھ روپے نکالے اور جو روپے پہلے سے ہاتھ میں تھے وہ بھی ان میں ملا کر پیش کئے۔ حضور نے فرمایا کہ جا اب ہم یہ دونوں نہیں لے سکتے، وہ بھی خراب ہو گئے، لے جاؤ۔ وہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ حضور اب میں ان کو کیا کروں، اگر حضور حکم دیں تو درویشوں کو دے دوں۔ آپ نے فرمایا! ہمارے درویشوں کو ہرگز نہ دینا۔ پھر اس نے میرے سے کہا کہ یہ پوچھ دو کہ میں ان روپوں کو کیا کروں۔ جب میں نے عرض کیا تو فرمایا، تو ان کو مار کنڈہ میں ڈال دے۔ میں نے کہا یہ تو اس کے نزدیک کسی کام بھی نہ آئے اور شاید مال کی محبت کے باعث نہ ڈالے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ان کو پگھلا کر ان کا زیور بنا کر بچوں کے گلے میں ڈال دے تاکہ پھر لوٹ کر یہ روپیہ ہمارے پاس نہ آئے۔ بعد میں جب باہر نکل آئے تو میں نے تھانیدار سے پوچھا کہ یہ بات کیا تھی؟ اس نے کہا کہ میں نے تنخواہ لی

تھی اور ارادہ تھا کہ میں اس سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کو نذر دوں گا۔ راستے میں آتے ہوئے ایک شخص نے کچھ رشوت کے روپے مجھے دیئے وہ میں نے دوسری جیب میں ڈال دیئے۔ مگر پیش کرتے ہوئے غلطی سے رشوت والے روپے پیش ہو گئے جو منظور نہ ہوئے۔ دوسری جیب سے جو نکال کر دینے لگا تو وہ روپے بھی ان ہی میں مل گئے، اس واسطے اب وہ سارے ہی خراب ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ میں یہ خاص صفت تھی کہ حلال مال لیتے تھے، حرام کو نہ لیتے تھے اور حرام حلال کو پہچان لیتے تھے۔ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضور ایسا روپیہ کسی دوسرے ہی کو دے دیا کریں، تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ پھر بھی مِلک تو ہماری ہوا اور ہم ایسے مال کو اپنی ملک ہی کرنا نہیں چاہتے۔

نقل ہے کہ حکیم معز الدّین دہلوی مرحوم و مغفور نے مجھ سے ایک روز ذکر کیا کہ ہم حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے ساتھ جالندھر کے قریب ایک گاؤں میں، جو تمام حضور کا مرید تھا، گئے۔ حضور نے ان لوگوں کو انبالہ سے چلتے وقت ہی منع فرما دیا تھا کہ اس شادی میں ناچ وغیرہ نہ کرو تو ہم چلتے ہیں اور انہوں نے اقرار بھی کر لیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ کسی قسم کا تماشہ نہ کرائیں گے۔ وہاں طوائف کے گانے کی آواز گوشِ مبارک میں آئی۔ حضور مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ کیسی آواز ہے۔ میں نے عرض کر دیا کہ حضور کہیں طوائف کا ناچ ہو رہا ہے۔ حضور بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ کے پیڑ لگائے ہوئے ہیں اکھاڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ اچھا جاؤ گاؤں والوں کو بلاؤ۔ وہ بلائے گئے تو سب حاضر ہو گئے۔ حضور نے فرمایا، ہم ابھی جاتے ہیں، تم نے ہمارے وعدہ کے خلاف عمل کیا۔ وہ بہت منت خوشامد کرنے لگے اور تمام لوگوں نے مل کر لوٹے نمک ڈالا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ کریں گے اور اس طوائف وغیرہ تماشے کو رخصت کر دیا۔ اگلے روز کھانا وغیرہ کھا کر حالتِ جذب میں یکا یک اُٹھ کر چل دیئے۔ اسٹیشن ریلوے اس گاؤں سے تقریباً دو کوس تھا، اور ریل اسٹیشن پر آ چکی تھی۔ جب گاؤں سے باہر نکلے تو ہم نے عرض کیا کہ حضور ریل تو آ چکی۔ آپ نے فرمایا ہمارے قدم کے ساتھ قدم رکھتے چلے آؤ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ دائیں قدم پر یَا حَیُّ اور بائیں قدم پر یَا قَیُّوم پڑھتے چلے آؤ تو راستہ جلدی قطع ہو جاتا ہے۔ ہم ہر قدم پر اسی طرح پڑھتے ہوئے چلے تو دیکھا کہ اسٹیشن پر کھڑے ہیں اور ریل میں اطمینان کے ساتھ سوار ہو کر انبالہ شریف

چلے آئے۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک شخص آیا بہت شکستہ حال و مسافر، بال سر کے بکھرے ہوئے۔ اس کو دیکھ کر حضور کا حکم ہوا کہ پانچ پیسے اس کو دے دو۔ کیونکہ حضور کی عام عادت تھی کہ ہر مسافر شخص کو کچھ نہ کچھ دلا دیا کرتے۔ اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ملتان سے آیا ہوں۔ اتنا دور کا سفر میں نے ان پیسوں کے لئے نہیں اٹھایا، میرا کچھ اور مطلب ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ بطورِ تحفہ دیا جاتا ہے وہ کام بھی ہو جائیگا، تم سنّتِ رسول ﷺ سمجھ کر قبول کر لو۔ اس نے پھر بھی انکار کر دیا تو حضور ناراض ہوئے کہ سنّتِ رسول اللہ ﷺ تحفہ قبول کرنا ہے، تُو انکار کرتا ہے؟ وہ چلا گیا۔ بعد میں حضور فرمانے لگے کہ ہم اس پر اس وجہ سے ناراض ہوئے کہ اس نے سنّت کا انکار کر دیا اور کوئی بات نہیں ہے۔ فرمایا کہ جاؤ تم اس کو بلا لاؤ۔ جب میں گیا تو وہ مسجد قدیم میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں جا کر میں نے اس کو کہا کہ چلو حضرت شاہ صاحب آپ کو بلاتے ہیں اور ناراضگی کا باعث صرف تمہارا سنّتِ رسول ﷺ سے انکار کرنا تھا، چلو۔ اس نے کہا کہ میں اشراق پڑھ کر ضرور آؤں گا، تم چلو۔ میں ملتان سے صرف نامِ خدا پوچھنے کے واسطے آیا ہوں۔ یہ دیکھ لو چلتے ہوئے میرے پاؤں کا یہ حال ہو گیا۔ میں نے کہا تمہارا اعتبار کیونکر ہو کہ آؤ گے؟ اس نے قرآن شریف کی قسم کھائی اور میں نے اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس کو چھوڑ دیا کہ نماز پڑھ کر چلے آنا۔ اور حضرت علیہ الرحمتہ سے تمام حال عرض کیا۔ حضور نے فرمایا اچھا تم اپنا کام کرو، وہ خود ہی آ جائے گا۔ شام تک پھر نہ دیکھا۔ میں نے قریب عشاء کے عرض کیا کہ حضور وہ شخص تو پھر نہیں آیا۔ فرمایا اور کسی شکل میں آ کر اللہ کا نام پوچھ گیا ہو گا۔ میں نے عرض کیا حضور کیا شکل بھی اور ہو جاتی ہے؟ فرمایا ہاں وہ جن تھا۔ اس وقت شرم کے باعث نہیں آیا پھر کسی اور شکل میں آ کر چلا گیا۔

نقل ہے کہ ایک روز فرمانے لگے کہ ہم نے بچپن میں وعظ سنا کہ جب کوئی نمازی وضو شروع کرتا ہے تو اس پر چار فرشتے نور کی چادر تان دیتے ہیں۔ جب وضو کرنے والا ایک بات کرتا ہے تو ایک فرشتہ چادر کا ایک گوشہ چھوڑ دیتا ہے، دوسری بات کرے تو دوسرا، تیسری بات کرے تو تیسرا، اور چوتھی بات سے چوتھا چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ ایک درویش نے عرض کیا کہ حضور پھر تو ضرور ہی بات کرنی چاہیئے تا کہ فرشتے چادر چھوڑ دیں اور وضو کرنے والے کے اوپر وہ نور کی چادر آ گرے۔

اس پر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ایک روز ہم نے دیکھا کہ ضرور فرشتے اسی طرح چادر تان دیتے ہیں۔ ایک دفعہ وضو کرتے ہوئے ہم نے ایک بات کی تو دیکھا کہ فرشتے نے ایک گوشہ چادر کا چھوڑ دیا۔ ہم نے اسی وقت استغفار پڑھی تو وہ ٹھہر گیا۔ اور نُور کی چادر نیچے نہیں آیا کرتی۔ نُور کا خاصا ہے کہ اُوپر کو چڑھتا ہے۔ کیونکہ جب ہم نے وہ بات کی تو وہی گوشہ جو فرشتے نے چھوڑ دیا تھا، اُوپر کو ہوگیا۔ اور کلام مجید میں بھی ایک آیت سنی کہ نور اُوپر کو ہی جاتا ہے۔ اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُه' (ترجمہ:۔ اسی طرف چڑھتے ہیں پاک کلمے اور نیک کام کہ وہ اٹھالیتا ہے۔۱۲) اس روز سے کبھی ہم نے وضو کرتے ہوئے کلام نہیں کیا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ حضور علیہ الرحمتہ وضو کے وقت کبھی بات نہ فرمایا کرتے تھے۔

نقل ہے کہ حضور علیہ الرحمتہ کی عادت مبارک تھی کہ جس کو کبھی ایک بار بھی دیکھ لیا ہے ملنے کے ساتھ ہی فوراً پہچان لیتے۔ اگر حضور پر کوئی حالت وارد نہ ہوتی تو تب تو نہایت ہی اچھی طرح سے ملتے تھے۔ لیکن حالت کے وقت میں بھی خوب طرح ملتے تھے۔ اگر کوئی سفید پوش آدمی ہوتا تو اس سے ملنے کے بعد درویشوں کو حکم دیا کرتے کہ ان کو اچھی طرح کھانا کھلاؤ۔ اور جو غریب اور شکستہ حالی میں ملتا تو اس کے ساتھ بہت ہی دلی توجہ سے مل کر کھانا کھلوانا اور کپڑوں کے دھونے کے واسطے ارشاد فرماتے کہ کپڑے دھولو۔ ایک دو آنہ درویشوں سے دلوا دیا کرتے کہ اس کا صابون وغیرہ لے کر کپڑے دھولینا۔ اور جو پیدل سفر کر کے آتے تو ان کو تین چار روز تک آرام کے واسطے مہمان رکھتے۔ غرض حضور کا ہر فعل اتباعِ سنّت کا طریقہ لئے ہوتا تھا۔

ارشاد ہے کہ حضور علیہ الرحمتہ کا عام قاعدہ تھا کہ عورتوں کو ہمیشہ پردہ میں بٹھلا کر اور دستار مبارک کا ایک پلّہ پکڑ کر بیعت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت آئی جو بہت ضعیف اور سن یاس کو پہنچ گئی تھی اور اس پر پردہ شرعی فرض نہیں رہا تھا اور بلا پردہ کے بیعت ہونے لگی۔ حضور نے فرمایا کہ ہم پردہ کے اندر دستور کے مطابق بیعت کریں گے۔ چنانچہ پردہ ہی میں اس کو بیعت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اس پر تو پردہ فرض نہیں تھا، اس کو کیوں پردہ میں بیعت فرمایا؟ فرمانے لگے کہ گو اس پر پردہ فرض نہیں تھا مگر ہم نے اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو، آئندہ ہمارے ملنے والے اس کی سند پکڑیں اور بلا پردہ عورتوں کو بیعت کرنا شروع کردیں، اس کو پردہ کرا کر بیعت کیا۔ کیونکہ

تھوڑے سے فعل کا بہت برا نتیجہ نکلتا ہے۔ اس لئے یہ پردہ احتیاطاً کرایا۔

نقل ہے کہ اوّل اوّل جب حضور نے حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا عرس مبارک یہاں انبالہ میں قائم فرمایا تو ہمسائیگان جو چمار وغیرہ ہیں سب کو خشک رسد دلوایا کرتے اور فرمایا کرتے کہ یہ پڑوسی ہیں ان کا بھی حق ہے۔ اور جو مسلمان قرب و جوار کے ہوتے وہ تو دو تین روز پہلے سے لنگر سے کھانا شروع کر دیتے کیونکہ ان کو حکم ہو جاتا تھا اور چماروں وغیرہ کو دیا جاتا تھا۔ جب چماروں نے خود انکار کیا تب دیا جانا بند ہوا۔

نقل: سنّتِ رسول اللہ ﷺ کی پابندی کا حضورِ انور کو اس قدر خیال تھا کہ ایک دفعہ ہمسایہ میں ایک چمار مر گیا تو حضور نے، جب تک اس کو نہ لے گئے، کھانا نہ کھایا۔ جب اس کو باہر جلانے کے واسطے لے گئے تو پھر بھی وہاں نہ کھایا۔ مسجد میں تشریف لے گئے، اور وہیں کھانا منگا کر تھوڑا تناول فرمایا اور فرمایا کہ پڑوسی ہے۔ جب ان پر غم ہے تو ان سے الگ ہو کر کھانا کھانا چاہیئے۔

نقل ہے کہ ایک روز وصیت فرمائی کہ فقیر پر دینی مصیبت ہو خواہ دنیاوی، خلافِ شرع شریف فعل کرنے سے نازل ہوتی ہے۔ جب فقیر سے غفلت اور نادانستگی میں کوئی ایسا فعل ہو جاتا ہے تو مصیبت آجاتی ہے۔ اگر اس کا لحاظ رکھے تو کبھی بھی مصیبت نہ آوے۔ اور آخر میں جب فقیر پر حفاظتِ الٰہی نازل ہو جاتی ہے تو اس وقت میں جو تکلیف پہنچتی ہے اس سے مقام میں ترقی ہوتی ہے۔ وہ تکلیف قرب و ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ اور آپ کا یہ حال تھا کہ جو حضور سے کبھی مکروہ تنزیہی کوئی فعل ہو گیا تو اس کا صدقہ خود ہی اپنے دل سے مقرر فرما کر مسکینوں، محتاجوں، یتیموں، بیواؤں کو تقسیم کراتے، کبھی چھ روپیہ، کبھی بارہ روپیہ، میں نے بارہا حضور کا ایسا صدقہ دیا ہوا تقسیم کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو کوئی فعل آپ کا مکروہ تنزیہی بھی نہ معلوم ہوتا تھا مگر آپ خود ہی فرما دیا کرتے تھے۔ اور فرماتے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ شمار ہوتے ہیں۔) نیز فرماتے کہ کامل مومن وہ ہے جو خود منصف ہو کر اپنے اعمال کی چھان بین کرتا رہے اور جو گندی چیزیں ہیں ان کو خود ہی نکالتا رہے۔

ارشاد: ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ حضور آدمی امن میں کس طرح رہ سکتا ہے کہ نہ اس کو دنیا کی تنگی رہے نہ اس کا بدخواہ ہو، نہ دین کو کسی طرح کا ضرر ہو۔ فرمایا کہ ان تین چیزوں کے واسطے

تین ہی چیزوں کی احتیاط رکھنا چاہیئے ۔(۱) تہہ بند کو مضبوط باندھنے سے دنیا کی تنگی جاتی رہے گی ۔ (۲) زبان کو بند رکھنے سے لوگوں کے فتنوں سے بچے رہو گے ۔ (۳) ہاتھ کو روکنے سے دین محفوظ رہے گا ۔ میں نے پھر عرض کیا حضور یہ تینوں کس طرح قابو ہوں ۔ فرمایا! حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کے بدن میں ایک مضغہ گوشت ہے، وہ اگر درست ہو جائے تو جسم کے تمام اعضا ٹھیک ہو جاتے ہیں ۔ اگر وہ مضغۂ گوشت بگڑ جائے تو تمام بدن کے اعضا بگڑ جاتے ہیں، سو وہ دل ہے ۔ آدمی اس کی اصلاح کر لے تو پھر سارے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے ۔ میں نے عرض کیا، حضور دل کی اصلاح کیونکر ہو؟ فرمایا ذکرِ الٰہی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دل اطمینان پکڑتے ہیں ۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (ترجمہ: خبردار ذکر خدا کے ساتھ ہی دل اطمینان پکڑتے ہیں) ذکرِ الٰہی مردِ کامل کی تلقین سے حاصل ہوتا ہے اور معرفتِ الٰہی کا بھی یہی دروازہ ہے اور یہ محکمہ تصوف کا اصلاحِ قلب ہی کے واسطے ہے ۔

نقل ہے کہ حضور علیہ الرحمتہ تین شخصوں کی نذر کسی حال میں قبول نہ فرماتے ۔ (۱) ڈوم میراثی کی ۔ (۲) طوائف کی، اس واسطے کہ یہ گانے بجانے کا پیشہ کرتے ہیں ۔ (۳) یتیم بچے کی، کہ وہ قابلِ رحم اور قابلِ پرورش ہے ۔ میرے سامنے اکثر ایک میراثی نذر لاتا، قبول نہ فرماتے کہ تو گا بجا کر یہ پیدا کرتا ہے ۔ اور ایک دفعہ ایک یتیم بچے کی ماں نے نذر پیش کی، حضور نے نہ لی ۔ تو اس نے عرض کیا کہ حضور اس بچہ کی ملکیت سے میں نہیں دیتی یہ خاص میری مِلک ہے ۔ حضور نے فرمایا اچھا یہ بھی اسی کی پرورش میں صرف کر دینا ۔ اگر کوئی عورت نذر لاتی تو حضور پوچھتے کہ تو اپنی مِلک سے یہ نذر لائی ہے یا اپنے خاوند کے مال میں سے ۔ اگر وہ کہتی کہ میں اپنی ذاتی مِلک سے لائی ہوں، تب تو قبول فرما لیتے ۔ اگر کہتی کہ خاوند کے مال میں سے لائی ہوں تو فرماتے کہ اچھا پہلے اجازت لے کر پھر لانا ۔ یہاں تک حضور کو اتقا[1] کا خیال تھا ۔

نقل: حضور علیہ الرحمتہ کو عدل کا یہاں تک خیال تھا کہ جب بڑی مائی صاحبہ کے مکان پر تشریف لے جاتے تو جس حالت و ہیئت سے وہاں جاتے، اسی حالت سے دوسری مائی صاحبہ کے ہاں تشریف لے جاتے ۔ ایک دفعہ بڑی مائی صاحبہ کے ہاں سرمہ لگا کر تشریف لے گئے تھے ۔ چھوٹی

---

[1] تقویٰ

مائی صاحبہ کے ہاں تشریف لے جانے کے وقت بھول گئے۔مکان پر پہنچ کر یاد آیا، وہیں سے لوٹ آئے اور اسی قدر سلائیاں سرمہ کی ڈال کر پھر تشریف فرما ہوئے۔جن کپڑوں سے حضور ایک کے ہاں جاتے انہیں کپڑوں کے ساتھ دوسرے کے۔ایک روز ایک مائی صاحبہ کے ہاں تشریف لے جاتے وقت لاٹھی ہاتھ میں تھی، دوسری کے ہاں جاتے ہوئے خالی ہاتھ تھے۔پھر جو یاد آیا تو وہی لاٹھی ہاتھ میں لے کر تشریف لے گئے۔ اور جس قدر باتیں زبان مبارک سے ایک کے ساتھ فرماتے، اسی قدر باتیں دوسری سے کرتے ایک کم وبیش نہ ہوتی اور وقت کا اندازہ بھی اسی قدر ہوتا، کم یا زیادہ نہ ہوتا۔ایک روز میں تازی اور نرم چھوٹی چھوٹی دو ککڑیاں حضور کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اس وقت گھر میں موجود تھے۔مائی صاحبہ کو پردہ میں فرما کر مجھ کو اندر بلا لیا۔میں نے وہ پیش کیں۔ایک تو حضور نے وہاں ایک چھوٹا بچہ کسی کا کھیل رہا تھا اس کو دے دی دوسری کو اندر بھیجنے کا حکم دیا۔ابھی وہ دروازے کے پاس نہیں گئی تھی کہ واپس منگانے کو ارشاد ہوا اور فرمایا کہ آدھی یہاں دو، آدھی دوسرے گھر بھیج دو۔میں نے عرض کیا، حضور یہ اس جگہ دے دی جائے دوسری لاکر وہاں پہنچا دوں گا۔فرمایا شاید تمہارے یاد رہے یا نہ رہے اور اس سے مقدار میں کم ہو یا زیادہ۔میں نے عرض کیا نہیں حضور اسی قدر ہوگی۔فرمایا اچھا اس کو ناپ لو، اسی قدر رہے کم وبیش نہ ہو۔میں نے اس کا ناپ لے لیا اور پھر اسی ناپ کی اور ککڑی لاکر حضور کو دکھلا دی اور دوسرے گھر بھیج دی۔حضور کو عدل کا اس قدر خیال تھا کہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔

جب حضور کے وصال کا وقت نزدیک آیا تو چھوٹی مائی صاحبہ نے بڑی مائی صاحبہ کو، جن سے حضور پہلے مل آئے تھے، اپنے مکان میں آکر زیارت کرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ مکان ان کی مِلک تھا۔حضور نے فرمایا ہم کیا کریں، مکان ان کی مِلک ہے۔پھر دوبارہ ان چھوٹی مائی صاحبہ نے زیارت کرنی چاہی تو فرمایا کہ اب ہم نہیں مل سکتے کیونکہ تم سے مل کر پھر ان سے ملنا پڑے گا اور وقت اخیر ہے۔

نقل: حضور علیہ الرحمتہ کو حفاظتِ حقوق اور حفاظتِ لسان کا اس قدر خیال تھا کہ اس زمانہ میں کسی میں نہیں دیکھا۔چنانچہ اکثر تمام دن رات کے اعمال حضور ہم سے پوچھا کرتے اور فرماتے کہ ہماری کوئی بات آدابِ شرع کے خلاف یا فضول تو نہیں ہوئی؟ ہم دیکھا کرتے تو خلافِ شرع اور

فضول کا تو کیا ذکر ہے سوائے یادِ خدا کے ایک لفظ بھی حضور کا نہیں ہوتا تھا اور ہر کام میں عزیمت[1] پر عمل ہوتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص ختم کے دنوں میں نذر پیش کرتا تو اوّل اس سے پوچھتے کہ کس نیت سے لائے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ لنگر کے واسطے تو لنگر میں دیا جاتا، جو ختم قرآن شریف کے واسطے کہتا تو اس میں، اگر درویشوں کے واسطے کہتا تو ان کو دیا جاتا۔ غرض جس نیت سے وہ دیتا، اسی مد میں خرچ فرماتے اس کے خلاف ہرگز نہ ہونے دیتے۔ حقوق کا از حد خیال فرماتے۔ میں نے حضور کے حالات کو جہاں تک غور کیا تو حضور کا عزیمت پر عمل تھا رخصت پر نہ تھا۔

نقل ہے کہ اگر کوئی اہلِ علم آپ کی خدمت مبارک میں بیٹھا ہوتا تو فرماتے کہ ہماری باتوں کو خوب طرح سے یاد رکھا کرو یہ قرآن مجید و حدیث شریف کے موافق ہوں گی۔ اور میں ان کو قرآن شریف و حدیث شریف سے ملاتا تو عین ٹھیک ہوتیں۔ جو سمجھ میں آتی تو اس کے حضور ایسے طور سے معنی بیان فرماتے جو اکثر کتابوں میں کم ہوتے، مگر ہوتے وہی حقیقی معنی اور محققین اکابر کے کلام سے جا ملتے تھے اور ان کی کتابوں میں ان کی تصریح ہوتی تھی۔

نقل ہے کہ ایک روز کسی شخص نے ذکر کیا کہ جن لوگوں کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہو وہ بہت ہی اعلیٰ درجے والے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب وہ تجلی جو ملائکہ پر وارد ہوتی ہے، کثرتِ عبادت کی وجہ سے فقیر پر نازل ہو جاتی ہے تو اس کی غذا وہی نور ہو جاتا ہے جو ملائکہ کی غذا ہے اور فقیر کو کھانا کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، صفاتِ ملکوت اس میں آ جاتی ہیں۔ اس سے پہلے کوئی فقیر کھانے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر افضل اور عمدہ طریقہ یہی ہے کہ سنّتِ رسول اللہ ﷺ و صحابہ کبار و اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم کی نہ چھوڑے کیونکہ ان سب نے کھایا بھی ہے اور عبادت بھی کی ہے۔ چنانچہ حکایت ہے کہ کسی فقیر پر تجلیِ ملکوت وارد ہوئی اور اس نے چھ برس تک نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ بعدہٗ وہ حج کے لئے کعبۃ اللہ شریف گیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا۔ اس کا مرشد بھی اسی جگہ تھا۔ اس کے مرشد کو رسول اللہ ﷺ کا حکم ہوا کہ اپنے مرید سے کہو کہ ہماری سنّت کی پیروی کر کے رزق کھاوے ورنہ وہ رد ہو جاوے گا۔ چنانچہ مرشد نے مرید کو اس حکم کی اطلاع کی۔ اس

---

[1] یہ رخصت کا متضاد ہے۔ کچھ عمل ایسے جن پر شریعت نے رخصت یعنی چھوٹ دی ہے مگر تقویٰ یہ ہے کہ اس رخصت کی بجائے ہمت اور عزم سے کام لے اسی کو عزیمت کہا جاتا ہے۔

نے فوراً حکمِ رسول اللہ ﷺ کی تعمیل کی اور کھانا کھالیا۔ پھر فرمایا اگر یہ نہ کھاتا تو اس پر بڑا بھاری غضب وارد ہوتا اور مقام سے گر جاتا کیونکہ اس میں فخر آ گیا تھا کہ میں اب بالکل پاک ہو گیا اور یہی اس کی ذلّت کا باعث ہوتا۔ اب جو کھالیا تو اپنے آپ کو دوسرے آدمیوں جیسا سمجھنے لگا اور سنّتِ رسول ﷺ ادا ہو گئی۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک شخص حضور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور مجھے حزب البحر پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ حضور نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب اس کو بتلا دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور یہ مجھ سے حزب البحر سیکھتا نہیں بلکہ حضور سے صرف اجازت چاہتا ہے کہ حضور فرما دیں "تُو پڑھ لیا کر۔" آپ صرف اتنا لفظ فرما دیں۔ تو حضور نے فرمایا کہ ہم تو حزب البحر پڑھتے نہیں، جو پڑھتا ہو اس سے اجازت لے لو۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ مولوی صاحب خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو کام تم خود نہیں کرتے اوروں سے کیوں کہتے ہو کہ کرو۔ تو جب کہ ہم حزب البحر کو نہیں پڑھتے تو اجازت کس طرح دے دیں، اس طرح منع ہے، قرآن شریف میں صریح حکم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ آیت اس طرح ہے:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. (ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔) حضور نے فرمایا ٹھیک اسی طرح ہے۔ جو لوگ عمل نہیں کرتے اور دوسروں کو بتلا دیتے ہیں تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو لوگ خود عمل کرتے ہیں تو ان کا نور بن کر لفظوں سے مل جاتا ہے، اس واسطے اس سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ اس کے عمل میں آ جاتا ہے۔ اب جس کو اجازت دے اسی کو فائدہ ہوتا ہے۔ تو جس کا عمل نہ کیا ہو اس کی اجازت نہیں ہو سکتی نہ اس سے کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ اس واسطے خدا کے حکم سے خوف معلوم ہوتا ہے اور اجازت نہیں دے سکتے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ کوئی شخص کسی عمدہ کپڑے کی صدری حضور علیہ الرحمۃ کی خدمت میں نذر لایا۔ حضور نے سائیں عبدالکریم عرف مغلی شاہ مرحوم کو عطا فرما دی۔ انہوں نے اس کو پہنا تو مولوی صاحبان نے ان کو تنگ کیا کہ یہ ریشمی ہے اس سے نماز نہیں ہوتی، اس لئے اس کا پہننا منع ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ حال حضور سے عرض کیا۔ حضور نے فرمایا ہمارے مولوی صاحب سے دریافت کرو۔ وہ میرے پاس لائے اور کہا کہ اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں۔ میں نے اس کو رکھ لیا اور اس کا

دو ایک دھاگہ نکال کر آگ میں جلایا تو اس میں سے دھواں نکلا، کیونکہ وہ صدری ٹسر کی تھی۔ میں نے سائیں عبدالکریم کو واپس دے دی کہ لو پہن لو جائز ہے۔ انہوں نے پہن لی۔ حضور نے مغلی شاہ مرحوم سے پوچھا کہ ہمارے مولوی صاحب نے کیا کہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور مولوی صاحب نے تو اس کا پہننا جائز بتلایا ہے۔ فرمایا خیر۔ ان مولوی صاحب نے حضرت علیہ الرحمتہ کے حضور میں پھر اس کی بابت عرض کیا کہ اس کا پہننا ناجائز ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس کے ریشم ہونے کی کیا دلیل تمہارے پاس ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ صاف دکھلائی دے رہی ہے۔ حضور نے مجھ کو بلا کر پوچھا کہ اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جائز ہے۔ فرمایا کیا دلیل ہے؟ میں نے عرض کیا اس کو جلا کر جو دیکھا تو اس میں سے دھواں نکلا، اور ریشم میں دھواں نہیں ہوتا۔ پھر جو سب نے تحقیق کیا تو وہ ٹسر ہی نکلی۔ حضور بہت خوش ہوئے اور ان مولویوں کو تنبیہ فرمائی کہ مسائل میں بلا تحقیق اور معلومات کے بغیر مخالفت نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ حلت و حرمت کے دلائل وہم اور خیال سے نہیں۔ یہ قانون قدرتِ الٰہی کے ہیں۔

حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی ولایت، ولایتِ خاصہ محمدیہ ﷺ تھی اور آپ میں اتقا اور پابندئ شریعت اس درجہ کی تھی کہ اس کی نظیر کہیں ملے تو ملے، میں نے تو کسی جگہ اس کا نمونہ نہ دیکھا۔ آپ کی پابندئ شریعت کا یہ حال تھا کہ بے اختیار حضور سے سنّت کے مطابق افعال سرزد ہوتے تھے کسی قسم کے تصنع یا بناوٹ کی ضرورت نہ تھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پابندئ سنّت کا اس قدر خیال تھا کہ اکثر اس خیال سے درجاتِ سنّت میں سے کوئی درجہ نہ رہ جائے، آپ مکتوبات شریف جلد ثانی حضرت امام ربانی کے مکتوب نمبر ۵۴ کو بہت غور سے سن کر اس کی تقریر فرمایا کرتے۔ چنانچہ اس مکتوب کی آخری عبارت آگے نقل کی جاتی ہے۔ آپ کی پابندئ شریعت بالکل اخص الخواص کے طریقہ پر تھی جس کو حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ مکتوب نمبر ۵۴ (نور الخلائق) جلد دوم میں اس طرح لکھتے ہیں کہ:۔

درجہ ہفتم از متابعت آنست کہ تعلق بہ نزول و مبہوط دارد وایں درجہ سابع از متابعت جامع جمیع درجات سابق است۔ زیرا کہ دریں موطن نزول ہم تصدیق قلب است وہم تمکین قلب وہم اطمینانِ نفس است وہم اعتدالِ اجزاءِ قالب کہ از طغیان و سرکشی باز ماندہ اند درجاتِ سابق گویا اجزاء

ایں متابعت بودہ اند وایں درجہ ہم چوں کل است مرآں اجزاء را۔ دریں مقام تابع بہ متبوع بہ نہجی شباہت پیدا می کند کہ گویا اسمِ تبعیت از میان می خیزد و امتیازِ تابع و متبوع زائل می گیرد و چناں متوہم می شود کہ تابع در رنگ متبوع ہر چہ میگیرد از اصل می گیرد گویا ہر دو از یک چشمہ آب می خورند و ہر دو آغوش یک کنار اند و ہر دو در یک بستر اند و ہر دو در رنگ شیر و شکر اند تابع کجا و متبوع کدام و تبعیت کرا۔ در اتحاد نسبت نسبتِ تغائر گنجائش ندارد۔ عجب معاملہ است دریں مقام ہر چند با معانِ نظر مطالعہ می نمایند۔ نسبتِ تبعیت ہیچ ملحوظ و منظور نمی گردد و امتیاز تابعیت و متبوعیت اصلاً مشہود نمی شود ایں قدر ہست کہ خود را طفیلی مے داند و وارث نمی خودے یابد۔ علیه وعلی وجمیع الانبیاء من الصلوٰة افضلها ومن التسلیمات اکملها مانا کہ تابع دیگر است و طفیلی و وارث دیگر ہر چند ہمہ در قطار تبعیت اند ظاہرا در تابع حیلولۃ متبوع درکار است و در طفیلی و وارث ہیچ حیلولتی درکار نیست۔ تابع اوّلش خور است و طفیلی جلیس ضمنی۔ بالجملہ ہر دولتی کہ آمدہ است از برائے انبیاء آمدہ است علیہم الصلوٰۃ والتحیات سعادتِ اُمتانست کہ بہ طفیلِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات از آں دولت بہرہ یابند و از اُلش ایشاں تناول نمایند۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بسکہ رسد زدور بانگِ جرسم

تابع کامل کسی است کہ بایں ہفت درجہ متابعت متحلّی شود و آنکہ بعضے از درجاتِ متابعت دارد و بعضے ندارد تابع فی الجملہ است علی تفاوت الدرجات۔ علماء ظواہر بدرجہء اولیٰ خرسند اند کاش آن درجہ را ہم سرانجام بدہند متابعت را مقصود بر صورت شریعت داشتہ اند ورائے آں امری دیگر نہ انگاشتہ طریقہ صوفیہ را کہ وسیلہِ حصول درجاتِ متابعت است، بیکار تصور نمودہ اند و اکثر شاں پیرو مقتدائے خود را غیر از ہدایہ و بزودی ندانستہ۔

چوں آں کرمی کہ در سنگِ نہاں است
زمین و آسمانِ اُو ہماں است

حققنا الله سبحانه وایاکم بحقیقة المتابعة المرضیة المصطفویة علی صاحبها الصلوٰة والسلام والبرکة والتحیت وعلی جمیع اخواتہ من الانبیاء

الکرام والملائکتہ العظام و علیٰ جمیع اتباعھم الیٰ یوم القیامۃ.

(ترجمہ:۔ پیروی سُنّت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو عروج ونزول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور پیروی سنت کا یہ عام درجہ پہلے تمام چھ درجوں کا جامع ہے کیونکہ نزول کے اس مقام میں تصدیقِ قلب بھی ہے اور تمکینِ قلب بھی اور اطمینانِ نفس بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی جو کہ سرکشی اور مخالفت سے رکے ہوئے ہیں اور پہلے چھٹیوں درجے گویا پیروی سنت کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کے لئے مثل کل کے ہے۔ اس مقام میں تابع (اتباع و پیروی کرنے والے) متبوع[1] کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کرتا ہے کہ تبعیت[2] کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع ومتبوع کا فرق زائل ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع متبوع کی صورت میں جو کچھ کرتا ہے اصل ہی سے لیتا ہے گویا کہ تابع ومتبوع دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں پہلو ایک ہی بغل میں ہیں اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں اور دونوں شیر وشکر کی صورت میں ہیں۔ تابع کہاں، متبوع کون اور تبعیت کس کے واسطے۔ اتحاد میں مخالفت کی نسبت گنجائش رکھتی ہے۔ عجب معاملہ ہے۔ اس مقام میں خواہ کتنے ہی نظرِ تعمق[3] سے غور کریں، تبعیت کسی طرح بھی ملحوظ اور مدنظر نہیں ہوتی اور تابع و متبوع ہونے کا امتیاز ہرگز ظاہر نہیں ہوتا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ تابع (پیروی کرنے والا) اپنے آپ کو طفیلی جانتا اور اپنے تئیں نبی کا وارث پاتا ہے (ان پر اور تمام انبیاء پر درودوں میں سے افضل درود اور سلاموں میں سے افضل سلام نازل ہو۔) یہ ہم نے مان لیا کہ تابع اور ہے اور وارث و طفیلی گو سب کے سب تبعیت کی قطار میں ہیں لیکن تابع میں متبوع کا درمیان حائل ہونا ضروری ہے اور طفیلی و وارث میں کسی چیز کے حائل ہونے کی ضرورت نہیں۔ تابع[4] پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی بغل میں رہنے والا ہمنشین۔ الحاصل جو دولت آئی ہے انبیاء کے لئے آئی ہے۔ علیہم الصلوۃ والتحیات۔ اور یہ ان کی سعادت ہے کہ بطفیل انبیاء علیہم السلام اس دولت میں سے حصہ لیں اور ان کا پس خوردہ تناول کریں۔

ترجمہ شعر:۔ جس قافلہ میں وہ ہے میں جانتا ہوں کہ نہیں پہنچ سکوں گا میرے لئے اسی قدر کافی ہے کہ دور سے جرس[5] کی آواز پہنچ جائے۔

1۔ جس کی پیروی کی جا رہی ہو۔ 2۔ پیروی۔ 3۔ گہرا غوروفکر۔ 4۔ بچا ہوا کھانا۔ جھوٹا کھانا 5۔ قافلہ کی روانگی کے وقت بجنے والی گھنٹی

انبیاء علیہم السلام کا پورا تابع وہ ہے جو پیروی کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو۔ اور جو متابعت کے درجوں میں سے بعضے رکھتا ہو اور بعضے نہ رکھتا ہو وہ اپنے اپنے درجوں کے موافق کچھ تھوڑا سا تابع ہے۔ ظاہر علماء پیروی کے پہلے درجہ میں ہی خوش ہیں۔ کاش اسی درجہ کو انجام کو پہنچا دیں۔ انہوں نے متابعت کو شریعت کی صورت پر منحصر رکھ چھوڑا ہے اور صوفیوں کے طریقے کو جو کہ متابعت کے ساتوں درجہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، بیکار تصور کر کے اسے شریعت کے علاوہ کوئی اور امر سمجھ رکھا ہے اور ان میں سے اکثر نے بسبب جلد بازی اور ہدایت نہ پانے کے اپنے آپ کو کسی پیشوا کا پیرو نہیں جانا۔

ترجمہ شعر: اس کیڑے کی طرح جو پتھر کے اندر پوشیدہ ہے اور اس کا زمین و آسمان وہی ہے۔ تم کلامہٗ۔

چونکہ طالبین کو متابعتِ سنّت کے پہلے چھئیوں درجوں کے بارے میں پریشانی رہے گی اس لئے میں اس پریشانی کو رفع کرنے کے واسطے ان تمام درجات کا خلاصہ اردو میں لکھے دیتا ہوں۔ باقی جس کو مفصل دیکھنا ہو تو مکتوبات شریف حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں اصل مکتوب دیکھ لے۔ وَھُوا ھٰذَا۔

درجہ اوّل عوام اہلِ اسلام کو حاصل ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ تصدیقِ قلب کے بعد اور اطمینانِ نفس سے پہلے احکامِ شرعیہ بجالانا اور سنّت کی پیروی کرنا۔ کیونکہ نفس کا مطمئن ہونا درجہ ولایت پر منحصر ہے اور علماء و عابد و زاہد کہ جن کا معاملہ نفس کے مطمئن ہونے تک نہیں پہنچا وہ سب کے سب پیرویٔ سنت کے اس درجہ میں شریک اور متابعتِ سنّت کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں۔ اور چونکہ اس مقام میں نفس اپنے جبلی[1] کفر و انکار سے آزاد نہیں ہوتا اس لئے لامحالہ یہ درجہ متابعتِ سنّت کی صورت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پیرویٔ سنّت کی محض یہ ظاہری صورتیں بھی حقیقت متابعتِ سنّت کی طرح فلاح و رستگاری کا سبب اور عذابِ دوزخ سے بچانے والی اور دخولِ جنت کی خوشخبری دینے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے انکارِ نفس کا اعتبار نہ کر کے فقط تصدیقِ قلب کو کافی فرمایا اور نجاتِ آخرت کو اسی تصدیق پر منحصر رکھا۔

می توانی کہ دہی اشک مرا حُسنِ قبول
اے کہ دُر ساختہء قطرۂ بارانی را

---

[1] جبلت یعنی اصلی طبیعت سے منسوب

ترجمہ:۔ ہوسکتا ہے کہ میرے اُسی اشک کو تو قبولیت کا شرف عطا کرے جو تیری رحمت کے قطرے والے موتی سے جڑا ہوا ہے۔

متابعتِ سنّت کا دوسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور اعمال کی پیروی ہے جو باطن کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ یعنی اخلاق کو مہذب اور درست کرنا، رذیلہ صفتیں دور کرنا اور باطنی امراض و روحانی بیماریوں کو دور کرنا جو کہ مقامِ طریقت سے متعلق ہیں۔ پیرویٔ سنت کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے لئے مخصوص ہے جو کہ شیخ مقتدا سے طریقہ حاصل کر کے بیابانِ سیر الی اللہ قطع کرتے ہیں۔

متابعتِ سنّت کا تیسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے احوال و[1] اذواق اور[2] مواجید کی پیروی ہے جو مقامِ ولایتِ خاصہ کے ساتھ رکھتی ہے اور یہ درجہ اربابِ ولایت کے لئے مخصوص ہے خواہ وہ مجذوب سالک ہوں یا سالک مجذوب۔

جب مرتبہِ ولایت انجام کو پہنچ گیا اور نفس مطمئنہ ہو کر طغیان و سرکشی سے رُک رہا اور انکار سے اقرار اور کفر سے اسلام کی طرف لوٹ آیا، اس کے بعد متابعتِ سنّت میں جس قدر کوشش کرے گا حقیقتِ متابعت حاصل ہوگی۔ اگر نماز ادا کرتا ہے تو حقیقتِ متابعت بجالایا اور اگر روزہ ہے تو یہی حکم ہے اور زکوٰۃ ہے تو یہی طریقہ ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس تمام احکامِ شریعہ بجالانے میں حقیقتِ اتباع موجود ہے۔

متابعتِ سنّت کا چوتھا درجہ علماء راسخین[3] کے لئے مخصوص ہے جن کو اطمینانِ نفس کے بعد متابعتِ سنّت کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم، کو ہر چند کہ تمکینِ قلب[4] کے بعد ایک قسم کا اطمینانِ نفس حاصل ہے لیکن نفس کو کمالِ اطمینان کمالاتِ نبوت حاصل کرنے میں حاصل ہوتا ہے اور علماءِ راسخین کو ان کمالات میں سے بطریقِ وراثت حصّہ ملتا ہے۔

پس علماءِ راسخین کامل طور پر اطمینانِ نفس ہو جانے کی وجہ سے حقیقتِ شریعت کے ساتھ متحقق ہوتے ہیں جو کہ اتباعِ سنّت کی حقیقت ہے۔ اور دوسرے لوگ چونکہ یہ کمال نہیں رکھتے تو کبھی شریعت کی ظاہری صورت کے ساتھ متلبس[5] ہوتے ہیں کبھی حقیقتِ شریعت کے ساتھ متحقق۔ ہم علماءِ راسخین کی ایک علامت بیان کرتے ہیں تا کہ ہر ظاہر دان رسوخ کا دعویٰ نہ کر سکے اور اپنے نفسِ امارہ کو مطمئنہ نہ

---

[1] ذوق کی جمع۔ [2] وجد کی جمع۔ [3] راسخ کی جمع ایمان میں پختہ ہے۔ [4] سکونِ قلب۔ [5] اس طرح کی صورت بنانا

سمجھ بیٹھے۔

عالمِ راسخ وہ ہے جس کو قرآن مجید وحدیث شریف کی آیاتِ متشابہات کی تاویل کا حصہ ملا ہوا اور قرآن شریف کی بعض سورتوں کے اوائل میں جو حروفِ مقطعات ہیں جیسے الٓمّٓ حٰمٓ. کٓھٰیٰعٓصٓ. وغیرہ وغیرہ ان کے اسرار سے بہرہ کامل رکھتا ہو۔ اور متشابہات بہت ہی گہرے اسرار میں سے ہیں۔ یہ خیال نہ کرنا کہ متشابہات ومقطعات کی تاویل ایسی ہی ہے جیسے کہ ''ید'' کی تاویل قدرت اور ''وجہ'' کی تاویل ذات۔ کیونکہ یہ تاویلات علمِ ظاہری سے پیدا ہوتی ہیں اور اسرار کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ ان اسرار کے اصل مالک انبیاء علیہم الصلواۃ والتحیات ہیں۔ اور یہ رسوخ و اشارات ان کے معاملات ہیں اوران بزرگان کی تبعیت ووراثت کی وجہ سے جس کسی کو اس دولتِ عظمٰی سے ممتاز فرمائیں، زہے سعادت اس کی۔ متابعتِ سنّت کے اس درجہ کا حاصل ہونا اطمینانِ نفس اور صاحبِ شریعت کی حقیقت تک پہنچنے پر منحصر ہے۔ عَلَیۡهِ وَاٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ.

متابعتِ سنّت کا پانچواں درجہ رسول اللہ ﷺ کے کمالات کی پیروی کرنا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو تمام کمالات کے حصول کے لئے حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کافی ہوگئی۔ عَلَیۡهِ وَعَلَیۡهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمَاۃُ ۔ علماءِ سلف میں سے جو کوئی دولتِ رسوخ سے مشرف ہوا ہے، بغیر اس کے کہ وہ طریقہ صوفیہ اختیار اور جذب وسلوک کے ساتھ مسافت طے کرے، محض متابعتِ سنّت کے التزام اور ناپسندیدہ بدعات کے اجتناب کی وجہ سے مشرف ہوا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتۡنَا عَلٰے مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَجَنِّبۡنَا عَنۡ اِرۡتِكَابِ الۡبِدۡعَةِ بِحُرۡمَةِ صَاحِبِ السُّنَّةِ عَلَیۡهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ. (ترجمہ:۔ خداوندا تو ہم کو پیرویِ سنّت پر ثابت قدم اور ارتکاب بدعت سے دور رکھ بطفیل صاحب السنۃ کے۔ ان پر اور ان کی آل پر درود وسلام ہو۔)

کیونکہ علم وعمل کو ان کمالات کے حصول میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ ان کا حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر موقوف ہے اور یہ درجہ بہت ہی بلند ہے۔ پہلے چار درجوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ کمالات اصلی طور پر انبیاءِ اولوالعزم کے واسطے مخصوص ہیں اور تبعیت ووراثت کے طریق سے دیکھئے کس کو اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔

متابعتِ سنّت کا چھٹا درجہ اس کمال میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہے جو آپ کے مقامِ

محبوبیت سے تعلق رکھتا ہے۔ علیه و علٰی آلہٖ الصلوٰة و السلام ۔جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فائض ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر موقوف ہے ویسے ہی اس درجہ میں اس کے کمالات کا فائز ہونا بھی محض اس کی محبت پر موقوف ہے جو فضل و احسان سے بھی بالاتر ہے۔ متابعتِ سنّت کے اس درجہ میں سے بہت ہی کم لوگوں کا حصّہ ہے۔ یہ درجہ اور پہلے پانچوں درجے، سوائے درجہ اوّل کے، سب کے سب مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حاصل ہونا صعود[1] پر منحصر ہے۔ انتہیٰ

اس مکتوب سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جو شخص بغیر مقاماتِ فنا و بقا اور جذبہ و سلوک حاصل کرنے کے متابعتِ سنّت کا مدعی ہو، وہ درجہ اوّل کا متبع سنّت ہوگا۔ باقی دوسرے درجے سے ساتویں درجے تک علیٰ حسبِ مراتب بجز حضرات صوفیائے کرام اور کوئی پابندِ سنّت کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ دوسرے درجے کی پابندئ سنّت اربابِ سلوک کیلئے مخصوص ہے اور تیسرے درجے کی ارباب ولایت کیلئے اور چوتھے درجے کی علمائے راسخین کیلئے۔ باقی رہی پانچویں درجے کی متابعتِ سنّت، اس کے حصول کا مدار نہ علم وعمل پر ہے نہ کسب و ریاضت پر بلکہ یہ متابعت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر موقوف ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس چھٹے اور ساتویں درجے کی متابعت کہ ان میں سے چھٹے درجے کی متابعت کا انحصار محبتِ الٰہی پر ہے۔ جل سلطانہ،۔ اور ساتویں درجہ کی متابعتِ سنّت کا انحصار ذاتِ رسول اللہ ﷺ میں فانی ہونے پر۔ اور جو فقیر ذاتِ رسول اللہ ﷺ میں فانی ہو چکا اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے تمام اقوال، افعال، اوضاع[2] و اطوار، حرکات و سکنات، چلنا پھرنا، کھانا پینا، نشست و برخاست سب کے سب بلا اختیار اتباعِ سنّت کے ساتھ سرزد ہونے لگیں۔ اور حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ تمام مقاماتِ جذبہ و سلوک اور فنا و بقا طے کر کے ذاتِ رسول اللہ ﷺ میں کامل طور پر فانی ہو چکے تھے اور کثرتِ درود شریف کی وجہ سے چونکہ آپ کی پرورش روحِ مبارک رسول اللہ ﷺ سے ہوتی اور منصبِ محبوبیت آپ حاصل کر چکے تھے، جیسا کہ باب ششم کے آخر میں لکھا جائے گا کہ آپ کا لقب عرش پر حبیب الرحمٰن پکارا گیا تھا، اس لئے آپ کو اتباعِ سنّت کا ساتواں درجہ جو سابقہ تمام درجاتِ اتباع کا جامع ہے حاصل ہو گیا تھا۔ کیونکہ اب تابعیت و متبوعیت درمیان میں حائل نہ رہی تھی بلکہ آپ پر حروفِ

---

[1] عروج۔ [2] وضع کی جمع۔ ظاہری طور طریقہ

مقطعات کی تاویلات کھل جانے اور اتباعِ سنت آپ کا طبعی امر ہو جانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے تمام کمالات حتی کہ مقامِ محبوبیت کا کمال اور ساتویں درجہ کا اتباعِ سنت، کثرتِ درود خوانی اور پرورشِ روحِ مبارک رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اس نہج پر حاصل ہو گئے تھے جس طرح کہ اصل سے اخذ کیا کرتے ہیں اور یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی کامل متابعت اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے آپ کو حاصل ہوا تھا۔ اسی واسطے رسول اللہ ﷺ کی حضوری آپ کو بالمشافہ ہوتی تھی بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو آنکھ بند کرنے میں مدینہ منورہ پہنچ جاتے ہیں اور آنکھ کھولنے میں پھر یہاں آ موجود ہوتے ہیں۔ یعنی یہ سارا کام ایک پلک جھپکنے میں ہو جاتا ہے اور اس فقرہ میں حضور کا اشارہ اپنی ذات بابرکات کی طرف ہوتا تھا۔

أستغفر الله

باب چہارم

مسائلِ تصوّف

اس کی گیارہ فصلیں ہیں۔

فصل اول : خطرات و مذمتِ نفس

فصل دوم : استغفار، سترِ احوال، گستن و پیوستن

فصل سوم : حقوقِ پیر و مرید و عقیدت و رضائے پیر

فصل چہارم: محبت و زیارتِ رسول اللہ ﷺ و مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ

فصل پنجم : تصوّر و صُحبتِ شیخ

فصل ششم : اخلاص، استقامت، وجد و حال

فصل ہفتم : تواضع، ایثار، تسہیل حصولِ مراتب

فصل ہشتم : مجاہدہ، ذکر و فکر، مجذوب، سفر در وطن

فصل نہم : نماز و درود شریف

فصل دہم : عشقِ دیدارِ الٰہی، رضا و تسلیم

فصل یازدہم: متفرقات

فصل اوّل

خطرات و مذمتِ نفس

ارشاد: حضور علیہ الرحمتہ کو جب کبھی خطرۂ نفسانی ہوتا تو آپ بائیں طرف تھو تھو کر کے فرمایا کرتے ''پکڑو کالے چور کو''۔ درویشوں کو ہر وقت کی حاضر باشی کی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ حضور ایسا کبھی خطرہ کے وقت فرمایا اور کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا حضور! درویش کامل کو جب اعلیٰ عروج ہو گیا اور روح اس کی عرشِ معلّی پر پرواز کر گئی تو نفس تو وہاں جا نہیں سکتا، پھر یہ خطرہ کس طرح دیتا ہے؟ فرمایا کہ بے شک یہ وہاں تک جاتا نہیں مگر نیچے پڑا ہوا یہ ایسی تار سی ہلاتا ہے کہ روح فوراً نیچے آ گرتی ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ تمام بدن اور خون میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جب ذرا خوشی اس کو ہوئی تو فوراً کالے سانپ کی طرح سر اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ بڑا کمزور اور بد طاقت ہوتا ہے۔

ارشاد: ایک دفعہ فرمانے لگے کہ اوائل میں ایک روز ہم کو نفس نے ایسا خطرہ دیا کہ کسی طرح جانے میں نہ آوے۔ ہم حضرت شاہ عبدالرسول علیہ الرحمتہ کی قبر پر جا کر مراقب ہو بیٹھے اور فیض لینے لگے تو ہم نے دیکھا کہ گندگی کی ایک سیاہ گولی سی ہمارے دل سے نکل کر باہر دور گر پڑی اور خطرہ جاتا رہا سینہ منور ہو گیا۔ خطرہ سے دل پلید ہو جاتا ہے، اس سے بچنا چاہئیے۔ اس کے زائل ہونے کی یہ ترکیب ہے کہ صحبتِ اولیاء اللہ حاصل کرے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو۔ پیشوا کے تصور سے بھی زائل ہو جاتا ہے اور دُعا مانگنے سے بھی اور غوث اس وقت ہوتا ہے جبکہ فقیر کا لطیفۂ نفس فنا ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ خطرہ ایمان والے کو آتا ہے بے ایمان کو کبھی نہیں آتا اور خطرہ کو برا جاننا بھی مومن کی نشانی ہے اور کامل ایمان والا ہی اس کو برا جانتا ہے۔

ارشاد: ایک روز ارشاد ہوا کہ نفس کے خطرات کا بھی کوئی حساب نہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ فقیر جب یادِ خدا میں مصروف ہو گیا تو نفس نے خطرہ دیا کہ تو حجرہ میں پڑا جو یادِ خدا کرتا ہے

تیری اس یاد سے خلقِ خدا کو کیا فائدہ ہوا۔ کیوں تو کوئی مدرسہ نہیں بناتا، مسجد نہیں تعمیر کراتا یا اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے ہمیشہ کو تیری عبادت جاری رہے اور پھر گوشہ سے نکال کر خراب کرتا اور غیبت وغیرہ امورات میں مشغول کر دیتا ہے۔ اُدھر وصلِ ذات سے جُدا کر دیا، اِدھر لوگوں کے ساتھ جھگڑا فسادوں میں پڑ گیا، نہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا۔ فقیر کو لازم ہے کہ جو کام کرے استقامت کے ساتھ کرے۔ ایک استقامت سو کرامت سے بہتر ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو یاد کرنے لگے تو جب تک واصل باللہ نہ ہووے تو کسی طرف متوجہ نہ ہو۔ فقیر پر صبر حرام ہے اور حرص فرض۔ صبر کے معنی ہیں ٹھہرنا، تو ایک تجلّی پر ٹھہرنا مذموم ہے۔ یہاں حرص اور طمع ہی فرض ہے۔ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے دیدار اور وصل کی حرص بڑھاتا رہے اور محبتِ الٰہی کا ہر وقت گرویدہ رہے ؎

سن اے طالب مولیٰ والے وَل مولیٰ دے ہووین
دم دم قدم اگیرے رکھیں ٹھہر نہ کِتے کھلووین

ترجمہ: اے طالب مولیٰ سن! مولیٰ کی طرف بڑھ۔ ہر قدم آگے کو بڑھ اور کسی جگہ قیام نہ کر۔

ارشاد: ایک روز کسی شخص نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے عرض کیا کہ حضور خطراتِ نفس مجھ کو بہت آتے ہیں ہر چند میں ہٹاتا ہوں مگر کسی طرح جاتے نہیں، اس لئے میں ذکر نہیں کرتا کیونکہ خطرات سے دل پاک ہو تو میں ذکر کروں۔ حضور نے فرمایا کہ اسی طرح ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں خطراتِ نفس کی شکایت کی تھی تو حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ نے اس پر یہ مثال بیان فرمائی تھی کہ جس طرح گداگروں کی عادت ہوتی ہے کہ ایک ہاتھ میں بھیک لینے کے واسطے کاسہ وغیرہ لئے ہوئے اس ہاتھ کو بھیک دینے والے کی طرف بڑھائے رکھتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے پیچھے سے کتوں کو ہٹاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر بھیک ہی لیں اور کتوں کو نہ ہٹا دیں تو ان کے کاٹ کھانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور جو کتّوں کو ہی ہٹاتے رہیں اور بھیک کی طرف متوجہ نہ ہوں تو بھیک سے محروم رہنے کا خوف۔ اس لئے ایک ہی وقت میں دونوں کام کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح خطرات کے دور کرنے کی یہ ترکیب ہے کہ اِدھر تو ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے اور اُدھر دل میں خطرات کو برا جانتا رہے۔ ذکرِ الٰہی کرنے سے فوراً خنّاس کے منہ میں آگ لگتی ہے اور خطرہ سے باز رہتا ہے۔ اور سب خطرات سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ خطرات سے پاک ہوں تو ذکر

کروں بلکہ خطرات کے وقت زیادہ کرنا چاہیئے۔

ارشاد: ایک روز فرمایا کہ جیسا نفس دشمن ہے ایسا انسان کا اور کوئی دشمن نہیں۔ یہ ہر ایک شخص سے اس کے موافق مشورہ دے کر سب کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ جاہلوں کو یہ کہہ کر خراب کرتا ہے کہ نماز پڑھ کر کیا بنے گا؟ مفت میں وقت ضائع کرتا ہے، کون سے نمازی ہم سے زیادہ رزق یا عزت والے ہیں۔ اور پڑھے ہوؤں سے مل کر کہتا ہے کہ نماز خوب پڑھنی چاہیئے۔ جب وہ پڑھتے ہیں تو پھر ان میں عجب ریا و تکبر پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرے جیسی نماز کوئی نہیں پڑھتا اور نہ تیرے برابر کوئی عمل کرتا ہے۔ حافظوں، مولویوں کو بھی ایسی ہی سمجھاتا ہے کہ تمہارے جیسا کوئی خوش الحان نہیں، تقریر کرنے اور وعظ کہنے والا نہیں۔ فلاں عالم کو کیا علم ہے، تیرے مقابلے میں کیا چیز ہے، تو ہی صاحبِ کمال ہے۔

اسی طرح یہ فقیروں کو بھی سمجھاتا ہے کہ تو بڑا مجاہدہ کرنے والا ہے، فلاں فقیر کیا شے ہے؟ جب تک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ یہ گھر کے اندر فساد کی جڑ ہے۔ اسی کے ذریعے سے شیطان انسان پر غالب ہوتا ہے۔ اگر اس کو قابو کر کے اپنے کوٹ کو مضبوط کر لیا جائے تو باہر کا دشمن قلعہ پر فتح نہیں پا سکتا۔

حضور علیہ الرحمتہ کی عادت مبارک تھی کہ جب ملنے والے درویشوں سے کوئی خطا ہو جاتی تو معاف کر دیا کرتے اور فرماتے کہ یہ نفس بڑا دشمن ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ اور اکثر چلتے پھرتے فرمایا کرتے الٰہی خطراتِ نفس سے بچا۔ اور یہ بھی فرماتے کہ جس قدر کمال فقیر کو زیادہ ہوتا ہے خطرات بھی زیادہ ہوتے ہیں بلکہ جس قدر اعلیٰ مقام فقیر کو حاصل ہوتا ہے ایسا ہی خطرہ اعلیٰ درجہ کا مذموم و قبیح نفس دیتا ہے۔

ارشاد: ایک روز ارشاد ہوا کہ ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ فرماتے تھے کہ یہ نفس بہت بُری بلا ہے۔ ہماری عادت تھی کہ اپنے معمول بلا ناغہ ہمیشہ کرتے تو جب رات کو سونے لگتے یہ بڑا ہی خوش ہوتا اور کہتا تو نے بڑا کام کیا۔ ایک روز ہم نے آدھی تسبیح کم کر دی۔ اس رات بڑا بے چین اور مضمحل[1] رہا اور بڑائی نہ دے سکا۔ تو لازم ہے کہ اس کی سرکوبی کرتا رہے خواہ کسی حیلہ سے ہو اور عبادت میں ترقی کرتا جاوے۔ اور اعلیٰ درجہ کی تدبیر یہ ہے کہ جس قدر طاعت و

---

[1] پریشان

عبادت کرے، یہی سمجھے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ اپنے نیک اعمال پر خوش نہ ہو اور نیک اعمال کی ترقی میں کوشش کرتا رہے، مضمحل ہو کر نیک اعمال کو چھوڑ نہ بیٹھے اور اس کو سمجھائے کہ اے بندے تو خاک ہے اور پھر تُو نے خاک ہو جانا ہے۔ تیرے گھر کی بنائی ہوئی کوئی چیز نہیں جس پر تو خوش ہو جاتا ہے۔ بدن تیرا اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں یہ سب اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ توفیق عبادت کی بھی اللہ تعالیٰ نے عنایت کی ہے۔ اسی توفیق سے تو اعمالِ صالح اور قربِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ پھر تیرا کچھ بھی نہیں جس پر تو ناز و نخرے کرے۔ اے خاکی! اپنے مرتبہ کو یاد رکھ۔ تو عاجز ہے تیرا کام عاجزی کرنا ہے، اپنے معبودِ حقیقی کی۔ اللّٰہ. اللّٰہ.

یَا غَفَّارُ

فصل دوم

استغفار، سترِ احوال، گستن و پیوستن

نقل: ایک روز اس بات کا ذکر آیا کہ رسول اللہ ﷺ دن رات کے اوقات میں سے کسی وقت ہمیشہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اس پر کسی نے عرض کیا کہ حضور! رسول اللہ ﷺ نے تو کوئی گناہ نہیں کیا پھر آپ کے بخشش مانگنے کے کیا معنی ہیں؟" فرمایا بے شک رسولِ کریم ﷺ نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ آپ کی ذات میں گناہ کی طاقت ہی رکھی گئی تھی۔ جس طرح کے گناہ دنیا کے یہ لوگ کرتے ہیں اس قسم کے گناہ آپ کر ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ معصوم تھے۔ اس کا مطلب اور ہے، وہ یہ کہ رسولِ کریم ﷺ پر ہر وقت ذات کی تجلیات وارد ہوتی رہتی تھیں۔ جب ایک تجلی وارد ہوتی تو حضور کے خیال میں آتا کہ یہ ذات کی انتہا ہوگئی۔ پھر دوسری تجلی وارد ہوتی تو آپ اس پہلے خیال سے استغفار پڑھتے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو جس تجلی پر یہ خیال ہوتا، تو دوسری تجلی پر پہلے خیال سے استغفار پڑھتے۔ آپ کے استغفار پڑھنے اور بخشش مانگنے کی یہ وجہ تھی۔ ورنہ نہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ اس کی طاقت آپ میں رکھی گئی تھی اور دیدار بھی آپ کو اس درجہ کا تھا کہ نہ کبھی کسی کو ہوا اور نہ آئندہ کسی کو ہوگا۔ یہ مسئلہ ہم نے اسی طرح سنا تھا۔ ہمارا طریقہ اس مسئلہ میں کچھ اور ہی ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیمِ امت کے واسطے یعنی تاکہ امت بھی استغفار پڑھا کرے، استغفار پڑھا تھا ورنہ اور کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ (الآیۃ) (تاکہ بخشے اللہ تعالیٰ جو پہلے ہو چکا تیرے اگلوں کے گناہ سے۔ جب اس عمل کو امتِ مرحوم پڑھے گی یا سنے گی کہ سیّد المرسلین ﷺ اس شان کے ہو کر پھر بھی استغفار قضا نہیں کرتے تھے تو ان کو خیال ہوگا کہ ہم بھی اس کو قضا نہ کریں۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب بندہ گناہ کے بعد بخشش کے واسطے روتا اور عاجزی وزاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ نیک کام کرتا ہے یہاں تک کہ

بہشت صرف ایک بالشت بھر کے فاصلہ پر رہ جاتا ہے۔ پھر اس سے کوئی ایسا گناہ ہو جاتا ہے اور توبہ نہیں کی تو اس کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور ایک بندہ بُرے کام کرتا ہے یہاں تک کہ دوزخ صرف ایک بالشت بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے اور توبہ کا موقع اسے مل جاتا ہے۔ اس سے نیک کام کوئی ایسا ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بہشت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اور ارشاد ہے اَلْاِیْمَانُ بِالْخَوَاتِیْمِ (ترجمہ۔ ایمان خاتموں کے ساتھ ہے یعنی ایمان کا دارو مدار خاتمہ پر ہے۔) پھر فرمایا اس پر ہم کو ایک نقل یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ خواجہ محمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص حجرہ میں آیا۔ آپ نے بڑی محبت سے اس کے ساتھ باتیں کیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ یہ شخص جو ابھی ہمارے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا جزیروں میں رہتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امیر البحری کا منصب حاصل تھا یعنی دریاؤں اور سمندروں کے پانی پر اللہ تعالیٰ نے اس کو حاکم بنا دیا تھا۔ اس سے ایک گناہ سرزد ہوا جس کے باعث اس منصب سے گرا دیا گیا مگر چونکہ پچھلے ذکر اذکار کی لذت اس کے بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے اِس لیے ابھی تک اس کو اپنے گر جانے کا پتہ نہیں لگا۔ ہمیں معلوم ہو گیا تھا مگر شرم آئی کہ ایسے منصب والے کو اس کی معزولی کی اطلاع کیسے کریں۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے پوچھا کہ حضرت! اس نے وہ کیا گناہ کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ شخص امیر البحر تھا، بارش ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ بارش کہیں خشک زمین پر ہوتی تو بہتر تھا کہ وہاں کھیتی گھاس وغیرہ پیدا ہو جاتا، یہاں سمندر میں بے فائدہ ہے۔ چونکہ اس نے قدرت پر اعتراض کیا تھا اس واسطے یہ اس منصب سے گرا دیا گیا حالانکہ تھا مقربوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا کہ اس نے مقرب ہو کر ہماری قدرت پر اعتراض کیوں کیا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو اور میں کسی طرح وہاں پہنچ سکوں تو انہیں اطلاع کر دوں تا کہ اب بھی وہ توبہ کر لیں اور گناہ معاف ہو جائے۔ حضرت محمد رفاعی علیہ الرحمتہ نے فرمایا بہتر ہے۔ تو آنکھیں بند کر کے یہ اسم پڑھتا چلا جا، جلدی سے وہاں پہنچ جائے گا اور ان کو آگاہ کر دے۔ چنانچہ وہ شخص اسی طریقے سے جلدی ان بزرگ کے پاس پہنچ گیا اور سارا واقعہ سنایا انہوں نے پوچھا کس ذریعہ سے معلوم ہوا کہ میں اس منصب سے گرا دیا گیا ہوں؟ کہا کہ

محمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کو روحِ مبارک رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوا ہے۔ اس پر وہ بزرگ بولے اے بندے اللہ کے! تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ مجھے میرے گناہ پر مطلع کر دیا۔ اب ایک احسان اور کر کہ میرے پاؤں میں رسّی باندھ لے اور ان جھاڑ جھنڈوں میں گھسیٹتا ہوا لے چل اور کچھ دور جا کر میرے منہ پر جوتیاں مار کر یوں کہا کر کہ جو شخص اپنے مولا کے کاموں پر اعتراض کرے اس کا یہ حال ہوتا ہے۔ اور میں استغفار کروں، شاید یہ عاجزی میری پسند فرمائے اور اللہ تعالیٰ میرا گناہ معاف فرما دے۔ اس نے کہا اگر ایسا کرنے سے آپ کا گناہ معاف ہو جائے تو مجھے کیا تامّل ہے۔ چنانچہ اس نے پاؤں میں رسّی ڈال کر ان کو گھسیٹنا شروع کیا اور وہ بدرگاہِ غافر الذنوب[1]، مجیب الدعوات[2]، استغفار میں مشغول ہو گئے اور گھسیٹنے والے کو بھی زاری شروع ہو گئی کہ یہ روئے مبارک وہ ہے جس پر جمالِ الٰہی کی تجلّی وارد ہوتی رہی میں کس طرح اب اِس پر جوتی ماروں۔ جلال اور بے نیازی اس مولا کی وجہ سے بہت رویا اور وہ بزرگ بھی رو رہے تھے۔ ان کی زاری کا یہ اثر جنگل میں ہوا کہ جھاڑ و جھنڈ اور جانور جو وہاں رہتے تھے تمام اس کی بے نیازی کو سن کر کانپ گئے اور رونے لگے۔ ابھی منہ پر جوتیاں مارنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آیا، اس منصب کی تجلّی وارد ہوئی اور پھر وہی منصب اور وہی کمالات عطا ہو گئے۔ رسّی ٹوٹ گئی اور وہ بزرگ سجدے میں جا پڑے اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ زمین پر بارش ہونے سے تو اناج ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہاں سمندر میں بارش ہونے سے خالص موتی پیدا ہوتے ہیں ؎

عجز کارِ انبیاء و اولیاست
عاجزی مقبولِ درگاہِ خداست

ترجمہ شعر:۔ عاجزی انبیاء و اولیاء کا شیوہ ہے اور عاجزی ہی بارگاہِ خدا میں قبول ہوتی ہے۔

ارشاد: ایک روز استغفار کے معنی کے بارہ میں ذکر تھا۔ کسی نے عرض کیا حضور اولیاء اللہ جب گناہ چھوڑ دیتے ہیں اور ذکر و شغل کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان پر وارد ہو جاتی ہے اور گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتے پھر وہ جو استغفار کرتے ہیں کون سے گناہ سے کرتے ہیں۔ فرمایا ہر

---

[1] گناہوں کو بخشنے والا۔ [2] دعاؤں کو قبول کرنے والا

مقام میں فقیر کا استغفار علیحدہ ہوتا ہے۔ فقیر شروع شروع میں جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو اس وقت تو وہ اپنے گزشتہ گناہوں سے استغفار کرتا ہے۔ پھر جو آگے ترقی کرتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں کمی واقع ہونے پر استغفار کرتا ہے۔ پھر اس سے جب ترقی کرتا ہے تو اپنے قصورِ ہمت پر استغفار پڑھتا ہے۔ آخر اسی طرح ہر مقام میں علیحدہ علیحدہ استغفار پڑھتا ہوا جب مقامِ مشاہدہ میں پہنچتا ہے اور اس کو اللہ جل شانہ' کا دیدار اور وصل ذاتِ الٰہی ہوتا ہے، اس وقت اس بات پر استغفار پڑھتا ہے کہ خداوندا میرے اندر اتنی استعداد نہ تھی کہ میں اپنی ہمت اور کوشش سے تیرا دیدار اور تیری ذات کا وصل کرتا، تو اس وقت اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡبٍ وَّاَتُوۡبُ اَلَیۡهِ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ خداوندا میں تیرے دیدار اور تیری ذات کے وصل کے حصول کو اپنی استعداد اور ہمت و کوشش کی طرف منسوب کرنے سے توبہ کرتا اور اس پر استغفار پڑھتا ہوں۔ یہ جو کچھ ہوا سب تیرے ہی فضل سے ہوا۔ اور واقعی بات بھی یہی ہے کہ بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا بلکہ پیر کامل ہو اور رحمتِ الٰہی شاملِ حال ہو تو تب یہ مراتب اس کو ملتے ہیں ورنہ بندہ کی اپنی استعداد و ہمت و کوشش سے کچھ بھی نہیں بن سکتا اور بغیر استغفار کے اس کو کسی حال اور کسی مقام میں چارہ نہیں۔ چنانچہ ہمیں ایک نقل یاد آ گئی وہ سناتے ہیں۔

نقل ہے کہ کسی جگہ ایک بزرگ تھا اس نے سو برس تک اس قدر عبادت کی کہ جس پتھر پر وہ عبادت کرتا تھا وہ بھی اس جگہ سے گھس گیا تھا جہاں بیٹھ کر وہ عبادت کرتا تھا اور اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں رہا تھا۔ جب وہ مر گیا اور قبر میں دفن کیا جا چکا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ بتا بندے اب ہم تجھے عدل کے ساتھ بخشیں یا رحمت کے ساتھ۔ اس نے کہا خداوند! رحمت کے ساتھ تو اس کو بخشنا جس نے گناہ کئے ہوں، میں نے تو کبھی کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔ پھر حکم آیا کہ بندے اب بھی مان جا۔ اس نے پھر وہی اصرار کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے عدل کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اسے قبر میں سخت پیاس لگی۔ اس نے عرض کیا خداوندا مجھے بے حد پیاس لگی ہے تھوڑا پانی عطا فرما دے۔ حکم ہوا کہ اب رحمت کا تو کام ہی نہیں رہا، قیمت دو تو ملے۔ عرض کیا خداوندا پچاس برس کی عبادت لے لے اور مجھے پانی پلا دے۔ چنانچہ پانی پلا دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر پیاس لگی، اس نے پھر پانی مانگا۔ پھر قیمت ادا کرنے کا حکم ہوا۔ اس نے پھر پچاس برس کی عبادت دی اور پانی

پیا۔ عبادت تو تمام یوں بک چکی۔ اب پتھر نے مدعی ہو کر دعویٰ کیا کہ خداوندا! میں نے اس کا کیا قصور کیا تھا کہ سو برس تک میرے اوپر بیٹھا عبادت کرتا رہا اور مجھے گھسا دیا، خداوندا میرا انصاف کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہو بندے اب عدل تو اس بات کا مقتضی[1] ہے کہ تجھے پتھر بناؤں اور اس پتھر کو آدمی اور پھر سو برس تک یہ تیرے اوپر بیٹھ کر عبادت کرے۔ ابھی اس کا فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ پانی نے دعویٰ کیا کہ خداوندا میں نے اس کا کیا قصور کیا تھا کہ اس نے مجھے پیا اور پیشاب بنا کر ناپاک کر دیا، حالانکہ میں خود پاک اور ساتھ ہی دوسروں کو بھی پاک کرنے والا تھا۔ اس کے ساتھ ہی زمین نے دعویٰ کیا کہ خداوندا! میں نے اس کا کیا قصور کیا تھا کہ مجھ پر یہ چلا پھرا، میرے اوپر پاخانہ اور پیشاب کر کے اور میرے ڈھیلے بنا بنا کر اور استنجا کر کے مجھے ناپاک کیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں حالانکہ میں پاک تھی۔ لوگ مجھ سے تیمم کرتے اور مجھ پر نمازیں پڑھتے تھے۔ حکم ہوا بتا بندے اب ان کا کیونکر فیصلہ کریں۔ اس وقت وہ سجدہ میں گر پڑا۔ بہت توبہ استغفار کی اور نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ عرض کیا خداوندا میں بھولا۔ عدل سے کام نہیں چلتا اور نہ اب مجھے اس کی خواہش رہی ہے تو اپنی رحمت ہی سے میری بخشش فرما۔

جے توں ہوویں مہربان دوست کل جہان
جے نہ ہوویں مہربان ویری کل جہان

ترجمہ:۔ اگر تو مہربان ہو تو سارا جہان دوست ہے اور اگر تو مہربان نہ ہو تو سب جہان دشمن ہے۔

یہ نقل بیان کر کے فرمایا سچ تو یوں ہے کہ آدمی بڑا ہی عاجز ومحتاج ہے اس سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بندہ کی مدد نہ کرے۔ اور فقیر کو ہر حال اور ہر مقام میں توبہ واستغفار ہی کرتے رہنا چاہئیے۔ اور یہ بھی فقیر کے واسطے ضروری ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر نظر رکھے اور اپنے آپ کو عاجز ومحتاج ہی سمجھتا رہے۔ نفس کے فریب میں نہ آوے۔ اگر آدمی غور کرے تو بدن بھی اللہ تعالیٰ کا ہی بنایا ہوا ہے، توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے اور نام بھی اسی کا ہوا۔ پھر اس کی اپنی کون سی چیز ہے جس پر یہ خوش ہو اور فخر کرے کہ میں نے یہ کیا اور میں نے وہ کیا۔ تو نے کچھ بھی نہیں کیا جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] تقاضا کرتا ہے

سامنے فقیر اپنے آپ کو عاجز محتاج ہی سمجھے اور عاجزی ہی کرتا رہے۔

عجز کارِ انبیاء و اولیاست
عاجزی مقبول درگاہِ خداست

ترجمہ:۔ عاجزی انبیاء اکرام علیہم السلام اور اولیاء اکرام رحمۃ اللہ علیہ اجمعین کا کام ہے اور عاجزی ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے

پھر فرمایا ''جوُں جوُں آگے بڑھے پستی نظر پڑی۔ خاکساری عالی مقام ہے۔''

ایک روز میں یہ حدیث شریف پڑھا رہا تھا۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ اَنَّ عَبْداً اَذْنَبَ ذَنْباً فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعْلَمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبّاً یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَأخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْباً قَالَ فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْباً فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعْلَمَ عَبْدِیْ اِنَّ لَهٗ رَباً یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُبِهٖ غَفَرْتُ لَعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْباً قَالَ فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْباً اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعْلَمَ عَبْدِیْ اِنَّ لَهٗ رَبّاً یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَأخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَاشَاءَ (متفق علیہ)۔ (ترجمہ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق بندے نے کوئی گناہ کیا، پھر اس نے کہا کہ خداوندا! میں نے گناہ کیا، سو وہ گناہ بخش دے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر پکڑتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر وہ ٹھہرا رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر اس نے کوئی گناہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے پھر کہا خداوندا! میں نے گناہ کیا سو وہ گناہ بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا اور گناہ پر پکڑتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ وہ پھر ٹھہرا رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اس نے پھر گناہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے پھر کہا خداوندا! میں نے ایک گناہ اور کیا تو میرے لئے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا اور گناہ پر پکڑتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پس اب جو اس کا جی چاہے کرے۔) میں نے طالب علم کو اسکا یہ مطلب سمجھایا کہ جب بندہ گناہ کرتا اور پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی

سے عرض کرتا ہے کہ خداوندا میں نے گناہ کیا سو اب معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ پھر وہ کچھ مدت تک گناہ سے بچا رہا۔ پھر اس نے گناہ کیا۔ پھر معافی مانگی اور معاف ہو گیا۔ پھر کچھ مدت تک گناہ سے بچا رہا۔ پھر تیسری دفعہ جو اس نے گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے نہایت شفقت وعنایت سے فرمایا کہ میرے بندے جا میں نے تجھے بخش دیا اب جو تیرا جی چاہے کر۔ یعنی اب تو گناہ کئے جا میں بخشا جاؤں گا۔ چنانچہ حاشیہ پر بھی یہی معنی لکھے تھے کہ **فلیفعل ما شاء اظهار العناية والشفقة اى ان فعلت صفات ما كنت تفعل فاستغفرت منه غفرت لک فانى اغفر الذنوب وهذا معنى قوله ﷺ ما امر من استغفرو لو عاد فى اليوم سبعين مرة** .(ترجمہ۔ لفظ **فلیفعل ما شاء** من اظہار عنایت و شفقت ہے یعنی اگر تو نے وہ افعال کئے جو تو ہمیشہ کرتا چلا آتا تھا پھر تو نے اس سے توبہ کی اور بخشش مانگی تو میں نے تجھے بخش دیا کیونکہ میں گناہوں کو بخشتا ہوں اور یہی معنی ہیں قول رسول اللہ ﷺ کے کہ نہیں اصرار کیا جس نے بخشش مانگی اگرچہ ایک دن میں ستر بار لوٹ کر گناہ کرے) حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ معنی سن کر ارشاد فرمایا۔ مولوی صاحب پھر اس سے تو گناہ کی صاف اجازت پائی جاتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے منع فرماتا ہے۔ اس حدیث شریف کے یہ معنی نہیں جو تم بتا رہے ہو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ بندہ پہلے گناہ کرتا ہے پھر شرمندہ ہو کر بڑی منت و عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ مدت تک وہ اپنی توبہ اور اپنے اقرار پر جو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا قائم رہتا ہے پھر اس سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے۔ وہ پھر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور زاری کرتا اور بخشش مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر بخش دیتا ہے۔ مدت تک پھر اپنے اقرار اور توبہ پر قائم رہتا ہے۔ تیسری بار پھر اس سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے اس وقت وہ بہت ہی روتا اور منت و عاجزی سے بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ قوت جس سے وہ گناہ کرتا تھا نکال کر اس سے دور کر دیتا ہے تا کہ یہ میرے بندے کو بار بار نہ ستائے اور پھر چین سے میری اطاعت میں مشغول ہو اور فرماتا ہے اے بندے! میں نے تجھے بخش دیا اب جو تیرا جی چاہے کر۔ یعنی دیکھیں تو سہی اب تو کیونکر گناہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے تیرے اندر وہ طاقت ہی نہیں رہنے دی کہ جس سے تو گناہ کیا کرتا تھا ہم بھی تو دیکھیں کہ اب تو کیسے گناہ کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی کا دوست ہو اور وہ اس کو برے کاموں سے روکتا ہو ایک دفعہ روکے وہ نہ مانے، دوسری دفعہ روکے پھر بھی نہ مانے، تو پھر تیسری دفعہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دے اور کہے کہ دو دفعہ ہم نے تجھ کو روکا تو نہیں مانا۔ اب دیکھیں تو کیسے نہیں مانتا۔

حاصل کلام یہ کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کا بدلہ معاف فرما دیتا تھا۔ اب گناہ کی طاقت چھین کر فرماتا ہے کہ لے بندے جو مرضی ہو کر۔ یعنی کر تو کیسے کرے گا یعنی اب کر ہی نہیں سکے گا۔ تو اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی قوت چھین کر گویا اس کے ہاتھ پاؤں اطاعتِ الٰہی کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ فی الحقیقت یہ توبہ آخر کی اکمل طور پر قبول ہوئی۔ پہلے دو دفعہ تو جرم کی سزا معاف ہوئی تھی اب تیسری دفعہ طاقتِ جرم ہی سلب کی گئی تاکہ پھر جرم ہو ہی نہ سکے۔ پس اب اسے اعلان دیا گیا کہ اب تو جو چاہے کر بندے تیرے سے جرم ہو ہی نہیں سکے گا اور وہ بندہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ارشاد: ایک روز فرمایا انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیا اللہ رحمہم اللہ محفوظ۔ معصوم کے یہ معنی ہیں کہ گناہ کی طاقت ان کے اندر رکھی ہی نہیں جاتی۔ وہ سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیث شریف میں فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے میرے دل کے پاس سے ایک سیاہ گوشت کا ٹکڑا نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کے تصرف کی جگہ تھی سو نکال دی گئی ہے اور نور کا علم وحکمت سے بھرا ہوا طشت میرے سینے میں رکھ دیا۔ اور محفوظ کے یہ معنی ہیں کہ گناہ کی طاقت ان کے اندر ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیتا ہے اور حفاظتِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ پھر ان سے ارادتاً کوئی صغیرہ کبیرہ گناہ صادر نہیں ہوتا (توبہ واستغفار کی مزید تفصیل کے واسطے ہم کتاب مفاخر علیہ مصنفہ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ (مؤلف)۔ وھوھذا۔

مراتبِ سلوک میں سب سے پہلا مرتبہ توبہ ہے اور توبہ ہر مقام وحال کی اصل اور مقامات میں سب سے پہلا مرتبہ ہے۔ اور یہ ایسے ہے جیسے بنیاد کے لئے زمین۔ پس جس کے پاس زمین نہیں وہ بنیاد بھی نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح جس نے توبہ نہیں کی اس کو نہ کوئی مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور نہ کوئی مقام۔ اور توبہ کی دو قسمیں ہیں ایک انابت، دوسری استجابت۔ انابت کے یہ معنی ہیں کہ انسان

اللہ تعالیٰ سے ڈرے اس کی قدرت کا خیال کرے اور استجابت کے یہ معنی ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے اس لئے ڈرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہے۔ اور لغت میں توبہ کے معنی گناہ سے رجوع کرنے کے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عوام کی توبہ، دوسرے خواص کی توبہ۔

پھر **عوام کی توبہ** کے بھی تین مراتب ہیں۔ **مرتبہ اوّل** کافروں کا ہے کہ ان کی توبہ کفر سے ایمان و اسلام کی طرف ہوتی ہے۔ کیونکہ بندہ کا یہ حق ہے کہ اپنے نفس کو عبودیت کے ساتھ پہچانے اور اپنے رب کو ربوبیت کے ساتھ اور ہر وہ شخص جو کہ اپنی عبودیت سے غافل ہوا اور اس کو دنیا نے آخرت سے روک لیا اس کو شیطان کی معرفت حاصل ہوگی۔

دوسرا مرتبہ فاسقین[1] کی توبہ ہے جنہوں نے کبائر اور منہیاتِ شرعیہ[2] کا ارتکاب کیا۔ ان کی توبہ کے چھ معنی ہیں۔ **اوّل:۔** گزشتہ گناہوں پر پشیمان ہونا جو آئندہ مراتب کے حصول پر آمادہ کرنے والا ہے۔ **دوسرے:۔** فی الحال گناہوں کو ترک کرنا اور آئندہ کے لئے گناہوں کی طرف عود نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔ **تیسرے:۔** زمانہ فسق میں جن لوگوں کا مال ظلم سے حاصل کیا تھا وہ انہیں واپس کرنا۔ **چوتھے:۔** ان فرائض کو لوٹا کر ادا کرنا جو فوت ہو گئے تھے۔ **پانچویں:۔** نفس کو عبادت میں اس طرح پگھلانا جیسے کہ گناہوں میں پگھلا تھا۔ **چھٹے:۔** سحر کے وقت گناہوں کی طرف سے خوف کھا کر بارگاہِ قادر و جبار میں گریہ و بکا کرنا۔

تیسرا مرتبہ عوام مومنین کی توبہ ہے ان صغیرہ گناہوں سے جو بوجہ سہو و غفلت اور جہل و نسیان[3] کے صادر ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ** (ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ انہیں لوگوں کی توبہ کا قبول کرنا ہے جو جہالت سے برا کام کریں۔ پھر جلدی ہی توبہ کرلیں) اور یہ مقام عام مومنین اور خواص فاسقین کا ہے جو عالمِ ارواح میں تیسری صف میں تھے۔

توبہ کی دوسری قسم **خواص کی توبہ** ہے۔ اس کے بھی دو مرتبے ہیں ایک تو خواص کی توبہ، دوسرے اخص الخواص کی توبہ۔ خواص کی توبہ ان افکار اور خطرات سے ہوتی ہے جو معاملاتِ دنیا میں ان کو پیش آتے ہیں اور یہ مقام عوام اولیا اور خواص مومنین کا ہے جو عالمِ ارواح میں دوسرے خلف میں تھے۔ اور اخص الخواص کی توبہ دل کو غیر ذکرِ خدا کی طرف مشغول کرنے سے ہوتی ہے اور

---

[1] گنہگار مسلمان [2] وہ باتیں جن کا کرنا شریعت کی رو سے منع ہے۔ [3] غلطی اور بھول۔

یہ خواص اولیا کا مقام ہے جو عالمِ ارواح میں اوّل صف میں تھے اور اس کے مقام کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے۔ اِنَّہ لیغان علیٰ قلبی فاستغفراللّٰہ سبعین مرۃ (ترجمہ۔ تحقیق میرے دل پر کچھ پردہ سا آیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ستر دفعہ استغفار پڑھتا ہوں۔) اور بعض اکابر نے کہا ہے کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلوں سے اور اخص الخواص کی اپنی عبادتوں پر نظر ڈالنے سے۔ انتہیٰ

نقل صحیح ہے کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب جو محض اَن پڑھ تھے ایک مرتبہ رمضان شریف میں اپنے وطن قصبہ بوڑیہ میں ایک حافظ کا قرآن شریف سن رہے تھے۔ حافظ نے بھول کر ایک آیت چھوڑ دی تو خلیفہ امیر اللہ شاہ نے وہ آیت اسے بتا دی۔ وہ صحیح کر کے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک مقام پر پھر اسے متشابہ لگا، خلیفہ صاحب نے وہ بھی بتا دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ تو پڑھے ہوئے نہیں پھر یہ آیتیں کس طرح بتا دیں؟ انہوں نے سکوت کیا اور اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوا۔ کسی نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے بھی عرض کر دیا۔ آپ نے خلیفہ صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ امیر اللہ شاہ حافظ والی بات کیونکر تھی۔ وہ ڈر گئے کہ مبادا حضور ناراض ہوں۔ حضرت علیہ الرحمتہ نے فرمایا نہیں ہم تجھ کو کچھ نہ کہیں گے تم اطمینان کے ساتھ وہ بات سناؤ۔ تب انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں حسبِ عادت نماز میں حقیقتِ قرآن کا فیض جو لوحِ محفوظ پر پڑ رہا تھا اپنے دل پر لینے لگا تھا۔ آیتوں کے الگ الگ ٹکڑے میں دیکھ رہا تھا کہ حافظ پر اور میرے پر وارد ہو رہے ہیں۔ حافظ نے ایک آیت نہیں پڑھی تھی اس کا ٹکڑا میرے سامنے تو آیا اور اس حافظ کی طرف نہ گیا۔ میں اس سے سمجھ گیا کہ حافظ یہ آیت بھول گیا ہے چنانچہ میں نے اس ٹکڑے کو دیکھ کر بتا دیا۔

آپ نے فرمایا یہ بات ٹھیک ہے لیکن تم نے تو حقیقتِ قرآن کا مراقبہ کیا تب یہ بات نصیب ہوئی اور ہمارا ڈیرہ ہر وقت وہیں رہتا ہے۔ پر ہم نے آج تک یہ بھید ظاہر ہونے نہیں دیا اور تو نے اتنی سی بات کا ہی شور مچا دیا۔ فقیر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اِس سے فقیر فتنہ خلق بن جاتا ہے۔ اعمال نیک کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں لگا رہے اور ایسی باتوں کو چھپائے رکھے۔ خبر نہیں قیامت کے دن کیا معاملہ پیش آوے۔ بندہ کو ہمیشہ خوف و رجا کے درمیان رہنا چاہیے۔ نفس و شیطان دو دشمن

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھے اور مغفرت کی دعا کرتا رہے۔ اندیشہ ہے کہ شیطان دشمن کا کہیں داؤ نہ چل جائے۔ کیونکہ اگر ایسی باتوں میں فخر آ جائے تو خطرہ ہو جاتا ہے۔ مؤلف

اہلِ دل را ذوق و فہم دیگر است
کان زفہم ہر دو عالم برتر است

ترجمہ شعر:۔ اہل دل کا ذوق وفہم عجیب وغریب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں جہاں کی سمجھ سے بلند ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضور قبلہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی یہ نقل ارشاد فرمائی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کسی جگہ جہاد میں تشریف لے گئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ہم رکاب تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ اوّل کفار سے فرما دیتے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہارا حال ہمارے جیسا ہوگا اور اگر نہیں مانتے تو جزیہ دو۔ اور اگر اس دوسری بات سے بھی انکار کرتے تو تیسری مرتبہ میں تلوار اٹھاتے۔ حضورِ انور ﷺ نے کفار کو وہی احکام سنائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قیامت کو نہیں مانتے۔ قیامت یہی ہے کہ مرے اور خاک مٹی بن گئے۔ اس وقت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور جوش میں قدم آگے بڑھا کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر حکم ہو تو میں ان کفار کو ابھی دکھا دوں کہ قیامت کا میدان قائم ہے اور جھنڈے لگے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے سلمان! معلوم ہوا کہ تیرے دل پر سے رومال اٹھ گیا ہے اور جس کے دل پر سے رومال اٹھ جاوے وہ ایسا کر سکتا ہے مگر ہمیں احکام پہنچانے اور غیب پر مسلمان کرنے کا حکم ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم بھی دکھا سکتے تھے مگر ہم کو اس وقت حکم نہیں ہے۔

بعد ازاں فرمایا اگر فقیر کو عرش سے فرش تک کشف ہو جائے تو بھی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے بلکہ ہمیشہ خوف و رجا کے درمیان رہے۔ پھر یہ فقرہ ارشاد فرمایا۔ جوں جوں آگے بڑھے پستی نظر پڑی، خاکساری عالی مقام ہے۔

ارشاد: ایک روز میں نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ گسستن[1] پیوستن پر مقدم ہے یا پیوستن گسستن پر۔

---

[1] یہ تصوف کی دو اصطلاحیں ہیں۔ گسستن کا مطلب ہے ٹوٹنا اور پیوستن کا معنی جڑنا۔ اصلاحاً دنیا سے ٹوٹنے اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کو کہتے ہیں

فرمایا اس کے کیا معنی ہیں؟ میں نے عرض کیا حضور یہ صوفیائے کرام کی اصطلاح ہے۔ گسستن دنیا سے ٹوٹنے کا نام ہے اور پیوستن دنیا سے ٹوٹ کر رب کے ساتھ ملنے کو کہتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے دنیا سے ٹوٹنے کو مقدم کہا ہے اور بعض نے رب کے ساتھ ملنے کو مقدم فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک اِن دونوں میں سے کونسی چیز مقدم ہے؟ فرمایا ہم نے جو کچھ دیکھا ہے وہ ہم بتائے دیتے ہیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ ٹوٹنا اور ملنا ان دونوں میں کچھ لڑائی جھگڑا سا ہی رہتا ہے۔ نہ پہلے ملنا ہے نہ پہلے ٹوٹنا۔ کچھ ایسی بات نظر آتی ہے کہ جس قدر دنیا سے ٹوٹے اسی قدر رب کے ساتھ مل گئے، جتنے ٹوٹے اتنے ہی مل گئے۔ جتنے رب سے ملے اتنے ہی ٹوٹ گئے۔ کچھ ایسا ہی لڑائی جھگڑا سا دونوں کا رہتا ہے۔ نہ کچھ آگے ہے نہ پیچھے۔ نہ ایک دفعہ دنیا سے ٹوٹ ہی سکتا ہے اور نہ ایک دفعہ مل ہی سکتا ہے۔ جتنا جوڑا اور جو لطیفہ دنیا سے ٹوٹا وہی رب کے ساتھ مل جاتا ہے اور جو رب کے ساتھ ملتا ہے وہی دنیا سے ٹوٹ جاتا ہے۔ البتہ اگر محبت الٰہی وارد ہو تو وہ ملنے کی طرف کشش کرتی ہے۔ مقدّم محبت رکھنی چاہیئے۔ جس قدر محبت اور مجاہدہ بڑھے گا اُدھر سے ٹوٹتا جائے گا اور جتنا ملا اتنا ہی ٹوٹا جو جو واردات کسی بزرگ پر ہوئی ہیں انہوں نے اسی طرح سمجھ لیا ہے۔ جس پر پہلے ٹوٹ وارد ہوئی اس نے دنیا سے ٹوٹنے کو مقدم سمجھا اور جس پر پہلے ملاپ وارد ہوا اس نے ملاپ کو مقدم سمجھا۔

فصل سوم

حقوقِ پیر و مرید بَر یک دیگر و عقیدت و رضائے پیر

ارشاد: ایک دفعہ کسی شخص نے عرض کیا کہ حضور مرید پر پیر کا کیا حق ہے اور پیر پر مرید کا کیا حق ہے؟ فرمایا مرید ہونے کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ مرید کے سب دینی اور دنیوی کاموں میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل حال ہو جاتی ہے۔ اور مرید پر پیر کا حق تو اسی وقت ہو جاتا ہے جب کہ وہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہو جاتا ہے۔ اور وہ حق یہ ہے کہ گھر بار دھن دولت غرضیکہ جو چیز مرید کی ملکیت میں ہے سب پیشوا کی مِلک ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ مرید پیشوا کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسا مردہ بدست غسال[1]۔ ایک فانی جان دینے سے وہ باقی جان آ جاتی ہے جو کبھی فنا نہ ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

ترجمہ شعر: چند کوڑیوں کے عوض میں نے جان خرید لی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بہت ہی سستا سودا کر لیا۔

میں نے عرض کیا حضور پیر پر مرید کا کیا حق ہے؟ یہ سن کر پہلے تو خاموش ہو گئے اور بڑی دیر تک گردن جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا پیر پر جو مرید کا حق ہے وہ بھی معلوم ہو گیا۔ پیر کے ذمہ مرید کا یہ حق ہے کہ اوّل مرید کے واسطے جانکنی کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور خود مدد کرے کہ اس کے دل میں نامِ الٰہی جاری ہو جائے۔ اگر مرید پر بے ہوشی ہے تو نور کی تجلی وارد کرے تا کہ اس کو علمِ توحید ہو جائے اور شیطان کے دھوکے سے بچائے تا کہ وہ ایمان سلب نہ کر سکے۔ دوسرے منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت اللہ تعالیٰ سے جواب میں آسانی یا معافی کرا دے بلکہ روح پیر کی

---

[1] جیسے غسل دینے والے کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے

وقت سوال جواب کے مرید کے پاس ہو تا کہ وہ گھبرا نہ جائے۔ تیسرے پل صراط پر مدد کرے۔ پھر سیّد المرسلین خاتم النبین ﷺ کی شفاعت میں داخل کرے اور جنت میں پہنچا وے۔ یہ ان مریدوں کا حق ہے پیر کے ذمے جو پیشوا سے محبت رکھنے والے اور ان کے وظائف کے پابند اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے والے ہوں۔ باقی جن مریدوں کو پیشوا کی ذات میں فنا حاصل ہو چکی ہے ان کے حقوق کہنے سننے سے باہر ہیں۔ انتہا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے واصل کر دے۔ پھر فرمایا مرید کی تمام چیزوں کی ملکیت حاصل کر لینا کوئی آسان کام تھوڑا ہی ہے۔

پھر فرمایا جب مرید کو فیضان ہو جائے اور ذکر و شغل میں استغراق ہونے لگے تو مرید کو چاہئیے کہ پیشوا کی خدمت اور اس کی خوشنودی و رضا کو اپنا اصلی مدّعا سمجھے کیونکہ یہ ترقی کی صورت ہے۔ اور بالفرض پیشوا اگر اپنے مقام سے گر جائے تو بھی خدمت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے بلکہ پہلے سے بھی اچھی طرح پیش آئے۔ چنانچہ ایک بزرگ کی نقل ہمیں یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ کسی بزرگ کا مرید ذکر و شغل کرتے کرتے بہت ترقی کر گیا اور پیر سے بھی بڑھ گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بزرگ کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے ولایت سے گر گئے۔ تمام مرید بھاگ گئے۔ اُس مرید نے، جو ترقی کر گیا تھا، پہلے سے بھی زیادہ خدمت اور تواضع کرنی شروع کی۔ اُن بزرگ نے پوچھا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں ولایت سے گر گیا ہوں، پھر تو کیوں میری خدمت کرتا ہے۔ اس نے کہا مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن دو باتیں ہیں جنہوں نے مجھے مجبور کر رکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر کے پھر وہی مقام عطا فرما دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو احسان آپ نے مجھ پر کیا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیا ہے ابھی اس احسان کا بدلہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکا۔ میں اس ایک ہی احسان کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے یہ خدمت کر رہا ہوں مگر شکریہ پورا ادا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اور میری اس ظاہری خدمت ہی پر اکتفا نہیں بلکہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ خداوندا میرے پیر کی مغفرت فرما کر وہی مقام عطا فرما دے اور اس سے بھی زیادہ ترقی فرما۔ چنانچہ اس مرید کی دعا سے ان بزرگ کو وہی مقام عطا ہو گیا۔

نقل ہے کہ ایک شخص ہندوستانی حضور کے پاس بیٹھا تھا۔ اثنائے گفتگو میں کہہ بیٹھا کہ پنجاب کی زبان بڑی خراب ہے۔ حضور نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور فرمایا کہ تو نہیں جانتا

کہ ہمارے خواجہ صاحب پنجاب ہی کے تھے اور ان کی زبان پنجابی تھی۔ تو ہمارے خواجہ صاحب کی زبان کی توہین کرتا ہے۔ وہ نادم ہوا اور معافی مانگی۔ اپنے پیشوا کا اس درجہ کا ادب تھا ؎

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی
بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی

ترجمہ شعر: ادب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ایک ایسا تاج ہے جسے سر پر سجا اور جہاں چاہتا ہے چلا جا۔

ارشاد: ایک روز فرمایا جس درویش کا بڑا کارخانہ یا لنگر وغیرہ ہو اس کا ظاہری لمبا چوڑا سامان دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیوے کہ یہ کامل مکمل ہے اور بلا سوچے سمجھے مرید نہ ہو جائے بلکہ خوب اچھی طرح کامل کی شناخت کر کے بیعت ہو۔ اور جب مرید ہو جاوے تو اس کی رضا میں ثابت قدم رہے۔ پیر کی رضا کو ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ وصلِ ذاتِ الٰہی جل شانہ پیر کی رضا پر منحصر ہے اوراد و وظائف پر نہیں۔ اگر پیشوا اعمال و وظائف پر خوش ہو تو اس طرح کرے اور اگر دنیا کے کاموں پر خوش ہو تو اس طرح بجا لائے۔ غرض ہر کام اور ہر بات میں پیشوا کی رضا کو مقدم رکھے۔ اس میں جلدی وصل ذاتِ الٰہی کا ہوتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

در رضائے قطب کوش
ہرچہ خواہی خورد نوش

ترجمہ شعر: اپنے پیشوا اور رہنما کی رضا حاصل کر اور پھر جو چاہے کھاتا پیتا رہ۔

اور جب ذکر و شغل کرتے کرتے فقیر کی روح میں طاقت آ جاتی ہے اور اس کو عالمِ قدس کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے تو پھر جتنا زیادہ ذکر کرے گا وہ فائدہ مند ہی ہوگا اور کسی طرح کا نقصان نہیں، پھر خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ذکر کرے اور جس قدر عمل و عبادت میں اسے ترقی نظر آوے وہی اختیار کرے۔ اس پر پھر یہ نقل ارشاد فرمائی۔ وھو ھذا۔

نقل ہے: ایک درویش تھے ان کا معمول تھا کہ مکان کا بیرونی دروازہ بند رکھتے اور یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ ایک مرید ان سے بہت ہی محبت رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ مزدوری کرتا اور اس کے پیسوں سے اپنے ان پیر کی ضروریات بہم پہنچاتا اور اپنا بھی گزارہ کرتا رہتا۔ اکثر اوقات اس پیر کو بوجہ سکرت اور استغراق کے مرید کے واسطے دروازہ کھولنے کی بھی ہوش نہ رہتی تو اس وقت اس کو جو

چیز دینی ہوتی بانس سے باندھ کر اندر لٹکا دیتا تا کہ پیر کو دروازہ کھولنے کی دقت نہ رہے۔ ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا، پیر کے ساتھ مرید کو بھی فیضان ہوتا رہا۔ ایک روز مرشد نے اپنے کپڑے دھونے کا حکم دیا تو اس نے دل میں سوچا کہ اگر کپڑے دھوؤں تو نہ صابون کے واسطے پاس پیسے ہیں نہ آج مزدوری ہو سکے گی۔ بڑی دیر تک سوچتا رہا اور پیر سے عرض کی کہ حضور دعا کریں، اور کچھ نہیں تو صابون کے واسطے تو اللہ تعالیٰ پیسے دے دیا کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم اپنے واسطے تو بالکل دعا نہیں کرتے، ہاں تیرے واسطے دعا کر دیتے ہیں۔ تجھ کو اللہ تعالیٰ اس قدر دنیا دے گا کہ ہم جیسے تیرے دروازے پر دھکے کھاویں گے۔ خیر وہ مرید گیا اور دن بھر مزدوری کر کے پیسے لئے اور کپڑے دھو کر مرشد کو دیئے، وہ بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح کچھ مدت پیشوا کی خدمت کر کے خوشنودی حاصل کرتا رہا۔ کرتے کرتے رحمتِ الٰہی ربوبیت کے ساتھ متوجہ ہوئی اور تکمیلِ نسبت ہو گئی۔ آخر پیشوا نے فرمایا کہ جاؤ تم لوگوں کو ہدایت کیا کرو اب ہماری خدمت کوئی اور کر لیوے گا۔ چنانچہ وہ مرید ہدایت کرنے لگ گیا۔ خوب ہدایت پھیلائی اور ساتھ ہی پیر کی خدمت بھی کرتا رہا۔ ایک روز یہ مرید چلا جا رہا تھا راستہ میں سامنے بادشاہ آ گیا اور فقیر کو دیکھتے ہی معتقد ہوا اور بیعت ہو گیا۔ اور اپنے اس پیر کے واسطے لنگر خانہ و مکانات وغیرہ بنوا دیئے، جاگیر دے دی اور دروازہ پر شاہی اردلی متعین کر دیئے تا کہ بلا اجازت کوئی اندر نہ آوے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان مرشد صاحب کو بھی خیال آیا کہ چلو اپنے اس خلیفہ کو دیکھیں۔ وہ آئے اور اپنے مرید کا گھر سمجھ کر بے دھڑک دروازے کے اندر داخل ہو گئے۔ اردلی نے جو دیکھا تو ان کو دھکا دے کر نکال دیا اور کہا کہا بڈھے تو بلا اجازت کیوں اندر چلا آتا ہے؟ اور بھی بہت کچھ سخت وسست کہا وہ بزرگ باہر گر پڑے۔ ادھر وہ مرید مراقبے میں بیٹھا تھا، اس کو مرشد کا فیضان محسوس ہوا معلوم ہوا کہ پیر آ گئے۔ وہ باہر نکلا تو پیر کو زمین پر گرے ہوئے پایا۔ دیکھ کر بے تحاشا ان کے قدموں پر گر پڑا اور قدم چومے، ان کو اٹھا کر بڑی قدر و عزت کے ساتھ اندر لایا اور معذرت کرنے لگا کہ حضور میرا یہ تمام گھر بار اور یہ سب کارخانہ حضور ہی کا ہے آپ ہی اس کو سنبھال لیویں، میرا تو کچھ بھی نہیں۔

مرشد صاحب نے فرمایا گھبرا نہیں، تسلی رکھ، ہم تجھ سے ناراض نہیں۔ مرید نے عرض کیا حضور میرا جی چاہتا ہے کہ اس اردلی کو موقوف کر دوں اور سزا دوں اس نے حضور کو ناحق دھکا دیا۔ تو انہوں

نے فرمایا اس کا کیا قصور ہے بلکہ اس کو انعام دینا چاہیے کیونکہ ہماری دعا قبول ہوئی اور اس طریقہ سے اس دعا کا ظہور ہوا ہے۔ اس حکایت کے بعد فرمایا وہ فقیر قطبِ وقت تھا اور مرید کو جو کچھ ملا صرف ان کی رضا سے ملا۔ جب تک پیشوا خدمت کراتا رہا خدمت کی۔ پھر جب ہدایت کرنے کا حکم دیا تو ہدایت میں مشغول ہو گیا۔ چونکہ وہ پیشوا کی اطاعت و رضا میں ثابت قدم رہا اس لئے اس کے سب کام درست ہو گئے۔

ارشاد: ایک روز فرمایا کہ بعد وفات پیر و مرشد حضرت خواجہ صاحب[1] علیہ الرحمۃ کے خلیفہ عالم شاہ صاحب سجادہ نشین ہوئے تھے لیکن عبداللہ شاہ باوجود پیر بھائی ہونے کے خلیفہ عالم شاہ صاحب کا بہت ادب کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی خدمت گزاری میں رہا کرتے تھے اور بجائے پیر و مرشد کے ان کو سمجھنے لگے تھے۔ ایک روز لوگوں نے خلیفہ صاحب سے کہا کہ عبداللہ شاہ آپ کا بڑا سچا اور مخلص دوست اور فرماں بردار ہے۔ اس وقت خلیفہ صاحب عبداللہ شاہ کے ساتھ جنگل کی طرف چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک پزاوہ[2] میں آگ لگی ہوئی خوب شعلہ زن تھی۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا عبداللہ شاہ تم ہماری بہت فرماں برداری کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا اچھا تو اس پزاوے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ حکم کے ساتھ ہی عبداللہ شاہ اس میں جا کھڑے ہوئے اور خلیفہ صاحب باہر جنگل کو چلے گئے۔ جب جنگل سے فارغ ہو کر کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد واپس آئے تو دیکھا کہ عبداللہ شاہ اسی پزاوے میں کھڑے ہیں اور آگ خوب دھک رہی ہے مگر ان کا کپڑا تک نہیں جلا۔ آخر ان کو بلایا تو وہ خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ بہت آوازیں دیں تو وہ کسی قدر باہر آئے اور پھر لوگوں نے انہیں ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا۔ پسینہ بدن پر تھا۔ خلیفہ صاحب نے پوچھا کہ کہو کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ جب میں اس پزاوہ میں داخل ہُوا تو مدینہ منورہ کی طرف خیال کر کے درود شریف پڑھنے لگا۔ وہاں سے ایک نور آیا اس کو میں نے چادر کی طرح اپنے تمام جسم پر لپیٹ لیا۔ چنانچہ آگ کی گرمی مجھے بالکل محسوس نہیں ہوئی۔ یہ پسینہ میرے بدن پر صرف اُس نور کی گرمی کا تھا۔ میاں عبداللہ شاہ صاحب بہت اچھے ذاکر و شاغل اور بزرگ درویش تھے۔ بعد وصال خلیفہ عالم شاہ صاحب اکثر ہمارے حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں رہا کرتے

---

1 حضرت خواجہ قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ
2 ۔جس میں اینٹیں یا مٹی کے برتن پکائے جاتے ہیں۔

تھے۔

ارشاد: ایک روز مجمع میں کسی شخص نے پوچھا کہ حضور مرید پیر سے بڑھ بھی جاتا ہے؟ فرمایا بعض مرید ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی سیر اتنی دور ہوتی ہے کہ پیر کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اس کی سیر کہاں تک ہے۔ چنانچہ خواجہ سری سقطی علیہ الرحمتہ سے کسی نے یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے فرمایا جنید میرے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ اب بھی ایسے ہیں مگر گو مرید پیر سے بڑھ جاتا ہے لیکن پیر پیر ہی رہتا ہے۔ وہی ادب و تعظیم اور مرتبہ پیر کا پھر بھی باقی رہتا ہے۔

چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اس کے پیر کا سیر تو چوتھے آسمان تک تھا اور خود اس کا سیر عرش سے بھی آگے تھا۔ مگر جب اس کا نزول ہوتا تو پیر کی جوتیوں کا بوسہ دے کر کہتا کہ اگر چہ میں عرش کے اوپر چلا گیا مگر طفیل انہی جوتیوں کا ہے۔ اور ایک بزرگ نے اس کا یہ حال دیکھ کر کہا کہ جب ہی تو بچا ہوا ہے کہ تو نے ادب کا لحاظ رکھا ورنہ گر گیا ہوتا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ آج کل تو پیر تک پہنچنا بھی مشکل ہے۔ اس پر فرمایا کہ اگر پیر پر پورا عقیدہ ہو تو اللہ تعالیٰ فضل بھی کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ نقل بیان فرمائی۔ وھو ہذا۔

نقل ہے: ایک شخص نے عہد کیا تھا کہ میں اس شخص کا مرید ہوں گا جو وضو کے واسطے پانی کا لوٹا اپنے گھر سے لاتا ہوگا اور جس کے لوٹے کی ٹونٹی کا منہ وضو کے وقت قبلہ کی طرف ہوگا۔ ایسے شخص کو ڈھونڈتا ہوا بغداد شریف پہنچا۔ وہاں ایک جولاہا تھا۔ لوگ اس کو مسجد کا لوٹا نہ دیتے تھے، وہ اپنا لوٹا گھر سے ہی ساتھ لاتا تھا اور اتفاق سے ٹونٹی کا منہ بھی قبلہ کی طرف تھا۔ اس شخص نے اپنے اسی عہد کی وجہ سے اس سے مرید ہونے کو کہا۔ ہر چند اس جولاہے نے انکار کیا مگر اس شخص نے ایک نہ مانی۔ آخر مجبور ہو کر کہا کہ بھئی میں تانی لگاتا ہوں تو ایندھن وغیرہ لے آیا کر۔ چنانچہ وہ ایک مدت تک لاتا رہا۔ ایک روز وہ ایندھن لئے آرہا تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لا رہے ہیں اور لوگ آپ کی زیارت کرتے اور آپ کے پاؤں کو بوسے دیتے ہیں۔ اس شخص نے دور سے دیکھتے ہی منہ پر کپڑا ڈالا۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''اے بندے اللہ کے! تو نے ہم میں کیا قصور دیکھا جو منہ پر کپڑا ڈال لیا۔'' اس نے عرض کیا کہ حضور آپ میں تو کوئی قصور نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ میرے پیر سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ اس خیال

سے منہ پر کپڑا ڈال لیا، ایسا نہ ہو کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑنے سے مجھے آپ کا عشق ہو جائے اور اپنے پیر کی محبت میرے دل سے کم ہو جائے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تیرا پیر کون ہے؟ اس نے اپنے پیر کا تمام قصہ اور نام ونشان سنا دیا۔ آپ کو اُس کی اس عقیدت پر رحم آ گیا اور سینے سے لگا کر توجہ دی اور اس کے تمام مقامات طے کرا دیئے۔ جب اس نے اپنا کچھ اور ہی رنگ دیکھا تو عرض کیا حضور مجھے بڑی شرم آئے گی، بڑی عنایت ہوگی اگر میرے پیر کو بھی کچھ حاصل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اچھا جا اسے بھی لے آ۔ چنانچہ وہ جا کر اس جولاہے کو بھی لے آیا۔ آپ نے اسی طرح اُس کے مقامات بھی طے کرا دیئے اور وہ دونوں پھر حضرت سے بیعت ہو گئے۔ یہ حکایت بیان کر کے فرمایا جس کو ایسی عقیدت ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل بھی اسی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا وہ زمانہ وہی تھا۔ آج کل اس زمانے کی ریس نہ کرنی چاہیئے بلکہ اس زمانے میں اچھی طرح دیکھ بھال کر مرید ہونا چاہیئے کیونکہ اس زمانے میں عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں اور آج کل عمریں بہت کم ہیں اور یہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ آجکل عمریں اور ہمتیں دونوں کم ہیں۔ عقیدہ تو درکنار اس وقت میں کرامتیں دیکھ کر بھی انکار ہی کرتے ہیں۔ اور جب پیر کامل مل جائے تو اس کا پروانہ ہو جانا چاہیئے۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ فقیری کا انحصار بھوکا رہنے پر نہیں بلکہ یہ فضلِ خدا ہے جس پر ہو جائے۔ اور سب سے زیادہ بات یہ ہے کہ اپنے پیر کی اطاعت وفرماں برداری سچے دل سے کرے۔ مرید ہمیشہ پیر کی رضا میں راضی رہے۔ جس قدر پیر کی رضا جوئی کرے گا اسی قدر فیضان میں ترقی ہوتی رہے گی۔ حضرت میاں امام علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ رتڑ چھتر والے فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو پہلے سے معلوم نہ ہوا کہ بھوکا مرنے پر فقیری کا مدار نہیں بلکہ اُس کے فضل پر ہے ورنہ ہم خوب کھاتے پیتے۔ اب خبر لگی جبکہ ہم ضعیف ہو گئے اور اب کسی چیز کا مزہ نہیں رہا۔ مدت سے جو کم کھانے کی عادت ہو گئی تھی وہ عادت پختہ ہو گئی۔

عقیدتِ پیر کی مزید توضیح کے واسطے ہم کتاب کشف المحجوب سے حکایت ذیل نقل کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جاوے کہ اس مقبولِ بارگاہِ صمدیت امّی کا مسلک بعینہٖ متقدمین اولیاء اللہ کا مسلک تھا۔ وھو ھذا۔ (مؤلف)

حکایت: شیخ عبداللہ رود باری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے گھر میں آئے، وہ حاضر نہ تھا۔ آپ نے فرمایا اُس کے گھر کا اسباب فروخت کر دو۔ جب مرید گھر میں آیا تو وہ اس امر سے بہت خوش ہوا اور چپ رہا اور جب اس کی عورت آئی اور اس نے وہ حال دیکھا تو اپنا جامہ اتار کر پھینک دیا کہ یہ بھی گھر کے اسباب سے ہے۔ خاوند نے اس کو پکار کر کہا یہ تکلف ہے جو تو نے کیا۔ عورت نے کہا کہ اے مردِ حق وہی تھا جو شیخ نے کیا، چاہیئے کہ میں تکلف کروں تا کہ ہماری موجودگی[1] ظاہر ہو۔ مرد نے کہا درست ہے جب ہم نے شیخ کو اپنا پیر تسلیم کیا تو وہ ہم سے عین جود ہے اور آدمی کی صفتِ جود تکلف کرنا ہے۔ ہمیشہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے نفس اور مِلک کو خداوندِ بزرگ اور بلند کے حکم کی موافقت میں مبذول[2] رکھے۔ اور یہی مراد ہے جو عبداللہ کے بیٹے سہیل نے کہا ہے:۔ الصُّوفِیُ دَمُہ، ھَدَرٌ وَّمِلْکُہ، مُبَاح یعنی صوفی کا خون خدا تعالیٰ کے راستے اور رضائے الٰہی کے کاموں میں معاف اور ملکِ مباح ہوتا ہے۔

---

[1] سخاوت۔ [2] استعمال کرے

فصل چہارم

محبت وزیارتِ رُسول ومسئلہ حیاتُ النبی ﷺ

ارشاد: ایک روز میں اور سائیں محمد علی شاہ مرحوم حاضرِ خدمت مبارک تھے، آپ باہر والے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضور کے پاؤں شرق کی جانب تھے اور سر مبارک غرب کی طرف تھا۔ ہم دونوں پاس بیٹھے ہوئے پنکھا جھل رہے تھے۔ میں نے حضور کے بدن مبارک کی طرف غور جو کیا تو نظر آیا کہ آپ کو سانس مطلق نہیں آتا۔ تقریباً دس یا پندرہ منٹ تک یہی حال رہا۔ میں نے پریشان ہوکر سائیں محمد علی شاہ سے کہا کہ دیکھو تو حضرت کو سانس نہیں آتا۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ حضور جاگ اٹھے اور آنکھ کھول کر فرمایا کہ کیا باتیں کر رہے ہو؟ میں نے وہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں، ہم مدینہ شریف گئے ہوئے تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید آپ خواب میں مدینہ شریف تشریف لے گئے ہوں گے۔ حضرت علیہ الرحمتہ نے نورِ باطن سے میرے اس خطرہ پر آگاہ ہوکر فرمایا مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے اب بھی موجود ہیں جو نظر اٹھانے میں مدینہ شریف پہنچ جاتے ہیں اور نظر نیچی کرنے میں یہاں واپس آجاتے ہیں۔ آپ کے اس اشارہ کے ساتھ نظر اٹھانے اور نیچی کرنے میں مجھ پر اور محمد علی شاہ پر ایسی حالت وارد ہوئی کہ ہم دونوں کو فوراً مدینہ شریف کی سیر شروع ہوگئی۔

نقل ہے کہ ایک روز حضور علیہ الرحمتہ نے مولویوں کی دعوت کی اور نہایت عمدہ نفیس کھانے پکوا کر کھلائے۔ کیونکہ آنجناب کی عادت مبارک تھی اور حکم تھا کہ جب خدا کے واسطے کھانا کھلایا جائے تو عمدہ سے عمدہ کھانا کھلانا چاہیئے تا کہ خدائے تعالیٰ کے حضور میں تحفہ کے قابل ہو سکے۔ اس دعوت میں تمام مولوی صاحب ہی تھے اور میں بھی شامل تھا۔ حضور کے دوسرے درویش باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس کی کیا وجہ کہ خصوصیت کے ساتھ مولویوں کی ہی ضیافت کی گئی اور دوسرے درویشوں کو اس میں شریک نہ کیا گیا۔ کتنے دن کے بعد ایک روز میں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضور نے بالخصوص مولویوں کی ضیافت کی۔ فرمایا ہمیں رسول اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا کبھی ہمیں بھی کھانا کھلا دیا کرو۔

ہم نے خیال کیا کہ آنحضرت ﷺ کو کس طرح کھلایا جائے تو اس مسئلہ پر نظر جا پڑی کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضورِ انور ﷺ اُن کا حصہ ان کی ہمشیرہ کو، جن سے وہ بہت ہی خوش تھیں، دیا کرتے تو ہم نے خیال کیا کہ جس پر آپ خوش ہیں اسی کو دعوت کھلانی چاہیئے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے جانشین اور آپ کا کام انجام دینے والے علماء ہیں اس واسطے ہم نے آپ کی دعوت علماء کو کھلائی اور رسول اللہ ﷺ کی فاتحہ کہلا دی اور یہ سمجھا کہ ان کو کھلانا خاص رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو کھلانا ہے۔ اور پہنچ تو یوں بھی جاتا اگر ہم دوسروں کو کھلا دیتے مگر اس میں ہم نے زیادہ مصلحت یہ سمجھی کہ اس گروہ سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پیار ہے تو انہیں کو کھلانا چاہیئے تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں۔ (یعنی آپ نے اس حدیث پر خیال کیا تھا اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ یعنی عالم لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔) مؤلف

ارشاد: ایک روز حضرت علیہ الرحمتہ کے پاس کسی جگہ سے بہت سے پان آئے۔ آپ نے لانے والے کو فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب کو دے دو۔ وہ میرے پاس لے آیا۔ میں نے وہ پان لے لئے اور حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ حضور آپ یہ پان نہیں کھاتے؟ فرمایا ہم پہلے پان وتمبا کو بکثرت کھایا کرتے تھے۔ ایک روز ہم نے درود شریف بہت پڑھا اور شب کو عالمِ رویا میں دیکھا کہ ایک عجیب باغ ہے اور اس میں ایک پختہ اور نہایت عمدہ چبوترہ پر حضرت رسولِ اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ میں نے قدم بوسی حاصل کی اور مجھے حضورِ انور ﷺ نے سینہ مبارک سے لگا لیا مگر منہ مبارک میری طرف سے موڑ کر دوسری طرف کر لیا۔ میں ڈر گیا اور بڑی عاجزی سے عرض کیا کہ حضور! مجھ سے کیا قصور ہوا؟ فرمایا کہ قصور تو کچھ نہیں ہوا صرف تمہارے منہ سے تمبا کو کی بدبو آتی ہے۔ اس روز سے ہم نے پان وتمبا کو سب چھوڑ دیا اور نفرت ہو گئی۔

نقل ہے کہ ایک روز کوئی مولوی صاحب وعظ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تنگی وفاقہ کا مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا اور کہا کہ ایک روز بہت تنگی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی بار آدمیوں کو حکم دیا کہ دیکھو تو کوئی کچھ لایا ہے؟ لوگ دیکھ دیکھ کر کہتے رہے کہ کوئی نہیں آیا۔ حضور علیہ الرحمتہ نے بھی اس کا یہ بیان سنا۔ اس مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ حضور رسولِ اکرم ﷺ کا تم نے جو ایسا اضطراب بیان کیا ہے یہ اس طرح نہیں تھا۔ اس نے کہا میں نے تو کتابوں میں اسی طرح دیکھا

ہے۔ فرمایا کہ بار بار آدمیوں سے فرماتے کہ دیکھو کوئی کچھ لایا ہے، یہ وجہ تھی کہ حضور ﷺ کے پاس وحی آئی تھی کہ آپ کے پاس کوئی شخص تحفہ لائے گا، حضور کو اس کا انتظار تھا۔ ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ تھے ان کو بندوں کی طرف متوجہ ہونے کی کیا ضرورت تھی اور نبی علیہ السلام کبھی تنگ نہیں ہوا کرتے۔ ان کے ایسے حالات مجمع عام میں اس طرح نہیں سنایا کرتے کیونکہ جو سنے گا اس کے دل میں طرح طرح کے خطرات و وساوس[1] آئیں گے اور اس صورت میں اندیشہ ہے کہ شاید کسی کے دل میں کوئی ایسا وسوسہ آئے جس میں اس کے ایمان کا خطرہ ہو۔ حضرت رسولِ اکرم ﷺ تنگ نہیں تھے۔ آپ نے کئی ہزار بکریاں خیرات فرمائیں، بہت سے اونٹ خیرات کئے، یہ بھی تو ذکر کیا ہوتا۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک تھے، وہ تنگ نہیں تھے۔ مگر حضور ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جو کچھ حضور ﷺ کے پاس آتا اس میں سے اپنے اہل بیت کا حصہ دے کر، اور باقی سب مستحقین کے حصے تقسیم فرما کر، جو اپنا حصہ ہوتا وہ مسکینوں محتاجوں کو اللہ کے واسطے دے دیا کرتے تھے اور کچھ نہ رکھتے تھے۔ ایسی تنگی و تکالیف کو ہر وقت نہ بیان کرنا چاہیے۔

یہ میرے مشاہدہ کی بات ہے کہ ایک مجذوب حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور آج رات رسول اللہ ﷺ اور چاروں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے ہاں تشریف لائے تھے۔ اور جب سیّد المرسلین ﷺ واپس تشریف لے جا رہے تھے تو میں نے عرض کیا۔ حضور میرا حصہ؟ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے آپ کا نام مبارک لے کر فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ کھانا کھاؤ اور وہیں تیرا حصہ ہے اور اب ہم وہیں سے آ رہے ہیں۔ اگر وہ رات والی بات درست ہے تو مجھ کو کھانا کھلا دیں۔ چونکہ وہ مجذوب کریہہ المنظر[2] تھا میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کچھ کہنے کا ارادہ کیا۔ فرمایا ہوں ہوں، کبھی عام لوگوں کے لباس میں خاص لوگ بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے اس کو کھانا کھلا کر کچھ فکر کیا ہی تھا کہ وہ بولا، بس حضرت جی میرا کام ہو گیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک کہتا تھا۔ رات بیشک رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے۔

1۔ وسوسہ کی جمع۔ 2۔ بدصورت

مسئلہ حیاتُ النبی ﷺ

ارشاد: ایک روز حیات وموت کے مسئلہ میں گفتگو ہو رہی تھی ۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی نسبت عام مسئلہ ہے کہ حضور حیات ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضورانور ﷺ کا وصال ہوا اور مدینہ منوّرہ میں مدفون ہیں ۔ اگر حضور ﷺ واقعی حیات النبی ہیں تو اس حیات کے کیا معنی ہیں؟ حضور علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ بے شک حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حیات النبی ہیں ۔ حیات کے یہ معنی ہیں کہ جیسے تصرفات واختیارات حضرت نبی اکرم ﷺ سے بوقتِ حیات بدن مبارک سے جاری تھے وہ اب روح مبارک سے بھی بدستور جاری ہیں ۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ہم مدینہ منورہ پہنچے ۔ حضورِ انور ﷺ گھوڑے پر سوار روضہِ منورہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے کپڑے مجھے دے کر اپنے گھوڑے کے آگے کرلیا ۔ میں بتلاتا ہوا کہ یہ حضور کا عاشق ہے، یہاں حضور کے دین کی بڑی ترقی ہوئی ، ساتھ ساتھ چلا آیا ۔ حتیٰ کہ حضور پرنور ﷺ سرہند شریف تشریف لائے ۔ میں نے کہا کہ حضور اس جگہ پر آپ کے دین کی بڑی طاقت ہوئی ہے یہاں حضور کی حدیث شریف اور قرآن مجید پڑھایا گیا ہے ۔ پھر جو خیال کیا تو دیکھا کہ حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ شریف کی جگہ بہت ہی خوبصورت ایک بارہ دری بنی ہوئی ہے ۔ آنحضرت ﷺ گھوڑے سے نیچے اترے اور گھوڑا مجھے پکڑا کر اس بارہ دری میں تشریف لے گئے ۔ بڑی دیر تک اندر رہے، نہیں معلوم کیا اسرار کی باتیں باہم کیں ۔ پھر باہر تشریف لائے اور سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف چلے ۔ میں مدینہ منورہ تک حضور ﷺ کے ساتھ رہا ۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ اور جس ملک میں ضرورت ہوتی ہے حضورانور ﷺ وہاں روحی پرورش فرماتے ہیں ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص دل سے ہم پر درود بھیجتا ہے اس کو ہم کانوں سے سنتے ہیں ورنہ فرشتے لاکر ہمارے حضور میں پیش کرتے ہیں ۔ اور حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جمعرات کی رات کو تمام اُمت کے درود اور اعمال حضرت رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش ہوتے ہیں ۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ رات کوئی شخص سونے لگا تو کچھ خیال اس کو نہیں تھا

اور صبح جب اٹھا تو محبت رسولِ کریم ﷺ کی بے حد اس کے دل میں موجزن ہوئی اور دین وسنّت کی پیروی کو دل چاہنے لگا۔ یہ تمام روحی پرورش کے طریقے ہیں اور اس طرح سے روحِ مبارک رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنی اُمت کی پرورش فرماتی اور حیات النبی ﷺ کی صداقت کرتی ہے۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک سے نور کی نہریں مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ہر وقت جاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں مجدد اور اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور علماءِ اُمت حدیث وقرآن کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ سب آپ کی روحی تربیت کا نتیجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شان تو بہت ہی اعلیٰ ہے۔ آپ کی اُمت کے تمام اولیاء اللہ بھی زندہ ہیں۔ اُن کی قبور اور ارواح سے قبروں میں فیض جاری ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیّٖن ہیں۔ اور وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں تو اُس سے یہ مطلب ہے کہ حضور پُر نور ﷺ کا دین قیامت تک جاری رہے گا اور آپ کے دین اور قیامت کے درمیان اور کوئی دینِ حق پیدا نہ ہوگا۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر حقیقتِ محمدیہ ﷺ وارد ہوتی تھی جس کے سبب سے ان کی نبوت اور ارشاد و ہدایت کا ظہور ہوتا تھا۔ اور جب ان کا وصال ہو جاتا تھا تو اس حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا تعلق اُن کے بدن سے ٹوٹ جاتا تھا اور اس وجہ سے ان کے دین کو اُن کے وصال کے بعد اُن کی امتیں ہی بدل دیتی تھیں۔ اور چونکہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا تعلق جس طرح ذاتِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حیات میں تھا بعینہٖ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دین کو کوئی نہیں بدل سکتا اور جس طرح حضور پر نور ﷺ کی حیات میں آپ کے تصرفات جاری تھے ویسے ہی اب جاری ہیں اور یہی معنے ہیں حیات النبی ﷺ ہونے کے۔ اسی وجہ سے غوث، ابدال، قطب، اوتاد وغیرہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں ہوتے ہیں اور اب کسی دوسری اُمت میں نہیں ہوتے کیونکہ ان سب کا تعلق اسی حقیقت محمدیہ ﷺ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور پرورش روحِ رسول اللہ ﷺ سے ان کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے بھی بہ طفیل حضرت رسول اللہ ﷺ وہی تصرفات جاری ہو جاتے ہیں۔ اور سوائے اسلام کے باقی دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں میں سے اولیاء اللہ، غوث، قطب وغیرہ

کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اب یہ تمام مناصب صرف اسلام ہی میں ہیں اور یہ سب حیاتِ رسول کریم علیہ السلام کی برکت کے طفیل ہے۔

فصل پنجم

تصوّر وصُحبتِ شَیخ

ارشاد: ایک روز تصورِ شیخ کا تذکرہ تھا۔ کسی نے کہا کہ تصورِ شیخ کو علماء نے شرک لکھا ہے۔ حضرت علیہ الرحمتہ فرمانے لگے کہ پتھر کا بت ہو یا تصویر وغیرہ وہ سب مصنوع انسان ہیں ان کا تصور کرنا عین شرک اور بے حاصل ہے۔ مگر مرشد خاص خداوند تعالیٰ کی صنعت ہے اس کا تصور شرک نہیں ہوسکتا کیونکہ ذاتِ احدیّت کی تجلّی اس پر ہر وقت وارد ہوتی رہتی ہے۔ اور اس تصور کا خیال اسی طرح ہونا چاہیئے کہ مرشد پر فیضان ذاتِ احدیت سے آرہا ہے اور میرا قلب پیشوا کے قلب سے ملا ہوا ہے اور پیشوا کے قلب سے مثل پرنالے کے میرے دل میں فیضان آتا ہے۔ اور اس طریقہ سے فیض کی کشش کرے تو اس جذب سے کبھی مرشد کی صورت تمام بدن پر برقعہ کی طرح حلقہ کئے ہوئے ہوتی ہے اور کبھی عین بدن کے اندر معلوم ہوتی ہے۔ بدن کے اوپر کا برقعہ جیسا احاطہ اچھا ہے مگر عین بدن کے اندر جو صورت کا تصور ہو وہ بہت ہی بہتر اور عمدہ ہوتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کُتا یا گدھا وغیرہ نمک کی کان میں گر کر پاک ہو جاتا ہے اور حرمت اس کی باقی نہیں رہتی حالانکہ یہ جانور قطعی حرام ہیں۔

ایسا ہی جو شخص مرشد کی صورت میں اس طرح فنا ہو جائے وہ بھی پاک ہو جاتا ہے، باہر سے ہو تب بھی، اندر سے ہو تب بھی پاک کرنے میں دونوں تصور برابر ہیں۔ لیکن بدن کے اندر جو پیشوا کی صورت کا تصور ہو اس سے مرید پیشوا کے کمالات کو جذب کرتا کرتا پیشوا کی ذات میں فانی ہو کر باطن میں تو تھا ہی اس طریقہ سے ظاہر میں بھی مرشد کی صورت بن جاتا ہے۔ اور یہ تصور بہت ہی سریع الاثر[1] ہے اور یہ فضلِ خدا سے ہوتا ہے اپنے آپ نہیں ہوسکتا۔ مگر اس کا طریق یہ ہے کہ جو وظائف مرشد فرمائے اُس کو قطع نہ کرے بلا ناغہ ہمیشہ کرتا رہے۔ وظائف کی کثرت مرید کو مرشد کی صورت میں فنا کر دیتی ہے اور اِن وظائف کی کثرت سے مرشد کے لطیفہ کا نور مرید میں برقعہ کی صورت باہر یا اندر جاتا ہے۔ عین صورت مرشد کی تو مرشد کے پاس ہی رہتی ہے لیکن مرشد کے

---

[1] جلدی اثر کرنے والا

لطائف کا نور مرشد کی شکل بن کر مریدوں کی پرورش کرتا رہتا ہے اور جس مقام میں مرید ہو پیشوا کے اسی مقام کا لطیفہ مرشد کی شکل اختیار کر کے مرید کی تربیت کرتا رہتا ہے۔

کسی نے عرض کی کہ حضور اکثر مرشد مریدوں کو خواب میں آ کر ہدایت کرتے ہیں یا توجہ وغیرہ دیتے ہیں، اس کا علم مرشد کو بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ فرمایا کبھی مرشد کو علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر مرشد کا ارادہ ہوتا ہے تب تو علم ہوتا ہے ورنہ مرشد کا لطیفہ خود مرشد کی صورت اختیار کر کے مرید کے لطائف وغیرہ کو توجہ یا ہدایت کئے جاتا ہے اور مرشد کو علم بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کسی نے درخت لگایا اور وہ پرورش ہو گیا اب وہ درخت لوگوں کو اپنا پھل وغیرہ آپ ہی دیئے جاتا ہے، لگانے والے کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مگر اس میں اتنا ضرور ہے کہ مرشد کے ساتھ محبت کا واسطہ قائم ہو۔ اگر محبت کا واسطہ نہ ہو تو یہ بات نہیں رہتی پھر مرید گر جاتا ہے، لیکن اگر محبت ہے اور مرید گر گیا تو مرشدِ کامل اس کو سنبھال لیتا ہے اور پھر اوپر چڑھا دیتا ہے۔ لیکن مرشد کو بھی اپنے وظائف اور عبادت کی پابندی لازمی ہے۔ اگر مرشد اپنے وظائف و معمول چھوڑ دے تو مرید پر اس کا ضرور اثر پڑ جاتا ہے اور ان سے بھی معمول چھوٹ جاتے ہیں۔ اس واسطے مرشدوں کو اپنے معمول ضرور کرنے چاہئیں تا کہ مریدوں سے بھی نہ چھوٹیں۔

اسی اثناء میں ایک فقیر حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں آیا بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ آپ نے محبت سے فرمایا اس کو کھانا کھلا دو جب وہ کھانا کھانے چلا گیا تو فرمایا کہ اس کے بہت سے مرید ہیں۔ ان میں ہائے ہُو، جوش وخروش اور وجد وغیرہ بہت کچھ ہوتا تھا اور بہت تڑپتے تھے۔ چونکہ یہ خود کامل ہی نہ تھا اور پھر معمول چھوڑ بیٹھا اس واسطے اِس کے مریدوں سے بھی معمول چھوٹ گئے اور کام ٹھنڈا پڑ گیا۔ اگر یہ کامل ہوتا تو اس کے معمول بھی نہ چھوٹتے اور مریدوں کو ترقی ہوتی رہتی۔ پھر فرمایا پہلے فقیر آپ کامل ہو جائے اور پیشوا کی اجازت ہو تو تب نام بتلانا شروع کرے پھر اللہ تعالیٰ فضل کرتا ہے۔

(ایسا ہی ایک دفعہ خاص میرے ساتھ ہوا کہ میں نے ایک روز تہجد کی نماز نہ پڑھی۔ صبح کو میرا ایک درویش کہنے لگا کہ حضرت رات شاید جناب سے بوجہ تکان کے تہجد نہیں پڑھی گئی۔ میں نے پوچھا کہ تجھ کو کیونکر معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ آج میرے سے تہجد نہیں پڑھی گئی۔ مؤلف)

ارشاد: ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور فنا فی الشیخ کس قدر فائدہ دیتا ہے؟ تو فرمایا، دوہڑہ

پیر نگر نوں جا کے نبی نگر نوں جا
نبی نگر میں بیٹھ کے درشن یار کا پا

ترجمہ: پیر تک پہنچ کر، نبی ﷺ تک پہنچ۔ اور پھر نبی ﷺ کے ذریعے دیدارِ الٰہی کے مزے لوٹ۔

اور ارشاد کیا کہ جلدی فائدہ تو یہی دیتا ہے اور یہ بہت آسان اور جلدی واصل ہونے کا طریقہ ہے کیونکہ جب پیشوا کا تصور پختہ ہو جاوے گا تو کمالات اور تجلّیات جو پیشوا پر بالاصالتہ[1] وارد ہیں وہ بوجہ اس کی محبت کے بالطبیعت اس پر بھی وارد ہوں گی۔ اور جب یہ بات ہوئی تو پیشوا کے سایہ میں ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی ترقی ہوتی رہے گی۔

پھر فرمایا تصور ہر چیز کا اُس چیز کے اصل کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ پس جب تصور اچھی طرح سے پختہ ہو جاتا ہے تو پیشوا کے سینے سے حذفِ کمالات[2] کرنے لگتا ہے۔ اور تصور کی اصل یہ ہے کہ تصور کو یہاں تک پکائے کہ تمام حرکات و سکنات، نشست و برخاست، غرض ہر فعل میں پیشوا کی ادائیں آ جاویں اور آخرکار پیشوا کی صورت کا مشابہ ہو جائے۔ روحانی اور جسمانی طور پر اسی سے پھر آگے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

ارشاد: میں اکثر حضرت شاہ لکھی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر بیٹھ کر فیض لیا کرتا تھا۔ ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ تم ہماری توجہ میں بیٹھا کرو، وصل کے واسطے یہ بہت اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اس کی کیا وجہ ہے؟ وہاں سے بھی تو فیض ہوتا ہے۔ فرمایا کہ وہاں ہوتا ہے مگر نہ اس قدر کہ جتنا زندہ سے ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ فوت شدہ اولیاء اللہ میں نفس نہیں ہوتا اس واسطے فیض لینے والے کو اپنی طاقت سے کھینچ کر فیض لینا پڑتا ہے۔ اور صاحبِ ارشاد کی صحبت میں بہت فائدہ ہے کیونکہ اس میں نفس ہے اور اس نفس کی عجیب خاصیت ہے۔ جب یہ برائی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا ویسے ہی جب یہ قابو میں آ جائے اور مطمئن ہو جائے تو کام بھی بڑے اچھے کرتا ہے۔ جب یہ نفس منور اور پورا مطیع ہو جاتا ہے تو کسی وقت ایسا پیچ

---

[1] بہ نفسِ نفیس۔ [2] حذف بنا دینا یا بدل دینا۔ یعنی اپنے احوال کو پیشوا کے کمالات سے بدل دینا

لگا تا ہے کہ برسوں کی محنت سے بوجہ محبت کے ایک دم میں مرید کو چھڑا دیتا ہے اور مرید کو اعلیٰ رتبہ پر چڑھا دیتا ہے۔ یہ توجہ لینا بہت ہی قریب راستہ وصل کا ہے۔ اس سے اور کوئی قریب زیادہ نہیں۔ نفس سیدھا ہوا ہوا بڑے عمدہ کام کرتا ہے۔ فوت شدہ اولیاء اللہ کی قبر سے ابتدا میں فیض لینا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ پہلے چاہیئے کہ زندہ صاحبِ ارشاد سے بیعت ہو کر فیض لینے کی انکل سیکھے پھر اگر قبور سے فیض لے تو ترقی ہو سکتی ہے۔ ورنہ دیکھ لو قبور پر جو مجاور بیٹھے رہتے ہیں کسی کو فیض کی خبر ہی نہیں اور سب سے زیادہ ان کو ہی فیض ہونا چاہیے تھا کیونکہ ہر وقت یہ اُن کے پاس رہتے ہیں۔ اور زندہ اولیاء اللہ کے پاس اگر یونہی بیٹھ جاؤ چاہے متوجہ بھی نہ ہو، نہ فیض کھینچو تاہم بلا ارادہ فیض پڑتا رہتا ہے۔ اِن کی صحبت اور قبور میں بڑا فرق ہے۔ ہاں اولیاء اللہ کی قبر پر قبولیتِ دعا بہت جلد ہوتی ہے۔ اور اگر صاحبِ ارشاد سے بیعت ہو کر فیضان حاصل کرنے کی ترکیب سیکھ کر پھر قبورِ اولیاء اللہ سے فیض لے تو پھر سبحان اللہ بہت جلدی ترقی کر سکتا ہے۔

پھر تصرفاتِ قبور کے متعلق فرمانے لگے کہ ایک شخص بہت تنگ دست تھا وہ کسی اولیاء اللہ کی قبر پر جھاڑو دینے لگا اور ترقی رزق کے واسطے دعا کیا کرتا تھا۔ جب قبر کا کوڑا کرکٹ باہر ڈالا کرتا تو اس میں سے روپیہ یا آٹھ آنے اس کو مل جایا کرتے۔ قبور سے اکثر ایسا ہو جایا کرتا ہے کیونکہ وہ بھی زندہ ہی ہوتے ہیں مگر نفس والے اولیاء اللہ کی طرح زندہ نہیں ہوتے۔ کیا وجہ کہ قبور میں اولیاء اللہ کو ہر وقت وصل ذاتِ الٰہی کا ہوتا رہتا ہے۔ اس طرف ارشاد کی متوجگی کم ہوتی ہے۔ اور جو زندہ صاحبِ ارشاد ہیں اُن کو ارشاد کی طرف زیادہ متوجگی ہوتی ہے اس واسطے کہ اُن کو یہ خدمت سپرد ہے۔ باقی اور تصرفات قبور اولیاء اللہ سے دل سے بہت جاری ہوتے رہتے ہیں۔

فصل ششم

اخلاص، استقامت، وجد وحال

ارشاد: ایک روز فرمانے لگے کہ فقر و درویشی کو بیچنا نہیں چاہیئے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور وہ کس طرح؟ فرمایا کہ بزرگوں اور اپنے پیشواؤں کے نام لے کر لوگوں سے مانگنا اور یہ ظاہر کرنا کہ میں فقیر ہوں مجھے کچھ دو، یہی فقر کا بیچنا کہلاتا ہے۔ اس پر یہ نقل بیان فرمائی۔ وھو ھذا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کسی باغ میں تشریف لے گئے اور باغبان سے کہا کہ یہ جوتی لے کر ہم کو انگور دے دے۔ وہ جوتی ٹوٹی ہوئی بوسیدہ تھی۔ اس نے کہا کہ یہ کسی کام کی نہیں اِس کے عوض انگور نہیں ملتے۔ آپ تشریف لے گئے۔ بعد ان کے تشریف لے جانے کے لوگوں کی زبانی اس کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ بہت سے انگور لے کر دوڑا اور کہا کہ حضور مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ آپ سلطان ابراہیم ہیں جنہوں نے سلطنت چھوڑ کر فقیری حاصل کی ہے۔ میری کیا مجال جو آپ جیسے بزرگوں کے سامنے انکار کروں، یہ لیجئے حاضر ہیں۔ تو آنجناب نے فرمایا کہ اب ہم اِس فقیری کو بیچتے نہیں، اس کو بڑی مشکل سے سلطنت کے عوض لیا ہے، ایسی سستی قیمت پر ہم سے یہ اتنی بڑی نعمت نہیں بیچی جاتی۔ ہماری فقیری کی بڑی قیمت ہے، تیرے انگوروں کا مول ہمارے نزدیک وہ جوتی ہی تھی۔ جب تو نے وہ نہ لی تو اب فقیری دے کر ہم سے یہ انگور نہیں لئے جاتے اور آخر وہ انگور نہ لئے۔

اس پر فرمایا کہ توکل والے فقیر کو نہ زبان سے سوال کرنا چاہیئے اور نہ سوال کی صورت بنانی چاہیئے۔ اور سوال کی صورت بنانی یوں ہوتی ہے کہ کہیں سے کپڑا اپھاڑ لیا، کہیں جوتی ٹوٹی ہوئی پہن لی اور صورت شکستہ بنالی تاکہ لوگ محتاج سمجھ کر کچھ دیں، یہ سب توکل کے خلاف ہے۔ اور فقیری نہ بیچے بلکہ اپنے آپ کو چھپائے رکھے تاکہ کسی پر فقیر کا راز ظاہر نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اپنی تنگی کو چھپا کر گھر میں بیٹھ رہے اور اس پر رات کو قسمت کا فاقہ گزر جائے اور کسی سے سوال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ سال بھر کی روزی اس کی کھول دیتا ہے۔ بے فکر اور بغیر کسی کام کے اللہ تعالیٰ اس

کو روزی پہنچا دیتا ہے۔ (یہ حدیث حصن حصین میں ہے۔ مؤلف)

ارشاد: ایک روز کسی نے حضور علیہ الرحمتہ سے دریافت کیا کہ حضور نماز میں اخلاص کیا چیز ہے؟ اِس پر ارشاد ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اخلاص کے معنے یہ ہیں کہ نماز میں یہ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو اتنا ضرور خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ حضور یہ بات، کس طرح میسر ہوتی ہے؟ فرمایا یہ بات اللہ تعالیٰ کی حضوری سے میسر ہوتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حضوری ہوگی اور یہ خیال پک جائے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ہیبت دل میں وارد ہوگی اور اسی ہیبت کا نتیجہ ہے خشوع اور خضوع۔ خشوع اور خضوع کے یہ معنی ہیں کہ بندہ اپنے مولا کو اس طرح سجدہ کرے جیسے کوئی مجرم عاجز و لاچار ہو کر اور اپنی عزت و شوکت اور شخصیت و وجاہت کو ہیچ اور لاشے سمجھ کر اپنے آقا کے پاؤں پر گرتا ہے اور نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ اپنے جرم معاف کراتا ہے۔ اسی طرح بندہ اپنے مولائے حقیقی کے سامنے سجدہ کرے اور اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم و پشیمان ہو کر معافی کا خواستگار ہو۔ جب اِس طرح کا خشوع اور ایسی حضوری میسر ہو جائے گی تو نماز میں اخلاص خود بخود متحقق ہو جائے گا۔ اور اصل ان سب باتوں کی یہ ہے کہ ارکانِ اسلام میں سے جو پہلا رکن ہے یعنی کلمہ طیبہ اگر اسی کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق یعنی جس طرح کہ رسولِ کریم ﷺ نے غارِ حرا میں چھ سال تک اسی کو پڑھا اور پکایا تھا اسی طرح پکایا جائے تو ایک اسی کلمہ شریف کے پک جانے سے از فرش تا عرش کشف ہو جائے گا اور اس کی حقیقت بندہ کے سینے میں وارد ہو کر ڈیرہ ڈال دیوے گی اور اپنا گھر بنالے گی۔ اِس کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن شریف کی تلاوت، کلمہ شریف و درود شریف غرض بندہ جو عبادت و طاعت بجالاوے گا اور جو کلام پڑھے گا، اُس کی حقیقت بندہ کے دل میں وارد ہو کر خود بخود حضوری پیدا کر دے گی۔ اور جب ہر کلام اور عبادت و طاعت کی حقیقت مثلاً نماز کی حقیقت، قرآن شریف کی حقیقت وغیرہ وغیرہ وارد ہونے لگیں گے تو چونکہ یہ حقیقتیں حقائقِ الٰہیہ میں سے ہیں تو جس قدر یہ حقیقتیں زیادہ وارد ہوں گی اسی قدر قربِ الٰہی زیادہ ہوگا اور تجلّیاتِ ذاتیہ کا ورود شروع ہو جائے گا اور ان تجلیات میں سیر ہونے لگے گی۔ پھر بندہ خیال کرے یا نہ کرے، جب نماز پڑھنے کھڑا ہوگا یا کوئی اور عبادت و طاعت کرے گا یا کوئی کلام پڑھے گا

تو ساتھ ہی اُس کی حقیقت وارد ہو جائے گی اور تجلّیات میں سیر ہوگی۔ پھر خود بخود حضوری اور خشوع وخضوع حاصل ہو جائے گا۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر اخلاص بھی بغیر کسی تکلف کے خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ آدمی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اس طرح رشتۂ محبت قائم کرنا چاہیے جیسا کہ ایک بڑھیا چرخے والی نے کہا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا حضور وہ کس طرح؟ فرمایا کہ مدینہ منورہ کے پاس کسی گاؤں میں ایک بڑھیا چرخہ کات کر گزارہ کیا کرتی تھی اور وہ کلمہ طیبہ کو ہر وقت اس طرح پڑھتی کہ چرخہ ہلاتے ہوئے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور تار ڈالتے وقت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتی۔ اسی طرح وہ تیس برس تک کرتی رہی حتّٰی کہ اس کے اِس ذکر سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور حکم دیا کہ جو شخص اِس بڑھیا سے کلمہ شریف سیکھے یا اس کو محبت سے دیکھے وہ بہشتی ہے۔

شیاطین کو اس حکم کے ہونے سے بڑا افسوس اور حسد ہوا اور کہا کہ اگر یہ عورت اسی طرح ذاکر رہے تو بے شمار خلقت جنتی ہو جاوے گی۔ کسی طرح اس کو ایمان اور مرتبہ سے گرانا چاہیئے۔ اور تجویز کر کے ایک شیطان کو کہا کہ تو نے پہلے فلاں درویش کو بھی ایمان سے خالی کیا تھا اس کو بھی تُو ہی گرا کیونکہ تو بہت بڑا تجربہ کار ہے۔ اور وہ بہت عمدہ صورت بنا کر بڑھیا کے پاس گیا اور جا کر بیٹھ گیا کہ فرصت ہو تو کچھ کہوں مگر اس کو اپنے خیال و ذکر سے ایک لمحہ بھی فرصت نہ ہوئی۔ دو روز تک وہ موقع دیکھتا رہا مگر جب بالکل موقع نہ ملا تو آخر تنگ ہو کر اس نے خود ہی اس بڑھیا سے کہا کہ کسی شخص کو ایک دفعہ یا دو دفعہ حد پانچ سات دفعہ بلایا جائے تو وہ بول پڑتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ تو تیس سال سے خدا تعالیٰ کو یاد کرتی ہے وہ کبھی تجھ سے بولا اور نہ تیرے ذکر کا جواب دیا، تو ناحق سر کھپا رہی ہے، خدا کوئی چیز نہیں (معاذ اللہ) اگر خدا کوئی شے ہوتا تو کبھی تو تیرے یاد کرنے میں تجھ سے بولتا۔ اور تُو نے کس چیز سے خدا تعالیٰ کو پہچانا کہ جس لئے تو دوسروں کی نفی اور اس کا اثبات کرتی ہے؟ بڑھیا نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کو اس چرخے ہی سے پہچانا ہے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے ہر وقت باتیں کرتا ہے۔ اور چرخے کو ہلا کر کہنے لگی کہ دیکھ جب میں ہلاتی ہوں تو یہ ہلتا ہے اور جب میں چھوڑ دیتی ہوں تو نہیں ہلتا سو اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلمہ پڑھواتا ہے تو میں پڑھتی ہوں اور نہیں پڑھواتا تو نہیں پڑھتی۔ اسی سے مَیں نے جانا کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور ہر وقت سب کے ساتھ ہے اور اپنے

بندوں کے ساتھ باتیں کرتا ہے اور جو اس کے دیدار کے عاشق ہیں انہیں اپنا دیدار کراتا ہے۔ اور تو لعنتی ملعون ہے جو ذاتِ الٰہی پر شک لاتا ہے۔ یہ سن کر اس شیطان نے ایک چیخ ماری اور بھاگ گیا اور اپنی مجلس میں جا کر کہا کہ اس کا ایمان بڑا پختہ ہے اُس کے برباد کرنے کی کسی کو طاقت نہیں۔

سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ وَّ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ط (ترجمہ: تحقیق میرے بندے نہیں ہے تجھ کو ان پر غلبہ اور کافی ہے تیرا پروردگار کارساز۔۱۲ منہ مدظلہ العالی)

ارشاد: ایک روز فرمایا کہ انسان کو ہمیشہ نیّت خالص اور نیک رکھنی چاہیے۔ خصوصاً عبادتِ الٰہی خلوصِ نیت سے ادا کرنی چاہیے۔ بدنیتی سے کبھی کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا۔ چنانچہ:۔

نقل ہے کہ کسی پہلے زمانہ میں ایک مولوی صاحب وعظ کہتے پھرتے تھے۔ اتفاقاً کسی گاؤں میں گئے وہاں کے لوگ ایک درخت کی پوجا کرتے تھے۔ ان مولوی صاحب نے لوگوں کو پرستش سے منع کیا۔ لوگوں نے کہا کہ صاحب ہم اگر اس کی پوجا نہ کریں تو ہمارے یہ نقصان ہوں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر ہم اِس کو جڑ سے اکھاڑ دیویں تب تو نہیں پوجو گے؟ انہوں نے کہا بہت اچھا، نہ یہ درخت رہے گا نہ ہم پوجیں گے مگر ہم تو آپ کے ساتھ شامل ہوں گے نہیں، آپ خود ہی اکھاڑ ڈالیں۔ چنانچہ مولوی صاحب کلہاڑا لے کر درخت کی جڑ کاٹنے لگے۔ تھوڑی سی جڑ کاٹی تھی کہ ایک عورت کی شکل اُس درخت سے اتری اور کہا کہ آپ اِس کو کیوں کاٹتے ہیں؟ آپ لوگوں کی دعوتیں کھاتے ہیں، ان کے احسان اٹھاتے ہیں اور وعظ کہتے، لوگوں سے میل ملاپ رکھتے غرض سَو سَو کے طرح جھگڑے بکھیڑے کرتے ہو تب جا کر کہیں دو چار روپے آپ کو وصول ہوتے ہیں۔ میں آپ کو ایک آسان ترکیب بتاتی ہوں جس میں آپ کا خرچ بھی ہمیشہ کو فراغت سے چلتا رہے اور تکلیف بھی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اگر اس کو کھڑا رہنے دو تو پانچ روپے روز آپ کو بستر سے ملتے رہیں گے اور آپ آرام سے کھاتے رہیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر نہ ملے؟ تو پھر آپ کو اختیار ہے اکھاڑ ڈالنا۔ چنانچہ مولوی صاحب لوٹ آئے اور صبح کو بستر سے پانچ روپے مل گئے۔ دوسرے روز بھی ملے تیسرے روز بھی۔ غرض سات روز تک ملتے رہے، آٹھویں روز ندارد۔ مولوی صاحب کو سخت غصہ آیا کہ اس عورت نے وعدہ خلافی کی اور کلہاڑا لے کر پھر درخت کاٹنے کے سر ہوئے۔ وہ

عورت ایک ہیبت ناک شکل میں آئی اور بولی کہ خبردار جو درخت کے ہاتھ لگایا ورنہ قتل ہو جائے گا۔ مولوی صاحب بولے کیوں؟ اس نے کہا کہ تو نہیں دیکھتا جو میں دیکھ رہی ہوں۔ اس روز جب تو اِس کے کاٹنے کے واسطے آیا تھا تو تیرے ساتھ آسمان سے مدد کے لئے ملائکہ آئے تھے کیونکہ تیری نیت خالص تھی، اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی قدر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملائکہ کے ساتھ مدد کرتا ہے مگر جب تو پانچ روپے کی طمع پر لوٹ کر چلا گیا وہ سب تجھ سے علیحدہ ہو گئے اور تین دن تک منتظر رہے کہ شاید یہ پھر لوٹ آئے مگر جب تو نہ آیا تو وہ قطعی چلے گئے۔ میں ڈرتی ہوئی پھر چار روز تک بعد میں بھی تم کو دیتی رہی تا کہ شاید تو اپنی اصلی نیت پر پھر نہ آجائے۔ اب جو معلوم ہو گیا کہ تو خالص نیت نہیں رکھتا تو وہ روپے بند کر دیئے۔ اب تو درخت کے ہاتھ تو لگا جو گردن الگ نہ ہو جائے کیونکہ اب تو اکیلا ہے اور تجھے اکیلے کو میں ہی کافی ہوں۔ مولوی اس کی ہیبت ناک آواز اور طرزِ گفتگو سے ڈر کر واپس چلا آیا۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو رہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔) اور مَنْ خَافَ اللّٰہَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ کُلَّ شَیءٍ لَہٗ. (ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس سے ہر چیز کو ڈرا دیتا ہے۔)

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ فقیر سے جس قدر مداومت اور استقلال کے ساتھ ذکر و شغل ہو سکے اتنا ہی کرے۔ بغیر حکمِ مرشد کے زیادتی اور کثرت پر متوجہ نہ ہو کیونکہ کبھی کبھی یہ زیادتی نفس کے خطرہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور شیطان و نفس دانستہ ذاکر کو زیادتِ ذکر عبادت میں مشغول کر دیتی ہے اور لذت و مزہ ذاکر کو دِکھلا کر اور بکثرت ذکر و عبادت کرا کر اُس کے بدن کو توڑ دیتی ہیں تا کہ پھر اُس میں طاقت نہ رہے اور یک لخت تمام طاعت و عبادت و ذکر ایسا چھوٹے کہ پھر طبیعت ہرگز متوجہ نہ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ذاکر کو مرشد کا ایک تسبیح سبحان اللہ ہمیشہ کرنے کا حکم ہے۔ اگر ہمیشہ دو تین سال تک اسی تسبیح کا معمول پختہ اور مستقل ہو جائے تو اسی میں اس کو فنا ہو جاوے گی۔ اور ابتدا میں ذاکروں کی عادت ہوتی ہے کہ پیشوا نے جو ذکر و شغل تلقین کیا اُس میں مزہ آیا اور شیطان نے دھوکہ دیا کہ اِس سے زیادہ کرتا کہ اور زیادہ لذت حاصل ہو۔ فقیر نے تمام رات خوب ذوق شوق میں پڑھا اور صبح کو سو گیا۔ نماز بھی گئی اور ذکر بھی چھوٹ گیا اور آخر کار گھبرا کر یا کسی مانع کے

باعث یک لخت وہ تمام ذکر چھوٹ گئے تو پھر فقیر کا دل عبادت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور بدن میں توڑ اور سستی ڈال دی تو فقیر کا سخت نقصان ہوگا۔ اور جتنا اثر تھوڑے سے عمل کو ہمیشہ بلاترک وقضا کے ادا کرنے میں ہوتا ہے وہ فائدہ اس صورت میں نہیں ہوتا کہ ایک روز کثرت سے کیا اور پھر ترک کردیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر الامور اوسطھا۔ (ترجمہ: اچھا کام درمیانی ہے۔) فقیر کو لازم ہے کہ ہمیشہ اپنے مرشدِ کامل کے حکم اور ان کے تلقین کیئے ہوئے اوراد کو اسی طرح بجالاتا رہے جس طرح ارشاد ہوا اُس میں کمی زیادتی کا اختیار نہ رکھے۔ اور فقیر و درویش کامل کی محبت و خدمت میں کوئی دنیاوی امید نہ رکھے بلکہ ذاتِ محبت سے ملنے کی تمنا کے خیال میں پیر کی اطاعت کرے تب اس کے کام سب آسان ہوجاتے ہیں۔

ارشاد: ایک روز سماع کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا جو لوگ صاحبِ حال ہوتے ہیں اور ان کو اس میں فنا ہوجاتی ہے ان کو سماع نفع دیتا ہے اور جو لوگ صاحبِ حال نہیں ہوتے ان کے واسطے وجد و سماع نفع نہیں دیتا۔ اس پر آپ نے یہ نقل بیان کر کے فرمایا کہ صاحبِ حال ایسے ہوتے ہیں۔ وَھُوَ ھٰذا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ کسی جگہ سماع ہو رہا تھا اور کئی شخص وجد کر رہے تھے اور ایک شخص بزرگ ان سے علیحدہ کھڑا ہوا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ کیوں صاحب یہ سب کے سب جو وجد کر رہے ہیں صاحبِ حال ہیں؟ اس نے کہا کہ اِن میں تو مجھے صاحبِ حال ایک بھی معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ جو جوہڑ کے کنارے پر درخت پکڑے سفید اور عمدہ لباس پہنے کھڑا ہے وہ بیشک صاحبِ حال ہے۔ اس نے کہا کیونکر معلوم ہو؟ کہا جا کر دیکھ لو، اِس طور پر کہ اُس کو جوہڑ میں ڈال دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا کہ جوہڑ کے کنارہ پر اس درخت کے پاس جو کیچڑ تھی اُس میں ڈال دیا۔ وہ شخص کچھ نہ بولا، نہ ہائے وائے کی اور اپنی اسی سکرت اور لذت و محویت میں اٹھا اور پھر درخت کو پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ دوسری دفعہ اُس نے پھر اس کو کیچڑ میں ڈالا وہ پھر بھی اٹھ کر وہیں درخت کو پکڑ کے جا کھڑا ہوا۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا وہ پھر بھی چلا آیا اور درخت کو پکڑ کر بدستور کھڑا ہوگیا مگر اُس کو کچھ نہ کہا اور نہ بولا۔ جب قوالی و سماع موقوف ہوگیا تو کہا کہ میرے کپڑے کیچڑ میں کس طرح بھر گئے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کو اِس کی خبر نہیں؟ انہوں نے کہا مجھے مطلق خبر نہیں۔ تب اس شخص نے کہا کہ

دیکھا صاحب حال ایسے ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا ایک دفعہ عالمگیر بادشاہ کو خیال ہوا کہ وجد وسماع والے فقیر صاحب حال بھی ہوتے ہیں یا نہیں، کسی طرح ان کا امتحان ہونا چاہیئے۔ ایک روز اسی امتحان کی غرض سے دہلی کے تمام سماع سننے والے صوفیوں کی دعوت کی۔ دعوت کھلانے کے بعد ایک ایسے مکان میں بٹھا کر، جس میں فرش کے نیچے زمین میں لوہے کی سیخیں گڑوائی ہوئی تھیں، قوالی کا حکم دیا۔ قوالی شروع ہوگئی اور سب لوگ تو سیخوں کے ڈر کے مارے چپ بیٹھے رہے مگر تین فقیروں پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ وجد کرتے کرتے ان سیخوں سے تمام بدن میں خون جاری ہو گیا مگر وہ اپنی اسی استغراقی حالت میں برابر وجد کرتے رہے۔ جب قوالی بند ہوگئی تو بڑی دیر میں جا کر کہیں ان کو ہوش آیا تو عالمگیر نے جان لیا کہ واقعی یہ تینوں سچے صاحبِ حال تھے۔

پھر فرمایا ایک دفعہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے اسی مسئلہ کے بارے میں عرض کیا تو آنحضرت علیہ الرحمتہ نے فرمایا ''نہ اقراری کنم نہ انکاری کنم۔'' (نہ تو میں اقرار کرتا ہوں اور نہ ہی انکار) سماع اہل کو بہت نفع دیتا ہے اور جو اس کے اہل نہیں یا ایسے صوفیائے کرام ہیں کہ ان میں ذوق ہی اِس کا نہیں دیا گیا تو ان کو اِس سے کچھ نفع نہیں ہوتا بلکہ پرہیز بہتر ہے۔

یا وہاب

۱۴۲۹

فصل ہفتم

تواضع، ایثار، تسہیل حصولِ مراتب

میرا مشاہدہ ہے کہ حضور علیہ الرحمتہ کی خانقاہ میں جب اوّل ہی اوّل مدرسہ جاری ہوا تو ایک خیمہ ہم سب درویشوں نے مِل کر کھڑا کر دیا کہ طلبا اس میں دھوپ وغیرہ سے آرام میں رہیں گے۔ حضور علیہ الرحمتہ نے باہر نکل کر دیکھا تو فرمانے لگے کہ یہ فخر اور بڑائی کی باتیں اللہ تعالیٰ کو نہیں بھاتیں۔ ہم فقیر لوگ ہیں دھوپ سے بیری کے سایہ میں بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔ یہ کوٹھوں اور مکانوں سے بھی اونچا کھڑا ہوا خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ فرما کر حضور حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ نہ ہوا نہ آندھی اور خیمہ خود بخود اڑ کر دور جا پڑا۔ ہم سب حیران رہ گئے۔ میں حضور کے پاس حجرے میں گیا تو فرمانے لگے یہ طوفان کس نے کھڑا کیا تھا؟ میں نے عرض کیا حضور یونہی طالب علموں نے بے فائدہ فتور برپا کر دیا ضرورت تو کچھ بھی نہیں تھی۔ مسکرا کر فرمایا تب ہی تو اُڑ بھی گیا۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ہماری طبیعت میں بڑی وحشت ہوئی اور لوگوں کی صحبت سے نفرت سی ہوگئی۔ ہم نے حجرہ کا دروازہ بند کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور دعا کی کہ الٰہی مجھے تنہائی عطا فرما۔ اس تنہائی کے اندر عالمِ سکرت میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جوق در جوق لوگ کوٹھے وغیرہ کو پھاند کر ہمارے حجرے میں چلے آتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ کو ہماری تنہائی منظور نہیں امتِ مصطفیٰ ﷺ کو ہم سے فیض پہنچانا ہے۔ چنانچہ پھر ہم نے لوگوں کی تلقین کے واسطے وقت نکال دیئے۔

مجھ مؤلف کتاب ہذا کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ حضور کے پاس ہجومِ خلقت بہت ہی رہتا تھا اور جب حضور کے پاس لوگ بہت ہی بیعت کے واسطے آتے تو حضور فرمایا کرتے کہ یہ لوگ اچھے ہیں نماز پڑھتے اور نیک کام کرتے ہیں، پھر علم والے بھی ہیں، پڑھے ہوئے بھی ہیں، سمجھدار بھی ہیں، یہ ہم سے اچھے ہیں پھر بھی ہمارے پاس آتے ہیں۔ میں ایک بے علم مسکین بندہ ہوں۔ صرف درود شریف پڑھتا ہوں۔ تم کسی مولوی صاحب اور پڑھے ہوئے شخص سے بیعت ہو۔ مگر جب وہ نہیں مانتے تھے

تو ہنس کر فرمایا کرتے کہ خداوندا تو ہی ان کو میرے پاس بھیجتا ہے ورنہ مجھ مسکین کے پاس کون آتا ہے۔ اے اللہ! تو ہی ان کو اپنی رحمت کے ظِل میں رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا۔ میں تیرے ہی بھروسہ پر انہیں تیرا نام بتاتا ہوں اور تیرے ہی حوالے کرتا ہوں۔ یہ فرما کر بیعت لیا کرتے۔

بیانِ مؤلف۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے مزاج مبارک میں اتنی تواضع تھی کہ باوجود بے انتہا وسعت اور فراخ دستی کے حضور کے لنگر میں وہی مٹی کے تمام برتن اور سیلابچی وغیرہ تھے اور اپنے رہنے کے حجرے میں بموسم سردی کسیر کا بستر اور گرمی میں کھجور کی چٹائیاں رکھتے تھے۔ سادگی کا یہاں تک حال تھا کہ کسی تکلف کو حضور پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک کمبل اور ایک سادہ لحاف ہوتا تھا اور وہ بھی سائیں عبدالکریم عرف مغلی شاہ اور حضور کا مشترک ہوتا تھا، کبھی حضور اوپر لے لیتے کبھی سائیں مغلی شاہ۔ ایک معمولی سا تکیہ۔ خواہ کسی قدر سردی ہو یا بارش باہر برآمدہ میں تشریف رکھتے کبھی حجرہ میں بھی چلے جایا کرتے۔ برآمدہ پر چھپّر تھا اور حجرہ بھی خام تھا۔ ہر چند لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اِس کو پختہ بنا دیویں، حضور نے منظور نہ کیا اور فرمایا کہ یہ دنیا چند روزہ ہے کیوں اس کے واسطے بکھیڑے کرتے ہو۔ ہم کو زندگی کے دِن بسر کرنے کے واسطے یہی کافی ہے۔ جب بہت ہی لوگوں نے عرض کیا تو بمشکل بجائے پختہ اینٹوں کی دیواروں کے تمام برآمدہ اور حجرہ وغیرہ لکڑی کے تختوں سے مع چھت کے اور دیواروں کے بنوایا، جو اب بھی موجود ہے۔

فرمایا کرتے کہ یہ دنیا فانی اور نکمّی شے ہے اس کے واسطے بہت سرگردان ہونا بالکل اچھا نہیں۔ چنانچہ اسی پر حضور نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ پر ایک دفعہ فاقہ تھا۔ حضور ﷺ باہر نکلے۔ آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے اُن کا بھی یہی حال تھا۔ پھر چلے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے ان پر بھی یہی کیفیت تھی۔ تو تینوں حضرات جنگل کو چل دیئے۔ راستہ میں ایک باغ آیا، اس کے اندر چلے گئے۔ وہ ایک صحابی کا باغ تھا اور مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے حضور ﷺ کی بہت خاطر و مدارت کی اور کہا میری قسمت کہاں جو خود حضور رسالت پناہ ﷺ میرے باغ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ اور ایک خوشہ جس میں پکی اور گدرائی ہوئی ہر قسم کی کھجوریں تھیں آگے رکھ کر پانی کے واسطے گیا۔ تینوں حضرات کھانے لگے۔ کھاتے کھاتے رسولِ اکرم ﷺ نے کھجور کے خوشے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اے عمر! قیامت کے دن ان کا بھی حساب ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے وہ خوشہ ہاتھ میں لے کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کا بھی حساب ہوگا؟ فرمایا ہاں ہوگا۔ البتہ ایک مٹھی بھر اناج جو بدن کو قائم رکھ سکے اور ستر چھپانے کے موافق کپڑا اور سردی گرمی سے آرام دینے والا ایک جھونپڑا، اتنے کا حساب نہیں ورنہ سب پر حساب ہوگا۔



ایثار

قبل اس کے کہ ہم حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی حکایات متعلق بہ ایثار نقل کریں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور متقدمین اولیاء اللہ کے ایثار کی چند حکایتیں نمونے کے طور پر درج کرتے ہیں تاکہ سب پر عام طور سے واضح ہو جائے کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا ایثار کس درجہ کا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضور کا بے تحاشا روپے پیسے کپڑے وغیرہ اللہ تعالیٰ کے واسطے تقسیم کرنا غلبہء سکرت اور بے ہوشی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا سبب فقط ایثار ہی تھا۔

حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰىٓ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (ترجمہ۔ اور اپنی جانوں پر ایثا کرتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہو۔) اس آیت کا نزول خاص کر فقراء کی شان میں ہے۔ اِس آیت کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ جنگِ احد میں خدا تعالیٰ نے مومنوں کو آزمایا تو انصار کی ایک نیک بخت عورت کہتی ہے کہ میں پانی کی ایک خوراک لے کر باہر نکلی تاکہ کسی اپنے رشتہ دار کو پلاؤں۔ میدان جنگ میں اصحاب بزرگ میں سے میں نے ایک کو زخمی پڑا دیکھا جو حیاتی کے سانس گن رہا تھا۔ میری طرف اشارہ کیا کہ مجھے پانی دے۔ میں وہ پانی اُس کے پاس لے گئی۔ اتنے میں دوسرے نے آواز دی کہ مجھے دے۔ اُس نے پانی نہ پیا اور مجھے کہا کہ اُس کے پاس لے جا۔ جب میں اُس کے پاس لائی تو ایک اور نے آواز دی کہ مجھے دے۔ اس نے پانی نہ پیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جا۔ جب میں اس کے پاس لائی تو ایک اور نے آواز دی کہ مجھے دے۔ اس نے بھی نہ پیا اور کہا کہ اس کے پاس لے جا۔ اِسی طرح سات آدمیوں نے کیا۔ جب ساتویں نے چاہا کہ پانی مجھ سے لے تو جان دے دی۔ میں لوٹی کہ کسی دوسرے کو دوں مگر چھیوں وہ بھی مر چکے تھے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یہ حال تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور اولیاء اللہ کے ایثار کی یہ کیفیت ہے کہ جب [1] غلام خلیل نے اس گروہِ فقراء سے اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر ایک سے طرح طرح کی دشمنی کی تو نوری [2] رقام اور ابوحمزہ کو لوگوں نے پکڑا اور دار الخلافہ میں لے گئے۔ غلام خلیل نے کہا یہ زندیق

1۔ یہ شخص خلیفہ بغداد منصور کا غلام تھا۔ اور ہر وقت اس کی مصاحبت میں رہتا تھا۔ (۱۲ منہ مدظلہ)

2۔ نوری رقام اور ابوحمزہ یہ تینوں حضرات اپنے زمانے کے بڑے مشہور اور اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے (۱۲ منہ مدظلہ العالی)

یعنی بے دین قوم ہے اگر امیر المومنین ان کے قتل کرنے کے لئے حکم دے تو بے دینوں کی اصل نیست و نابود ہو جائے گی کیونکہ سب کے سردار یہی ہیں اور جس کے ہاتھ سے ایسی نیکی ہوئی اس کی بڑی مردانگی کا ضامن ہوں۔ خلیفہ نے اسی وقت حکم دیا کہ اِن کی گردنیں کاٹ ڈالیں۔ جلاد آئے اور تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے۔ جب جلادوں نے رقامؒ کے قتل کا ارادہ کیا تو نوریؒ اٹھا اور بڑی رغبت سے رقامؒ کی جگہ جا بیٹھا۔ لوگوں کو اس سے تعجب ہوا۔ جلادوں نے کہا، اے جوانمرد! کیا یہ تلوار ایسی چیز ہے کہ اِس رغبت سے اِس کے سامنے آئیں جیسے تو آیا ہے حالانکہ ابھی تیری باری نہیں آئی؟ جواب دیا کہ ہاں اچھی چیز ہے۔ میری طریقت ایثار ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ عزیز زندگانی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس اِن بھائیوں کے کام میں صرف کروں کیونکہ دنیا کا ایک سانس میرے نزدیک آخرت کے ہزار سال سے زیادہ دوست ہے۔ کیا وجہ ہے، کہ دنیا خدمت کی سرائے ہے اور آخرت قربت کی، اور قربت میں یہ خدمت نہیں ہوتی۔ [1]یزید نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ خلیفہ ایسی روئداد میں نوریؒ کے سخن کی دِقت اور طبع کی رقت سے متعجب ہوا اور جلّادوں کے پاس آدمی بھیجا کہ اُن کے قتل کرنے میں توقف کریں۔ علی کا بیٹا ابوالعباس قاضی القضاۃ تھا، اِن کا معاملہ اس کے سپرد کیا۔ قاضی القضاۃ نے ان تینوں کو گھر میں بلایا اور شریعت اور حقیقت کے حکموں میں سے جو کچھ ان سے پوچھا اُس میں اُن کو پورا پایا۔ ان کے حال پر اپنی غفلت سے شرمسار ہوا۔ اس وقت نوریؒ نے کہا۔ اے قاضی! یہ سب کچھ پوچھا اور ابھی تک کچھ خبر نہ پوچھی اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَّاکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَشْرَبُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَجْلِسُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَقُوْلُوْنَ بِاللّٰہِ (تحقیق اللہ کے ایسے بندے ہیں جو کھاتے ہیں تو اسکے دھیان میں اور پیتے ہیں تو اسی کے خیال میں اور بیٹھتے ہیں تو اسی کے دین میں اور بولتے ہیں تو اسی کی محبت میں) یعنی اِن کا قیام اور بیٹھنا چلنا پھرنا اور آرام کرنا سب اسی کے خیال اور اسی کے عشق میں ہے اور اُسی کے مشاہدہ سے باقی ہیں کیونکہ اگر ایک لحظہ خدا تعالیٰ کا مشاہدہ اُن سے الگ ہو جائے تو اِن کے وجود سے شور پیدا ہو جاتا ہے۔ قاضی کلام کی دقت اور اُن کے حال کی صحبت سے متعجب ہوا اور خلیفہ کو لکھا کہ اگر یہ [2]ملحد ہیں تو میں گواہی دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ تمام روئے زمین پر کوئی [3]مؤحد نہیں۔ خلیفہ نے ان کو بلایا اور کہا کہ کوئی حاجت

---

1. یہ شخص خلیفہ کی طرف سے ان کے قتل کرانے پر مقرر تھا (۱۲ منہ مدظلہ العالی) 2. بے دین۔ کافر۔ 3. اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا پکا مسلمان

ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم کو تجھ سے یہی حاجت ہے کہ تُو ہم کو بھلا دے۔ اپنے قبول کرنے سے نہ ہم کو مقرب سمجھے اور نہ اپنے ہجر میں متردد کیونکہ تیرا ہجر ہمارے نزدیک تیرے قبول کی طرح ہے اور تیرا قبول تیرے ہجر کی طرح۔ خلیفہ رو پڑا اور عزت سے ان کو واپس کیا۔

اور نافع سے روایت کرتے ہیں کہ کہا ہے، عمر کے بیٹے کو مچھلی کی خواہش ہوئی۔ تمام شہر میں اسے تلاش کیا نہ پایا۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے ملی۔ میں نے آدمیوں کو کہا کہ اسے بھون دو اور عمر کے بیٹے کے پاس لایا۔ مچھلی کے لانے سے اس کی پیشانی میں مَیں نے خوشی کی علامت دیکھی۔ اسی وقت سرائے کے دروازہ پر ایک سوالی آیا۔ عمر کے بیٹے نے فرمایا کہ مچھلی اُس سائل کو دے دو۔ غلام نے کہا اے میرے سیّد! کئی دنوں سے تجھے مچھلی کی خواہش تھی اب کیوں دیتا ہے؟ ہم اس کے بجائے سوالی کو اور چیز دے دیتے ہیں۔ جواب دیا اے غلام! اِس کا کھانا مجھ پر حرام ہے کیونکہ اس کو مَیں نے اِس حدیث کے ذریعے جو جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے دل سے نکال دیا ہے اَیُّ امْرَءٍ یَشْتَھِیْ شَھْوَۃً فَیَرُدُّ شَھْوَۃً وَّاٰثَرَ عَلٰی نَفْسِہٖ غُفِرَلَہٗ. (جو شخص خواہش سے کسی چیز کی آرزو کرتا ہے اور جب پائے تو اس سے ہاتھ اٹھا دے اور اس میں دوسرے کو اپنے سے بہتر جانے تو بالضرور خدا تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔)

ایک اکابر اولیاء اللہ نے احمد سرخسیؒ سے پوچھا کہ تیری توبہ کا ابتدا کیونکر ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک وقت میں سرخس سے چلا اور ایک جنگل میں داخل ہوا۔ ایک مدت اپنے اونٹوں پر وہاں رہا اور میں ہمیشہ اِس خوف سے خود بھوکا رہ کر اپنا حصّہ کسی دوسرے کو دے دیا کرتا تھا اور خدائے بزرگ و بلند کا یہ قول میرے دل میں تازہ رہتا تھا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ (اور اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگر چہ ان پر تنگی ہو۔) اور اس گروہ پر میں پختہ اعتقاد رکھتا تھا۔ ایک دن ایک بھوکا شیر جنگل سے آیا اور میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کو مار ڈالا اور ایک بلندی پر گیا اور ایک آواز نکالی۔ اس گرد و نواح میں جتنے درندے تھے سب نے اس کی آواز سنی اور اُس کے پاس جمع ہو گئے۔ شیر نیچے آیا اور اونٹ کو پھاڑ ڈالا اور کچھ نہ کھایا اور پھر بلندی پر چلا گیا اور درندے جو لومڑی، گیدڑ، بھیڑیا اور ان کی مانند تھے سب اسے کھانے لگے اور شیر ٹھہرا رہا یہاں تک کہ سب لوٹے۔ اس وقت اُس نے ارادہ کیا کہ تھوڑا سا اُس میں سے کھائے۔ اتنے میں ایک

لنگڑی لومڑی ظاہر ہوئی۔ شیر پھر لوٹ گیا یہاں تک کہ اُس لومڑی نے جتنا کھا سکی کھالیا اور لوٹ گئی۔ اس وقت شیر آیا اور تھوڑا سا اُس میں سے کھالیا اور میں دُور سے دیکھ رہا تھا۔ جب لَوٹا تو فصیح زبان سے مجھ سے کہا کہ اے احمد! لقموں کا ایثار کرنا کتوں کا کام تھا، مرد اپنی جان اور زندگانی ایثار کرتے ہیں۔ جب میں نے یہ دلیل دیکھی سب شغلوں سے ہاتھ اٹھایا۔ میری توبہ کی ابتدا یہ تھی۔

کتاب کشف المحجوب سے یہ اوپر کی عبارت میں نے اِس واسطے نقل کی ہے تا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیائے متقدمین کے ایثار کی کیفیت تمام لوگوں پر ظاہر ہو جائے کیونکہ ایثار ہی کی ایک ایسی صفت تھی جس نے تمام جہان کو ہدایت کر دی۔ ان اولیاء کا ہی یہ ایثار تھا کہ اپنی محنت و کمائی لوگوں کو تقسیم کر دی اور ہدایت پر بہت خلقت کو لے آئے۔ اب اِس وقت میں بھی یہی صفت بزرگانِ دین کے دلوں میں ہے جو ہدایت جاری ہے۔ اور دوسرے اِس عبارت کے نقل کرنے سے یہ غرض بھی ہے کہ عام طور پر یہ امر ظاہر ہو جائے کہ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایثار کس درجہ کا تھا اور متقدمین کے ایثار کے موافق۔ چنانچہ آگے حضور کے ایثار کی حکایات لکھی جاتی ہیں۔

ایثار: حضور علیہ الرحمتہ کی عادت مبارک تھی کہ جو چیز حضور کے بدن مبارک پر کپڑے کی قسم سے یا کوئی اور شے عمدہ ہوتی اور کسی نے اُس کی تعریف کر دی کہ حضور یہ آپ کے جسم پر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، فوراً اتار کر کسی کو دے دیتے۔ چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے کہ کوئی مرید حضور کے پاس ایک کُرتہ بہت قیمتی جس کی لاگت تقریباً متعدد روپے ہوگی نذر لایا۔ حضور نے اُس کو پہنا۔ حاضرین میں سے کسی نے تعریف کی کہ حضور یہ بہت ہی اچھا ہے۔ حضور نے وہ کرتہ فوراً اتار کر فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب کو یہ دے دو۔ چنانچہ میں نے وہ کرتہ لے کر پہن لیا۔ فرمایا مولوی صاحب اِس کرتہ کو گھر بھیج دو اور یہاں نہ رکھو۔ میں نے عرض کیا حضور اِس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا ہم نے اس کو ایثار کیا ہے اور تم ہمارے پاس رہتے ہو اور ہمارا کام کرتے ہو تو گویا یہ ہمارے کام میں آیا۔ اِس کا یہاں رہنا ایثار کے خلاف ہے کیونکہ ایثار میں نقصان آتا ہے۔ چنانچہ حسب الارشاد روانہ کیا گیا۔

ایثار: حضور کی عادت مبارک تھی کہ کھانا کھانے کے دونوں وقت جب کھانا سامنے آتا کبھی ایک روٹی کبھی دو روٹی کبھی آدھی کبھی چوتھائی لے کر اور اُس پر ترکاری وغیرہ جو سامنے آتی رکھ کر

حاضرین میں سے جو شخص موجود ہوتا اُس کو دے دیا کرتے کبھی ساتھ ہی بٹھالیا کرتے۔ یہ معمول حضور کا کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ اور شام کے وقت اکثر یہ معمول تھا کہ بوجہ سکرت کے نمازِ مغرب میں کسی قدر دیر ہو جاتی تھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور کچھ تھوڑی دیر مراقبہ فرماتے اور پھر درود شریف کی کچھ تسبیحیں پڑھتے۔ اُس کے بعد کھانا آ جاتا۔ اکثر آپ کے پاس دو چار چپاتیاں اور کچھ سالن یا جو غذا حکیم معز الدین تجویز کرتے' آتی تھی۔ آپ اس میں سے تین لقمے نوش فرما کر پوچھتے کہ ہم نے کس قدر کھانا کھایا۔ حاضرین میں سے کہتے کہ حضور تین لقمے کھائے ہیں تو فرماتے بس یہی بہت ہیں۔ باقی کھانا کچھ تو وہیں تقسیم ہو جاتا اور باقی بچا ہوا درویش واپس لے جاتا۔

ایثار: میرا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص سرسہ کے پاس کسی گاؤں کا رہنے والا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حالت اُس کی معمولی اور غربت کی تھی۔ ایک روپیہ نذر پیش کیا اور عرض کی حضور مجھے مدت سے حضور کی زیارت کا شوق تھا فرصت نہیں ہوتی تھی۔ میں قبیلدار آدمی ہوں۔ اب کاشت سے فراغت جو حاصل ہوئی تو حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے پوچھا تم ریل پر آئے ہو یا پیدل؟ اس نے عرض کیا حضور پیادہ ہی آیا ہوں۔ فرمایا تمہارے گاؤں کے پاس ریل بھی ہے یا نہیں۔ عرض کیا حضور ہے تو مگر میں غریب آدمی ہوں۔ حضور علیہ الرحمتہ نے فرمایا تم نے نذر پیش کی ہم نے قبول کر لی۔ اب تم خوش ہو، تم کو اس کا ثواب مل گیا۔ لو اب تم یہ روپیہ دے کر ریل میں واپس جانا۔ پھر میری طرف اشارہ کیا کہ مولوی صاحب چار آنہ اس کو اور دلا دو۔ بے چارہ، اپنے کپڑے دھولے گا کچھ راستہ میں کھالے گا۔ اس نے انکار کیا تو حضور نے فرمایا کہ تو ہم کو نذر دے کر ثواب تو لے چکا اب ہم کو بھی ثواب لے لینے دے۔ چنانچہ وہ دو روز رہ کر چلا گیا۔

میرے دل میں خیال گزرا کہ حضور نے جو روپیہ واپس کیا ہے حضور سے پوچھوں تو اس میں کیا بھید ہے۔ حضور میرے قلبی خطرے پر واقف ہو کر خود ہی فرمانے لگے کہ درویش کے پاس جب کوئی آوے تو اُس کو اُسی حالت میں واپس کرنا نہیں چاہیئے۔ باطنی فائدہ تو ہو ہی جائے گا اگر اُس کی ظاہری حالت شکستہ اور قابلِ امداد ہو تو ظاہری مدد بھی فقیر کو ضرور کرنی چاہیئے۔ یہ شخص پیدل آیا تھا اب جاتے ہوئے ریل کا فائدہ اس کو ہو گا اور آرام سے پہنچ جائے گا۔ حضور کا یہ خُلق اخلاقِ نبوی ﷺ سے تھا۔

ایثار: ایک دفعہ ایک شخص حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت میں کسی قدر گھی لایا اور رخصت چاہی۔ حضور نے فرمایا کہ اِس کو روٹی کھلا دو۔ وہ کہنے لگا حضور یہ کیا روٹی کا وقت ہے، میں گھر جا کر کھالوں گا۔ فرمایا کہ گھی کا ہی یہ کیا وقت تھا۔ چنانچہ اُس کو روٹی کھلائی اور تین پیسے اُس کو دلائے۔ چونکہ وہ عصر کا وقت تھا اور روٹی دن کی پکی ہوئی تھی اس واسطے آپ نے ساتھ پیسے بھی دلوا دیئے۔ اِس پر آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ لے لیوے اور دیوے نہیں۔ مولوی صاحب تم کو بھی وہ حدیث شریف یاد ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں حضور یاد ہے وہ یوں ہے۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَاتِ وَلَا. (رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ لے لیوے اور دے نہیں۔)

ایثار: حضور کی عادت مبارک تھی کہ کھانا کھانے کے وقت اکثر اپنے کھانے میں سے کچھ نہ کچھ حاضرین کو عطا فرماتے۔ ایک روز میں راجپورہ سے پرے موضع برنالہ میں گیا تھا۔ حضور نے میرے بعد سائیں عبدالکریم عرف مغلی شاہ کو روٹی کا ایک لقمہ معہ تھوڑے سے سالن کے دے کر فرمایا کہ یہ ہمارے مولوی صاحب کو دے دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور وہ تو گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ فرمایا اب ہم ایثار کر کے یہ اُن کی مِلک کر چکے ہیں۔ اِس کو اسی طرح امانت رہنے دو جب وہ آئیں تو دے دینا۔ میں شاید دس روز کے بعد انبالہ شریف آیا تو سائیں عبدالکریم نے مجھے وہ ٹکڑا دیا۔ اس میں اُلّی لگ گئی تھی اور تلخ ہو گیا تھا مگر حضور کا عطیہ سمجھ کر میں نے اُس کو شوق سے کھایا۔ اُس کے کھاتے ہی میرے تمام لطائف جوش میں آ گئے اور باطنی کیفیت کا بھی بہت انکشاف ہوا۔ رات کو سائیں عبدالکریم سے حضور پوچھنے لگے کہ ہم نے جو وہ ٹکڑا مولوی صاحب کے حصے کا دیا تھا وہ تم نے دے دیا؟ انہوں نے کہا کہ حضور دے دیا ہے۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے اس کو کیا کیا؟ عرض کیا حضور وہ اسے فوراً کھا گئے حالانکہ اُلّی لگ کر تلخ ہو گیا تھا۔ فرمایا بہت ہی اچھا ہوا جو مولوی صاحب نے وہ کھالیا۔ ہم ٹکڑے کے ساتھ نور بھی دیا کرتے ہیں، خالی ٹکڑا ہم کبھی نہیں دیتے۔

ایثار: بعض وقت دیکھا گیا ہے کہ اندر سے اچھا اور عمدہ لذیذ کھانا مائی صاحبہ نے حضور کے واسطے بھیجا تو وہ تمام کھانا جس قدر لوگ وہاں ہوئے ان میں تقسیم کرا دیا اور خود حضور نے لنگر کی روٹی اور وہی مسور وغیرہ کی دال منگا کر نوش فرمائی اور وہ کھانا کسی ایک ہی آدمی کو جسے چاہا عطا فرما دیا

سب کو نہ بھی تقسیم کیا۔

ایثار: ایک دفعہ کوئی شخص ایک کمبل بہت عمدہ اور قیمتی کہیں سے لایا اور حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت میں پیش کیا۔ رات کو حضور نے وہ دیکھا اور فرمایا کہ بہت اچھا کمبل ہے۔ یہ فرماتے ہی حکم دیا کہ اچھا اسے کسی ایسے شخص کو دے دو جو ہمارے کام نہ آوے۔ چنانچہ میاں جی عبدالقادر امام مسجد کمبویاں والی کو دے دیا گیا اور شاید اب تک ان کے پاس ہے۔

ایثار: بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ کھانا حضور کے سامنے آیا تو حضور نے صالحین میں سے کسی کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلایا۔ چنانچہ کئی دفعہ میر یوسف علی صاحب کو اور خلیفہ مظفر علی خاں صاحب اور راقم اور کئی ایک دیگر خادمان کو یہ عزت حضور سے حاصل ہوئی ہے۔

ایثار: اکثر حضور کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی اچھی طرح اور لطیف شے مثل کھیر وغیرہ کے پکواتے یا پکی ہوئی کہیں سے آتی تو جو لوگ لنگر سے نہیں کھاتے تھے یا خانقاہ میں نہیں رہتے تھے ان کا حصہ اُن کے گھر پہنچاتے اور بیواؤں اور یتیموں کو بھی تقسیم فرماتے۔ اگر کوئی نہ ملتا تو اس کا حصہ اسی طرح امانت رکھا رہتا اور حکم ہوتا کہ جب وہ آئے تو اُس کو دینا۔

ایثار: ایک دفعہ حضور کے پاس دور سے ایک سائل آیا اور عرض کیا کہ میں مسافر ہوں میرے پاس کچھ خرچ نہیں، تنگ ہوں اور حضور کے پاس آیا ہوں۔ حضور نے اُس کو ایک روپیہ دلوایا۔ اس نے عرض کیا حضور اس میں میرا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ فرمانے لگے ہمارے پاس یہی موجود تھا سو تم کو دے دیا۔ اس نے افسوس کر کے کہا کہ میں اس قدر دُور سے آیا اور بڑی تکلیف ہوئی مگر میرا کام بھی نہ بنا۔ فرمایا ہم نے تو نہیں بلایا تھا، تم اپنی مرضی سے آئے ہو۔ اس وقت آپ سکرہ[1] میں تھے۔ وہ خاموش چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد جب حضور کو صحو[2] ہوا تو فوراً خیال آیا اور فرمایا کہ اس کو تلاش کر کے لاؤ۔ چنانچہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ پولیس لائن کے پاس ملا۔ درویش اُس کو لے آئے تو اس کے واسطے چندہ کر کے اور قرضہ لے کر، کچھ اپنے پاس سے ملایا اور اُس کو دیا تقریباً چالیس روپے اُس کے پاس ہوگئے۔ فرمایا کہ اب تم راضی ہو؟ وہ عرض کرنے لگا کہ ہاں حضور میں بہت ہی خوش ہوں۔ یہ تھا آپ کا ایثار کہ قرضہ گوارا کیا مگر اس کو نامراد نہ جانے دیا۔

---

1. طریقت کی اصلاح میں انوارات وتجلیات الٰہیہ کے ورود سے ہونے والی بے ہوشی
2. سکر کی کیفیت کے اختتام پر بے دار ہونا

ایثار: یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے دہلی سے خط لکھا کہ حضور میں بہت تنگدست اور لاچار ہوں گزارا کی کوئی صورت نہیں۔ حضور میرے واسطے ہمت اور دعا فرمائیں۔ حضور نے اُس کے واسطے حسبِ عادت دعا فرمائی کہ الٰہی تو حلال روزی اس پر کھول دے اور جواب لکھوا دیا۔ تھوڑے دنوں بعد پھر اس نے خط لکھا کہ میں بہت تنگ دست ہوں۔ حضور کو بہت ہی خیال آیا پوچھا کہ کچھ ہے۔ درویشوں نے کہا کہ حضور اِس وقت تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ حضور علیہ الرحمتہ نے محمد علی شاہ سے ایک روپیہ قرض لیا اور منی آرڈر کے ذریعے سے اُس کے پاس بھیج دیا اور لکھوا دیا کہ اتنے اس کو کھاؤ تمہارا کام خدا آسان کردیوے گا۔ چنانچہ اس ایک روپیہ کے کھاتے کھاتے اُس کا کام لگ گیا اور روزی کھل گئی۔ پھر اُس نے لکھا کہ حضور کی بخشش کے ساتھ ہی میرا کام آسان ہو گیا۔

ایثار: حضور کی عادت مبارک تھی کہ اگر کسی درویش پر آپ ناراض ہوتے اور اُس کو مکان سے نکلوا دیتے تب بھی اس کا کھانا لنگر سے موقوف نہ ہوتا۔ شہر میں جہاں وہ ہوتا اُس کا کھانا وہیں پہنچوا دیتے اور فرماتے کہ فقیر خدا تعالیٰ کی صفات سے موصوف ہوتا ہے۔ رزّاقیت کی یہی صفت ہے کہ باوجود گنہگاری اور سرکشی کے وہ رازق کسی کی روزی قطع نہیں فرماتا۔ ایسا ہی فقیر کو بھی ہونا چاہیے۔

ایثار: حضور علیہ الرحمتہ کی عادت مبارک تھی کہ لنگر کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ جب کوئی مسافر آ گیا اسی وقت اس کو کھانا کھلایا جاتا تھا مگر ایامِ قحط سالی میں صبح سے لیکر تمام دن اور رات کے ایک یا دو بجے تک لنگر جاری رہتا تھا اور کثرت کے ساتھ مخلوقِ خدا آ کر ہر وقت کھانا کھایا کرتی تھی۔ ان ہی ایامِ قحط سالی میں آپ کو خیال آیا کہ خلقت کثرت سے آتی ہے لوگ شاید بھوکے رہتے ہوں۔ اِس خیال سے آپ دس بجے خود تشریف لاکر بیٹھ جاتے اور اپنے سامنے کھلایا کرتے اور فرماتے جاتے کہ فلاں کو دال اور فلاں کو روٹی دو۔ کئی کئی دفعہ لوگ آ آ کر کھا جاتے۔ اکثر اہلِ مقدمات بھی جو انبالہ میں آتے تھے یہیں لنگر میں کھایا کرتے۔ اور ان دنوں یہ حالت ہو گئی تھی کہ ایک چولھا گھر کا ہر وقت دُھکتا رہتا تھا اور ایک تنور نیا لگوایا گیا تھا مگر جب ان سے پورے طور پر کام نہ چلا تو بازار میں ایک اور تنور خاص طور پر لنگر کے واسطے مقرر کر لیا گیا۔

ایک روز بے وقت جو آدمی آئے تو میں دل میں رنجیدہ ہوا کہ ایک خاص وقت پر آ کر یہ

لوگ کیوں نہیں کھا جاتے۔ حضور نے نورِ باطن سے میرے اس رنج پر مطلع ہو کر علیحدگی میں فرمایا کہ یہ روٹی بھی اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اور یہ آدمی بھی سب اللہ تعالیٰ کے ہی بندے ہیں۔ ہم اور تم تو صرف اپنی محنت کر کے مفت کا ثواب لیتے ہیں۔ یہ تھوڑے دنوں کی تکلیف ہے جتنا ہو سکے کما لو۔

ایثار: حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ ہمیشہ ایثار کے واسطے عجیب عجیب قسم کے بہانے ڈھونڈ کر نکالا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب جو دن میں حدیث شریف پڑھاتے اور رات کو درود شریف پڑھتے اور اپنے اذکار و اشغالِ تصوف میں مصروف رہتے، حضور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے، ان کا کرتہ پھٹا ہوا تھا۔ حضور علیہ الرحمتہ نے سائیں مغلی شاہ کو حکم دیا کہ دو روپے ان کو دے دو تا کہ یہ کرتہ بنالیں۔ انہوں نے فوراً دے دیئے۔ اُسی وقت ایک شخص بیس گز کا ایک تھان اور گیارہ روپے نقد حضور کی خدمت میں لے آیا۔ حضور نے انہیں مولوی صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی تم ہی لے لو۔ پھر ایک اجنبی مسافر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تو کُرتہ خوب بن جاوے گا ناں؟ اس نے بطورِ اعتراض و تمسخر جواب دیا کہ حضور ابھی کرتہ کہاں بنا۔ آپ نے اس کے تمسخر سے[1] اغماض کر کے سیدھے سبھاؤ فرمایا کہ مغلی شاہ ایک روپیہ اور دے دے اور سلائی اور بٹنوں کے واسطے بھی کچھ اور پیسے دے۔ چنانچہ انہوں نے دے دیئے۔

بعد چلے جانے ان مولوی صاحب کے اسی مسافر نے کہا کہ مولوی صاحب بھی بڑے ہی طامع ہوتے ہیں، حضور نے اس قدر دیا مگر انہوں نے یہ نہ کہا کہ میرے کرتہ سے یہ بہت زیادہ ہے۔ حضور اس پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا بے وقوف تو ہم کو نادان سمجھتا ہے؟ کیا ہم کو یہ خبر نہیں کہ کرتہ زیادہ سے زیادہ آٹھ آنے میں بن جاتا ہے؟ ہم تو اپنے نفس کو بہلا رہے تھے اور ہم چاہتے تھے کہ یہ مولوی صاحب جو رسول اللہ ﷺ کے کارندے ہیں کہ دن بھر حدیث رسول اللہ ﷺ پڑھاتے اور رات بھر درود شریف پڑھتے ہیں ان کو فائدہ ہو اور کسی حیلہ سے ان کے پاس پہنچے اور ہمارے نفس کو ایثار کا مزہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو تحفہ پہنچے۔

ایثار: مست محمد حسین حضور کا ایک درویش حج کے لئے کعبۃ اللہ شریف گیا۔ وہاں جا کر اس کو خرچ کی بے حد تنگی ہوئی اور حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت میں خط لکھا۔ حضور نے سن کر فرمایا کہ شاید

---

[1] چشم پوشی

اَللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھنا چھوڑ دیا جو اس کو تنگی ہوئی اور پچاس روپے کا منی آرڈر اس کے پاس بھیج دیا۔

بیانِ مؤلف: مَیں نے گیارہ برس حضور کی خدمت مبارک میں گزارے، اس عرصہ میں حضور علیہ الرحمتہ کا ایثار ظاہری و باطنی عجیب ہی قسم کا دیکھا۔ جو آیا حضور کے دروازے سے کبھی خالی نہیں گیا۔ جو دولت مند و متمول[ا] ہوا اس کو روٹی کھلا کر رخصت فرماتے اور جاتے وقت کچھ شیرینی یا بتاشے وغیرہ انہیں دلایا کرتے کیونکہ وہ بوجہ دولت مندی و اہل کاری کے روپیہ پیسہ نہیں لے سکتے تھے۔ غرض خالی ہاتھ انہیں بھی نہیں جانے دیتے تھے۔ اور جو غریب غرباء ہوتے ان کو روٹی کے ساتھ کسی قدر نقدی بھی دلایا کرتے جو تین پیسے سے کم نہیں ہوتی تھی اور زیادہ جس قدر حضور چاہتے دلا دیتے۔ مگر وتر کا خیال رکھتے مثلاً پانچ آنے، سات آنے، نو آنے، تین پیسے، پانچ پیسے وعلیٰ ھذا القیاس۔ بچوں کو بتاشے اور مٹھائی دلا دیتے اور مسافر و زائرین کو روپیہ دو روپیہ تک بھی عطا فرمادیا کرتے۔

اور سب سے بڑی باریک اور لطیف بات حضور میں یہ بھی تھی کہ جس کو حضور دیکھتے کہ یہ کسی قسم کا نشہ باز ہے اور خلافِ شرع امور میں خرچ کرے گا تو اس کو حضور آٹا یا کپڑا وغیرہ دلا دیا کرتے اور درویشوں کو پیسے دے کر فرماتے کہ آٹا یا نمک خرید کر دے دو۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضور اگر پھر وہ لوگ، آٹا یا کپڑا وغیرہ جو حضور کے ہاں سے لے کر جاتے ہیں، اسے بیچ کر پیسے لے لیں اور اپنے اسی ناجائز صرف میں لاویں تو۔ فرمایا ہم نے شرع کے مطابق اپنی احتیاط پوری کر لی، آئندہ ان کی مرضی، ہمارے ذمہ نہیں۔ (مؤلف)

ایثار: ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا تو حضور نے دو پیسے ایک درویش کو دلوا کر فرمایا کہ اس کا نمک خرید کر اس کو دے دو۔ وہ کسی گاؤں کا چمار تھا۔

ایثار: نقل ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ حضور میں مسافر ہوں اور یہاں آیا ہوا ہوں، میرا ہمراہی مر گیا ہے اور میرے پاس کچھ خرچ نہیں۔ حضور نے اپنے ایک درویش کو دو روپے دلا کر حکم دیا کہ ان کا کپڑا کفن کے لئے خرید کر دے دو اور دیکھو میّت کس جگہ ہے۔ پھر اگر اور خرچ کی ضرورت ہوئی تو ہم وہ بھی دلا دیں گے اور اس کی تجہیز و تکفین اچھی طرح کرا دینا اور خود

[ا] دولت مند

ساتھ رہ کر تم یہ سب کام اس کے کرا دینا۔ اس درویش نے ایسا ہی کیا اور اس محلہ میں جہاں اس نے میت بتلائی تھی جا کر دیکھا تو میت کوئی بھی نہیں تھی بلکہ ویسے ہی دھوکا تھا اور وہ شخص روپیہ لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔ درویش نے واپس آ کر سارا ماجرا عرض کیا۔ فرمایا الحمدللہ، خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ وہ روپیہ بھی لے گیا ورنہ ہمیں ڈھونڈ کر دینے پڑتے۔

ایثار: یتیموں اور بیواؤں کی حضور بہت خبر گیری رکھتے تھے۔ اکثر بیواؤں کی روٹی لنگر سے مقرر تھی اور دونوں وقت ان کو ملتی تھی۔ جب کوئی یتیم بچہ حضور کے سامنے آتا تو اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے اور اس کی ہر طرح سے مدد اور خبر گیری رکھتے۔ پردہ دار بیواؤں کو وظیفہ کے طور پر عطا فرمایا کرتے اور اگر کبھی کسی جگہ سے مالِ زکوٰۃ وغیرہ واسطے تقسیم مستحقاں حضور کے پاس آتا تو وہ مسکینوں یتیموں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیا کرتے۔ اور بعض وقت تو اپنے خاص درویشوں کو بھی نہیں لینے دیتے تھے۔

ایثار: حضور کا لنگر دوسرے لنگروں کی طرح محدود نہیں تھا یعنی جیسا اور درویشوں کے لنگروں میں قاعدہ ہے کہ ان کے ہاں اپنے مریدوں اور ملنے والوں کے سوائے اور کو روٹی نہیں ملتی، یہاں وہ بات نہ تھی بلکہ آپ کے دربار میں جو آ گیا روٹی سے خالی نہیں جاتا تھا۔ عام مسافر بھی یہاں آ کر روٹی کھاتے تھے اور واقف ہو یا ناواقف، زائر ہو یا محض اجنبی مسافر سب کو یہاں لنگر میں تین دن تک مہمان رکھا جاتا تھا کیونکہ حدیث شریف میں تین روز تک مہمان رکھنے کا حکم ہے۔ اور یہ بھی دیکھا ہے کہ کوئی شخص خاص انبالہ کا رہنے والا آپ کی زیارت کے واسطے آتا تو اسے محبت سے فرماتے کہ کھانا کھا کر جانا چنانچہ ان کو عزت کے ساتھ کھانا کھلا دیا جاتا۔ نیز حضور کی عادت مبارک تھی کہ جب تک درویش و مسافر کھانا نہ کھا لیتے تب تک خود کھانا نوش نہیں فرماتے تھے۔ جب سب کھا چکتے تب قریب بارہ بجے دن کے کھانا تناول فرماتے اور فرمایا کرتے ہمارا کھانا درویشوں کے ساتھ ہے۔

نقل: ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور تمام درویشوں کا یہی قاعدہ چلا آتا ہے، کہ محنت مشقت کرا کرا اور چکیاں تک پسوا کر تلقین کرتے اور درویش بناتے ہیں مگر حضور کے ہاں نہ کام ہے نہ کاج مفت میں فیض ملتا ہے۔ حضور نے فرمایا بات یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان درویشوں کو جس طرح

فقر ملا ہے وہ اسی طرح آگے دیتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے خود محنتیں مشقتیں اٹھا کر اور چکیاں پیس پیس کر فقیری لی تھی تو آگے بھی وہ اسی طرح دیتے ہیں اور ہم پر چونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے اور بلا محنت و مشقت اچھے کھانے کھاتے پیتے اللہ تعالیٰ ہمیں ملا ہے تو ہم آگے بھی اسی طرح بلا محنت درویشوں کو دینا چاہتے اور دیتے ہیں۔ ہماری تو وہی مثل ہے ''میاں ڈھڈا ہسد یاں کھیڈ دیاں رب لدّھا۔،، اس پر کسی نے عرض کیا کہ حضور یہ میاں ڈھڈا کون تھے اور ان کو ہنستے کھیلتے رب کیسے مل گیا تھا؟ فرمایا کہ لاہور میں ایک شخص تھا اس کا نام تھا میاں ڈھڈا۔ ان کو کوئی کامل فقیر مل گئے۔ اس نے ان کی خدمت کی تو انہوں نے خوش ہو کر جو اس پر نظر ہمت کی تو اس کے دل سے محبت دنیا قطعی زائل ہو کر وصلِ ذاتِ الٰہی ہو گیا اور وہ سب جھگڑے چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے اور ہمیشہ مستغرق رہتے۔ جب کبھی ہوش آتا تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے نعرہ لگاتے ''میاں ڈھڈا ہسد یاں کھیڈ دیاں رب لدھا'' اور پھر بے ہوش ہو جاتے۔ یہ چرچا عام ہوا۔ عالمگیر بادشاہ بھی وہیں تھا۔ اس کو خبر ہوئی آدمی بھیجے کہ ان کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ لوگ گئے آپ نہ ملے۔ شاہی ملازمان اگر تلاش کے واسطے جنگل میں جاتے تو آپ شہر میں ہوتے اور جو شہر میں ڈھونڈتے تو آپ جنگل میں ہوتے۔ ایک روز بادشاہ کو خبر لگی کہ اس وقت وہ جنگل میں پڑے سوتے ہیں۔ بادشاہ اپنی فوج لے کر جنگل میں گیا اور میاں ڈھڈا کا چاروں طرف سے حصار کر کے صرف ایک راستہ رکھا اور اس راستہ پر آپ کھڑا ہو گیا۔ جب میاں ڈھڈا کی آنکھ کھلی تو انہوں نے پھر وہی نعرہ لگایا ''میاں ڈھڈا ہسد یاں کھیڈ دیاں رب لدّھا''۔ بعدہٗ جب خیال کیا تو دیکھا کہ چاروں طرف فوج کھڑی ہے اور ایک راستہ ہے اُسی طرف کو چلے۔ جب دوازہ کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے پکڑ کر پوچھا کہ ہنستے کھیلتے رب کس طرح مل گیا؟ فرمایا کہ جس طرح اس وقت آپ مل گئے یعنی چاروں طرف کے دروازے بند کر دیئے اور صرف اپنی طرف کا دروازہ کھلا رکھا جس کی وجہ سے آپ مجھ سے مل گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی چاروں طرف کے دروازے بند کر کے صرف اپنے والا دروازہ کھلا رکھا اور آپ ہی مجھے مل گیا ورنہ بھلا میرے جیسے مسکین کی رسائی کس طرح ہو سکتی تھی۔ بادشاہ چپ ہو گیا اور ان کو اُسی حال پر چھوڑ کے چلا آیا۔

نقل ہے کہ جس قدر فتوحات ہوتیں حضور علیہ الرحمتہ اس کو اسی روز خرچ کر ڈالتے تھے اور

پارچات وغیرہ اکثر لٹا دیا کرتے تھے غرض باقی کچھ نہیں رہنے دیتے تھے اور اسی وجہ سے اوائل میں اکثر اوقات فاقہ ہو جاتا تھا اور کئی کئی روز تک رہتا۔ انتظام لنگر وغیرہ اس وقت ہوا جبکہ چھوٹی مائی صاحبہ سے نکاح ہوا۔ چونکہ وہ پڑھی لکھی منتظم اور امانت دار تھیں اور بہمہ اوصاف[1] متصف۔ انہوں نے اس خانقاہ کا نہایت عمدہ انتظام فرمایا چنانچہ بعد نکاح کے پھر کبھی فاقہ تو کیا ہوتا بلکہ روز بروز لنگر میں ترقی ہوتی رہی۔ اور اپنا مال جو خاص ان کی ملکیت تھا اس سے مکان اور وہ احاطہ جس میں اب روضہ شریف ہے خرید کیا۔ غرض حضور علیہ الرحمتہ نے مدت العمر میں نہ کبھی کوئی چیز اپنی ملکیت کی اور نہ ذخیرہ کر کے کبھی اپنے پاس رکھی۔ ہمیشہ ایثار پر عمل رہا اور بارہا ایسا ہوا کہ جو کچھ پارچات وغیرہ کی قسم سے گھر میں موجود ہوا جمعہ کے روز باہر نکلوا کر سب چیزیں لٹوا دیں۔

نقل: آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو کچھ فتوحات ہوتیں حضور کچھ نقد خیرات فرما دیتے اور باقی کا طعام پکوا کر درویشوں اور دیگر مساکین کو کھلا دیتے کیونکہ حضور کی طبیعت میں ایثار بہت تھا۔ اگر کپڑا آپ کے پاس آتا تو وہ بھی اللہ کے واسطے دے دیا کرتے۔ بعض اوقات بڑے بڑے قیمتی دوشالے حضور کی خدمت میں تحفتہً آئے اور حضور غلبہء سکرت اور بیہوشی کی وجہ سے انہیں اوڑھ کر زمین پر بیٹھ گئے اور جب ہوش آیا تو کسی کو اللہ کے واسطے دے دیا۔ حضور کی یہ حالت تھی کہ اگر کہیں سے دس روپے آ گئے تو دس کا ہی طعام پکوا کر اپنے درویشوں اور دیگر مساکین ومحتاجوں کو کھلا دیا اور اس کا اصلی سبب آپ کا ایثار تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک روز سیّد المرسلین ﷺ بعد نمازِ مغرب بہت جلدی اپنے گھر تشریف لے گئے اور پھر جلدی ہی واپس مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ حضور پر قربان ہوں یارسول اللہ ﷺ آپ جلدی گھر میں تشریف لے گئے پھر جلدی ہی واپس تشریف لائے اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا کہ میرے گھر میں ایک درہم تھا نماز میں مجھے اس کی بدبو آئی اس واسطے جلدی اس کو صدقہ کر کے آیا ہوں۔ حضور علیہ الرحمتہ پر اسی سنت مبارکہ کا غلبہ تھا۔ اور یہ ایثار ہمیشہ کا آپ کی طبعی عادت ہو گئی تھی۔ اور باطنی ایثار جس سے ہدایت مراد ہے اس کی تو کچھ انتہا ہی نہ تھی اور اس کی جزئیات احاطہء تحریر میں نہیں آ سکتیں کیونکہ جو اہل یا نااہل یا ہندو یا سکھ ایک دم بھی اگر آپ کی

[1] بہت سی خوبیوں کی مالک۔

صحبت میں بیٹھ گیا تو اس پر وہ اثر پڑتا تھا کہ دنیا کی طرف سے ٹوٹ وارد ہو جاتی اور یادِ الٰہی کی طرف رغبت غالب ہو جاتی تھی۔ اور اہل اگر صحبت میں بیٹھتا تو فوراً اس کو عروج شروع ہو جاتا اور اس کے نظائر آگے بہت ذکر کیے جائیں گے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مجاہدہ، ذکر وفکر، مجذوب، سفر در وطن

ارشاد: ایک روز فرمایا کہ اگر یہ چار چیزیں انسان کے شامل حال ہوں تو بہت جلدی مراتب طے کر سکتا ہے۔(۱) مرشدِ کامل (۲) مرید پر پیشوا کی شفقت (۳) رحمتِ الٰہی (۴) مرید کو پیشوا کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی طلب غالب۔ جس کو یہ چاروں امر میسر ہوں اس کو مراتب کے طے کرنے میں دیر نہیں ہوتی۔

مجاہدہ: حضور کے مجاہدے کا یہ حال تھا کہ کوئی لمحہ اور ساعت ایسی نہ تھی جو یادِ خدا سے خالی ہو۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی ذکر یا درود شریف زبانِ فیض ترجمان سے جاری رہتا تھا یا مراقبہ یا اور تسبیحیں فرماتے رہتے۔

ذِکر: ایک روز حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے برابر کوئی شے نہیں ہے۔ یہ ادنیٰ اعلیٰ ذات کو نہیں دیکھتا، جو اس کو مضبوط پکڑے اُسی کو پاک بنا دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید میراں شاہ بھیکہ رحمتہ اللہ علیہ کا ایک جولاہا مرید تھا۔ حضرت میراں صاحب نے اس کو کلمہ شریف تلقین کیا۔ اس نے کلمہ طیبہ کو یہاں تک پکایا اور اس قدر مشق بہم پہنچائی کہ ایک دھاگے کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اور دوسرے دھاگے کے ساتھ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہوئے کپڑا بنا کرتا تھا اور رات کو آپ کی صحبت میں رہا کرتا۔ آخر اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرتؒ میراں صاحب نے دریافت فرمایا کہ آج وہ جولاہا کیوں نہیں آیا؟ کسی نے عرض کی کہ حضور آج اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمایا چلو ہم بھی اس کی تجہیز وتکفین میں شریک ہوں گے۔ آخر وہاں تشریف لے گئے اور دور ہی سے فرمایا کہ تجھے تو مرنا نہیں چاہیئے تھا۔ بمجرد آپ کے اس ارشاد کے وہ دوزانو اٹھ بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کہ شریعت کا پردہ نہ کھول، معلوم ہو گیا کہ تیری روح زندہ ہے اور مری نہیں اور یہ دوہڑا فرمایا۔ دوہڑا ؎

نام نام کا لاھا رے
جگ جیتوں جاے جولاہا رے

فِکر: ایک روز رحمت اللہ نامی درویش پاس انفاس[1] کے طریقہ سے ذکرِ قلبی میں مشغول تھا۔ حضور علیہ الرحمتہ نے معلوم کر کے فرمایا ؎

نہ تسبیح ہے نہ مالا ہے
کچھ اس کا بھید نرالا ہے

ذکر: ایک روز[2] حبسِ دم کا ذکر تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سانس کا لینا ہی خدا تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور ہر نعمت کے بدلہ میں شکر کرنا ضروری ہے اور فقیروں کے نزدیک سب سے بڑا اور سب سے مقدم شکر ذکر کرنا ہے۔ اور یہی معنے ہیں فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ کے۔ (ترجمہ۔ تم مجھے یاد کرو میں تجھے یاد کروں گا) تو دن رات میں چوبیس ہزار سانس آدمی لیتا ہے۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ دنیا کے کاموں اور بات چیت وغیرہ دوسرے شغلوں میں جو سانس ضائع ہوتے ہیں اور ان میں ذکرِ خدا نہیں ہوتا اور ہمارے ذمہ ہر سانس پر ذکر کرنا فرض تھا تو حبسِ دم میں ان سانسوں کی قضا ہو جاتی ہے جو خالی گزر گئے تھے۔ جس طرح کہ نماز قضا ہو جاتی ہے اور اس کا دوسرے وقت میں ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اِسی طرح فقیروں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یاد فرض ہے، تو جو سانس اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت میں گزرے ہم اس کی اِس طرح قضا کرتے ہیں۔

مجذوب: ایک روز مجذوبوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ کسی نے عرض کیا حضور مجذوب بھی بہت ہی اچھے ہوتے ہیں کیونکہ وہ دنیا جہان سے بالکل کنارہ کر جاتے ہیں اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کے عالی مقام ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ مجذوب کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خللِ دماغ کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے ہیں اور دنیا و مافیہا کی انہیں کچھ خبر نہیں رہتی۔ دوسری قسم کے ایسے ہوتے ہیں جو صرف روٹی کے واسطے بناوٹی مجذوب بن جاتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کا تو کوئی مرتبہ و مقام نہیں ہوتا۔ البتہ ایک تیسرا گروہ مجذوبوں کا ہے جو خدا تعالیٰ کی یاد یا ذکر میں مستغرق ہو کر بے ہوش ہو جاتے ہیں وہ اصلی مجذوب ہوتے ہیں لیکن ان میں سے بھی بڑے سے بڑا مجذوب ولایتِ صغریٰ ہی میں رہتا ہے خواہ کسی قدر کوشش کرے، ولایتِ کبریٰ تک

---

[1] سانسوں کی نگہبانی۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔
[2] سانس روک کر ذکر کرنا۔

مقام یا رسائی نہیں ہوسکتی۔ البتہ ایسے مجذوبوں کا فکر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے لفظوں سے بھی بچنا چاہیئے۔ دل سے خاطر تواضع کردے۔ پھر فرمایا مالیر کوٹلہ کے نزدیک ایک مقام کا ذکر ہے کہ وہاں ایک مجذوب تھا۔ ایک مولوی صاحب بھی وہیں رہتے تھے۔ مولوی صاحب کا لڑکا خوبصورت تھا۔ مجذوب اس لڑکے سے محبت کرنے لگا۔ جب وہ مسجد میں جایا کرتا تو مجذوب بھی ساتھ جاتا۔ اس مجذوب کے ساتھ کُتے رہتے اور مکھیاں بکثرت لگی رہتی تھیں۔ ایک روز اس لڑکے کی طرف توجہ سے دیکھا۔ مجذوب تو اسی وقت جاں بحق ہوا اور وہ لڑکا مجذوب ہوگیا۔ گویا ایک ہی توجہ میں اس لڑکے کو جو اس مجذوب کا مقام تھا وہاں تک پہنچادیا۔ ان کی توجہ بڑی تیز ہوتی ہے۔ جہاں تک ان کا مقام ہوتا ہے دوسرے کو ایک ہی توجہ میں وہاں تک پہنچادیتے ہیں اس سے زیادہ نہیں کرسکتے۔

ارشاد: ایک روز کسی نے حضور سے دریافت کیا کہ حضور بندگان و خاصانِ خدا گوشوں اور حجروں میں ہی رہتے ہیں یا اور جگہ بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا یہ بات نہیں، خدا تعالیٰ کے بندے بازاروں میں بھی ہیں، پولیس میں بھی، کچہریوں میں بھی، جنگلوں میں بھی، ہر جگہ ہوتے ہیں مگر پہچاننے والے کو نظر آتے ہیں۔ ذاکرین و بندگانِ خدا تعالیٰ سے کوئی جگہ خالی نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا ایک دفعہ ہم ایک گاؤں میں گئے وہاں ایک قبر پر مراقب ہوگئے، دیکھا تو اس قبر پر بہت فیض پڑتا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک نمبردار کی قبر ہے۔ تو نہیں کہا جاسکتا کہ نمبرداروں میں مردِ خدا نہیں ہوتے اور بندگانِ خدا تعالیٰ سے کوئی جگہ خالی نہیں ہوتی۔

سفرِ[1] در وطن: حضور علیہ الرحمتہ کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی مراقبہ یا نماز سے حضور فارغ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور بڑے دور دراز سفر سے واپس تشریف لائے ہیں اور ایسا ہی حضور ظاہر بھی فرمایا کرتے تھے کیونکہ حاضرین سے دریافت فرمایا کرتے کہ راضی ہو کہاں رہتے ہو، کیا حال ہے، حالانکہ وہ حضور کے پاس ہی بیٹھے ہوتے تھے۔ آپ کی روح مبارک صعود یعنی عروج ملاءِ اعلیٰ حضورِ الٰہی میں کر جاتی تھی۔ جب واپس آتی تو جیسا کہ بعد سفر کے ملاقات ہوتی ہے ایسی ہوتی تھی اس سے سفر در وطن خوب ظاہر ہوتا تھا۔

---

[1] یہ تصوف کی اصلاح ہے۔ عبادت کے دوران جب انوارات الٰہیہ کی سیر ہوتی ہے تو انسان اس میں اتنا مگن ہوجاتا ہے کہ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی۔ جب سیر ختم ہوتی ہے تو اس دنیا میں لوٹ آتا ہے۔ واپسی کے اس سفر کو سفر در وطن کہا جاتا ہے

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ مومن اس وقت پختہ ہوتا ہے جب اپنے عیوب کو خود دیکھے اور خود اس پر سزا مقرر کرے اور ان کے نکالنے کے در پے رہے تب وہ پکا مومن ہے۔ پھر وہ اپنے نفس کا پورا حاکم ہو جاتا ہے اور ہر طرح سے امن میں رہتا ہے اور جوں جوں ان عیوب کو نکالتا رہے گا برابر امن میں بڑھتا چلا جائے گا۔ اسی وقت ایک عورت چھاج کے ساتھ اناج پچھوڑنے لگی۔ حضور دیکھ کر فرمانے لگے کہ بہ نسبت چھلنی کے یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ یہ اپنے میں سے خراب اور بری چیز کو نکالتا اور اچھی وعمدہ کو رکھتا ہے اور چھلنی اچھی اور نفیس کو اپنے میں سے نکال دیتی اور بری کو اپنے اندر رکھتی ہے۔ فقیر کو ایسا ہونا چاہیے جیسا یہ چھاج ہے۔ چنانچہ کسی فقیر کا مقولہ ہے۔ دوہڑا

چھانن کی مت چھوڑ دے چھاجن کی مت سیکھ لے
سادھو کی مت چھٹنا ہے جو چُن چُن گن لے

ترجمہ:۔ چھلنی کا طریقہ چھوڑ دے اور چھاج کا طریقہ اپنا لے۔ سادھو کا طریقہ چھٹنے والا ہے۔ اس سے خوبصورت آواز پیدا کر لیتا ہے۔

جزی اللہ عنا سیدنا محمدا ما ھو اھلہ

فصل نہم

نماز و درود شریف

قبل اس کے کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی نماز کی کیفیت لکھی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کشف المحجوب سے چند حکایتیں نقل کر دی جائیں تا کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی نماز کی مطابقت متقدمین اولیا اللہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز کے ساتھ ہو جائے اور سب پر روشن ہو جائے کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی نماز بعینہٖ متقدمین اولیاء اللہ کی نماز کا نمونہ تھی اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ حکایات حسب ذیل ہیں۔

نقل: جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نماز کا ارادہ کرتے تھے تو ان کے بال کپڑے سے باہر سر نکال دیتے تھے اور کانپنے لگ جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ نماز ادا کرنے کے وقت ایسی امانت آئی ہے کہ آسمان و زمین اس کے اٹھانے سے عاجز ہو گئے تھے۔

نقل: ایک شخص کہتا ہے کہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ جب تکبیر شروع کی اور کہا اَللّٰہُ اَکْبَر تو بے ہوش ہو کر گر گئے اور اس جسم کی طرح ہو گئے جس میں روح اور حس نہیں ہوتی۔

نقل: مبارک کے بیٹے عبداللہ نے کہا ہے کہ میں عبادت کرنے والی عورتوں میں سے ایک عورت کو یاد کر لیتا ہوں جس کو میں نے لڑکپن کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ وہ نماز میں تھی، بچھو نے اُس کو چالیس جگہ سے کاٹا مگر اس میں کچھ تغیر ظاہر نہ ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اس کو کہا کس لئے اس بچھو کو آپ نے دفع نہ کیا؟ کہا اے بیٹا! تو لڑکا ہے، کیونکر روا ہوتا تھا کہ میں خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کرتی۔

نقل: ابوالخیر اقطع کے، جو اکابر اولیا اللہ سے ہیں، پاؤں میں آکلہ کی بیماری ہو گئی تھی۔ طبیبوں نے کہا کہ اس پاؤں کو کاٹ دینا چاہیے۔ انہوں نے اس پر رضا نہیں دی۔ مریدوں نے کہا کہ نماز میں پاؤں اس سے جدا کر لینا چاہیے کہ اس وقت وہ اپنے سے خبر نہیں رکھتا۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کٹا ہوا تھا تو فرمایا اسے کیا ہوا؟

نقل: مشائخ میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ حاتم اصم سے مَیں نے پوچھا کہ تو نماز کیونکر پڑھتا ہے؟ کہا جب وقت آتا ہے تو ظاہری اور باطنی ایک وضو کرتا ہوں، ظاہری پانی سے اور باطنی توبہ سے، پھر مسجد میں آتا ہوں اور مسجدِ حرام کو دیکھتا ہوں اور ابراہیم علیہ السّلام کے مقام کو اپنی دو ابروؤں کے درمیان رکھتا ہوں، اور بہشت کو اپنے دائیں پر جانتا ہوں اور دوزخ کو بائیں پر، اور صراط کو قدم کے نیچے لاتا ہوں اور ملک الموت کو اپنی پیٹھ پر جانتا ہوں۔ پھر تعظیم کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں اور حرمت سے قیام کرتا ہوں اور ہیبت سے قرأۃ پڑھتا ہوں اور تواضع سے رکوع اور عاجزی سے سجدہ اور حِلم و وقار سے جلوس کرتا ہوں اور شکر سے سلام۔

نماز

پہچان کہ نماز ایک عبادت ہے کہ اوّل سے آخر تک خدا کا راستہ مُرید اس میں پاتے ہیں اور اسی میں ان کے مقامات کھلتے ہیں۔ جیسا کہ طہارت یعنی پاکی اور وضو کرنا مریدوں کے لئے توبہ کی جگہ ہے اور کسی پیر سے تعلق کرنا قبلہ کے پانے کے بجائے اور ہمیشہ کا ذکر قرأت کی جگہ اور تواضع رکوع کی جگہ اور نفس کی معرفت سجدہ کرنے کے بجائے اور اُنس یعنی محبت کا مقام تشہد کے بجائے اور دنیا سے تنہا ہونا بجائے سلام کے اور مقامات سے باہر آنے کے ہے۔ فِیْ صَلٰوۃِ دَائِمُوْنَ نماز دائم تب حاصل ہوتی ہے کہ پہلے ایسی صورت حاصل ہولے۔

ارشاد: حضور علیہ الرحمتہ ایک روز عشاء کے وقت جوش کی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھنے لگے۔ نیت باندھ کر آپ نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور معاً نیت توڑ دی۔ اسی طرح دو تین مرتبہ کیا۔ پھر ایک عجیب جوش و خروش کی حالت میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ فرمایا، خداوندا! ہم تیرے مسکین بندے نہایت بے بس ولاچار ہیں۔ تو اگر میری مدد نہ کرے گا تو میرا کہاں ٹھکانا ہے؟ خداوندا! تیرا یہی فضل واحسان بہت بڑا ہے کہ مجھے نماز پڑھا دے۔ آسمانوں والے خبر لینا میری، مولیٰ فضل کر، آسمانوں زمینوں والے سن لے غریبوں مسکینوں کی۔ اور نعرہ مارا کہ اللہ! یا مولیٰ! آسمانوں اور زمینوں والے خبر لے۔ جس وقت آپ نے جوش میں یہ فقرات فرمائے تو ہم سب کانپ رہے تھے اور تمام در و دیوار کانپتے نظر آتے تھے۔ آخر آپ نے نیت باندھی اور اس طرح سے نماز پڑھنی

شروع کی۔ سُبْحَانَ سُبْحَانَ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِہٖ وَبِحَمْدِہٖ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ غرض اِس طرح الگ الگ اور مکرّرسہ کرّرفقرات کے ساتھ آپ نے آدھی رات گئے تک قریب ایک بجے کے نماز پوری کی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو مَیں نے عرض کیا کہ حضور لوگ تو نماز جلدی پڑھ لیتے ہیں اور ہمیں اب آدھی رات گزر گئی۔ فرمایا مولوی صاحب وہ لوگ اچھے ہیں، انہیں کیا خبر ہے کہ آگے سانپ بچھو کیا بلا ہے۔ مشکل تو ہمیں ہے۔ میں نے عرض کیا حضور فرض، واجب، سنّت مستحب، یعنی رکوع سجود اور قیام وقعود وغیرہ ارکانِ نماز اگر اچھی طرح ادا ہو جائیں اور تکبیرِ اُولیٰ کے وقت حضورِ قلب میسر ہو جائے پھر خواہ ہو یا نہ ہو شریعت والوں کے نزدیک نماز ادا ہو جاتی ہے۔ اس پر آپ نے عجیب تقریر فرمائی۔ فرمایا وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں۔ ہماری نماز اگر پوری ادا ہو جائے تو گویا دونوں جہان کی نعمت حاصل ہو گئی۔ جب تک نماز کے ہر ایک فقرہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے "اے[1] بندے ہم حاضر ہیں اور ہم نے تیری نماز قبول کر لی،، کا الہام نہیں ہوا ہم نے کبھی دوسرا فقرہ نہیں پڑھا اور جو الہام نہ ہو تو ہم نہیں سمجھتے کہ نماز ہو گئی ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نماز میں ساتھ ساتھ کچھ اور باتیں بھی کرتا جاتا ہے اپنے بندے کے ساتھ جو قرب میں ہو کر نماز پڑھے۔ کتابوں میں دیکھنا شاید کہیں لکھا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جس طرح کی ہوا کرتی تھی تو جو لوگ پابندِ سنّت ہیں اور جن کو بوجہ اس کے کہ ذاتِ رسول اللہ ﷺ میں فنا ہو چکی ہے رسولِ خدا ﷺ کے طفیل سے ان کو بھی وہی نماز نصیب ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے یاد نہیں۔ فرمایا دیکھنا تو سہی شاید نکل ہی آوے۔ دوسرے روز صبح کو میں مشکوٰۃ شریف پڑھ رہا تھا کہ پہلے ہی یہ حدیث نکلی۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ فَاِذَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَاقَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ قَالَ ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ فَاِذَا قَالَ اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ

---

[1] اس کے اصل الفاظ یہ ہیں لَبَّیْکَ عَبْدِیْ قَبِلْتُ ۔ ۱۲

اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلاَ الضَّآلِّيۡنَ قَالَ هٰذَا لِعَبۡدِىۡ وَلِعَبۡدِىۡ مَاسَأَلَ ط (ترجمہ۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے تھے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقسیم کیا میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصّے کر کے اور میرے بندے کے واسطے وہ چیز زائد ہے جس کا وہ سوال کرے۔ پس جس وقت بندہ کہتا ہے کہ الحمد لله رب العلمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب کہتا ہے الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میرے لئے بزرگی ثابت کی۔ اور جب کہتا ہے ملک یوم الدین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۔ اور جب کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے واسطے ہے جس کا اس نے سوال کیا۔ پھر جب کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والاالضآلین ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے واسطے ہے اور میں نے اپنے بندے کو دیا جس کا اس نے سوال کیا۔)

میں نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ حضور میں آج حدیث شریف پڑھ رہا تھا اس میں یہ حدیث نکلی ہے۔ آپ نے سن کر ارشاد فرمایا ہاں ایسی ہی ایسی باتیں ہمیشہ نماز میں ہمارے ساتھ ہوا کرتی ہیں۔ اسی وصل اور قرب کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قُرَّةُ عَيۡنِىۡ فِى الصَّلٰوةِ (ترجمہ:۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور وہ نماز جس کی شان میں اَلصَّلٰوةُ مِعۡرَاجُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (نماز مومنوں کی معراج ہے) اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَر (ترجمہ۔ بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی کے کاموں اور برائیوں سے) یہی نماز ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحاور[1] و تکلم ہو اور حقیقی نماز یہی ہے۔ اگر ایسی نماز نہ ہو تو اس میں یہ قرب نہیں ہوتا اور وہ قرۃ عینی اور معراج المؤمنین اور تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کی صفات سے موصوف نہیں ہو سکتی۔

---

[1] باہم گفتگو کرنا۔

دُرودشریف

ارشاد: ایک روز فرمایا کہ اور تمام عبادتیں بہ سبب کسی قصور کے رد ہوسکتی ہیں مگر دُرودشریف ایسی شے ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی رد نہیں ہوسکتا۔ پھر فرمایا کہ اکثر بندہ جس وقت عبادت ویادِ خدا میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر فتنے اور ابتلاء بکثرتِ وارد ہوتے ہیں۔ درودشریف کا بڑا عمدہ خاصہ یہ ہے کہ اس کے وِرد رکھنے والے پر کوئی فتنہ اور ابتلاء نہیں آتا اور حفاظتِ الٰہی شامل حال ہوجاتی ہے۔

ارشاد: ایک روز فرمایا ہم نے دیکھا کہ جب آسمان سے بلیّات زمین پر آتی ہیں تو زمین کی بلیّات سے صالحین اور نیک لوگوں کے گھر دریافت کرتی ہیں تاکہ وہاں جائیں۔ مگر جب درود شریف پڑھنے والے کے مکان پر آتی ہیں تو درودشریف کے خادم ملائکہ ان کو اس گھر میں نہیں آنے دیتے بلکہ ان کو اپنے پڑوس سے بھی دور پھینک دیتے ہیں۔

ارشاد: ایک دفعہ فرمایا کہ اگر کسی کو مرشد کامل نہ ملے یا کسی پر اس کا عقیدہ نہ ٹھہرتا ہو تو درود شریف محبت کے ساتھ پڑھے۔ اِس کے پڑھنے سے اس کو پرورش روحِ رسول اللہ ﷺ سے ہو جاوے گی اور جس بزرگ سے اس کو فیض دِلانا منظور ہوگا اس کی طرف خود بخود اس کی طبیعت متوجہ ہوجاوے گی۔ اگر کسی بزرگ سے نہیں دلانا ہوگا تو خاص روحِ پاک رسول اللہ ﷺ سے نسبت حاصل ہوجاوے گی اور اسی میں مستغرق ہوکر واصل باللہ ہوجائے گا۔

ارشاد: ایک روز بڑی خوش وقتی کی حالت میں فرمانے لگے کہ ہم کو بھی درودشریف کی برکت سے روحِ رسول اللہ ﷺ کی پرورش ہے۔ اوّل اوّل جب ہم نے درودشریف بہت پڑھا تو ہم کو ایک صورت جس کا نہایت موزوں سرخ وسفید چہرہ آنکھیں بہت خوبصورت جن میں سرخ ڈورا پڑا ہوا تھا نظر آنے لگا۔ اس کے عمامہ میں ایک شملہ پیشانی پر پڑا ہوا تھا۔ وہ صورت ہر وقت ہمارے ساتھ رہنے لگی، جاگتے بھی سوتے بھی وہ ساتھ ہی رہتی۔ ہم حیران تھے کہ یہ کون ہیں اور کسی سے بھی ذکر نہ کیا کہ یہ حالت ہے۔ اور اثر اس کا یہ تھا کہ طبیعت میں ہمیشہ جوش وخروش اور سوز ودرد رہتا۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد دو صورتیں ہوگئیں۔ دوسری صورت کے عمامہ میں دو شملے نظر آئے، ایک پیشانی پر اور دوسرا بائیں جانب۔ مدت تک یہ دونوں صورتیں نظر آتی رہیں۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ پہلی صورت حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمتہ کی تھی اور دوسری حضرت رسولِ کریم ﷺ کی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ صورتیں گم ہوگئیں اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت بالمشافہ ہونے لگی اور ہماری روح کو ذاتِ رسول ﷺ میں فنا ہوگئی پھر بڑی موج ہوئی۔ مدینہ شریف سے جلدی جلدی فیض آنے لگا اب ہم کو سمجھ آئی کہ فنا فی الرسول ﷺ کی یہ صورت تھی۔

پھر فرمایا کہ ایک شخص تھا اس کو کسی بزرگ پر عقیدہ پیری نہ ہوا کہ جس کو پیر بنا دے۔ وہ بہت پھرنے پھرانے کے بعد ایک جنگل میں جا بیٹھا اور درود شریف کثرت سے پڑھتا رہا یہاں تک کہ اس کو نسبت ہوگئی۔ درود شریف سے بہت پرورش روحانیت سیّد المرسلین ﷺ کی ہوتی ہے۔

ارشاد: ایک روز فرمانے لگے کہ درود شریف بڑی ہی برکت والی چیز ہے اور اس میں بڑی موج ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور کونسا درود افضل ہے۔ فرمایا رسولِ خدا ﷺ کے تمام درود عمدہ اور بہتر ہیں مگر مراتب کا فرق ہے۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم میں لطیفہِ قلب کھلتا ہے اور صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم میں لطیفہِ روح کو ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ جو ہم پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ وَبِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَیْهِ اس میں بڑی ہی موج دیکھی۔ ایک دفعہ ہم نے جو یہ پڑھا تو دیکھا کہ ایک باغ ہے اور ایک نوری چبوترہ پر حضور رسول اکرم ﷺ رونق افروز ہیں۔ میں جا کر نہایت ادب سے ملا تو آپ سینے سے لگا کر ملے اور پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس درود شریف میں حضور کی بہت ہی خوشنودی ہے اور ترقی کا حال ہم بیان نہیں کر سکتے کہ وہ تمہاری عقل سے آگے ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہمارا ہمیشہ معمول تھا کہ عشاء کے وقت درود شریف کی دو تسبیح پڑھ کر سوتے تھے، اتفاقاً ایک دن قضا ہوگئیں۔ ہم نے وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ فرشتے بہت ہی خوش الحانی سے تعریف جناب رسول کریم ﷺ کی کر رہے ہیں اور اثناءِ تعریف میں کہا کہ وضو کرنے والو! دو تسبیح درود شریف کی پڑھ لیا کرو، قضا نہ کیا کرو۔

ارشاد: ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور اہانتِ رسول اللہ ﷺ کرنے والے کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے یا نہیں؟ فرمایا یہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرے اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ کسی نے جنابِ رسولِ کریم ﷺ کی توہین کی اور بعدہٗ وہ توبہ کی غرض سے ایک بزرگ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے توبہ کرا کر اسے درود شریف پڑھنے کی تاکید کی۔ اس نے درود شریف بکثرت اور محبت سے پڑھا تو درود شریف کے نور کی ایک شکل بن کر ان بزرگ کو نظر آئی جنہوں نے توبہ کرائی تھی اور فرمایا کہ اب تمہاری وجہ سے اس کا قصور معاف کر دیا، اسے تاکید کر دینا کہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ اگر کرے گا تو غضبِ الٰہی نازل ہو گا پھر اسے کبھی ہدایت نصیب نہ ہو گی۔ غرض توبہ ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ سچے دل سے سچی توبہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بہ طفیل رسول اللہ ﷺ کے بے شک منظور ہو جاتی ہے۔

جزى الله عنا محمداً ما هو أهله

فصل دہم

عشقِ دیدارِ الٰہی، رضا و تسلیم

ارشاد: ایک روز ایک شخص نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے پیر سے بیعت بھی کر لی اور ان کے ارشاد کے موافق عمل بھی کرتا ہوں مگر خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکا۔ سو حضور یہ بتائیں کہ وہ کیا شے ہے جو بندہ کو خدا تعالیٰ تک لے جائے؟ ارشاد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عشقِ الٰہی ہی ایک چیز ہے جو آدمی کو خدا تعالیٰ تک پہنچا دے ورنہ اور کوئی ایسی چیز نہیں اور میرا پیر بھی عشق ہے۔ اس عشق کے جذبہ نے مجھے شہروں سے لے جا کر جنگل میں بٹھا دیا اور یادِ خدا کرائی۔ غرض کہ جب تک کھینچ کھینچ کر مجھے خدا تعالیٰ تک نہیں لے گیا اور اس سے مجھے ملا نہیں دیا تب تک نہیں چھوڑا۔ پھر مسکرا کر فرمایا "[1]ڈھائی اِنچھر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہو۔"، مگر یہ عشق مردِ کامل کے سینے میں ملتا ہے، اس قسم کا سودا کاملوں کے سینے میں ہی ہوتا ہے، اہلِ ہوا اور حرص و طمع کی کوٹھڑیوں میں نہیں رہتا۔

وصل و دیدارِ الٰہی

ارشاد: ایک روز ظہر کا وقت تھا اور آپ کمرہ کے پاس والے چبوترہ پر بیٹھے ہوئے وضو فرما رہے تھے، آپ کا منہ شرق کی جانب تھا اور پشت غرب کی طرف۔ آپ نے ہاتھ دھونے کے واسطے ہاتھوں میں پانی لے کر حسبِ معمول زبان مبارک سے فرمایا، خداوندا! میری توبہ ہے شرک سے، بدعت سے جھوٹ سے غیبت سے، سب گناہوں سے میری توبہ ہے۔ یہ الفاظ آپ فرما رہے تھے اور پانی آپ کے پونچے سے اوپر کو پڑا ہوا تھا کہ حضور پر سکرت طاری ہوئی۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا۔ بلّے بلّے بلّے دیدار تو تیرا ہمیں یونہی بہت ہے اور یوں بھی ہر وقت تیرا دیدار رہتا ہے۔ ہم تیرا حکم سمجھ کر نماز پڑھتے ہیں ورنہ دیدار تو تیرا ہر وقت مجھے رہتا ہے۔

---

[1] الفت اور محبت کے چند حروف ہیں، جو انہیں پڑھے گا عالم و فاضل ہو جائے گا۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب اس قسم کے الفاظ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتے تھے اور سکرت کی حالت طاری ہونے لگتی تھی تو اِدھر اُدھر دیکھ لیا کرتے تھے کہ مبادا کوئی علم والا نہ ہو۔ حسبِ عادت آپ نے اس وقت بھی دیکھا، میں حاضر تھا۔ فرمایا مولوی صاحب! تم نے بھی کہیں دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو دیدار نماز سے پہلے ہوتا تھا وہی نماز میں بھی ہوتا تھا۔ میں نے عرض کیا حضور دیکھوں گا۔ فرمایا ہاں خوب غور سے دیکھنا اور یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ میں جو مکتوبات شریف دیکھنے لگا تو یہ حدیث شریف نظر پڑی۔[1] حَالِیْ فِی الصَّلٰوۃِ کَقَبْلِ الصَّلٰوۃ یعنی جیسا کہ نماز سے پہلے مجھے دیدارِ الٰہی ہوتا ہے ایسا ہی نماز میں ہوتا ہے اس حدیث شریف کی تمام تقریر مکتوبات شریف میں لکھی ہے۔

ارشاد:۔ ایک روز دیدارِ الٰہی کی لذت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ دیدارِ الٰہی کی لذت تمام جہان کی نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کوئی نعمت دینی یا دنیوی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک بزرگ بہت ہی تنگدست بیمار اور لاغر چلنے پھرنے سے لاچار و مجبور جنگل میں پڑے رہتے تھے۔ مگر باوجود اس قدر تنگی و تکالیف کے ہر دم و ہر لحظہ فقط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ان کا ورد تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ پر ایسا کونسا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جس کے عوض میں آپ اس کا اتنا شکر ہر وقت کرتے رہتے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر تمام طرف سے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس خالق کے احسانات کا شکر یہ ذرہ بھر بھی ادا نہیں کرسکتا۔ اس کی اس قدر نعمتیں مجھ کو حاصل ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔ ایک یہی رحمت اس کی میری شکر گزاری کے لئے کافی ہے اس نے مجھے گمراہی و ضلالت کے ساتھ نہیں آزمایا بلکہ درد و بیماری اور تکالیفِ دنیاوی میں میری آزمائش کر کے اپنے دیدار کی لذت میں مجھے محو و بے خود بنا رکھا ہے۔ ہر وقت اس کے دیدار کا مشاہدہ مجھے ہوتا رہتا ہے اور تجلیات ذاتی مجھ پر وارد ہیں۔

ارشاد: ایک روز اسی بارے میں ارشاد فرمایا کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت حاصل ہوگئی ہے ان کو دنیا و مافیہا کی کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی اور نہ وہ مصائبِ دنیا سے گھبراتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی مالی درخت کے پودہ کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا دے تو جس

---

[1] یہ کلام حالتِ سکرت کی ہے ورنہ یہ مسلم ہے کہ نماز میں بہت ہی اعلیٰ درجہ کا دیدار ہوتا ہے جیسا نماز کے فصل میں پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ (مؤلف)

وقت وہ لگا دے گا اوّل اوّل اس کے تمام پتے خشک ہو کر جھڑ جاویں گے یعنی پہلا جو تعلق تھا وہ تمام جاتا رہے گا۔ مگر جب اس درخت کی جڑ وہاں قائم و مضبوط ہو جائے گی تو پھر جو پھول پتے نکلیں گے وہ خشک نہیں ہوں گے۔ ایسا ہی فقیر کا حال ہے کہ جب وہ دنیا کے تمام تعلق خدا تعالیٰ کی دوستی میں قطع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ رحمت و ربوبیت کے ساتھ بندے کی پرورش فرماتا ہے اور فتنوں و تکلیفوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ نقل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ خداوندا مجھے اپنے کسی خاص بندے کی زیارت کرا جو دنیا سے تمام تعلقات قطع کر چکا ہو اور تیرے ہی ساتھ اس کا تعلق ہو۔ حکم ہوا کہ فلاں جنگل میں جاؤ۔ آپ وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک درویش ہے جو تمام تعلقات کو قطع کر کے جنگل میں چلا گیا اور وہیں یادِ خدا کرتا ہے۔ یہ حالت اس درویش کی تھی کہ ایک ایک سانس میں چار چار ہزار مرتبہ نامِ خدا لیا کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے اور فرمایا تجھے کچھ حاجت ہے تو بتلا۔ اس نے کہا کہ پانی پلا دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی کے واسطے تشریف لے گئے۔ پانی لے کر جو واپس آئے تو دیکھا کسی شیر یا بھیڑیئے نے اس درویش کا ذرہ ذرہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ خداوندا تیرا بھی عجیب ہی معاملہ ہے، جو تیرا دوست ہو اسی کو تو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ کیا تو اِس اپنے دوست کو ان درندوں سے نہیں بچا سکتا تھا ۔

مُلکِ الفت میں ترے خونریز ہے   عاشقوں پر تیغ تیری تیز ہے

حکم ہوا اے موسیٰ! اوپر دیکھ۔ جب انہوں نے اوپر کی جانب دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہی درویش موتی کے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے سر پر محبوبیت کا تاج ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ خداوندا! تو یہ نعمتیں تو بغیر شیر سے پھڑوائے کے بھی دے سکتا تھا، پھر کیوں اس کو شیر سے ٹکڑے ٹکڑے کرایا؟ حکم ہوا کہ جب یہ تمام تعلقات توڑ کر ہمارا ہو چکا تھا اور ہم ہمیشہ اس کی تمام حاجتیں روا فرماتے تھے پھر اس نے ہمارے غیر سے پانی کیوں طلب کیا، کیا ہم اس کو پانی نہیں دے

سکتے تھے؟ اس لئے ہم نے یوں کیا۔ یہ نقل بیان فرما کر ارشاد فرمایا بلّے عِشقا بلّے عشقا اور کہتے ہی کہتے مستغرق ہو گئے۔ بعد افاقہ کے فرمایا اس وقت ہماری روح بھی اس درویش کے پاس ہی چلی گئی تھی، بڑے سرور اور فرحت کی حالت میں ہے۔

ارشاد: ایک روز مناجاتیں اور مناقبتیں پڑھی جارہی تھیں لوگ سن کر متاثر ہوتے اور ہُوحق کرتے تھے۔ حضور اسی طرح بیٹھے ہوئے سنے گئے، کچھ کسی قسم کا تغیر نہ ظاہر فرمایا۔ جب وہ بند ہو گئے تو فرمایا کہ پہلے ہم کو مناجاتیں سن کر وصل ہوتا تھا، اب ہجر ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ کیا بات ہے؟ فرمایا پہلے جب جدائی تھی تو اس کا ذکر و تعریف سننے سے قربت ہوتی تھی، اب جبکہ وصل ہے تو کسی کا بلانا اور پکارنا ہجر لاتا ہے اور آواز کو صرف متوجہ ہونے سے ادھر سے جدائی ہوتی ہے۔ جیسا کہ معشوق جب دور ہوتا ہے تو اس کی باتیں سننے میں مزہ آتا ہے اور طبیعت اس کی طرف رجوع ہوتی ہے اور اس کا تصور بندھ کر لذت آتی ہے۔ مگر جب عاشق کی ذات معشوق کی ذات میں فنا ہو جاوے تو پھر کسی کے بلانے اور پکارنے سے طبیعت بٹ جاتی ہے اور ہجر ہوتا ہے۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ جو لوگ مستغرقِ ذاتِ الٰہی ہیں ان کو وہاں اگر ایک لمحہ گزرتا ہے تو یہاں اس عرصہ میں سوڈیڑھ سو برس کا زمانہ گزر جاتا ہے۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک درویش تھے واصل باللہ، استغراق کا ان پر غلبہ تھا۔ وہ اتفاقیہ کسی بھٹیارے کے گئے اور آٹا دے کر اس سے کہا کہ تو روٹی پکا میں ذرا مراقبہ کر لوں۔ وہ روٹی پکانے لگی اور آپ مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ اس نے روٹی پکا کر آوازیں دیں مگر آپ نہ اٹھے۔ وہ ہیبت کے باعث ڈر گئی اور بزرگ سمجھ کر نہ اٹھایا۔ غرض اسی حالت میں ان کو کئی روز گزر گئے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ ابھی نہ اٹھیں گے تو ایک مکان اس کے گرد بنا کر اس کے دروازے پر لکھا" کہ اس مکان کے اندر ایک زندہ دل درویش ہے جو مراقبہ میں بیٹھا تھا پھر اس کو ہوش نہیں آیا اور نہ لوگوں نے ہیبت کے مارے ان کو چھیڑا۔ جو کوئی اس مکان کو کھولے اس امر کا احتیاط رکھے" اور دروازہ چن کر بند کر دیا۔ تخمیناً عرصہ ڈیڑھ سو برس کا گزر گیا۔ اتفاقاً وہ گاؤں اجاڑ اور بے آباد ہو گیا صرف وہ حجرہ کھڑا رہا تو اتفاقاً کوئی بادشاہ شکار کھیلتا ہوا وہاں جا نکلا۔ اس نے وہ کتبہ پڑھا تو کہا اس کو کھولو، اگر وہ زندہ ہے تو اس کو لے چلیں گے ورنہ باقاعدہ مدفون کر دیں گے۔ چنانچہ حجرہ کو اکھاڑنے لگے۔ جب دروازہ کے پاس سے تھوڑا سا باقی رہ گیا تو

ان پر مٹی کا ڈھیلا آ گرا۔ وہ ہوش میں آ گئے اور کہا کہ روٹی تیار ہوگئی؟ بڑی جلدی تیار ہوئی۔ بادشاہ نے وہ تمام ماجرا سنایا کہ آپ کو ڈیڑھ سو برس یہاں بیٹھے ہوئے ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو استغراق ذاتِ الٰہی میں ابھی ہوا ہی تھا کچھ بھی دیر نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے کہا پھر تشریف لے چلیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بس مجھے اسی طرح رہنے دو مجھے ہجر میں تکلیف ہوتی ہے اور دروازہ بند کر دو ہم پھر وہیں چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ درویش وہیں بیٹھے رہے، بادشاہ نے بھی اسی طرح دروازہ بند کر دیا۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ درویش دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک سالک راجعین الدعوۃ دوسرے مستھلکین۔ سالک وہ جو ہوش وحواس میں ہو اور خلق کو دعوت کرے۔ اور مستھلکین وہ جو ذاتِ الٰہی میں فانی ہو کر دعوت کی طرف رجوع نہ کریں اگرچہ ان کے ہوش وحواس قائم بھی ہوں اور وہ لوگوں سے بات چیت بھی بقدرِ ضرورت کریں۔ فرمایا اس کے متعلق ہمیں ایک حکایت یاد آ گئی۔

نقل ہے کہ حضرت باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ خداوندا تیرا کوئی بندہ ایسا بھی ہے جس کو تیرا ہی ذکر ہو تیرا ہی فکر ہو، تیرا ہی خیال ہو اور تیری ذات کے سوا اسے کہیں کا ہوش نہ رہا ہو۔ خداوندا اگر تیرا کوئی بندہ ایسا ہو تو مجھے بھی اس کی زیارت کرا دے۔ حکم ہوا کہ فلاں جنگل میں ہے، وہاں پہنچنا مشکل ہے اس جگہ جا کر زیارت کر لے۔ حضرت باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اسی جنگل میں تشریف لے گئے۔ جال کریر وغیرہ کے جھنڈ وہاں بکثرت تھے۔ حضرت باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بڑی دقت سے اس کے پاس گئے اور دیکھا کہ ایک مردِ خدا استغراقی حالت میں بیٹھا ہے جس کو کسی چیز کی ہوش نہیں اور گھاس ٹانگوں اور بغلوں سے نکل نکل کر سر کے برابر تک پہنچا ہوا کھڑا ہے اور وہ چاروں طرف سے گھاس میں گھرے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے ہیبت کے مارے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی کہ الٰہی اپنے اس بندۂ خاص کو بات کلام کرنے کی اجازت عطا فرما دے، مجھے ڈر ہے کہ میرے بلانے سے کہیں اس کو رنج وایذا نہ پہنچے۔ حکمِ الٰہی سے اس کو ہوش آ گیا اور کہا کہ آپ کیسے آئے ہو؟ حضرت باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ زیارت کو۔ کہا تو اچھا زیارت کر لو۔ زیارت کر کے حضرت باوا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ

نے کہا مجھے کوئی خدمت فرمائیے۔ اس بزرگ نے کہا مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں۔
حضرت باوا فرید رحمتہ اللہ علیہ نے پھر کہا آپ کو گرمی سردی کی تکلیف ہوتی ہوگی، حکم ہو تو آپ کے اوپر کوئی جھونپڑی یا چھپر بنا دوں؟ انہوں نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں اور یہ چاند سورج گرمی سردی برف بارش اور میں خود سب اُسی کی مخلوق ہے اور آپس میں ہم کنبہ ہیں۔ مجھے کسی چیز سے کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ حضرت باوا فرید رحمتہ اللہ علیہ نے کہا پھر کوئی اور ہی خدمت فرمائیے۔ کہا بس تمہارے لئے یہی خدمت کافی ہے کہ تم مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو اور رخصت ہو جاؤ کیونکہ آپ کی وجہ سے میرا وصل ٹوٹ گیا اور دیدارِ الٰہی کی لذت میں فرق آ گیا۔ چنانچہ حضرت گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ رخصت ہو کر چلے آئے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ مستغرق ہو گئے اور جیسا کہ پہلے تھے اسی حالت میں مراقب ہو گئے۔

وصلِ رضا و تسلیم

ارشاد: ایک روز حضور علیہ الرحمتہ وضو فرما رہے تھے اور حضور کی مدامی عادت مبارک تھی کہ وضو کرتے ہوئے کبھی کسی سے کلام نہ فرمایا کرتے تھے۔ دو تین مولوی صاحبان وہاں موجود تھے اور ان میں تصوف پر بحث ہو رہی تھی۔ کوئی فنا کا نام تصوف رکھتا تھا کوئی معیت وغیرہ کوئی اور مقامات کا نام کہتا تھا۔ غرض اسی طرح سب گفتگو کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ وضو سے فارغ ہو گئے۔ مولوی صاحبان نے عرض کیا کہ حضور فرمائیں کہ تصوف کے کیا معنی ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ بھائی ہم تو اس بات کو جانتے ہیں کہ مرتے وقت بندے کے منہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نکلے اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر راضی ہو اور بندہ اپنے مولا پر راضی ہو، پھر تصوّف کے جو معنی کرو سب ٹھیک ہو جاتے ہیں اور جو یہ بات رہ گئی تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اور جب تک خاتمہ ٹھیک اس طرح پر نہ ہولیوے تب تک چاہے کوئی ہزار کرامات دکھائے چاہے تمام شجر حجر زمین آسمان اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور چاہے آسمان پر اڑتا پھرے کوئی اعتبار نہیں۔ وہ دونوں مقام جو ہم نے بتائے ہیں خیریت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ گزر جائیں تو سمجھو کہ فقیر پورا ہو گیا ورنہ اس سے پہلے تو کوئی بات قابلِ اعتبار نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی رضا اگر حاصل نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ بندہ پر اور بندہ اپنے مولا سے راضی نہ ہوا تو ان کا حال ایسا ہے۔

رہ گیاں ہار حمیلاں پیّاں
میرے شوہ نے جھات نہ پائی

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کامل کا کوئی مرید تھا، اچھا عابد متقی تہجد گزار مگر جب وہ اپنے پیر کی خدمت میں آتا تو وہ بزرگ اس کی طرف سے منہ پھیر لیا کرتے۔ مرید نے ایک روز عرض کیا حضور مجھ سے ایسی کونسی خطا سرزد ہوئی جس کے باعث حضور مجھ سے روگردانی فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا تجھ سے کوئی خطا نہیں ہوئی اور نہ میں تجھ سے ناراض ہوں مگر جب تم میرے سامنے آتے ہو تو مجھے ایک معاملہ میں سخت فکر اور غم پیدا ہو جاتا ہے۔ عرض کیا وہ کیا ہے؟ افسوس کے ساتھ فرمایا کہ ہم تیری پیشانی پر دوزخی لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ مرید بولا کہ حضور آپ میرے سے خوشی کے ساتھ مل لیا کریں اور اس امر کا کچھ غم نہ فرمائیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بہشت کی امید اور دوزخ کے خوف سے نہیں کرتا بلکہ میرا کام ہی بندگی اور عبادت ہے کیونکہ اس کا بندہ جو ہوا اور جب تک زندگی ہے برابر جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا بندگی کا حق بجا لاؤں گا۔ پھر اس مالک کو اختیار ہے کہ چاہے مجھے دوزخ میں ڈالے چاہے جنت میں جگہ دے، مجھے بہشت دوزخ کی ہرگز پروا نہیں صرف اس کی رضا مطلوب ہے۔ اور اگر میرے جیسے ناچیز و مسکین کو مولا دوزخ میں ڈال کر راضی ہو جائے تو بندہ کو اس سے زیادہ اور کیا خوشی اور سعادت ہو سکتی ہے کہ میرا مولا اتنی بات پر راضی ہو۔ میرا مطلب بھی رضا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے، مجھے اپنے راضی ہونے کی مطلق آرزو نہیں۔ اور جو لوگ بہشت کی خواہش رکھتے ہیں وہ اپنا راضی ہونا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں کہ تو ہمیں راضی کر۔ اس گفتگو کے بعد وہ مرید اپنے گھر چلا گیا۔ صبح کو جب پھر پیشوا کی خدمت میں حاضر ہوا تو پھر اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آج تمہاری پیشانی سے لفظ دوزخی محو ہو کر جنتی لکھا گیا اور یہ امر اس کی رضا کی وجہ سے ہوا۔ آواز آئی کہ جو ہمیں راضی

کرنا چاہتا ہو تو ہم ہی اس کو کب رنجیدہ کرنا چاہتے ہیں۔ جب میرے بندے کا مجھے راضی کرنا مقصود ہے تو میں بھی دونوں جہان میں اس کو راضی کروں گا۔

ارشاد: ایک روز ارشاد فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی رضا ڈھونڈے اس کی رضا کے خلاف قدم نہ رکھے اور اپنی روح کے گرد ان پانچ اشیا سے مکان بنا لیوے (۱) اپنی مقدر روزی پر خوش رہے، زیادہ کی خواہش دل سے نکال دے۔ (۲) موت کو سمجھ لے کہ ضرور آنے والی ہے اور میرے لینے کی فکر میں ہے، ہرگز نہیں چھوڑے گی۔ (۳) یہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر ایک حق ہے یعنی اس کی یاد کرنا۔ یہ حق میں دوسرے سے کرا کر نہیں چھوٹ سکتا، نہ نوکر اس حق کے ادا کرنے کے واسطے رکھ سکتا ہوں۔ یہ حق خاص مجھ پر ہے اور میں ہی اس کو ادا کروں تو ادا ہو سکتا ہے دوسرا میرے عوض کوئی نہیں کر سکتا۔ (۴) یہ کہ خدا تعالیٰ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے اور میرا کوئی فعل اس سے پوشیدہ نہیں۔ (۵) یہ سمجھ لے کہ ہر سانس میرا گھٹ رہا ہے، سوتے کیا اور جاگتے کیا ہر وقت اس میں کمی ہوتی رہتی ہے اور کوئی صورت اس کے بچاؤ کی نہیں۔ جب ان پانچ چیزوں کا خیال انسان ہر وقت پکائے تو پھر وہ دنیا کے خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے اور نفس اس کو دھوکا دے کر خدا تعالیٰ سے ہٹا نہیں سکتا اور دنیا کی محبت اس کے دل سے سرد ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دیوار بھی ٹوٹ گئی پھر نفس تنگ کرتا ہے۔ اس پر ایک نقل بیان فرمائی جو یہ ہے۔

نقل: فرمایا کہ ایک فقیر تھا اس پر ہمیشہ خطرات نفس بکثرت گزرتے اور تنگ ہوتا۔ آخر بہت لاچار ہو کر اپنے مرشد کے پاس گیا اور حال عرض کیا۔ انہوں نے اس کے نفس کو نکال کر اس سے پوچھا تو کس واسطے اس کو دق اور تنگ کرتا ہے اور کیوں اس کا مطیع نہیں ہو جاتا؟ تجھ کو بھی اس کی اطاعت میں فائدہ ہے۔ نفس نے کہا کہ حضور میری کیا خطا ہے جب یہ میری جائیداد میں تصرف کرتا ہے تو لاچار مجھے اپنی جائیداد بچانے کے واسطے اس کے ساتھ جھگڑا کرنا پڑتا ہے۔ یہ میرے مِلک میں کسی طرح کا دخل نہ دے تو میں بھی اس کو کبھی کچھ نہ کہوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ تیری مِلک کیا چیز ہے جس میں یہ دخل دیتا ہے؟ نفس نے کہا میری مِلک ہے طمع، حرص، بخل، کینہ، ہوا، لذت، خوشی، تکبر، شہوت وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ ان میں دخل نہ دے تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اس کو چھیڑوں اور تنگ کروں۔ نہ تو میرا مطیع ہوتا ہے، اگر میرا مطیع ہو تو میری فرمانبرداری کرے، نہ میری مِلک

میں دخل دینے سے باز آتا ہے۔ حضور اس کو روک دیں کہ یہ میری مِلک میں متصرف نہ ہو پھر اگر میں اس کو تنگ کروں تو مجھے آپ جو چاہیں سزا دیں۔ مرشد نے اس سے کہا کہ بول تو کیوں حرص وطمع وغیرہ نہیں چھوڑتا۔ جا اِن کو دل سے قطعی نکال دے پھر یہ تجھ کو کچھ نہ کہے گا۔

ارشاد: میں نے ایک روز عرض کیا کہ حضور خدا تعالیٰ سے اس کی محبت مانگنی چاہیے یا کوئی اور چیز؟ فرمایا اس کی رضا مانگنی چاہیے جب وہ راضی ہو جائے گا تو استعداد اور طاقت وصل و دیدار کی عطا فرماوے گا اور تسلّی و تسکین کے ساتھ دیدار ہوگا، وحشت و گھبراہٹ کے ساتھ نہیں ہوگا اور حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں اس سے ادا ہو جائیں گے۔

ارشاد: ایک روز میں نے حضور سے دریافت کیا کہ حضور سلبِ امراض کا کیا طریقہ ہے اور کہتے ہیں کہ سلب کرنے والے پر مرض لَوٹ آتا ہے یہ غلط ہے یا صحیح؟ ارشاد فرمایا کہ مریض کے اوپر سے مرض کو اتار کر اور باہر دور رکھ کر ہلاک کر دیوے اور مریض پر تجلیِ رحمت کا فیض وارد کر دیوے تو مرض جاتا رہتا ہے۔ اور بعضوں کا طریقہ ہے کہ مرض کو مریض سے اتار کر اپنے اوپر لے لیتے ہیں، وہ تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہلاک بھی نہ کرے اور اپنے اوپر بھی نہ لے تو بھی خطرہ کا موجب ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہلاک کر دے۔

نقل ہے کہ مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ مرض الموت میں بیمار تھے۔ ان کا کوئی مرید آپ کے مرض سے بہت رنجیدہ و مضمحل ہوا اور کہنے لگا کہ یہ مرض مجھ کو ہو جائے۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے۔ آپ نے مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلبِ مرض فرما کر اس مرید پر ڈال دیا۔ وہ چیخنے لگا اور تھوڑی دیر میں تنگ آ گیا۔ مولانا صاحب علیہ الرحمۃ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا یہ رضا و تسلیم کے خلاف ہے ہمارا مرض واپس لا دو۔ چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واپس کر دیا۔

ارشاد: ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے زانو مبارک میں درد ہوا۔ فرمایا کہ اس جگہ کوئی دوا لگاؤ۔ پھر فرمایا کہ فقیروں کو مرض سلب کرنے کی قوت تو بہت ہوتی ہے مگر رضا و تسلیم کے خلاف ہے۔

فصل یازدہم

متفرقات

ارشاد: ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضور میرے واسطے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی محبت عطا فرمادے۔ حضور نے دستِ مبارک اٹھا کر دعا کی کہ خداوندا! اس کو اتنی محبت عطا فرما جسے یہ اٹھا سکے۔ پھر ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ سے اگر اس کی محبت کی دعا مانگنی ہو تو اتنی محبت کی دعا مانگنی چاہیے جس کو برداشت کر سکے کیونکہ اگر برداشت سے زیادہ محبت مل جاوے تو فقیر بڑی بڑی آزمائشوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے سخت مصائب پیش آتے ہیں اور ان مصائب میں پوری استقامت نہ ہونے اور پریشانی کا خوف ہے۔ پھر فرمایا یہ وہی تو ہے جسے آسمان و زمین نہیں اٹھا سکتے تھے[1]۔

ارشاد: ایک روز علماء کا مجمع تھا اور اس مسئلہ کا ذکر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک کو آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں جو مٹی لگی ہوئی ہے اس کا مرتبہ بھی عرش معلٰے سے زیادہ ہے اور خود ذاتِ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ تو عقلِ بشر سے آگے ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن اور انسان کو عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اگر عبادت کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعریف کی جائے تو اس میں تو اللہ تعالیٰ کی کل مخلوقات شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں میری جس قدر مخلوق ہے وہ سب میری تسبیح کرتی ہے۔ سو آسمان و زمین کے اندر ہی جن و انسان بھی آگئے، تو ان معنی کے لحاظ سے جن و انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ فرماتا ہے کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن و انسان کو مگر واسطے عبادت کے[2]۔ تو معلوم ہوا کہ اس جگہ عبادت کے معنی تسبیح و تہلیل نہیں کیونکہ اس میں تو اور بھی تمام مخلوقات شامل ہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انسان کو مگر واسطے معرفت کے۔ یعنی عبادت سے مراد معرفت والی عبادت ہے کہ خدا تعالیٰ کو پہچان کر عبادت کرے۔

---

[1] سورۃ الاحزاب کی اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان عرضنا الامانۃ السموات والارض والجبال ...... الایۃ

[2] قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

وجہ یہ کہ مراتبِ قرب کا مدار معرفت پر ہے اور معرفت اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان ہی کو عطا فرمائی ہے۔ اور جب معرفت پر مراتبِ قرب کا مدار ٹھہرا تو یہ ظاہر ہے کہ ذاتِ رسول اللہ ﷺ میں عقل اور معرفت اس قدر درجہ کمال پر تھے کہ نہ پہلے کسی میں ہوئی اور نہ آئندہ کسی میں ہوگی۔ اور دوسرے آنحضرت ﷺ حیات النبی ہیں اور عرشِ معلّٰی کو معرفت نہیں تو چونکہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ ایک عرش کیا بلکہ تمام ملکوت السمٰوت والارض سے بھی زیادہ ہے اور ایسا ہے کہ کسی مخلوق کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کی صحبتِ بابرکت کی وجہ سے اس خاکِ پاک میں بھی حیات و معرفت آ گئی کیونکہ جو حیات و معرفت والے کے ساتھ اتصال رکھے وہ بھی حیاتی اور معرفت والا ہو جاتا ہے۔ اسی حیات و معرفت کے باعث اس خاکِ پاک کا مرتبہ عرش سے زیادہ ہو گیا کیونکہ عرش میں معرفت نہیں، اور اس خاک میں بوجہ صحبتِ رسول اللہ ﷺ معرفت والی حیاتی آ گئی جیسا کہ ستونِ حنانہ میں آ گئی تھی اور وہ رسولِ خدا ﷺ کو پہچان کر آپ کے فراق میں رویا تھا۔ اور جس طرح ابوجہل کے ہاتھ میں پتھریوں کو وہی حیاتی والی معرفت آ گئی تھی اور انہوں نے پہچان کر آپ کی رسالت کی شہادت دی تھی۔ یا اسی طرح اس خاکِ پاک میں معرفت آ گئی اور مرتبہ، معرفت پر ہے۔ پس معرفت والے کا بے معرفت والے سے کیوں اعلیٰ مرتبہ نہ ہو۔ اس پر تمام علماء حیران ہو گئے اور بالاتفاق کہنے لگے کہ یہ علم لدنی کی نہریں ہیں۔

ارشاد: ایک روز کسی شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس کے لئے بہشت واجب ہو گئی پھر ابوجہل وابولہب وغیرہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا وہ کیوں بہشتی نہ ہوئے؟ فرمایا ابوجہل وابولہب وغیرہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا بلکہ محمد ﷺ کو بھتیجا سمجھ کر دیکھا تھا اور بھتیجا اور چھوٹا سمجھنا ہی کفر تھا۔ اگر محمد ﷺ کو رسول سمجھ کر دیکھتے تو یہی ایمان تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل۔ (ترجمہ: اور نہیں محمد ﷺ مگر رسول) اور بہشت میں جانا ایمان کے ساتھ مشروط ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ تصدیقِ رسالت کے ساتھ اگر آپ کی زیارت کرتے تو بیشک جنتی ہوتے اور یہ جو حدیث شریف میں دیکھنا ہے اِس سے مراد رسالت کی حیثیت کے ساتھ دیکھنا ہے۔

ارشاد: آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی چلّے کے واسطے اجازت مانگتا تو آپ فرماتے

کہ روز مرہ بلاغہ پڑھتے رہو اس میں زیادہ فائدہ ہے۔ اور اگر کوئی جنگل میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے کی اجازت مانگتا تو آپ شہر کو جنگل پر ترجیح دیتے کہ شہر میں جماعت کی نماز مل جاتی ہے اور نماز باجماعت کے فضائل بہت کثرت سے بیان فرماتے۔ چنانچہ آپ خود بڑی سختی کے ساتھ نماز باجماعت کے پابند تھے۔ سادات اور علما کی اہانت کو بہت برا جانتے تھے اور اگر کوئی عالم آجاتا خواہ وہ اپنی ذات سے کیسا ہی ہو علاوہ دعوت کے روپیہ دو روپیہ سے بھی اس کی تواضع کرتے۔ اور اگر کوئی درویش آتا تو اس کی صرف دعوت ہی کرتے۔ اکثر علما آپ کے ہاں آکر ٹھہرتے تھے اور جب آپ سے دو چار مسئلے دریافت کرتے تو ان کو حضرت صاحب کے اُمی ہونے کا یقین نہ آتا بلکہ کہا کرتے کہ کیسے بے سمجھ لوگ ہیں جو حضرت شاہ صاحب کو اُمی کہتے ہیں حالانکہ آپ مسائل میں تجربہ رکھتے ہیں۔ اور جس[1] خاندان کا فقیر آپ کے پاس آتا آپ اس کو اسی خاندان کا فیض دے کر ترقی دے دیا کرتے۔ چشتیہ ہوتا تو اس کو چشتیہ طریقہ میں ترقی ہو جاتی اور قادریہ ہوتا تو قادریہ میں۔ وَقِسْ عَلیٰ ھٰذا ذکرِ لسانی پر ذکرِ قلبی کو ترجیح دیتے اور سب اعمالِ صالحہ پر ذکر کو مقدم جانتے اور فرماتے اگر ذکر ہو تو سب اعمالِ صالحہ خود بخود ادا ہونے لگتے ہیں اور نیت خالص ہو جاتی ہے رضا الٰہی میں۔ ایک بار فرمایا پہلے پہلے ہم کو یہ خیال ہوا کہ سوائے ذکرِ قلبی کے صفائی نہیں ہوتی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ذکرِ لسانی سے بھی صفائی ہوتی ہے۔ اور ذکر پر فکر کو ترجیح دیتے اور فکر سے مراد مراقبہ لیا کرتے۔ فرماتے تھے کہ اگلے مقامات میں ذکر رہ جاتا ہے خواہ لسانی ہو یا قلبی مگر فکر ساتھ ہی رہتا ہے۔ پھر فرماتے فکر کی ذکر سے صفائی ہوتی ہے، ذکر کرنے کے بعد فکر کرے پھر فرماتے۔

تسبیح مالا سب رہے اَن حد بھی رہ جائے
سُرت سہاگن نہ مرے جو تن میں رہے سمائے

ارشاد: ایک روز کسی نے اس بات کا ذکر کیا کہ فقیری تو بغیر علمِ ظاہری کے بھی حاصل ہو جاتی

---

[1] خاندان سے مراد تصوف کے سلاسل ہیں یعنی نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ وغیرہ

ہے پھر علمِ ظاہری پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، آدمی ابتدا ہی سے کیوں نہ فقر کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو جائے؟ جب فقر آ جائے گا تو علمِ لدنی کے ذریعہ سے نماز روزہ کے ظاہری مسائل بھی خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ فرمایا بغیر علمِ ظاہری فقیری میں قدم رکھنا گمراہی ہے، کیونکہ نماز روزہ اور دیگر ارکانِ اسلام کا ادا کرنا اور ان کے حقائق وارد ہو کر اِن میں سیر کرتے ہوئے دیدارِ الٰہی میں مستغرق ہونا اِسی کا نام تو فقر ہے اور انہیں ارکانِ اسلام کے علم کو اس نے حاصل نہیں کیا تو گویا اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرف جانا ہے اُس طرف پیٹھ کرنا اور جس طرف جانا مقصود نہیں ادھر منہ کر کے چلے اور دل میں یہ سوچے کہ جس طرف پیٹھ کئے ہوئے ہے اس طرف جا رہا ہوں اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط (مؤلف) (ترجمہ: کیا وہ شخص جو منہ کے بل چلتا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو برابر سیدھے راستے پر چلتا ہے؟ ۔۱۲ منہ) اِس حالت میں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ وجہ ہے کہ علمِ لدُنی خدا تعالیٰ کا انعام اور فضل ہے اور فضل و انعام اس پر ہوتا ہے جس پر خدا تعالیٰ راضی ہو اور بے فرمان پر وہ راضی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ راضی اِن ارکان اسلام کو ادا کرنے سے ہوتا ہے جب ان کو ترک کیا تو وہ راضی نہ رہا اور جب وہ راضی نہ رہا تو عِلمِ لدنی جو فضل و انعام تھا کیونکر حاصل ہو۔ پس پہلے ارکانِ اسلام کے مسائل مثل حِلّت و حرمت، جائز و نا جائز، سنّت، مکروہ و مستحب، واجب، فرض اِن سب کی علمِ ظاہری سے خوب واقفیت حاصل کر لے پھر فقیری میں قدم رکھے۔ پھر فرمایا علمِ ظاہری بڑی ہی اچھی اور کام کی چیز ہے اس کے ذریعے سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور اگلے مقامات میں یہ بہت ہی کام دیتا ہے۔

کسی نے عرض کیا کہ حضور آپ پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کہ بغیر قرآن شریف پڑھنے کے واصل باللہ ہو گئے۔ فرمایا کہ بہت سخت ضرورت ہے قرآن مجید کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پیارا ہے۔ اگر محبت سے سنے خواہ خود پڑھا ہوا نہ ہو تو اُس پر اِس کے انوارات وارد ہوتے ہیں۔ اور ایک وقت فقیر پر ایسا آتا ہے اور ایسی وحشت و پریشانی ہوتی ہے اور یوں جی چاہتا ہے کہ اگر تلوار ہو تو اپنی گردن آپ ہی کاٹ ڈالے تا کہ روح کو یہاں سے نجات ہو اور مولیٰ کے ساتھ واصل ہو جائے اور کچھ ایسا تجلّیات کا ورود ہوتا ہے کہ طبیعت قائم نہیں رہتی۔ اُس وقت قرآن شریف سے ہی مدد ملتی

ہے اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور آگے عروج ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا جب ہم پر وہ وقت آیا تو ہم نے دیکھا کہ ہماری روح قرآن مجید پڑھ رہی ہے پھر ہم نے حقیقتِ قرآن کا فیض لینا شروع کیا تو دیکھا کہ ہمارے دل میں گھوں گھوں کی آواز آرہی ہے۔ جب ہم نے اس آواز کی طرف غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارا دل قرآن شریف پڑھ رہا ہے۔ تو اس وقت ہم دو دو گھنٹے تک دل کی طرف کان لگا کر سنتے رہتے اور سب سمجھ میں آتا رہتا۔ اس طرح ہم قرآن شریف سنا کرتے تھے مگر یہ بات ہر کسی کو میسر نہیں آسکتی۔ یہ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس بندہ پر ہو جائے۔ بہر حال تلاوتِ قرآن شریف اور تعلیمِ علمِ ظاہری ایمان کی بنیاد ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور میں قبولیت تلاوتِ قرآن مجید اور اطاعتِ احکام قرآن مجید سے ہی ہوتی ہے۔ یہ تو میں نے بھی اکثر دیکھا ہے کہ لڑکے قرآن شریف پڑھتے تو آپ بڑی دیر تک غور سے سنتے اور فرماتے بلّے نور بڑی موجیں مار رہا ہے۔ پھر فرماتے قرآن مجید پر نور بڑا ہی وارد ہوتا ہے۔

نقل ہے کہ میاں جی عبدالقادر نے ایک روز عرض کیا کہ حضور ایک فقیر ہے اس کے قلب سے کلمہ شریف کی آواز آتی رہتی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ وہ کلمہ شریف کی آواز نہیں ہے بلکہ ایک رگ ہے اس میں ہوا کو بند کر دیا جاتا ہے وہ آواز دیتی رہتی ہے۔ کلمہ کی آواز اس طرح ہوتی ہے۔ حضور نے ایک ضرب کلمہ شریف کی اپنے قلب پر ماری وہ برابر پندرہ بیس منٹ تک جوش مار کر اس طرح کلمہ کی آواز دیتا رہا جیسے گھڑی کی فر کے آواز ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کلمہ کی آواز یہ ہوتی ہے۔

ارشاد: ایک روز کسی شخص نے حضور علیہ الرحمتہ سے دریافت کیا کہ حضور کیا فقیر ایک دوسرے کا فیض سلب کر لیتے ہیں؟ فرمایا ہاں کر لیتے ہیں مگر وہ جو کم ہمت ہوں۔ ایک دفعہ ایک فقیر حضرت مخدوم خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ کا فیض کھینچنے لگا تو آپ سینہ مبارک کھول کر فرمانے لگے کہ جس قدر تجھ سے کھینچ سکے کھینچ لے تا کہ یہ گرمی کسی طرح کم ہو اور ہمیں آرام آئے۔ وہ دیر تک کھینچتا رہا مگر کچھ نہ ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی تمام نسبت سلب ہو گئی۔ جب وہ عاجز ہوا تو اس کو پھر تلقین کیا اور ترقی کرا دی اور وہ کئی درجہ بڑھ گیا۔ یہ کام ناقصوں کا ہے، کامل کسی کا فیض نہیں کھینچتے بلکہ دوسرے کو ترقی بخشتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اگر کوئی ناقص شخص فیض سلب کر لے تو اس کا کیا علاج ہے؟ فرمایا کہ اپنے پیشوا کے قلب کے

نیچے اپنا قلب کر کے رسول اللہ ﷺ کے قلب کا فیض بتوسل مرشد لیوے اور درود شریف پڑھے فیض واپس آ جائے گا اور ترقی ہو جائے گی۔ اگر وہی فیض واپس لینا ہو تو اس کی یہ ترکیب ہے کہ سلب کرنے والے شخص کے قلب کے پیچھے اپنے پیشوا کا قلب اور اس کے پیچھے رسول اللہ ﷺ کا قلب تصور کر کے درود شریف پڑھے اور کشش کرے تو وہی فیض بعینہٖ واپس آ جاوے گا۔ اور فرمایا کہ اہلِ قبور کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔ جو بزرگ فیض دیتے ہوئے فوت ہوا وہ فیض دیتا ہی رہتا ہے اور جو فیض لیتے ہوئے مر گیا اس کی قبر پر جو شخص جاوے گا وہ اسی سے فیض لینا شروع کر دے گا۔ اور اگر مرشدِ کامل کے فرمودہ وظائف کو پوری طرح سے پڑھتا رہے تو بھی فیض سلب شدہ واپس آ جاتا ہے اور ترقی پکڑتا ہے ؎

کاملوں سے ملتا ہے جوہر میاں
ناقصوں میں ہے بھلا ہمت کہاں

پھر فرمایا کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کی نسبت کوئی بھی نہیں کھینچ سکتا۔ روحِ رسول اللہ ﷺ کی اُس کو ہر وقت پرورش ہوتی ہے۔

ارشاد: ایک روز فرمایا جب فقیر خداوند تعالیٰ سے واصل ہو جاتا ہے تو پھر حفاظتِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے، کوئی شے اس کی فقیری کو نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وصل سے پہلے فقیر کو اپنی حفاظت بہت کرنی چاہئیے کیونکہ اس وقت اس کی ہر چیز دشمن ہوتی ہے اور فقیر کو ضائع و برباد کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ نقل ہے کہ جب خلیفہ بغداد نے ایک دربار یعنی جلسہ کیا اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس میں مدعو کیا تو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی طلب کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو جلسہ یا مجمع دنیاداروں کا ہو مجھے اس میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ شریک نہ ہوئے۔ خلیفہ کو رنج ہوا اور کہا کہ کوئی ہے جو جنید (علیہ الرحمتہ) کی فقیری کو ضائع کر دے۔ ایک کنیزک تھی جو خلیفہ نے پچاس ہزار روپیہ میں خریدی تھی، اس نے کہا کہ یہ کام میں کر سکتی ہوں۔ اور خلیفہ کی اجازت سے خوب بناؤ سنگار کر کے اور زیور پوشاک سے آراستہ ہو کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئی اور لگی ناز و نخرے دکھانے۔ آپ اس وقت اکیلے تھے، بارگاہِ خداوندی میں عاجزی

کے ساتھ التجا کی کہ اے بارِ الٰہا! میں نے چالیس برس دن کی بھوک اور اندھیری راتوں کی نیند جھیل کر اور سختیاں اٹھا کر یہ دولت حاصل کی ہے اور اب یہ عورت ایک دم میں میری فقیری کو برباد کرنا چاہتی ہے، اگر تو مجھے نہ بچادے تو اور کون بچا سکتا ہے۔ اور ایک آہِ سرد کھینچ کر جوش سے نعرہ مارا۔ فوراً اس کے بدن میں آگ لگ گئی اور آن کی آن میں جل کر خاک سیاہ ہو گئی۔ خلیفہ کو خبر ہوئی کہ وہ جل کر خاک ہو گئی تو اس نے کہلا بھیجا کہ فقیروں کا کام تو حِلم و بُردباری ہے آپ نے ایسا ظلم کیا، یہ فقیری کے خلاف ہے۔ تو حضرت جنید علیہ الرحمتہ نے جواب دیا کہ ہم نے ظلم نہیں کیا عین رحم کیا ہے، اس کے فتنہ سے جہان بچ گیا۔ خلیفہ نے پھر کہلا بھیجا کہ قیامت کو جب اس کی روح دعویدار ہوگی تو کیا جواب دو گے؟ فرمایا کہ روح بھی ساتھ ہی جل گئی نہ قیامت کے دن ہوگی نہ دعویٰ کر سکے گی۔

فقیر کو جنابِ الٰہی سے اپنی حفاظت کی استدعا کرتے رہنا چاہئیے کہیں نفس و شیطان غلبہ پا کر برباد نہ کر دیں اور محنت برباد نہ ہو۔ اپنی نسبت کی حفاظت میں کوشش کرتا رہے اور ترقی کے اعمال و اشغال میں مشغول رہے۔

فقط

باب پنجم

علمِ لَدُنّی

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اوّل: دربیان فاتحہ مروجہ

فصل دوم: تقلید کے بیان میں اور قادیانی وشیطان کے حالات

فصل سوم: علمِ لَدُنّی

فصلِ اوّل

دربیان فاتحہ مروّجہ

نقل ہے: کہ ایک روز حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارہ میں تذکرہ تھا کہ آپ شہید ہیں اور شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کا معمول تھا کہ آپ عشرۂ محرم میں کھانڈ کا شربت دودھ میں ملا کر پلاتے اور کھانا کھلایا کرتے اوران کا ثواب حضرت امام حسین علیہ السلام کو پہنچایا کرتے۔ ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ مراقبہ میں بیٹھے تھے، محرم کے ایام تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص شربت کا گلاس لایا اور کہا کہ آپ اس کو پی لیں یہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپ کے واسطے بھیجا ہے۔ کسی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی فاتحہ شربت پر دلائی تھی اس میں سے یہ آپ کا حصہ انہوں نے بھیجا ہے۔ آپ نے وہ گلاس لے کر پی لیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ بھی فیضان پہنچانے کا ایک طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فیضان کے علاوہ محبت والوں کے پاس آپ تحفے بھی بھیجتے ہیں۔ اور آپ کے تصرفات دنیا میں اب بھی مثل حیاتی کے جاری ہیں اور یہ آپ کے تصرفات ہی کی علامت ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ایک درویش کی حکایت سنی تھی۔

نقل ہے کہ ایک درویش عشرہ محرم میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے واسطے شربت پلایا کرتا اور کھانا پکا کر محتاجوں کو کھلاتا پھر اِن دونوں کا ثواب حضرت امام حسین علیہ السلام کی روح مبارک کو پہنچاتا۔

مدت تک وہ اسی طرح کرتا رہا۔ ایک مرتبہ وہ درویش کہیں سفر کو چلا جاتا تھا اتفاقاً راستہ بھول گیا۔ جنگل میں حیران و پریشان پھر رہا تھا کہ یکا یک دور سے سواروں کا ایک گروہ نظر پڑا اور آتے آتے بہت ہی نزدیک آ گیا اور ایک آدمی نے اس درویش کا ہاتھ پکڑ کر تھوڑی دور راستہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا اور فرمایا جا یہ سیدھا راستہ ہے اس راستے سے چلا جا۔ اس نے عرض کیا حضور آپ کون ہیں؟ فرمایا تو ہمیں نہیں پہچانتا؟ عشرۂ محرم میں تو ہمیشہ ہماری فاتحہ دلاتا اور شربت وغیرہ پلایا کرتا ہے وہ سب ہمیشہ ہمارے پاس پہنچتے رہے ہیں۔ ہم امام حسین (علیہ السلام) ہیں اور یہ ہمارا لشکر ہے۔ اس کے بعد فرمایا حضرت امام حسین علیہ السلام زندہ ہیں اور دنیا میں سیر کرتے ہیں اور جو شخص آپ کو فاتحہ وغیرہ پہنچائے آپ اس کو پہچانتے ہیں اور اس کی امداد فرماتے ہیں مگر یہ تصرفات اور یہ زندگی روحی ہیں۔

ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضور ایک شخص نے آج مجھ سے سوال کیا تھا کہ جو ایصالِ ثواب ہے کہ کھانا وغیرہ پکا کر اللہ تعالیٰ کے واسطے کھلاتے ہیں تو یہ کھانا پانی وغیرہ تو کھانے والوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے پھر میت کو کیا چیز پہنچتی ہے اور اگر پہنچتی ہے تو کس طریقہ سے؟ فرمایا ہم کچھ پڑھے ہوئے تو ہیں نہیں مگر اس کے بارہ میں جو بات ہم کو معلوم ہوئی وہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ ہم نے اپنے خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ختم دلایا اور رکابیوں میں کھانا ڈال کر اور سب کے آگے چُن کر ان پر فاتحہ کہلائی تو بحالتِ مکاشفہ یہ کیفیت دیکھی کہ طعام سے بھری ہوئی ان رکابیوں کی نوری شکل بن گئی ہے اور وہ نوری شکل کی رکابیاں طعام کی بھری ہوئی آسمان پر چڑھ رہی ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ آسمان سے وہی نوری شکل کی رکابیاں اتر کر حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر جا رہی ہیں اور آپ ان میں سے کھانا کھا رہے ہیں۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ جس طرح اس بدن کی غذا یہ دنیاوی چیزیں ہیں اور بدن ان کو کھا کر مضبوط ہوتا ہے اسی طرح روح کی غذا نُور ہے اور روح اسے کھا کر تقویت حاصل کرتی ہے۔ مرنے کے بعد بدن کو تو غذا کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ وہ فنا ہو جاتا ہے البتہ روح کو غذا کی ضرورت باقی رہتی ہے اور چونکہ یہ دنیاوی کھانے روح کی غذا نہیں بن سکتے اس لئے ضروری ہوا کہ ان کھانوں کو نُور سے بدلا جائے تا کہ روح کھا سکے۔ اور نور سے بدلنے کا یہ طریقہ ہے کہ یہ طعام اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کے بندوں کو کھلا دیا جائے تو پھر

اللہ تعالیٰ منظور فرما کر کھلانے والوں کو اس کے بدلے نوری کھانا جیسا کہ جنت میں جنتیوں کو ملتا ہے اسی طعام کے مثل دے دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے واسطے دودھ دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دودھ ہی دیتا ہے مگر نور کا۔ ایسے ہی کسی نے روٹی دی تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیتا تو ہے روٹی مگر ہوتی ہے وہ روٹی نور کی جیسا کہ جنتیوں کو کھانے ملتے ہیں جنت میں، لیکن وہ نوری کھانے ہوتے ہیں اور یہ نوری کھانا کھلانے والے کا مِلک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اِسی نوری بدلہ کا نام اجر وثواب ہے۔

اب اس کھلانے والے کو اختیار ہے کہ اس نوری بدلہ کو اپنی ہی مِلک میں رہنے دے یا کسی میت کو بخش دے۔ اگر اپنی ہی مِلک میں رکھے گا تو قیامت کے دن خود اس کے کام آئے گا اور اگر کسی میت کو بخشنا ہو تو اس کے واسطے ایک ایسی ذات کی ضرورت ہے جو یہاں بھی ہو اور وہاں بھی۔ کیونکہ بخشنے والا تو عالمِ خلق میں ہے اور میت جس کو بخشا جاتا ہے وہ برزخ میں ہے تو اگر چہ عالمِ خلق و برزخ میں بظاہر کچھ زیادہ فاصلہ نہیں مگر در حقیقت بہت بڑا فاصلہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ہم کو کوئی چیز لاہور پہنچانی ہے تو ہم کسی ایسے شخص کو تلاش کریں جو یہاں رہتا ہو اور لاہور بھی جا سکتا ہو۔ جو شخص لاہور میں رہتا ہو اور یہاں نہ آ سکتا ہو وہ بھی نہیں پہنچا سکتا اور جو لاہور نہ جا سکتا ہو یہاں رہتا ہو وہ بھی نہیں پہنچا سکتا۔ تو لامحالہ ایک ایسی ذات کی ضرورت ہے جو یہاں بھی ہو اور وہاں بھی اور ایسی ذات فقط اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو ہر جگہ ہر وقت میں یکساں موجود ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کے واسطے کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ طعام جو لوگوں نے کھایا ہے یہ تو ان کے پیٹ میں چلا گیا اور اس کا جو اجر وثواب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منظور ہو چکنے کے بعد ہماری ملک ہوتا ہے۔ ہم اس اجر وثواب کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں کہ خداوندا! رسول اللہ ﷺ کے طفیل اس چیز کا ثواب جس طریقہ سے تو پہنچایا کرتا ہے اس طریقہ سے تو فلاں شخص کی روح کو پہنچا دے تو اس صورت میں بلاشبہ ثواب پہنچ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہی جو ہوا۔ لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ طعام کھلانے میں خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی مدِ نظر ہو اور اس میں کسی قسم کی ریا، شرک، نام آوری اور فخر و بڑائی کا دخل نہ ہو اور حرمت و نجاست سے بھی بری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک ہی لوگوں کی نیکیاں قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں

ہم نے ایک آیت سنی تھی کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ہی صدقے اور قربانیاں قبول کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ ثواب اسی چیز کا ملتا ہے جو اپنے مِلک سے نکال کر خالِصاً لِلّٰہ دوسرے کی مِلک میں دے دی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس چیز کو منظور فرما کر اس کا ثواب اور اجر عطا فرماتا ہے اور وہ اجر و ثواب پھر اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جاتا ہے کہ خداوندا تو اِس کا ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچا دے۔ اور اگر تمام کھانے کا ثواب پہنچانا ہو جو پکایا گیا ہے تو اس کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی کی ملکیت کر دے اور ایصال ثواب کی نیت سے جو کھانا پکایا جائے اور کھلانے سے پہلے ہی یہ نیت کر لی جائے کہ خداوندا اس کا جو ثواب تو ہم کو عطا فرمائے گا وہ ہماری طرف سے فلاں بزرگ یا فلاں میت کی روح کو پہنچا دینا تو جس قدر طعام اس میں سے کھلایا یا کسی دوسرے کو دیا گیا ہے اس تمام کا ثواب میت کو پہنچ جائے گا۔ باقی جس قدر گھر میں بچ رہا ہے یا جو آپ کھا لیا ہے اس سے میت کو کچھ واسطہ نہیں۔ پھر فرمایا یوں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچا کر فلاں میت کو پہنچا دے تو اس صورت میں یقینی طور پر ثواب پہنچ جاتا ہے۔

فرمایا کہ حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ میں اپنے آباؤ اجداد کو ثواب پہنچاتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کے طفیل کا لفظ نہیں کہا کرتا تھا بلکہ یہ کہا کرتا تھا کہ خداوندا! اس کا ثواب روحِ رسول اللہ ﷺ کو پہنچا کر فلاں میت کو پہنچا دینا۔ ایک بار ہم نے یوں کہہ کر ثواب پہنچایا کہ خداوندا! رسول اللہ ﷺ کے طفیل ان موتیٰ کو ثواب پہنچا دینا تو اس روز وہ ارواح بہت ہی خوش نظر آئیں۔ حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان ارواح سے سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ پہلے تو یہ صورت تھی کہ اوّل وہ ثواب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا تھا اور نبی کریم ﷺ پھر اس ثواب کو ملائکہ کے ذریعے سے ہمارے پاس بھیج دیتے تھے۔ مگر آج جو رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے پہنچایا تو ہم تمام موتیٰ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر کیا گیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے ہم کو وہ ثواب عطا فرمایا۔ اور اس سے ہم کو دو چند خوشی حاصل ہوئی ایک تو ثواب پہنچنے کی اور دوسرے رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ سے فیوض و برکات حاصل ہونے کی۔ پھر فرمایا ہم نے ایک اور بات دیکھی کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شربت کا گلاس ہمارے پاس لایا ہم نے پی لیا۔ بعد ازاں دیکھا کہ وہ شربت کا گلاس آسمان پر چڑھ گیا۔ پھر دیکھا

کہ آسمان سے ایک گلاس ویسا ہی اترا ہے اور ایک شخص ہمارے دائیں بیٹھا ہوا اسے غٹ غٹ پی رہا ہے۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے اور یہ گلاس کیسا ہے؟ اس نے کہا یہ وہی شربت ہے جو ابھی آپ نے پیا تھا۔ میرے ایک رشتہ دار نے اس پر فاتحہ کہہ کر آپ کو دیا تھا۔ جب آپ پی چکے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا نوری شربت بنا کر میرے پاس بھیجا اور اب میں نے پی لیا، یہ وہی نوری شربت ہے۔ پہلے سے ہم کو معلوم نہ تھا کہ اس پر فاتحہ دی گئی ہے۔ ہم نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تو نے فاتحہ دے کر ہمیں وہ شربت پلایا تھا؟ اس نے کہا ہاں یونہی تھا۔ چنانچہ جوش میں آ کر ہم نے کہہ دیا کہ جا تیری فاتحہ قبول ہو گئی اور میت کو اس کا ثواب بھی پہنچ گیا۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

تقلید کے بیان میں اور قادیانی وشیطان کے حالات

ارشاد: ایک روز تقلید کے بارہ میں ذکر تھا۔ ذکر ہوتے ہوتے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ تو حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فقہ پر عمل کرتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یوں تو امام شافعی علیہ الرحمتہ بھی ہمارے پیشوا ہیں، ہم ان کی بزرگی کو مانتے ہیں مگر امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مقابلہ میں کسی کا بھی علم نہیں۔ ایک دفعہ ہم مراقبہ میں تھے ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا حوض ہے جس کا پانی سبز رنگ کا ہے اور بہت ہی گہرا ہے۔ ہم نے بہت ہی غوطے لگائے اور بہت ہی زور مارا مگر اس کی تہہ کا پتہ بالکل نہ لگا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ اس حوض میں سے کچھ نہریں نکلی ہوئی ہیں اور حوض کے کناروں پر بہت سی چرخیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ پانی نہروں کے ذریعہ سے بھی نکل رہا ہے اور چرخیوں کے ذریعہ سے بھی کھینچتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی ہزار ہا خلقت پانی کھینچ رہی ہے مگر پانی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ہم نے پوچھا یہ کس کا حوض ہے؟ کہا یہ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے علم کا حوض ہے، تمام عمر اسی طرح کھنچتا رہے تو بھی یہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ باقی حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے علم کے حوض بھی ہم نے دیکھے ہیں وہ پاس ہی تھے۔ گو وہ اپنی مقدار کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں مگر اس حوض کے مقابلہ میں بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ اس روز ہم کو حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے اس قدر محبت ہوگئی ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ نہروں کی بابت جو ہم نے پوچھا تو کہا یہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی نہر ہے، یہ امام ابو یوسف کی ہے، یہ امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حوض کا پانی سبز رنگ کا تھا اس لئے ہم نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام شریعت کا نور اِدھر ہی آ گیا ہے۔

ارشاد: ایک روز میں نے حضرت علیہ الرحمتہ سے عرض کیا کہ حضور میں تو بوجہ فرقہ علماء میں

داخل ہونے کے مرزا غلام احمد قادیانی کو برا سمجھتا ہوں، حضور کے نزدیک اس کی کیا حالت ہے؟ اُس وقت مرزا کا دعویٰ مجددیت و مہدیت کا تھا۔ فرمایا ایک روز ہم گویا کوتوال بنے ہوئے ڈنڈا ہاتھ میں لئے لاہور کی گشت کر رہے ہیں۔ ایک جگہ کانٹوں اور گندگی میں دیکھا کہ مرزا قادیانی پڑا ہے۔ ہم نے اس کا ہاتھ ہلا کر اور دھمکا کر پوچھا کہ بول تیرے پاس مجدّد و مہدی ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ وہ غمگین اور اداس دکھلائی دیا اور ہمارے سوال کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی عمل کیا تھا مگر پھر کسی بد پرہیزی کے باعث وہ اس عمل سے گر گیا۔

(اور یہ تو میرا خود مشاہدہ ہے کہ اکثر خط اس کے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آیا کرتے جن کا مضمون صرف یہ ہوتا تھا کہ حضور میرے حق میں دعا فرماویں اور اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ خط کے سنتے ہی غصہ کی وجہ سے آپ کے چہرہ پر بَل پڑ جاتا تھا مگر آپ ضبط فرما کر خاموش ہو جاتے تھے۔ مؤلف عفی عنہ)

ارشاد: ایک روز شیطان کا ذکر آ گیا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور مولوی غوث علی شاہ صاحب کے تذکرہ میں شیطان کی بہت تعریف کی ہے اور اس کو عاشق الٰہی کا خطاب دیا ہے کہ وہ سچا عاشق تھا۔ فرمایا کہ عاشق کا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ معشوق کے نقشِ قدم پر چلے۔ مجنوں ہمیشہ لیلیٰ کی گلیوں میں پھرتا رہا، کبھی اس سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا تھا اور جو شخص لیلیٰ کا نام لیتا تھا اس کو بہت ہی پیار کرتا تھا۔ پھر یہ شیطان مردود خدا تعالیٰ کا کیسا عاشق ہے جو اس کے نام لینے والوں کو بہکاتا اور گمراہ کرتا پھرتا ہے اور اپنے معشوق کو چھوڑ کر ہر وقت مخلوق کے پیچھے ہی لگا رہتا ہے۔

پھر فرمایا خدا تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں، ایک رحمت دوسرے غضب۔ رحمت کی تجلّی نے جوش مارا تو اس سے جنت اور بندے صالحین اور تمام نیک اعمال اور نیک صفات اور مقام علّیین اور سب خوبیاں پیدا ہوئیں چونکہ ان کی اصل نیک ہے یعنی رحمت اس واسطے یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف رجوع ہیں۔ اور غضب کی تجلّی نے جوش مارا، اس مقام سے تمام صفاتِ رذیلہ اور گمراہی و ضلالت پیدا ہوئیں اور دوزخ اور سجّین بنا۔ اسی غضب اور دوزخ کی تجلّی سے شیطان کی پیدائش ہوئی جو جہل سے متعلق ہے اور اس واسطے شیطان اور اس کے تمام تابعین اپنی اصل کی طرف رجوع ہیں۔

رحمت کی صفت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرتی ہے کیونکہ بہشت اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہے جو

ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اسی واسطے وہ دیدار کی جگہ ہے۔ اور غضب کی صفت خدا تعالیٰ سے بہت دور ہے اور دور کرنے والی ہے کیونکہ دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے اور غضب کی تجلّی سے یہ شیطان پیدا ہوا ہے۔ اس کو جو عبادت اور قربِ الٰہی حاصل ہوا وہ بھی حکمت کے موافق تھا یعنی جب یہ طاعت وعبادت کرتا ہوا رحمت کے قریب ہو گیا تو اب اس کو رحمت کی کیفیت معلوم ہے اور اس میں سے نکل جانے اور دور ہونے کا اس کو رنج وعذاب بھی بہت ہے۔ جو یہ قربتِ رحمت کی کیفیت نہ دیکھتا تو اس کو جدائی کے رنج کا عذاب نہ ہوتا۔

پھر فرمایا حضرت غوث الاعظم سیّد محی الدین عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے عبادت میں مشغول تھے۔ ہم نے دیکھا کہ نور کی بڑی چمکدار اور روشن تجلّی ظاہر ہوئی اور اس میں سے آواز آئی کہ اے عبد القادر! میں تیرا خدا ہوں مجھے جلدی سجدہ کر۔ اس تجلّی کی روشنی اور چمک عجیب قسم کی تھی اور بار بار یہی آواز آتی تھی۔ یکا یک مددِ الٰہی اور اس کا فضل وانعام میرے شاملِ حال ہوا اور میں نے غور کیا کہ جس جگہ میں بیٹھا ہوں یہ میرا حجرہ ہے اور میں نبی بھی نہیں بلکہ ایک امتی ہوں۔ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام جب طور پر پہنچے تھے تو عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْ کہ خداوندا مجھے اپنا آپ دکھا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا لَنْ تَرَانِیْ یعنی تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا لیکن پہاڑ یعنی طُور کی طرف دیکھ، اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ پھر جب طُور پہاڑ پر تجلّی وارد ہوئی تو پہاڑ جو بالکل بے حس وحرکت تھا اور عقل بھی نہ رکھتا تھا اور ٹھوس بھی تھا باوجود ان سب باتوں کے اس تجلّی کو برداشت نہ کر سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام باوصف نبی ہونے کے اس تجلّی کی تاب نہ لا سکے اور غش کھا کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر میرا یہ چھوٹا سا حجرہ جو قائم ہے کیوں نہیں جلا اور کس طرح اس تجلّی کو برداشت کر گیا اور میں باوجود اس کے کہ ایک امتی ہوں کیسے اس تجلّی کے سامنے ٹھہرا رہا جبکہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام جیسے اولو العزم نبی اس تجلّی کی تاب نہ لا سکے تھے۔ اس فکر کے آتے ہی ہم نے کہا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ میرے اس فقرہ کے ساتھ وہ تمام روشنی اور چمک دھوئیں کی طرح اڑ گئی اور اس تجلّی میں سے رونے کی آواز آئی اور ایک شخص روتا ہوا میرے سامنے آ کر بڑی عاجزی سے کہنے لگا کہ اے عبد القادر! یہ فقرہ اب نہ پڑھنا ورنہ میں جل جاؤں گا۔ حالانکہ میں نے

اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے واسطے زندگی کی اجازت لے لی ہے۔ اور پھر کہنے لگا کہ اے عبدالقادر! میں نے اس دھوکہ سے سینکڑوں فقیروں کو اس مقام سے گرا دیا ہے مگر تم کو تمہارے علم نے بچا دیا۔'' ہم نے کہا'' توبہ توبہ استغفر اللہ میں کیا اور میرا علم کیا۔ مجھے علم نے نہیں بچایا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل نے بچایا ہے۔'' اتنا سنتے ہی وہ سر پر ہاتھ مار کر رونے لگا۔ ہم نے پوچھا تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا افسوس کہ آپ ایمان سلامت لے گئے۔ یہ میرا آخری دھوکہ تھا اگر اب بھی آپ کہہ دیتے کہ ہاں میرے علم نے بچایا تو شرک ہو جاتا اور میں ایمان سلب کر لیتا۔

بعد میں حضور علیہ الرحمتہ نے فرمایا خبر نہیں یہ بندے شیطان کی کیوں تعریفیں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے مردود اور رجیم فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو فرماتا ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھا کرو۔ جس کو خود اللہ تعالیٰ رجیم اور مردود فرمائے وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا عاشق ہو سکتا ہے؟ یہ مردود نفس کا خطرہ ہے اور وہ پلید خطرے دیتا ہے یہ سب اسی ملعون کے خطرے ہیں[1] العیاذُ باللّٰہِ. اللہ اللہ حق حق حق کرتے ہوئے اندر تشریف لے گئے۔

اسی تذکرہ کے متعلق ایک روز گفتگو ہوئی۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور فلاں شخص نے شیطان کے علم کو رسولِ خدا ﷺ کے علم سے زیادہ کہا ہے یہ اس بنا پر کہ یہ مدت کا پیدا ہوا ہے اور حضرت آدم اور دیگر انبیاء علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھے ہوئے ہے اور اسی امتدادِ[2] زمانہ کی وجہ سے اس کی معلومات زیادہ ہیں یہ کس طرح ہے؟ حضور نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے۔ علم کی صفت خداوند تعالیٰ کی ہے اور حقیقی علم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور رضاءِ الٰہی والے کاموں میں لگ جائے اور ناراضگی کے کاموں سے دور رہے۔ اور حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درجہ اعلیٰ و برتر ہے تمام ماسوی اللہ سے، کیونکہ آپ کے رتبہ کو نہ کوئی نبی پہنچتا ہے نہ فرشتہ حتیٰ کہ باوجود مقرب ہونے کے جبرائیل و میکائیل کوئی آپ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور خدا تعالیٰ کی تمام صفات رسولِ خدا ﷺ میں موجود تھیں تو علم جو خدا تعالیٰ کی بڑی صفت ہے وہ بھی آنجناب ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اور شیطان جاہل ہے وہ خدا تعالیٰ کی صفت نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اگر شیطان کو علم ہوتا تو اسے یہ بھی تو معلوم ہوتا کہ میں سجدہ کے انکار سے لعنتی ہو جاؤں گا اور اس سے باز رہتا۔ پھر جب اتنا

---

[1] اللہ کی پناہ۔ [2] طوالت۔ لمبائی۔ امتدادِ زمانہ: طویل عرصہ۔

بھی نہ سمجھا اور سجدہ سے انکار کیا اور پھر اس کو افسوس بھی نہ ہوا اور نہ توبہ کا خیال ہوا تو اس سے زیادہ کون جاہل ہے۔ یہ امر صاف ظاہر کرتا ہے کہ شیطان کی اصل جہل ہی تھی اور وہ حقیقی جاہل ہی تھا کیونکہ اس نے شانِ عبودیت کو نہ جانا اور یہ نہ سمجھا کہ عبودیت کا حق یہی ہے کہ مولیٰ کے حکم کو بے چون وچرا ماننا چاہیئے ورنہ اس کے غضب میں گرفتار ہو کر ہمیشہ کے لئے ملعون و مردود ہو جاؤں گا۔

ارشاد: ایک روز حضور علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے آرزو ہوئی کہ شیطان سے ملوں اور پوچھوں کہ تو نے سجدہ سے انکار کیوں کیا؟ ایک مرتبہ ہم مسجد سے نکلے ہی تھے کہ یکا یک ایک شخص ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا جس کی صورت سے ہم کو وحشت سی ہوئی۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں آپ کی آرزو ہوں، یعنی ابلیس لعین۔ پھر ہم نے پوچھا بھلا مردود تجھ کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے کون سا امر مانع ہوا؟ تو اس نے جواب دیا کہ توحید۔ اس کا جواب سن کر ہم کو حیرانی سی ہوئی لیکن پھر جو امدادِ الٰہی ہم پر وارد ہوئی تو ہم نے کہا مردود تو جھوٹا ہے اگر تو بندہ ہوتا تو فرمانِ الٰہی سے سر نہ پھیرتا۔ یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور میں جلا میں جلا کہتا ہوا اُڑ گیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو خود خواہش ہوئی تھی جو وہ آپ کے سامنے آیا ورنہ اس کی کیا مجال تھی جو آپ کے نزدیک بھی آتا۔ پھر فرمایا ایک دفعہ ہم نے بھی دیکھا ہے کہ لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے اور ہم سے دور پرے ہی پرے اُڑا چلا جاتا ہے۔ ہمارے قریب نہیں آیا بلکہ ہمارے مکان سے بھی بہت دور ہے۔

ارشاد: ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ ہم نے کسی کتاب میں یہ قصہ سنا تھا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ خداوند تعالیٰ کوئی ایسی بات مجھے بتلا جس سے تو ہمیشہ مجھ سے خوش رہے، کبھی ناراضگی نہ ہو۔ حکم ہوا کہ کوہِ طور سے نیچے اتر کر تجھ کو ایک تجربہ کار ملے گا اس سے پوچھنا۔ جب طور سے نیچے اترے تو شیطان ملا۔ آپ گھبرائے تو حکم آیا کہ اسی سے پوچھو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نے اس سے پوچھا۔ اس کو وہ وقت یاد آ گیا جس وقت کہ وہ رحمت کا تاج پہنے ہوئے تمام فرشتوں کا سردار بنا ہوا تھا۔ اس کو بہت افسوس آیا، رویا اور حسرت کے ساتھ کہنے لگا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) سُن میں نے جس قدر خدا تعالیٰ کی عبادت کی وہ سب مرتبہ کے واسطے کی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ ہمیشہ مجھ کو مراتب عطا فرماتا رہا کیونکہ وہ

بے نیاز ہے، کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا اور انتہا درجہ کے مراتب میں نے حاصل کئے جن کا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے طوق لعنت کے ساتھ [1]اسفل السافلین میں گرنا نصیب ہوا۔ کبھی میں نے کوئی عبادت خدا تعالیٰ کی رضا کے واسطے نہیں کی سو یہ یاد رکھنا کہ ہر امر میں اس کی رضا کا طالب رہے، مراتب کی خواہش دل میں نہ رکھنا، اور ایک بات اور کہتا ہوں وہ بھی سن لے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ وحی آ گئی کہ بس اب اس کی بات نہ سننا۔ چنانچہ یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ سب کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ سو اس کی رضا کے اور نیت کسی قسم کی عبادت میں نہ رکھے اور رضا والے کاموں میں سے وصل ذاتِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ اور بلند شان والا ہے یہ ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے سو ذکرِ الٰہی ہونا چاہیے ہر وقت اور ہر حالت اور ہر کام میں۔

یا وهّاب

١٤٢٩

---

[1] دوزخ کا سب سے نچلا درجہ

فصل سوم

علمِ لَدُنّی

ارشاد: ایک روز میں حدیث شریف پڑھ رہا تھا۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ ایک بار ابنِ عمر رضی اللہ عنہ مکہ شریف حج کے واسطے تشریف لے گئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سنّت کے اس قدر پابند تھے کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے وہیں آپ بیٹھے اور جس جگہ آنحضرت ﷺ نے پیشاب کیا تھا وہیں پیشاب کیا، اگر پیشاب نہ بھی آیا تو صرف بیٹھ ہی گئے۔ حضور نے سن کر فرمایا مولوی صاحب یہ کیا پڑھا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضور یہ حدیث ہے۔ فرمایا یہ تو حدیث نہیں، یہ تو بے ادبی ہے۔ میں نے عرض کیا بے ادبی نہیں، اس میں تو پابندیٔ سنّت کا اظہار ہے۔ فرمایا پابندیٔ سنت اس کا نام نہیں یہ تو ظاہر بے ادبی ہے کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوں وہاں بیٹھے اور جہاں آپ نے پیشاب کیا وہاں پیشاب کرے، یہ تو صریح بے ادبی ہے۔ پابندیٔ سنت کے یہ معنٰی ہیں کہ جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا ہو اُسی طریقہ سے کرے یہ نہیں کہ اُسی جگہ کرے۔ اچھا کسی کتاب میں دیکھنا یہ حدیث تو نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے اس بات کا خیال رہا۔ آخر ایک روز موضوعاتِ علامہ جلال الدّین سیوطی میں دیکھا تو پہلے ہی یہی حدیث نکلی اور لکھا تھا کہ یہ موضوع[1] ہے اور خوارج نے بنائی ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ حضور آپ نے کس طرح معلوم کیا؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ کے کلام کا نور عرش تک جاتا ہے اور اس میں نور تھا ہی نہیں، اس سے ہم نے پہچان لیا کہ یہ حدیث نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ جو مسئلوں کی کتابیں ہیں ان پر چوتھے آسمان کا نور وارد ہوتا ہے اور قرآن شریف کا نور تو آگے بہت دور کا ہے۔ ہم پڑھے ہوئے تو نہیں مگر نور کو پہچان لیتے ہیں۔

ارشاد: ایک روز گیارہ بجے کا وقت تھا آپ باہر مدرسہ کے سامنے تشریف رکھتے تھے اور لڑکے مدرسہ میں پڑھ رہے تھے۔ ایک لڑکے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا مولوی صاحب یہ جو لڑکے پڑھ رہے ہیں ان کے معنی تو ہم نہیں جانتے مگر ویسے ہی مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے۔ وہ لڑکا جو سورۃ پڑھ

---

[1] وضع کی گئی

رہا تھا اس میں انبیاء علیہم السلام کے قصص تھے۔آپ نے سب سے پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کی تقریر فرمائی جو قرآن شریف کے موافق تھی۔ بعدازاں بڑی دیر تک اور اور قصص کی تقریریں فرماتے رہے۔اس کے بعد ایک روز میں مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سنانے لگا۔ جب عبارت پڑھ کر ترجمہ کرنے لگا تو فرمایا ہوں ہوں مولوی صاحب تم پڑھتے جاؤ سب مضمون ہماری سمجھ میں آرہا ہے۔ میں سمجھا کہ یہ مکتوب شریف حضور نے کبھی پہلے سنا ہوگا۔ بعدازاں ایک روز میں مثنوی شریف سنانے لگا تو بھی فرمایا کہ تم پڑھتے رہو ہم سب سمجھے جاتے ہیں۔ اور میں دیکھتا تھا کہ قرآن شریف اور مکتوبات شریف اور مثنوی شریف کی جس قدر تقریریں آپ نے فرمائیں سب کی سب نفسِ مضمون کے موافق تھیں کسی جگہ بھی کچھ تفاوت[1] نہ تھا۔اس کے علاوہ فتوح الغیب یا کوئی اور کتاب سنتے تو اس کی تقریر بھی اِسی طرح فرمایا کرتے اور وہ ٹھیک مضمونِ کتاب کے موافق ہوتی بلکہ کبھی کبھی عجیب معانی بیان فرماتے کہ حیرانی ہوتی۔ چنانچہ ایک بار اس آیت کا ذکر ہوا۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اٰمِنُوۡا (ترجمہ۔اے ایمان والو! ایمان لاؤ) فرمایا اس کے یہ معنی نہیں کہ اے ایمان والو ایمان لاؤ کیونکہ ایمان تو وہ پہلے ہی لا چکے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اے ایمان والو! خدا کے دیدار کے ساتھ اپنے ایمان کو پکا کرو۔

پھر فرمایا ایک علم لدنی ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور علم لدنی کیا چیز ہے؟ فرمایا علم دو قسم کا ہوتا ہے ایک لدنی ایک کسبی۔ کسبی کی مثال ایسی ہے کہ ایک جوہڑ کھود کر اس میں پانی بھر دیا جائے تو جتنا پانی اس میں بھرا گیا ہے اسی قدر اس میں رہے گا۔ اور اگر اس میں نہر کاٹ دی جائے تو پھر خواہ اس میں سے پیو خواہ جانوروں کو پلاؤ خواہ کسی جگہ صرف کرو اس میں سے کم ہی نہیں ہوتا۔تو یہ جو لوگ علم پڑھتے ہیں جتنا پڑھتے ہیں اسی قدر رہتا ہے اور یہ جو مسئلے وغیرہ بتاتے ہیں اس میں دیکھ کر بتاتے ہیں۔جب دل کی طاقی کھل جاتی ہے تو روحِ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نور کا ایک منبع دل میں آجاتا ہے اور اپنے پاس ہی دل کے اندر سے ساری باتیں سمجھ میں آتی رہتی ہیں کسی سے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر فقیر دل سے فتویٰ لیتا ہے مفتیوں سے نہیں لیتا۔

نقل ہے کہ ایک روز اس آیت کا تذکرہ تھا وَفِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَمَا

---

[1] فرق

تُوْعَدُوْنَ ط فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ط (ترجمہ: اور تمہارا رزق آسمانوں میں ہے اور جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے، سو آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم وہ ایسا سچا ہے کہ جیسے تم بولتے ہو۔) ایک زمیندار حاضرِ خدمت تھا۔ اس نے حضرت علیہ الرحمتہ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ حضور ہم زمین میں ہل چلاتے اور بوتے بیجتے ہیں تو ہم کو زمین سے رزق ہاتھ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رزق آسمانوں میں ہے، یہ کیا بات ہے؟ فرمایا درحقیقت رزق آسمانوں ہی میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم آسمانوں سے پانی برساتے ہیں جس سے مَری ہوئی زمینیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ زمینوں سے تمہارا رزق پیدا کرتا ہے۔ آئتیں تو ہمیں یاد نہیں قرآن شریف میں دیکھ لینا۔ میں نے وہ آئتیں دیکھ کر بتلائیں جو یہ ہیں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيِيْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (ترجمہ۔ اور اتارتے ہیں ہم آسمان سے پانی پھر زندہ کرتے ہیں بسبب اس کے زمین کو بعد اس کی موت کے۔۱۲) اور اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ط (ترجمہ۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالا بسبب اس کے پھلوں سے رزق واسطے تمہارے۔۱۲) آپ نے فرمایا بات یہ ہے کہ رزق آسمانوں سے ہی آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تاثیر اور پانی آسمان سے زمین پر وارد کرتا ہے اور زمین کو حکم دیتا ہے تو زمین اس پانی اور تاثیر سے رزق اگاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم مانتی ہے تب یہ رزق زمین سے پیدا ہو کر لوگوں کے پاس پہنچتا ہے۔ تو دراصل رزق آسمانوں سے ہی آتا ہے کیونکہ زمین سے کچھ پیدا نہیں ہو سکتا جب تک آسمان سے تاثیراتِ پانی اور اللہ تعالیٰ کا حکم زمین پر وارد نہ ہو۔

پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اس کی نظیر ایسی ہے جیسا کہ اکثر ہمارے ساتھ ہوا کرتا ہے کہ جب کوئی چیز ہمارے پاس آنے والی ہوتی ہے تو اس کی ایک مثالی شکل آسمان سے اتر کر ہمارے پاس آ جاتی ہے جس سے ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہیں سے وہ چیز بھیجے گا۔ چنانچہ ایک بار ہم نے دیکھا کہ ایک نہایت عمدہ زری دار دستار جس کے پلّے بٹے ہوئے تھے آسمان سے اتر کر ہمارے پاس آئی ہے، ہم سمجھ گئے کہ اب اللہ تعالیٰ کہیں سے بھیجے گا۔ ہم نے میاں جی رحیم داد خاں کو

اس کا تمام نقشہ اور اس کی طرز وضع بتا کر کہہ دیا کہ میاں جی صاحب خیال رکھنا دیکھو اب اللہ تعالیٰ وہ دستار کہیں سے ہمارے پاس بھیجے گا۔ صبح کو جب ہم مراقبہ سے فراغت پا کر باہر آئے تو ایک شخص بعینہٖ وہی زری دار بٹے ہوئے پلّوں کی دستار لئے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ ہم نے لے کر میاں جی رحیم داد خاں کو دکھا دی۔ انہوں نے دیکھ کر مطابقت جو کی تو بعینہٖ وہی نکلی۔ سو جس طرح یہ بندے اللہ تعالیٰ کے کارندے ہیں اسی طرح زمین بھی اللہ تعالیٰ کی ایک کارندہ ہے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ کیا رزق اور کیا دیگر ضروریات، آتے تو سب آسمان ہی سے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ عامہ لوگوں کے پاس زمین اور اس کے اسباب کے ذریعہ اور اہلُ اللہ کے پاس لوگوں کے ذریعہ سے اس لئے بھیجتا ہے تاکہ عوام کو تسلی اور حوصلہ واطمینان رہے اور اہلُ اللہ کی عزت ہو جائے اور عام لوگوں کو فائدہ پہنچے کیونکہ فقیر کے ذمہ حق ہے کہ جب کوئی شخص اس کے پاس کوئی چیز لے کر آوے تو سنّت یوں ہے کہ اس کو خالی نہ جانے دے اور لانے والے کے حق میں ضرور دعا کر دے۔ لیکن پیٹھ پیچھے جو دعا کی جاتی ہے اس میں قبولیت اور ترقی زیادہ ہوتی ہے اور فقیر ریا سے بھی بچا رہتا ہے کیونکہ اس میں خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت ہوتی ہے۔ اور سنا ہے کہ حدیث شریف میں بھی اس کی تعریف ہے۔ مولوی صاحب وہ حدیث کس طرح ہے؟ مجھے یاد آ گئی تو عرض کیا کہ حضور ایک حدیث شریف تو یہ ہے کہ دُعَاءُ الْمُؤمِنِ عَنْ ظَھْرِ الْغَیْبِ لَایُرَدُّ ۔ (ترجمہ۔ مومن کا پیٹھ پیچھے دعا کرنا رد نہیں کیا جاتا) فرمایا ہاں یونہی بات ہے۔

پھر فرمایا اس میں ایک بھید ہے۔ اگر فقیر چاہے تو بلا واسطہ آسمان سے روزی لے سکتا ہے اور کسی بندے کے ہاتھ سے نہ لے۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ منصب فقیر کو روزی کے بارہ میں اختیار دے دیا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا کہ تم چاہو تو ہم اس پہاڑ کو سونے کا بنا دیں اور پھر دن بھر جس قدر تم خرچ کرو رات کو اسی قدر سونا پورا ہو جایا کرے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ خداوندا میں یہ نہیں چاہتا۔ میری یہ آرزو ہے کہ صرف رات کا کھانا مجھ کو مل جایا کرے تاکہ صبح کو میں پھر تم سے مانگوں اور ایثار کیا کروں۔ تو فقیر بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھ کر اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اور ایک بات اور ہے کہ اس صورت میں امتِ رسول ﷺ کی بخشش کا سامان ہے کیونکہ کامل فقیر جو عبادت اور ذکر و شغل کرتے ہیں تو جن لوگوں کے ذریعے

سے روزی کپڑا فقیر کو پہنچا تا ہے اور وہ اس کے مددگار بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ثواب دیتا ہے ۔ یہ بات نہیں کہ فقیر کی عبادت میں سے کچھ حصّہ نکال کر ان لوگوں کو دیا جاتا ہے بلکہ فقیر کی عبادت فقیر کے پاس رہتی ہے اور مددگار ہو جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر احسان کرتا اور ان کو انعام دیتا ہے۔ اور گویا کہ فقرا سے محبت رکھنے اور ان کی امداد کرنے والے لوگ اسی گروہِ فقرا میں داخل ہو جاتے ہیں بحکم حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ترجمہ۔ آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے۔) تو اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی بے شمار امت کی بخشش کا سامان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فقیر کی خدمت و تواضع کرنے اور اس کی صحبت میں رہنے اور آنے جانے سے اللہ تعالیٰ ان کے بہت سے دینی اور دنیاوی کام درست اور ان کی تنگی دور کر دیتا ہے۔ میں نے جب یہ مسئلہ سنا تو لوگوں سے جو حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں نذر وغیرہ لایا کرتے تھے پوچھا کہ تم جو یہ نذریں وغیرہ لاتے ہو اس سے تم کو کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے یا یونہی جوشِ محبت میں لاتے رہتے ہو؟ تو اکثر نے بالاتفاق یہ کہا کہ ہمیں محبت تو ہے ہی لیکن ہم نے اکثر یہ تجربہ کیا ہے کہ جس روز ہم نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں ایک روپیہ پیش کیا ہے ہم کو کسی نہ کسی جگہ سے آٹھ دس روپیہ کا نفع ضرور ہو جاتا تھا اور اگر ہم نے کوئی آٹھ آنے کی چیز حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی تو ضرور اس سے دو چند سہ چند بلکہ چہار چند تک فائدہ ہوتا رہا ہے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد میں نے اپنے پیر بھائی خیراتی قصاب انبالہ سے اسی قسم کا تذکرہ کیا تو وہ رو پڑا اور کہنے لگا کہ جب تک حضرت صاحب علیہ الرحمتہ حیات رہے اور ہم اپنی توفیق کے موافق حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت کرتے رہے، کبھی دعوت کرتے کبھی روپے نذر میں پیش کرتے کبھی کوئی اور خدمت کر دیتے تو خدا کی قسم ہے کہ اس زمانہ میں ہماری جیبیں روپوں سے بھری رہتی تھیں۔

اور ایک دفعہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی حیات میں خود میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ یہ کہ ایک بار مجھ پر بہت ہی تنگی آپڑی۔ مجھ کو بڑا ہی فکر لاحق ہوا۔ اسی حالت میں مَیں نے جو ایک کتاب دیکھنی شروع کی تو اس میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی یہ حکایت میری نظر سے گزری کہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ہاں دس مہمان آگئے تو انہوں نے اپنی

خادمہ سے دریافت کیا کہ گھر میں کھانے کی کیا چیز ہے؟ خادمہ نے عرض کیا کہ صرف ایک روٹی کا آٹا ہے۔ آپ سن کر خاموش ہوگئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص سوالی آیا۔ آپ نے وہ آٹا دے دینے کا حکم دیا، خادمہ نے دے دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص دو روٹیاں لئے ہوئے آیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ اس نے کہا میں یہ روٹیاں تحفۃً لے کر آیا ہوں۔ پوچھا کتنی روٹیاں ہیں؟ عرض کیا دو ہیں۔ فرمایا جا لے جا ہم کو ان کی ضرورت نہیں۔ پھر تھوڑی دیر میں ایک اور شخص آیا، اس کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ آپ نے دریافت کر کے وہ بھی واپس کر دیں۔ خادمہ نے عرض کیا کہ اگر روٹیاں رکھ لی جاتیں تو بہتر تھا۔ آپ نے فرمایا تو نہیں جانتی، اس میں ایک بھید ہے۔ غرض اسی طرح لوگ ایک ایک روٹی زیادہ لے کر آتے رہے اور آپ واپس کرتی رہیں، یہاں تک کہ ایک شخص نو روٹیاں لے کر آیا۔ آپ نے دریافت کر کے وہ بھی واپس کر دیں۔ آخر تھوڑے وقفہ کے بعد ایک شخص آیا جس کے ساتھ نہایت عمدہ پراٹھے اور سالن وغیرہ سب سامان تھا۔ پوچھا کیوں آیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ روٹیاں تحفۃً لے کر آیا ہوں۔ پوچھا کتنی ہیں؟ اس نے عرض کیا گیارہ ہیں۔ خادمہ کو حکم دیا کہ یہ روٹیاں رکھ لو اور ان میں سے ایک ایک روٹی دسوں مہمانوں کو اور باقی ایک خادمہ کو دے دی۔ پھر خادمہ نے وہ بھید دریافت کیا تو حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ ہمارے ہاں مہمان تو دس آگئے تھے اور آٹا ہمارے پاس صرف ایک روٹی کا تھا تو میں نے سوچا کہ اس آٹے سے مہمانوں کا گزارہ نہیں ہوسکتا بہتر یہ ہے کہ اس کی سوداگری کریں۔ ابھی میں اسی سوچ میں تھی کہ مجھے قرآن شریف کی یہ آیت یاد آگئی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (ترجمہ: جو شخص ایک نیکی بجا لاوے پس اس کے لئے اس کا اجر دس گنا ہے) یعنی جو شخص ایک نیکی کرے اس کو دس گنا بدلہ ملے گا۔ مجھے فوراً یقین آگیا کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا کیا تو ضرور ہے کہ وہ اپنے وعدے کے موافق دس تو بھیجے ہی گا اور گیارہویں ایک ہماری بھی ضرور ہی ہوگی، تو ہم دو تین اور آٹھ نو روٹیوں پر اکتفا کیوں کریں پورا ہی منافع کیوں نہ لیں۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے پوری گیارہ ہی بھیج دیں۔

جب میں نے یہ حکایت حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی دیکھی تو خیال آیا کہ آؤ ہم بھی سوداگری کریں۔ میرے پاس صرف ایک روپیہ تھا وہی میں نے حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی

خدمت میں پیش کر دیا۔ چنانچہ اسی روز شام تک پورے تیس روپے کی فتوحات میرے پاس ہوئیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کل دو روپے پیش کروں تا کہ ساٹھ آ ویں۔ چنانچہ میں نے اگلے روز دو روپے پیش کیے۔ حضور مسکرائے اور پیار سے میری پیٹھ پر تھپکی دے کر فرمایا" مولوی صاحب! وہی بہت ہیں پہلے وہ تو خرچ کرلو۔ لے جاؤ! فقراء جمع کرنے کے واسطے سودا نہیں کیا کرتے، سودا رفعِ ضرورت کے وقت کیا کرتے ہیں"۔ اس روز مجھ کو یقینِ کامل ہوگا کہ حدیث شریف میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ اِنَّ لِلّٰہِ رِجَالاً یُرْزَقُوْنَ بِھَا وَیُمْطَرُوْنَ بِھَا یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ جن کے طفیل سے لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے اور انہیں کے طفیل بارش کی جاتی ہے وہ یہی لوگ ہیں۔

پھر ظہر کے وقت فرمایا مولوی صاحب وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز جب بڑی شفاعت یعنی شفاعتِ کبریٰ ہو چکے گی تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار آدمیوں کو بے حساب بخشے گا اور ان کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو وہ عرض کریں گے خداوندا تیرے بہت سے بندے ایسے تھے جو محض تیری وجہ سے ہماری خدمت کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ تم میں سے ہر ایک کے واسطے اجازت ہے کہ شناخت کر کے ہر ایک گیارہ گیارہ ہزار آدمی اپنے ساتھ بہشت میں لے جائے، ہم نے ان کو بھی بے حساب بخشا۔ اس میں وہی لوگ داخل ہیں جو اولیاءِ کاملین کی خدمت و تواضع کرتے ہیں اور تواضع بھی وہ لوگ خود نہیں کرتے بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہی ان سے کراتا ہے اور ان کے دلوں میں بزرگانِ کاملین کی خدمت و تواضع کا خیال ڈال دیتا ہے۔ اور جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا، نہیں کو یہ توفیق و محبت و اخلاص بزرگان کی نصیب ہوتی ہے، اپنی طرف سے کوئی نہیں کرتا۔ اور مصلحت یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی امت کی بخشش کا سامان ہے۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلے پر میں غور کرنے لگا تو اس کی شہادت میں یہ دو حکایتیں کتاب خزینۃ الاصفیا میں میری نظر سے گزریں۔

(۱) ایک شخص کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں لوگ شقی[1] کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ایک دن وہ شخص حضرت جنید کی خدمت مبارک میں جا بیٹھا، کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر جو وہاں

---

[1] دوزخی

سے اٹھ کر باہر گیا تو کسی آدمی نے حسبِ معمول اس کو اسی شقی کے لقب سے پکارا تو غیب سے آواز آئی کہ اب اس کو شقی مت کہو۔ جو شخص ہمارے جنید رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک ساعت بیٹھ چکا ہو وہ شقی نہیں رہ سکتا، اب یہ سعید[1] ہو گیا ہے۔

(۲) ایک شخص بڑا فاسق فاجر تھا۔ ایک مرتبہ وہ ہاتھ پاؤں دھونے کے واسطے دجلہ پر گیا۔ اتفاقاً حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں وضو فرما رہے تھے اور صورت یہ تھی کہ وہ فاسق اوپر کی جانب تھا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نیچے بہاؤ کی طرف بیٹھے وضو فرما رہے تھے۔ اس کو خیال آیا کہ یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ ایک خدا تعالیٰ کا مقبول امامِ وقت وضو کر رہا ہو اور میرے جیسا نالائق ان سے اوپر کی طرف ہو۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر امام صاحب علیہ الرحمۃ سے نیچے بہاؤ کی طرف آ بیٹھا اور ہاتھ پاؤں دھو کر چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ شخص مر گیا تو ایک بزرگ کو خیال آیا کہ فلاں شخص بڑا ہی فاسق و فاجر تھا دیکھیں تو سہی اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ انہوں نے اس کی قبر پر جا کر مراقبہ کیا اور فرمایا کہ بتا تو تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا، تو دنیا میں بڑا گنہگار تھا؟ اس نے کہا واقعی میں ایسا ہی تھا مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک ساعت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ادب کرنے کی وجہ سے اس نے مجھ کو بخش دیا اور وہ تمام قصہ سنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاءِ کاملین لوگوں سے ملتے جلتے اور ان کے درمیان اٹھتے بیٹھتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ان کی بخشش کا سامان ہے۔

ارشاد: ایک روز اس بات کا ذکر ہوا کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بوجہ کثرتِ درود شریف ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہو گئی تھی اور ہر وقت ان کو استغراق اور حضوری و دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میسر تھا۔ اور اسی طرح اکثر اولیاء اللہ کو حضوری و زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اب بھی ہوتی رہتی ہے اور بہت سے امتی لوگوں کو بھی خواب میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی زیارت ہی فرماتے تھے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مراتب کو نہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ پہنچ سکے اور نہ دیگر اولیاء اللہ۔ اور بہر حال فضیلت صحابہ کرام ہی کو ہے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اس پر حضور نے ایک عجیب تقریر فرمائی۔ فرمایا کہ حقیقتِ محمدیہ علیہ السلام تمام اسما و صفاتِ الٰہی اور جمیع مراتبِ قرب اور تمام حقائق یعنی

[1] جنتی

حقیقتِ ابراہیمی ،حقیقتِ موسوی ،حقیقتِ عیسوی ،حقیقتِ قرآن ،حقیقتِ صلوٰۃ ،حقیقتِ کعبہ، وغیرہ کی جامع ہے۔اور وہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ تمام وکمال اپنی اسی جامعیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اس عنصری بدن مبارک میں ورود کر آئی تھی اور یہ بدن مبارک اس حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا حقیقی مظہر بن گیا تھا اور اسی حقیقتِ محمدیہ ﷺ جامع کے وارد ہو جانے کی وجہ سے آپ میں تمام تصرفات وکمالات علیٰ وجہ الکمال موجود تھے۔اور چونکہ اس حقیقتِ جامع کے آپ حقیقی مظہر تھے اسی وجہ سے سوائے جن و انسان کے باقی تمام حیوانات ونباتات حجر شجر وغیرہ نے آپ کو سجدہ کیا۔تو جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت آپ کے اُس عنصری بدن مبارک کے ساتھ حیاتی میں کی تھی درحقیقت ان کو تمام اسماء و صفاتِ الٰہی اور تمام انبیاء اور جمیع مراتبِ قرب اور تمام حقائق کی مع ان تمام تصرفات وکمالات کے زیارت ہوگئی تھی۔اور جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی ذات میں اُس وقت فنا ہوگئی تھی وہ فنا بھی جامعیت ہی میں ہوئی تھی۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان کی فنا اتم[1] تھی۔اسی طرح جن جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جس جس قدر فنا ذاتِ رسول ﷺ میں ہوئی تھی اسی قدر مقامات ومراتب ان کو عطا ہوئے تھے۔اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واطاعت ان کا مجاہدہ وریاضت تھی اور اسی محبت واطاعت اور صحبت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت اور مرتبے کو نہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ پہنچ سکے اور نہ دیگر اولیاء اللہ۔اِسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ . (ترجمہ۔جس نے مجھ کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا۔)

ارشاد: ایک روز میں کسی طالب علم کو تفسیر شریف کا سبق پڑھا رہا تھا یہ آیت تھی کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (ترجمہ: کہ کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ مت کرو۔۱۲) میں نے یہ معنی بتلائے کہ کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ حضور علیہ الرحمۃ سن رہے تھے، مجھے بلا کر فرمانے لگے کہ مولوی صاحب بے جا خرچ کرنے کے واسطے جو مال کھانے سے بچا ہوا ہے اسی کی ممانعت ہے یا جو کھایا گیا اس کی بھی ممانعت ہے۔میں نے عرض کیا حضور جو مال کھانے پینے سے بچا ہوا ہے اسی کے اسراف نہ کرنے کی بابت حکم معلوم ہوتا ہے۔حضور نے فرمایا فساد تو وہی مال کرتا ہے جو کھایا

[1] کامل ترین

گیا، بچے ہوئے مال کا کیا اسراف تھا؟ ہماری سمجھ میں تو اس کے یہ معنی آتے ہیں کہ جو مال تم کھاتے پیتے ہو اس سے جو طاقت تمہارے بدن کو حاصل ہو اس کو خدا تعالیٰ کی مخالفت اور ناراضی میں خرچ نہ کرو۔ اگر یہ معنی اسی طرح لئے جاویں تب بچا ہوا مال اسراف سے بچ سکتا ہے ورنہ کھایا پیا ہوا تو انسان کے اندر جا کر بہت فساد کرے گا اور باقی ماندہ مال کو بھی ضائع کر دے گا۔ حاصل معنی اس آیت شریفہ کے یہ ہیں کہ اسراف نہ کرنے کا حکم دونوں پر ہے، کھائے ہوئے پر بھی اور بچے ہوئے پر بھی۔ چونکہ بچا ہوا مال تابع قوت کھائے ہوئے کے ہے، اگر اس قوت کو خداوند تعالیٰ کی رضا میں خرچ کریں تو بچا ہوا مال فضول خرچی سے بچے ورنہ کس طرح بچ سکتا ہے۔ میں نے جب تفسیر کبیر اور مدارک التنزیل میں دیکھا تو یہی معنی ان میں لکھے تھے۔

ارشاد: ایک روز جالندھر کے ایک مولوی صاحب حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت میں آئے اور بہت سے مسائلِ شرعیہ حضور انور سے دریافت کئے۔ حضور نے تمام مسائل کے ٹھیک ٹھیک جواب دیئے۔ مولوی صاحب سُن سُن کر جھومتے اور مسرور ہوتے تھے اور ایک حالتِ وجد اُن پر طاری ہوتی تھی۔ بے اختیار کہتے تھے کہ حضور کو کون بے علم کہہ سکتا ہے، حضور تو علم کے دریا ہیں اور یہ سب علمِ لدُنی کے کرشمے ہیں، کسی علم کو یہاں تک رسائی نہیں۔ جب وہ رخصت کے واسطے اٹھنے لگے تو حضور علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب ہم نے تمہارے سب مسئلے بتا دیئے اب تم بھی ایک مسئلہ بتا دو۔ انہوں نے کہا فرمائیے۔ فرمایا کہ بھلا جس وقت ماسویٰ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے کچھ نہ تھا، نہ زمین، نہ آسمان، نہ چاند، نہ سورج، نہ عرش، نہ کرسی، نہ یہ نہ وہ، تو اس وقت خدا تعالیٰ کہاں رہتا تھا؟ یہ سن کر وہ چپ رہ گئے اور عرض کیا حضور میں کیا جانوں مجھے کچھ خبر نہیں، حضور ہی فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنی صفات کے بادل میں تھا۔ مولوی صاحب نے تسلیم کیا اور کہا کہ رسولِ خدا ﷺ نے بھی حدیث شریف میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ کَانَ اللّٰہُ فِیْ غَمَآءٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ اندھا دھند میں تھا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ ہم حدیث شریف تو پڑھے ہوئے نہیں پر معلوم اسی طرح ہوتا ہے اور پھر انہیں صفتوں کا ظہور ہوا تو زمین آسمان چاند سورج وغیرہ سب چیزیں بن گئیں۔

باب ششم

کمالات

اس باب میں سات فصلیں ہیں

فصل اوّل

جنّوں کی ملاقات

نقل ہے کہ ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ شاہ عبدالرسول صاحب کی مسجد میں مراقب تھے درویش بھی حضور کے ساتھ ہی مراقبہ میں مشغول تھے۔ اثناءِ مراقبہ میں جبکہ حضور گردن جھکائے ہوئے تھے آپ کے سامنے سینہ کے برابر ایک مٹھائی کا بھرا ہوا تھال آیا، لانے والا نظر نہ آتا تھا۔ آپ نے ہوں کر کے زور سے ہاتھ کا اشارہ فرمایا جس سے تھال دور جا پڑا اور مٹھائی گر گئی۔ مراقبہ سے فراغت پانے کے بعد فرمایا یہ مٹھائی کھالو۔ سب نے اکٹھی کر کے کھالی۔ پھر فرمایا وہ مٹھائی لانے والا کہاں گیا؟ درویشوں نے عرض کیا کہ حضور یہاں تو صرف تھال ہی تھال نظر آیا ہے لانے والا تو کسی نے نہیں دیکھا۔ فرمایا ہم پھر دریافت کرلیں گے۔

کئی روز بعد ایک مرتبہ آپ اس باغ میں تشریف لے گئے جو اس سڑک کے کنارہ پر غرب کی طرف واقع ہے جو اب حضور علیہ الرحمتہ کے روضہ مبارک سے غرب کی طرف شہر سے آ کر شمال کی

طرف گئی ہے۔ وہاں ایک کچا مکان تھا آپ اس میں بیٹھ گئے۔ درویش بھی ساتھ تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ضعیف العمر بڑھیا روغی ریوڑیاں ایک برتن میں لئے ہوئے حاضرِ خدمت ہوگئی اور کہا حضور میں ابھی روم سے یہ ریوڑیاں لے کر آئی ہوں اور اپنی مزدوری کی حلال کمائی سے خرید کر لائی ہوں اور بیعت ہونے کے واسطے عرض کیا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہمیشہ عورتوں کو دستارِ مبارک کا پلہ پکڑا کر اور دور بٹھلا کر بیعت فرمایا کرتے تھے۔ برخلاف اس کے آپ نے بلا تکلف اس کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کیا۔ اس حلقہ میں سے ایک درویش کو خیال گزرا کہ آپ نے خلافِ معمول ایک نامحرم عورت کا ہاتھ کیوں پکڑا؟ اس سے رہا نہ گیا عرض کر ہی دیا۔ فرمایا یہ عورت نہیں یہ تو جن ہے۔ پھر فرمایا آہ خوب یاد آیا وہ ایک مرتبہ مٹھائی کا تھال لے کر ہمارے پاس تو ہی آیا تھا؟ اس نے عرض کیا ہاں حضور میں ہی تھا۔ آپ نے غصہ سے ہاتھ کا جھٹکا بھی دیا تھا۔ فرمایا ہاں ہم اس وقت ایسی ہی حالت میں تھے، ایسی حالت میں ہم سے بات نہ کیا کرو۔ عرض کیا ہاں حضور آئندہ ایسا نہ ہوگا، مجھے خبر نہ تھی۔ پھر اس نے عرض کیا اگر حضور کو یہ مکان پسند ہو تو میں اسے چھوڑ دوں آپ یہیں تشریف رکھیں۔ فرمایا نہ، تو یہیں رہا کر اور الله الصمد خوب پڑھا کر۔ وہ اسی وقت غائب ہوگیا ہر چند دیکھتے رہے پھر نظر نہ آیا۔ فرمایا کہ یہ جن بہت نیک بخت اور پرہیز گار ہے اپنے ہاتھ سے مزدوری کر کے کھاتا ہے۔ پھر حضرت صاحب اپنے مکان پر تشریف لے آئے۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت صاحب چھاؤنی انبالہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک رسالدار رہتا تھا اور اس کی لڑکی کے سر پر ایک جن تھا۔ وہ ہر چند تعویذ گنڈے عملیات وغیرہ کرا چکا تھا لیکن لڑکی کو آرام نہیں ہوتا تھا۔ رسالدار نے یہ ترکیب سوچی کہ دعوت کر کے حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے مکان پر لے گیا۔ جب آپ کھانا کھا چکے تو عرض کیا حضور اِس اِس طرح میری لڑکی کے سر پر جن ہے اور میں بہت سے تعویذ، گنڈے، عمل وغیرہ کرا چکا ہوں لیکن وہ جن نکلنے میں نہیں آتا بلکہ بڑی ذلّت کرتا ہے لڑکی کے ساتھ اور میری سخت بے حرمتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں عامل نہیں، کوئی عالم فاضل نہیں، تعویذ گنڈے مجھے نہیں آتے۔ کیا تُو نے اِسی نیت سے دعوت کی تھی کہ اِس بہانے سے لڑکی کا علاج کراؤں؟ اس نے عرض کیا حضور میری کیا مجال ہے جو اس قسم کی نیت کروں۔ صرف اس واسطے عرض کیا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں شاید آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ

میری لڑکی کو اس سے نجات دے۔ میں ایک شریف اور عزت دار آدمی ہوں میری سخت رسوائی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یوں بات ہے۔ اچھا اس لڑکی کو ہمارے سامنے لاؤ۔ وہ لڑکی کو چار پائی سمیت اٹھا لائے۔ چادر لڑکی کے اوپر پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا او جاوے چلا جا، کسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ آپ نے تسبیح لیکر پڑھا اَللّٰہُ الصَّمَدُ اَللّٰہُ الصَّمَدُ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ابھی ایک تسبیح پوری نہ ہونے پائی تھی کہ وہ جن چلاّ اٹھا اور کہنے لگا حضور آپ اب نہ پڑھیں میرے بدن میں آگ لگ گئی، پر میرے جل گئے، مجھے سخت تکلیف ہے، اب میں ہرگز کسی عورت کے پاس نہ جاؤں گا آپ اور نہ پڑھیں۔ آپ نے غصہ سے فرمایا او تجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں نامحرم عورتوں کو دیکھنا حرام ہے پھر تو کیوں عورتوں کے سر ہوتا پھرتا ہے؟ اس نے بڑی منت و عاجزی سے عرض کیا حضور میری توبہ ہے خدا کے واسطے رسول ﷺ کے واسطے مجھے چھوڑ دیں میں اب کبھی کسی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا توبہ کر اور جا اب کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور لڑکی کو ہوش آ گیا۔ وہ رسالدار کہتا تھا کہ مَیں اس سے پہلے بمبئی سے پشاور تک پھر آیا تھا مگر کہیں آرام نہ ہوا تھا۔ پھر کبھی اس لڑکی کو تمام عمر ایسی حرکت نہ ہوئی۔

ایک دفعہ بعد نماز عشاء مجلس عالیہ میں بحالتِ مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ حلقہ توجہ میں آپ توجہ حسب مراتب دیا کرتے تھے۔ میں نے بالمشافہ دیکھا کہ میرے دائیں طرف دو شخص بیٹھے ہیں جن کی تمام شکل و شباہت آدمیوں کی سی ہے لیکن سروں پر دو دو سینگ ہیں۔ بعد فراغت میں نے عرض کیا کہ حضور آج تو اس طرح دیکھا ہے، یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ہاں ہمیں بھی گمان ہے وہ جو لوگ دیو کہا کرتے ہیں یہی تھے اور بیعت کے واسطے آئے تھے چنانچہ بیعت ہو کر چلے گئے ہیں۔ تعلیم ان کو کر دی ہے۔

ایک دفعہ ایک اور واقعہ پیش آیا۔ حضور کے زمانہ میں میری عادت تھی کہ صبح سے دس بجے تک پڑھاتا تھا، دوپہر کو کھانا کھا کر سو رہتا، ظہر کے بعد پھر پڑھاتا، عصر کے بعد جو فتوے کہ باہر سے جواب کے واسطے آئے ہوئے ہوتے ان کو دیکھ کر ان کے جواب تحریر کرتا اور ان پر مُہر کرتا۔ ایک روز عصر کے بعد دو شخص دو فتوے لے کر میرے پاس آئے اور میرے سامنے ایک چھوٹی سی چوکی، جو

کہ کتابیں رکھنے کی تھی، اس پر وہ دونوں فتوے لا رکھے اور کہا کہ ہم حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ فتوؤں پر دو روپے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے فتوؤں پر مُہر لگائی، ابھی مُہر کو میں اچھی طرح اٹھانے نہیں پایا تھا کہ وہ دونوں آدمی بھی غائب اور فتوے بھی ندارد۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے جا کر حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا ہاں وہ کشمیر کی طرف کے رہنے والے تھے اور جِن تھے۔ ہم نے ہی انہیں تمہارے پاس بھیجا تھا کہ ان سے جواب لکھوالو۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کسی شخص کو لائے اس میں کوئی جِن تھا۔ حضور عالی نے فرمایا تُو کیوں اس شخص کو تنگ کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں کسی کو تکلیف دینا منع ہے۔ وہ بولا میں نے بہت پیر فقیر دیکھے میں نہیں جانتا۔ حضور نے جوش میں خلیفہ امیر اللہ شاہ کو حکم دیا کہ امیر اللہ شاہ مارنا اس کے لات۔ ابھی خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب اٹھے ہی تھے لات مارنے نہیں پائے تھے کہ وہ جِن چلّا اٹھا اور رو کر کہنے لگا ''میرے پَر جل گئے۔ اب میں کسی کام کا نہیں رہا اور میں جاتا ہوں۔،، چنانچہ جِن چلا گیا اور وہ شخص راضی ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے کئی مرتبہ تجربہ کیا کہ اگر کسی شخص میں جِن ہوا اور یہ کہا گیا کہ ''امیر اللہ شاہ مارنا اس کے لات'' جِن فوراً چلا جاتا۔ اور اب یہ عمل ہو گیا ہے کہ توکلی نسبت والے کو فقط یہی لفظ کافی ہے اوروں کو بھی نفع دیتا ہے۔

ایک روز میں ساتھ تھا اور حضور مسجد سے تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ بے تاب ہو گئے اور آپ کے قدم ڈگمگانے لگے۔ میں آپ کے ہاتھ پکڑ کر سنبھالنے لگا تو حضور نے فرمایا کہ مولوی صاحب اس وقت ہم پر وہ تجلّی پڑ رہی ہے کہ اگر تم پر ذرا بھی پڑ جائے تو تمام بدن کا گوشت پارہ پارہ ہو جائے اور کچھ باقی نہ رہے۔ یہ فرماتے ہی میرے پر اس قدر حالت طاری ہوئی کہ میں سنبھل نہ سکا اور قدم لڑکھڑا گئے۔ حضور نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا تو میری تسلّی ہو گئی۔ فرمایا کہ بس اتنے ہی میں ایسے ہو گئے ذرا سنبھلو۔ پھر فرمایا کہ اس شاہ عبد الرسول صاحب کی مسجد کے اس شمال مغربی گوشہ پر ایک دیو رہتا ہے یہاں پیشاب نہ کرنا چاہئے اگرچہ ہمارے درویشوں کو یہ کچھ نہیں کہتا لیکن پھر بھی خیال ضرور رکھنا چاہیے۔

فصل دوم

ابدالوں سے ملاقات

ارشاد: ایک روز ابدالوں کا ذکر آیا تو لوگوں نے کہا کہتے ہیں کہ ابدال اُڑا کرتے ہیں جب ان کے پَر نہیں ہوتے تو وہ اڑتے کیسے ہیں؟ بغیر پَر کے تو کوئی اُڑ نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا ہاں ہم نے بھی دیکھا ہے۔ ایک دفعہ ڈیرہ دون کے پہاڑ سے ابدال ہمارے پاس آیا وہ ہوا میں ہاتھوں کو ہلاتا ہوا اُڑا چلا آتا تھا جس طرح لوگ دریا میں تیرا کرتے ہیں۔ ابدالوں کا اُڑنا سچ ہے ہم نے یہ اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور کئی مدت تک وہ ہمارے پاس آتا رہا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ پہلے پہلے گرمیوں میں رات کو آپ مکان کی چھت پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھا کرتے تھے پھر نیچے مکان میں بیٹھ کر پڑھنے لگے۔ ایک روز مائی صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت آپ پہلے تو اوپر تشریف رکھا کرتے تھے اب آپ کو گرمی نہیں لگتی؟ فرمایا ہمارے پاس ابدال آتے ہیں ان کی وجہ سے ہمیں نیچے اترنا پڑتا ہے اس لئے یہیں بیٹھ جاتے ہیں چڑھنے اترنے میں تکلیف ہوتی ہے۔

ارشاد: ایک شخص حیدر آباد کا رہنے والا چھوٹا قد لمبی داڑھی موٹا بدن سر منڈا ہوا ایک پانی کا مشکیزہ لئے ہوئے شاہ عبدالرسول میں آ کر ٹھہرا اور حضرت صاحب کی زیارت کو آیا۔ حجرہ بند تھا وہ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے حجرہ کھولا اور دریافت کیا کہ یہاں کوئی آیا تھا؟ درویشوں نے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا چلو وہیں چلیں، حضرت شاہ عبدالرسول کی فاتحہ بھی پڑھ آئیں گے اور اس سے بھی مل لیں گے۔ چنانچہ آپ تشریف لے چلے، ہم سب درویش بھی ہمراہ تھے۔ ہم نے جا کر فاتحہ پڑھی پھر اس سے ملاقات کر کے فرمایا ایسی صورت ابدالوں کی ہوتی ہے۔ ہم نے خیال کیا شاید وہی ہو۔ پھر اسے ساتھ لئے ہوئے مکان پر تشریف لے آئے۔ اس نے عرض کیا حضور مصالحہ تو سب تیار ہے صرف بتی لگانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا مصالحہ کس طرح تیار ہے؟ عرض کیا حضور میں نے تین کروڑ اَللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا لے پھر ہماری طرف سے یہ بتی لگا دے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم اس نے کہا یہ لکھوا کر دے دیں۔ آپ نے فرمایا تو

درویشوں میں سے کسی نے لکھ کر دے دیا۔ وہ آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر رخصت ہوا۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ حجرہ میں تشریف فرما تھے یکا یک باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک ہندو ہے جیسے ہندو کانور اٹھائے ہوئے گنگا جل لے کر وطن جاتے ہیں اسی طرح کانور مونڈھے پر رکھے ہوئے تھا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ مکان سے تقریباً بیس قدم کے فاصلہ پر باہر جا کر اس سے ملے اور سلام علیک کی۔ اس نے جواب میں وعلیکم السلام کہا اور مصافحہ کیا اور کچھ دیر تک باہم راز کی باتیں کرتے رہے۔ پھر فرمایا چلو مکان پر چلیں۔ اس نے کہا مجھے بہت جلدی جانا ہے رخصت ہی دے دیں۔ آپ رخصت کر کے تشریف لے آئے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور ظاہر میں تو یہ ہندو نظر آتے تھے پھر یہ السلام علیک کی کیا وجہ تھی۔ فرمایا کہ یہ ہندو نہیں تھے بلکہ ابدال تھے ملاقات کے واسطے آئے تھے۔ کسی نے عرض کیا حضور پھر آپ کے باہر تشریف لے جانے کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا کہ اگر ہم نہ جاتے تو حجرہ ہل کر آپ چلا جاتا اور لوگوں سے چھپنے کی وجہ سے انہوں نے شکل بدلی تھی۔ لوگ ابدال کا نام سن کر ملاقات وزیارت کے واسطے ان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا یہاں سے ایک قدم ان کا سرہند شریف پڑا ہے وہاں سے بیت اللہ شریف میں جا کر روٹی کھاویں گے۔ تم ان کو نہیں مل سکو گے ان کو اللہ تعالیٰ نے طے[1] الارض عطا کیا ہوا ہے۔ وہ بہت تھوڑی دیر میں بہت دور چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ کئی لوگ پیچھے دوڑے مگر وہ آناً فاناً میں نظر سے غائب ہو گئے تھے۔

---

1. فاصلہ طے کرنے کی طاقت

فصل سوم

مکاشفات

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے روٹی کھلائی اور فرمایا اِسے جلدی رخصت کردو۔ اس نے عرض کیا حضور میرے پاس سفر خرچ نہیں۔ آپ نے اس کے واسطے سفر خرچ اکٹھا کرادیا اور فرمایا جلدی رخصت کردو۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ بعد میں ایک درویش نے عرض کیا حضور یہ تو مسافر تھا اسے اتنی جلدی کیوں رخصت کردیا؟ فرمایا ہم نے دیکھا کہ اِس کی روح کا داہنا ہاتھ کہنی پر سے کٹا ہوا تھا معلوم ہوا کہ وہ شخص کہیں سے چوری کرکے آیا ہے اِس کا رخصت کردینا ہی ٹھیک ہے۔ آخر کار وہ شخص وہاں سے بمبئی پہنچا۔ دو تین دن کے بعد کچھ لوگ اس کی تلاش کرتے ہوئے آئے کہ حضرت یہاں ایک شخص چوری کرکے آیا تھا۔ پھر وہ بمبئی سے گرفتار ہوکر آیا۔ علمِ حقیقت اسی کا نام ہے سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ الْقَلْبِ ط (ترجمہ۔ بچو مومن کی شناخت سے کیونکہ وہ نورِ قلب سے دیکھتا ہے ۱۲ منہ مدظلہ العالی)

ارشاد: علمِ حقیقی ومکاشفات میں آپ کو اتنا دخل تھا کہ شاذ و نادر ہی اس کی نظیر ملے تو ملے۔ ایک دفعہ درویش جمع تھے مہر علی شاہ درویش بھی وہیں موجود تھا۔ فرمایا مہر علی شاہ! جا تُو ابھی اپنے گھر چلا جا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ اسے ابھی کھانا کھلا کر رخصت کردو۔ مہر علی شاہ رونے لگا۔ آپ نے فرمایا جاؤ مہر علی شاہ اپنے گھر چلے جاؤ اور اپنے بال بچوں میں رہو وہیں خیر ہوجائے گی۔ اور یاد رکھنا سات دِن سے پہلے یہاں نہ آنا۔ اگر جی چاہے تو سات دن کے بعد آجانا۔ چنانچہ مہر علی شاہ اپنے گھر چلا گیا وہاں پہنچ کر چوتھے روز بخار ہوا ساتویں روز مرگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (ترجمہ۔ بے شک ہم خدا کیلئے یعنی اس کی ملک ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے) یہ عجب حقیقی علم تھا کہ تا کہ اپنے بچوں سے مل کر کوئی نصیحت یا وصیت کرلے۔

ارشاد: ایک روز بر سبیلِ تذکرہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم براس گئے اور وہاں جو انبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کی قبریں ہیں ان پر مراقب ہوکر بیٹھے۔ ان کی روح سے ملاقات ہوئی۔ انہوں

نے کپڑے کا ایک تھان ہمیں تحفہ کے طور پر دیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کس زمانہ میں نبی ہو کر گزرے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم اس زمانہ میں تھے جبکہ کنھیا کا وقت تھا۔ کنھیا درپردہ ہمارے موافق تھا اور بظاہر کافروں کے ساتھ ملا ہوا تھا اور کافروں سے اس کا مِلا رہنا ہی ہماری امداد کے واسطے تھا۔

ارشاد: ایک روز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت لکھّی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر مراقب بیٹھے تو دیکھا کہ خون کا ہار ان کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ شہید ہیں۔ سائیں لکھّی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم یہاں کے شاہ ولایت ہیں۔ ہم نے کہا بے شک ہم آپ کے شاہِ ولایت ہونے کو مانتے ہیں۔ پھر سائیں لکھّی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے پوچھا کہ آپ کس سلسلہ میں مرید ہیں؟ میں نے کہا مجدّدی طریق میں۔ لکھّی شاہ صاحب نے فرمایا یہ سلسلہ ہمارے بعد کا ہے اور ہم حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں ملتان سے یہاں آئے تھے اور انہیں کے سلسلہ تصوف میں سے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزرے ہیں۔ پھر ہم نے ان قبر والوں سے جو لکھّی شاہ صاحب کے پاس شرقاً غرباً مدفون ہیں پوچھا کہ آپ کس زمانہ میں گزرے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی امت میں سے تھے اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ میں یہاں آئے ہیں۔ کافروں سے یہاں بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اسی وجہ سے ان کے منہ بیت المقدس کی طرف ہیں کیونکہ اس زمانہ میں قبلہ اسی طرف تھا۔ اور ان کے قد اتنے لمبے ہیں کہ ان کے پاؤں اس شرقی دیوار سے بھی باہر نکلے ہوئے ہیں جس میں دروازہ اور چوکھٹ لگی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمیں مکاشفہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سائیں لکھّی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ یہاں اور بہت سے شہداء کی قبریں ہیں جن کا کچھ نشان ظاہر میں نہیں اور یہ منڈی کا تمام میدان شہیدوں سے پُر ہے۔ اِسی وجہ سے میں نے بارہا دیکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ احاطہ کے شرقی دروازہ سے داخل ہو کر شمال کی طرف کو لکھّی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لے جاتے تھے اور جنوب کی طرف کو نہیں جاتے تھے کیونکہ اس طرف ان دونوں قبروں والوں کے پاؤں راستہ میں حائل ہوتے ہیں۔

یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک یاغستانی پٹھان مبہوت و پریشان شکل کا میرے پاس آیا۔ میں طالب علموں کو پڑھا رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں ایک پیر کا مرید ہوا تھا انہوں نے مجھے ایسی توجہ دی کہ ایک ہی توجہ میں میرے بال بال میں کلمہ شریف جاری ہو گیا۔ مجھے بڑا خیال ہوا اور ارادہ کیا کہ اسے حضرت صاحب کی خدمت میں لے جاؤں آخر میں اسے لے کر وہاں پہنچا۔ تھوڑی دیر وہ وہاں بیٹھا رہا۔ جب حضور نے حجرہ کا دروازہ کھولا تو اس نے فارسی زبان میں اپنا حال سنایا اور ساتھ ہی میں نے بھی عرض کیا کہ حضور یہ اس طرح کہتا ہے کہ میرے بال بال میں کلمہ شریف جاری ہو گیا ہے۔ پہلے تو حضور خاموش رہے پھر فرمایا کہ اسے کلمہ وغیرہ کوئی نہیں آتا صرف یونہی خیال ہے۔ لو یہ ایک روپیہ ہمارے پاس ہے یہ اسے دے دو کچھ اور ملا کر رضائی بنا لے گا کیونکہ اس کو اسی کی ضرورت ہے۔ باہر نکل کر وہ کہنے لگا ''دریں پیر تاثیر بسیار است من برائے ہمیں آمدہ بودم'' (ترجمہ۔ اس پیر میں بہت تاثیر ہے۔ میں اسی لئے آیا تھا) سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ ط (ترجمہ۔ بچو مومن کی شناخت سے کیونکہ وہ نورِ خداوندی کے ساتھ دیکھتا ہے)

ارشاد: ایک روز شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بر سبیلِ تذکرہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم مخدوم علی احمد صابر رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ شریف پر جا کر مراقب ہو بیٹھے۔ آپ کی زیارت ہوئی۔ بڑی خوشی اور محبت سے ملے اور پھر ایک مُہر والی انگوٹھی میرے ہاتھ میں پہنا دی۔ فرمایا آپ کے فیضان کی یہ نشانی تھی۔

ارشاد: ایک روز تذکرۃً ارشاد فرمایا کہ ہم خواجہ شمس الدّین ترک پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف پر گئے۔ وہاں کوئی آدمی نہیں رہتا تھا۔ لوگوں نے ہم کو بھی منع کیا اور کہا کہ آپ یہاں نہ ٹھہریں یہاں کوئی رہنے نہیں پاتا۔ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور مراقب ہو کر بیٹھ گئے اور فیض کھینچنے لگے۔ خواجہ صاحب کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ آپ اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ اَللّٰہ' اَللّٰہ' اَللّٰہ'۔ اَللّٰہ' اَللّٰہ' اَللّٰہ' اور خواجہ صاحب کے ذکر کے ساتھ ہی جس قدر ارواح آپ کے ارد گرد مسترشدین[1] کی موجود تھیں وہ بھی سب کی سب ذکر کرنے لگیں اور تمام ارواح میں ذکر کا جوش و خروش

---

[1] ہدایت طلب کرنے والے۔ مریدین

پھیل گیا اور وہ ارواحِ مسترشدین ہماری طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں کہ اس شخص نے آ کر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو چھیڑ دیا اور آپ کا جوش بھڑ کا دیا۔ مجھے فیضان کی کثرت سے اس قدر تپش اور جوش ہوا کہ میرا سینہ تپ گیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے مدینہ شریف کی طرف توجہ کر کے روحِ رسول اللہ ﷺ سے فیض لینا شروع کیا تب بڑی دیر میں وہ تپش کم ہوئی۔ پھر دیکھا کہ خواجہ شمس الدین ترک رحمتہ اللہ علیہ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے قبر سے باہر نکلے اور اسے چمکاتے اور ہلاتے ہیں۔ اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم آپ سے بہت خوش ہیں جب تک آپ یہاں رہیں آپ مختار ہیں غیر آدمی کو ہم اپنے پاس نہیں رہنے دیتے اسی واسطے لوگ آپ کو ڈراتے اور روکتے تھے اور تم جیسے لوگوں سے تو ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا امیر اللہ شاہ ہمارے ساتھ تھے وہ تلوار کی چمک دیکھ کر ڈر گئے۔ ہم نے انہیں سمجھایا کہ یہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کی شکل ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کو تپش بہت ہوئی تو آپ نے خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب کو فرمایا کہ ہمیں نہلاؤ۔ وہ نہلانے لگے۔ آپ پر سکرت طاری تھی۔ امیر اللہ شاہ صاحب آپ کے اوپر تقریباً دو گھنٹے تک برابر پانی ڈالتے رہے۔ جب آپ کو ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ امیر اللہ شاہ یہ اتنا پانی کس طرح باہر آیا ہے اور گر پڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور آپ پر سکرت طاری تھی جب تک آپ کو ہوش نہیں آیا میں آپ کے اوپر پانی ڈالتا رہا۔ اس وقت آپ نے جوشِ محبت میں دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو اپنا بندہ بنا لے۔ چنانچہ اُن کے تمام مقامات اسی وقت کھل گئے اور حضور کے ہم شکل ہو گئے۔

ارشاد: ایک روز کراماً کاتبین کا تذکرہ تھا کہ کراماً کاتبین دائیں بائیں رہتے ہیں اور بندوں کے نیک و بد اعمال لکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں بیشک لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم سکرت کی حالت میں تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ شخص جن میں سے ایک ہمارے دائیں تھا دوسرا بائیں کاغذ قلم ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں۔ ان کی ایک عجیب ہی حالت دیکھی۔ وہ اس طرح تحریر نہیں کرتے جس طرح یہ لوگ لکھتے ہیں۔ ان کی تحریر اوپر سے نیچے کو ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ جب آدمی بات یا کوئی فعل اچھا بُرا کر چکے تب ہی اسے لکھیں بلکہ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک آدمی کی زبان اور ان کے ہاتھ کے درمیان کچھ ایسی ہی کل ہے کہ اِدھر زبان ہلی اور اُدھر ان کا ہاتھ ہلا اُدھر وہ بند ہوئی اُدھر ان

کا ہاتھ بھی رک گیا۔ اور یہ بات بھی نہ تھی کہ رکنے کے بعد کاغذ سے قلم الگ ہو جاتا ہو یا دوات وغیرہ کی طرف لے جانا پڑتا ہو بلکہ ان کے قلم میں کچھ نوری سیاہی نظر آتی تھی اور ہاتھ وقلم کاغذ سے اٹھتا نہیں تھا بلکہ وہیں ٹھہرا رہتا تھا۔ جب پھر زبان سے کوئی بات سرزد ہوتی تو اُن کی تحریر شروع ہو جاتی۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے دانستہ سکوت کیا تو وہ بھی خاموش ہو رہے۔ پھر میں نے زبان ہلائی تو ان کا ہاتھ بھی ہلا۔ پھر میں نے تسبیح پڑھنی شروع کی تو اس نے بھی جلدی جلدی بڑی سرعت سے لکھنا شروع کیا۔ اور یہ بھی نظر آیا کہ دائیں جانب والا نیک عمل لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بد عمل۔ اس روز سے میں نے یہ عادت کر لی کہ ہر وقت تسبیح اور ذکر وشغل میں ہی اپنی زبان کو ہلاتا ہوں تا کہ میرے نامۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ ہو کیونکہ ان کے ہاتھ تو زبان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں کہ اس کے ہلنے سے وہ ہلتے اور اس کے رُکنے سے وہ رک جاتے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ زبان کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے زبان! تو سنبھل کر رہا کر، تیرا ذرا سا ہلنا کپڑوں کو پھاڑ دیتا ہے۔

ارشاد: ایک مرتبہ بعد مغرب عوام الناس زائرین میں سے دو شخص توجہ میں آ بیٹھے۔ آپ نے اُن میں سے ایک کو فرمایا کہ تو درود شریف بہت پڑھا کر۔ وہ شخص فسق وفجور میں بہت مبتلا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد ایک درویش نے عرض کیا حضور یہ کیا درود شریف پڑھے گا اس کی حالت تو خراب ہے؟ فرمایا نہیں اس کا اخیر اچھا ہے۔ ایک شخص نے پھر عرض کیا کہ حضور آپ نے کیسے معلوم کر لیا کہ اس کا اخیر اچھا ہے؟ فرمایا اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کی روح کے گلے میں ایک نوری تختی کا ٹکڑا پڑا ہوا ہوتا ہے جس پر لفظِ شقی[1] یا سعید[2] لکھا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے جو اُن کی روحوں کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ نوری تختیوں کے ٹکڑے جو ان کی روحوں کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اُن پر لکھا ہوا ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ ط تو اس دوسرے شخص کا کلمہ شریف تو چمک رہا تھا اور اس کا ذرا گدلا سا تھا مگر لفظ سعید اس کی تختی پر لکھا ہوا تھا۔ اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ اس کا اخیر اچھا ہے اور درود شریف ہم نے اس لئے بتایا تا کہ وہ اس تختی کا گدلا پن دور ہو جائے۔ پھر فرمایا مولوی صاحب باتیں تو بڑی بڑی معلوم ہوتی ہیں لیکن ہم

۱؎ دوزخی ۲؎ جنتی

اس خیال سے ظاہر نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے بھید چھپے ہی رہیں تو اچھا ہے۔

مجھے اس تقریر سے کچھ شبہ سا ہوا تو فرمایا مولوی صاحب ہماری باتوں کو قرآن وحدیث میں دیکھ لیا کرو۔ میں خاموش ہو رہا۔ صبح کو جو میں نے اتفاقاً قرآن شریف کھولا تو پہلے ہی یہ آیت نکلی وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔ (ترجمہ: اور ہم نے ہر انسان کے گلے میں اس کا جانور چمٹا دیا ہے اور اس کو قیامت کے دن نکالیں گے کتاب کی صورت میں کہ ملیگا اس کو پھیلا ہوا۔۱۲) اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے اور یہ طائر وہی نوری تختی کا ٹکڑا ہے کہ جو سب لوگوں کی روحوں کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔

اہلِ دل را ذوق وفہم دیگر است — کاں زِفہمِ ہر دو عالم بہتر است
ہر کہ آں را فہم درکار افگند — خویش را در بحرِ اسرار افگند

ترجمہ: اہل دل کا ذوق وفہم عجیب وغریب ہے کیونکہ دونوں جہاں سے ان کا فہم بہتر ہے۔ جو کوئی ان کے ادراک میں دخل اندازی کرے اپنے آپ کو اسرار کے سمندر میں گرا ڈالے۔

نقل ہے کہ ایک روز بعد مغرب آپ حلقہء توجہ میں بیٹھے تھے۔ بعد فراغت مولوی سراج الدین صاحب فاروقی تھانیسری نے عرض کیا کہ حضور آج میں نے توجہ میں عجب ہی تماشہ دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص میرے دائیں طرف چیختا اور زار وزار روتا ہے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا یہ تیرا نفس ہے جو تیرے بدن سے باہر نکل کر روتا تھا۔ بدن کے اندر وہ اس لئے نہ رہا کہ وہ نور جو بہت تیزی کے ساتھ اندر پڑ رہا تھا وہ اسے جلاتا مارتا اور اس کی درستی کرتا تھا اس لیے وہ پہلے ہی باہر نکل کر رونے بیٹھ گیا۔

نفسِ ماہم کمتر از فرعون نیست
لیک اُو را عون مارا عون نیست

ترجمہ: ہمارا نفس بھی فرعون سے کم نہیں لیکن اس کا مددگار حکومت وسامان دنیا کی بہتات تھا اور ہمارا کوئی نہیں۔

ارشاد: ایک مرتبہ بہت سے علماء مجلسِ عالیہ میں حاضر تھے۔ ایک شخص نے دیوانِ حافظ کا یہ

شعر پڑھا ؎

اَلَآ یَآاَیُّھَا السَّاقِیُ اَدِرْ کَاْسًا وَّنَاوِلُھَا

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ترجمہ: خبردار اے ساقی! پیالہ عطا کر اور اس سے پینے کی اجازت بھی بخش ابتداء میں عشق آسان لگتا ہے لیکن مشکلات سے بھرا پڑا ہے۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کی کہ حضور شراب کو عربی میں خُمر کہتے ہیں اور یہ مۓ کے معنی میں ہے یعنی یہ حرام ہے۔ بہت سے بزرگوں نے اپنے اپنے کلام میں اِس کا ذکر کیا ہے۔ یہ شراب کیا چیز ہے اور کسی نے یہ شراب پی بھی ہے یا نہیں؟ فرمایا ہاں ہم نے بھی پی ہے۔ ایک مرتبہ ہماری روح نے عروج کیا، ایک مقام پر پہنچی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک مکان بنا ہوا ہے اور بہت سے اولیاء اللہ وہاں جمع ہوئے بیٹھے ہیں۔ اس مکان میں ہم نے دیکھا کہ ایک طرف ایک مٹکا رکھا ہوا ہے اور اس پر ایک تام لوٹ ہے۔ لوگوں نے ہم سے کہا کہ حضرت یہ جو مٹکا ہے اس میں شراب ہے اور آپ ہی کے حصّہ کی ہے آپ بھی پی لیں۔ ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں شراب حرام ہے ہم نہیں پیویں گے۔ کہا حضور نہیں یہ شراب حرام نہیں بلکہ حلال ہے اور محبت و عشقِ الٰہی کی شراب ہے۔ اسی شراب میں سے حضرت امامِ اعظم علیہ الرحمتہ نے بھی پیا ہے، اسی میں سے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی پیا ہے، اسی میں سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے پیا ہے، اسی میں سے حضرت غوث پاک سید عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ نے پیا ہے، سب پہلے پی گئے ہیں کچھ تھوڑا سا باقی رہا ہے اور وہ آپ کا ہی حصّہ ہے۔ جب ہم نے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ اور امام اعظم اور ان اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا تو دِل خوش ہوا اور کہا تب تو ہم بھی پی لیں گے۔ ہم نے تام لوٹ اٹھا کر مٹکے میں ڈالا تو دیکھا کہ مٹکا خالی ہے تہہ میں تھوڑی سی شراب باقی ہے۔ ہم نے تام لوٹ بھر کر ایک پیا، دوسرا پیا، پھر ہمارا پیٹ بھر گیا۔ پیچھے تہہ میں تھوڑی سی شراب باقی رہی تھی ہم نے تام لوٹ رکھ دیا زیادہ نہیں پیا گیا۔ اس دن سے ہمیں ایسا نشہ چڑھا ہے کہ الٹ کر آج تک ہوش نہیں آیا۔

پھر فرمایا وہ جو اللہ تعالیٰ کے عشق کی تجلّی کا نور ہے وہ بدن میں وارد ہوتا ہے اور بندہ کو یہاں

سے کھینچ کر ذات سے ملا دیتا ہے۔ وہ نور قدیم ہے اور یہ پانی والی شراب مخلوق ہے جیسے آگ کہ یہ مخلوق ہے اور چمک اس میں بھی ہے اور نور قدیم ہے اور چمک اس میں بھی ہے مگر اِن دونوں میں فرق بہت ہے۔ تو وہ مٹکا عشق والی تجلّی کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ اسی میں سے سب متقدمین اولیاء اللہ نے پیا تھا ہم نے بھی وہ پیا۔ پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی اسی مٹکے میں سے پیالہ دیا جس میں سے متقدمین اولیاء اللہ کو عطا ہوا تھا۔ اب اس فیض کو ہم جدھر متوجہ کر دیتے ہیں وہ بھی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرے مشاہدہ میں بھی آیا ہے کہ آپ کے اوپر سکرت اور بے ہوشی اس قدر طاری ہوتی تھی کہ وضو کرنا اور نماز تک کا پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اور جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا تھا اس پر بھی فیضان کا اس قدر غلبہ ہوتا تھا کہ اسے گھنٹوں ہوش نہ آتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ عشاء کے وقت اس ورلے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے ایک شخص پاس بیٹھا ہوا آپ کو پنکھا جھل رہا تھا۔ آپ نے رحیم بخش کو بلا کر فرمایا تو ہمارے پاس بیٹھ، جب ہمیں ہوش آئے گا تو نماز پڑھیں گے۔ رحیم بخش پاس جا کر بیٹھا اور پنکھا جھلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں بے ہوش ہو گیا۔ پھر آپ نے بھائی مغلی شاہ کو بلایا۔ تھوڑی دیر انہوں نے پنکھا جھلا تھا کہ وہ بھی بے ہوش ہو گئے۔ پھر حضور نے مجھے بلایا۔ میں پاس جا کر پنکھا جھلنے لگا تھا کہ میں بھی بیہوش ہو گیا۔ فرمایا آہ ربّا کسے پاس بٹھائیں۔ آج ہماری عشاء کی نماز کا کیا حال ہوگا؟ تھوڑے فاصلہ پر ایک لڑکا کھڑا ہوا پنکھا جھل رہا تھا وہ کسی کا مرید نہ تھا نہ فقر سے اسے کچھ مس تھا ذکر و شغل بھی کچھ نہ کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا حضور یہاں تو کسی کو ہوش نہیں آتا وہ جو لڑکا کھڑا ہے اسے حضور پاس بٹھالیں وہ شاید ہوش میں رہے۔ آپ نے فرمایا کون سا ہے؟ وہ آپ کے پاؤں کی طرف کھڑا ہوا پنکھا جھل رہا تھا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ حضور وہ ہے۔ آپ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر جو دیکھا تو وہ بھی بے ہوش ہو کر زمین پر جا گرا۔

ایک روز بر سبیلِ تذکرہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رام چندر اور کنھیا اِن دونوں کو بُرا نہ کہنا چاہئیے کیونکہ ان سے جو کرامتیں سرزد ہوئیں ان سے یہ بزرگ معلوم ہوتے ہیں، اگر واقعی یہ کرامتیں ان سے ظہور میں آئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ توحید والے معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کا زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ سے قریب ہی تھا اس واسطے ممکن ہے کہ وہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہوں اور مسلمان ہوں اور ان کی توحید سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور اس بنا پر تو یہود و نصاریٰ بھی صاحب توحید ہیں اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیرو ہیں پھر وہ بھی مسلمان ہوئے؟ فرمایا یہ بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ دونوں کافر ہیں کیونکہ پچھلے انبیاء کی جو امتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت موجود تھیں ان کے ذمہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہو چکا تھا۔ ان کے بارے میں ایسا شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ عالمِ رویا میں ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دربار میں پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ ایک بہت عمدہ مکان ہے اور ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف رکھتے ہیں اور لوگوں کے گروہ کے گروہ دروازے کی طرف سے آ آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے ہیں۔ آپ ان سے بہت ہی خوشی کے ساتھ ملاقات کر رہے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے لوگ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجھے اپنے پاس بلا کر بہت ہی محبت سے بٹھایا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں اور مجھ سے ملتے ہیں کیونکہ میری ملّت پر ہیں میں ان سے بہت خوش ہوں۔ پھر میں نے دوسرے گروہ کی بابت دریافت کیا جو دروازے سے نہیں آتا تھا بلکہ جس طرف حجرے کا دروازہ نہیں تھا یعنی پشت کی طرف سے آنا چاہتا تھا اور دیوار کے حائل ہونے کی وجہ سے نہیں آسکتے تھے تو آپ نے فرمایا یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اب میں ان سے بیزار ہوں کیونکہ یہ جو نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اِس واسطے یہ میرے طریقہ پر نہیں رہے اور میری ملّت سے نکل گئے۔ پھر فرمایا ایک مرتبہ جبکہ ولایتِ ابراہیمی ہم پر کھلی تھی، ہم نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا تو حق پر ہے کیونکہ تو ہمارے بیٹے محمد ﷺ کی امت میں ہے۔

ایک روز اس بات کا ذکر تھا کہ قبروں سے فیض ہوتا ہے یا نہیں اور جو قبروں سے فیض لیتے اور اسے اویسیہ طریق بتاتے ہیں اس کا کیا حال ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں فیض ہوتا ہے اور ہم نے بھی بہت قبروں سے فیض لیا ہے۔ ایک دفعہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روح مبارک سے فیض لینے

لگے بہت ہی فیض ہوا۔ خوب لذت آئی۔ ہمیں فیض لیتے لیتے کوئی دو اڑھائی گھنٹے لگ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے داہنے ہاتھ کی انگلیاں جھٹک کر فرمایا بس بھی کر۔ پھر فرمایا کہ اس ہمارے ہاتھ کی انگلیوں میں تین دن تک درد رہا۔ ایک روز ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیض لے رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ روحوں کا ایک گروہ کا گروہ آیا ہے اور ہمیں کہہ رہا ہے کہ ''یہ سیّد ہے۔'' میں نے خیال کیا کہ ان کو کس طرح معلوم ہوا؟ پھر ہمیں خیال آیا کہ یہ جو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیض لے رہے تھے اور ہمیں اس میں فنا ہوگئی تھی اس فیض سے انہوں نے معلوم کیا کہ یہ سیّد ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روحیں اس تجلّی کی خادم ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیض ہے اس سے انہوں نے معلوم کیا۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک شخص کریم بخش نامی مجذوب (یہ وہ کریم بخش نہیں جو حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا خادم تھا) حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لوگوں کو کثرت سے مرید ہوتے دیکھ کر کہنے لگا کہ حضرت لوگوں کو ڈبے ہی جاتے ہیں یعنی جو آتا ہے اسی کو بیعت کر لیتے ہیں۔ انہیں میں فاسق و فاجر ہوتے ہیں، حضرت صاحب اتنے لوگوں کو کس طرح بخشوائیں گے اور شاید کچھ حضرت صاحب کی خدمت میں بھی عرض کیا۔ تمام دن اسے یہی خیال رہا۔ دوسرے دن صبح کو اس مجذوب نے آ کر عرض کیا کہ حضور میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے اس سے میرا سارا شبہ مٹ گیا۔ آپ نے فرمایا دیکھ لیا، بس ہوگئی تسلّی؟ اچھا جا اب اپنا کام کر۔ وہ جانے لگا تو میں نے پکڑ لیا اور پوچھا کہ ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہ لگا، بتا تو سہی یہ کیا بات تھی؟ اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہوگئی ہے اور حضرت شاہ صاحب ایک بہلی میں سوار ہیں اور آپ کے پیچھے سینکڑوں بہلیاں سوار پیادے آپ کے مرید چلے جاتے ہیں، یہ سارا گروہ حضرت خواجہ قادر بخش صاحب علیہ الرحمتہ کے پاس پہنچا، پھر وہ اپنے پیر کے پاس گئے اور وہ اپنے پیر کے پاس، اسی طرح ہوتے ہوتے یہ تمام سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور آپ اس تمام گروہ کو حضرت سیّد المرسلین ﷺ کے حضور میں لے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب ہوا۔ رسولِ خدا ﷺ نے شفاعت کی۔ پھر ایک شخص نے آواز دی کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ جس شخص نے اس خواجہ توکل شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور کرے گا وہ بخشا گیا اور اس کے سلسلہ کی شفاعت منظور ہو چکی ہے اور یہ سارا سلسلہ ہی بخشا ہوا ہے۔ حضور نے ہنس کر فرمایا

اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے جیسا تو نے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا جاؤ! جو بات ہونی تھی ہو لی۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ اوائل میں ہم نے مکاشفہ میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا جنگل ہے اور میں بھی وہاں ہوں۔ میں نے دیکھا کہ اِس بیابان جنگل میں بہت کثرت کے ساتھ لوگ زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں اور میرے بھی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ دو نہایت خوبصورت آدمی آسمان سے اترے اور انہوں نے ہماری زنجیریں کاٹ کر ہمیں حجرہ میں لا بٹھایا۔ ہم نے پوچھا یہ جنگل کیا تھا اور یہ لوگوں کے زنجیریں کیوں پڑی ہوئی تھیں؟ انہوں نے کہا یہ جنگل دنیا ہے اور یہ لوگ جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں دنیا دار ہیں اور یہ زنجیریں جن سے یہ بندھے ہوئے ہیں اسبابِ دنیا ہیں اور یہ ان اسباب سے ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح جدا نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ اسباب کو استعمال کریں تو روزی ملے ورنہ نہیں اور اسباب ہی انہیں خدا کی طرف جانے نہیں دیتے۔ آپ کے بھی اسباب کی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں لیکن وہ کاٹ دی گئیں۔ اب آپ کے پاس بلا سبب روزی آیا کرے گی۔ فرمایا پھر اس دن کے بعد موج ہی ہوگئی ہر وقت نامِ خدا میں رہنے لگے اور پرورشِ الٰہی شاملِ حال ہوگئی۔

ارشاد: ایک روز ذکر ہو رہا تھا کہ حکیم لوگ تو امراض کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ فلاں خلط[1] غالب ہوگیا اور فقیر لوگ کہتے ہیں کہ بخار وغیرہ امراض کی صورتیں ہوتی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ضرور امراض کی صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو کئی روز بخار آیا ہم حضرت لکھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں فاتحہ کے واسطے گئے مسجد میں بیٹھ کر فاتحہ پڑھی۔ ایک درویش چھتری ہمارے سر پر لگائے ہوئے تھا۔ ہم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی ہم سے دوائیں وغیرہ نہیں ہو سکتیں اور تیری یاد میں حرج ہوتا ہے، اس مرض سے نجات دے۔ ہم نے اسی وقت دیکھا کہ ایک سانڈہ ہمارے بائیں طرف کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ حضور اگر آپ ناراض ہیں تو میں جاتا ہوں۔ میری کیا مجال ہے جو حضور کو بلا مرضی آپ کے پاس رہوں۔ ہم نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہا میں ہی تپ ہوں۔ پھر وہ چلا گیا اور ہم کو آرام ہوگیا۔

ارشاد: ایک روز فرمانے لگے کہ سکرت کی حالت میں ہم سے ایک شخص ملے۔ ہم نے پوچھا

---

[1] جسم کی چار خلطیں۔ خون۔ بلغم۔ صفرا۔ اور سودا

آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں ملک الموت ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ جانیں تم ہی قبض کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ہی قبض کیا کرتا ہوں۔ ہم نے پھر پوچھا کہ میرے پیر اور دادا پیر کی جان آپ ہی نے قبض کی تھی؟ کہا ہاں، میں نے ہی قبض کی تھی۔ پھر پوچھا کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ کس طرح ان کی جان قبض کی تھی؟ کہا جس طرح جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی کی تھی۔ ہم نے کہا اچھا! حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کی جان کس طرح قبض کی تھی؟ کہا کہ ایک سیب بہشت کا لا کر ان کو سنگھایا تھا۔ اس کی خوشبو کے ساتھ ہی روح اللہ اللہ کرتی ہوئی حضورِ الٰہی میں چلی گئی تھی۔ پھر ہم نے کہا کہ بھلا اب یہ بتلاؤ کہ ہماری جان کس طرح قبض کرو گے؟ کہا کہ خدا تعالیٰ کوئی اس سے بھی بہتر صورت کرے گا اور اسی طرح میں عمل کروں گا۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک روز مکاشفہ میں ایک ولی اللہ کو دیکھا کہ اُن کا عروج تو بہت ہے مگر پیٹ بڑھا ہوا ہے۔ ہم نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کثرتِ مال کی وجہ سے یہ بات وقوع میں آئی اور اسی کی وجہ سے مجھے پیٹ کی سخت تکلیف ہے۔

ایک روز خاص مجھے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک دن تمام زمین کی سیر کی۔ جب اس کے نیچے تہہ تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک زرد رنگ کا سانپ زمین کے چاروں طرف تین حلقے مارے ہوئے ہے۔ تم نے بھی یہ کسی کتاب میں دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور مجھے کسی کتاب میں نظر نہیں پڑا۔ فرمایا کبھی دیکھنا کسی کتاب میں۔

ارشاد: ایک روز ایک درویش کو حضور نے فرمایا کہ ہم نے تجھ کو آج عورتوں کے لباس اور زیور پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ درویش خاموش ہو گیا۔ میں نے عرض کیا حضور اس کی کیا وجہ؟ فرمایا یہ مالِ دنیا کی نشانی ہے شاید اس نے کچھ روپیہ جمع کیا ہے۔ اس درویش نے کہا کہ ہاں حضور، کچھ روپیہ میرے پاس ہے تو سہی (چونکہ وہ درویش اہل وعیال والا نہیں تھا اور اس کے ذمے خرچ بھی کچھ نہ تھا اس لئے اس کو ممانعت فرمائی ورنہ اہل وعیال والوں کو روپیہ پیسہ پاس رکھنے سے نہیں منع فرماتے تھے۔ مؤلف)

نقل ہے کہ ایک روز ایک فقیر حضور کی خدمت میں آیا۔ فرمایا کہ آج رات ایک فاسق عورت تیرے پاس دیکھی ہے۔ اس نے اقرار کیا کہ ہاں حضور رات میرے سے یہ غلطی ضرور ہوئی

تھی مگر حضور اس وقت کہاں تھے جو مجھے دیکھا؟ فرمایا کہ بعض وقت ہماری نظر بہت دور ہوا کرتی ہے اسی وجہ سے تو اس کے شر سے محفوظ رہا ورنہ بہت مشکل ہوتی۔

نقل ہے پیر جی سیّد عنایت حسین صاحب لدھیانوی مرحوم کی زبانی کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ لدھیانہ میں تھے۔ شہر سے جنوب کی طرف دور تک میدان پڑا تھا۔ ایک روز حضور علیہ الرحمتہ سکرت میں تھے اُس طرف چلے۔ ہم کئی شخص ساتھ تھے۔ جب شہر سے نکلے تو حضور اِدھر اُدھر کو قدم بدلتے رہے اور فرماتے رہے کہ یہاں مکانات ہیں، یہاں کو راستہ ہے۔ پھر ایک جگہ پیشاب کا ارادہ کیا تھا کہ فوراً وہ جگہ چھوڑ دی اور فرمایا کہ یہاں مسجد ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور یہاں تو صاف میدان پڑا ہے، نہ مسجد ہے نہ مکانات ہیں، کبھی پہلے ہوں گے تو خبر نہیں یا آئندہ ہو جاویں گے۔ حضور نے فرمایا کہ ہم کو کوٹھوں، مسجدوں اور گلیوں کی روحیں نظر آتی ہیں۔ پھر آگے چل کر ایک کھیت میں جا کر حضور لیٹ گئے اور ہم کو فرمایا کہ درختوں کے سایہ میں جا کر آرام کرو کیونکہ دھوپ کی اس وقت شدت تھی اور موسمِ گرما اور آپ پر سکرت غالب تھی۔ بڑی دیر کے بعد حضور اٹھے دیکھا تو حضور کا بدن مبارک سرد تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور لیٹے تو رہے یہاں دھوپ میں اور بدن آپ کا سرد ہے۔ فرمایا کہ جو تجلّی رحمت کی بہشت کے اوپر وارد ہے اس کا فیضان لے کر ہم نے اسے اپنے اوپر لپیٹ لیا تھا اور کچھ نیچے بچھائی تھی اور بہت آرام و سرور میں سوئے ہیں۔ ہم کو دھوپ اور گرمی کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اسی واسطے تم کو درخت کے سایہ میں بھیج دیا تھا کہ تم وہ فیضان نہیں لے سکتے ہم ہی لے سکتے اور اس سے آرام پا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک سال کے بعد اس تمام جگہ میں وہی صورت ہوئی یعنی حضور علیہ الرحمتہ نے جس جگہ مسجد فرمائی تھی وہاں مسجد اور جس جگہ مکان و آبادی وغیرہ فرمائی تھی وہاں وہی حالت ہوگئی اور شہر کی آبادی بڑھ کر وہ تمام زمین آبادی میں داخل ہوگئی (پیر جی عنایت حسین صاحب نے مجھ کو ساتھ لے جا کر وہ تمام موقعے دکھائے جن کی نسبت حضور علیہ الرحمتہ نے عالمِ سکرت میں بشارت دی تھی اور جو اَب آباد ہیں۔ مؤلف)

نقل ہے کہ ایک روز آپ مجلس میں تشریف فرما تھے اور اس وقت اس مجلس کی عجیب حالت ہو رہی تھی کہ ہر ایک شخص ایک محویت اور لذتِ توحید میں مستغرق تھا۔ ایک شخص نے طریقِ[1] اربعہ کی

---

[1] طریق کی جمع

فضیلت بیان کر کے کہا کہ حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تو نقشبندی سلسلہ کو بہت ہی فضیلت دی ہے باوجودیکہ آپ سلسلۂ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں بھی خلیفہ تھے۔ تو حضور نے فرمایا کہ اس کا عروج اوروں سے آگے ہے اور اس میں وصلِ عریانی ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کچھ اپنے مشاہدہ کی بات بھی آپ ارشاد فرمایئے یہ دلائل تو کتابوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ آپ سکوت فرما کر درود خوانی میں مشغول ہو گئے کیونکہ حضور کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں سے ملتے وقت مجلس میں اندازہ رکھتے اور جس قدر لوگوں سے بات کرتے اسی قدر درود شریف پڑھ لیتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ ایک فضیلت تو نقشبندی سلسلہ کی عالمِ رؤیا میں یہ دیکھی تھی کہ ایک دفعہ زیارت سیّد المرسلین ﷺ کی ہوئی۔ دیکھا کہ میں آپ کے حضور بیٹھا ہوں اور آپ کے سینہ مبارک سے چار نہریں نکلی ہیں اور تمام عالم میں جاری ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما ہیں۔ منجملہ ان کے ایک نہر اتنی بڑی ہے کہ وہ اکیلی ہی ان تینوں کے برابر ہے اور سید المرسلین ﷺ نے مجھے اس بڑی نہر میں بیعت فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس نہر کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا نقشبندی نہر یہی ہے۔ جس وقت بیعت کی قبولیت کے واسطے فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ طفیل اپنے میاں صاحب (پیر) کے اس طریقہ کی بیعت کو قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہی نہریں ہیں جو قیامت تک میری امت کے اولیاء میں جاری اور میرے تک پہنچاتی رہیں گی۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک مجمع میں حضور تشریف فرما تھے اور حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِیْ تَحْتَ حُكْمِیْ

كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالٖ

(ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے شہر میرا ملک ہیں جو میرے حکم کے نیچے ہیں جیسے رائی کا دانہ ہوتا ہے مجموعی طور پر۔)

یعنی آپ نے فرمایا ہے کہ یہ کُرۂ زمین میرے سامنے ایسا ہے جیسے رائی کا ایک دانہ۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے موافق جب یہ تمام زمین

رائی کے دانہ کے برابر ہوئی تو خزانے بھی تو نظر آتے ہوں گے؟ اور وہ خزانے زمین کے اوپر ہی سے معلوم ہوتے ہیں یا اندر نیچے سے بھی وہ خزانے نظر آجاتے ہیں؟ فرمایا کہ اندر نیچے سے بھی خزانے نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ ہمیں بھی نظر آئے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ زمین کے اندر بہت ہی نیچے ایک بہت بڑا خزانہ ہے اور اس پر سانپ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سانپ کہنے لگا کہ اگر حضور کو یہ خزانہ لینا ہو تو میں الگ ہو جاؤں۔ ہماری طبیعت کو وہ خزانہ دیکھ کر بہت ہی نفرت آئی اور ہم وہاں سے جلدی چلے آئے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ لیکھ راج آریہ مارا گیا تو اس وقت سب جگہ کے اہلِ ہنود کو یہ خیال ہوا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لوگوں کو ہلاک کیا جائے۔ چنانچہ اکثر مقامات میں علماء وصلحاء کو کسی نہ کسی حیلے سے زہر دیا گیا۔ ایک روز بعد نماز مغرب کے میں خدمت حضور سے رخصت ہو کر اپنے قیام والے مکان پر چلا۔ جب باہر نکلا تو ایک شخص نے ایک نفیس شیرینی مجھ کو دے کر کہا کہ یہ حضرت صاحب نے آپ کو دی ہے۔ میں نے وہ لے لی اور چلا۔ اتنے ہی میں حضور نے نورِ باطن سے معلوم کر کے ایک آدمی کو دوڑایا کہ مولوی صاحب چلے گئے ان کو کہو کہ راستہ میں اگر کوئی شخص مٹھائی دے تو مت کھانا۔ آدمی مجھ کو آوازیں دیتا تھا لیکن مجھے کچھ نہ سنائی دیا۔ اتنے میں راستے میں کیچڑ آئی اور میں نے اس شیرینی کو جو کہ نہایت عمدہ تھی کھانے کا ارادہ کیا۔ اس کیچڑ کو جب پھلانگنے لگا تو وہ تمام شیرینی اس میں گر گئی اور میں ورلے کنارے گر گیا۔ اتنے میں وہ آدمی آوازیں دیتا ہوا آیا اور کہا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ مٹھائی نہ کھانا۔ میں نے کہا وہ تو پہلے ہی تمام کی تمام کیچڑ میں گر گئی۔

اسی شب کو یہ واقعہ ہوا کہ بارہ بجے کے بعد دو ہندو جن کی ظاہر صورت مسلمانوں کی سی تھی آپ کی خدمت میں آئے اور بیٹھ گئے۔ حضور اُس وقت مراقب تھے۔ اس وقت آپ تنِ تنہا تھے۔ کوئی درویش خدمت میں حاضر نہ تھا کیونکہ سب اپنے اپنے حجروں میں چلے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ نے چہرہ مبارک اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا تو وہ دونوں کانپ گئے اور از حد خائف ہو گئے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو شخص آپ کے پاس آتا اس سے پوچھ لیتے کہ کس کام کو آئے، کیا کہنا ہے، کہو۔ حسبِ عادت ان سے بھی پوچھا کہ کس کام کو آئے ہو جو کہنا ہو کہو اور

کرو۔ ان کے بدن میں مارے ہیبت کے رعشہ پڑ گیا اور کچھ بول نہ سکے۔ جب انہوں نے کچھ جواب نہ دیا تو آپ نے ایک درویش کو بلا کر حکم دیا کہ ان کو چار چار پیسے دے دو۔ اور فرمایا کہ جس کام کو آئے ہو وہ کرتے تو جاؤ۔ وہ اٹھ کر چلے گئے۔ علی الصبح وہی دونوں شخص پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کی کہ ہمارے سے بہت خطا اور قصور سرزد ہوا۔ ہم شب کو ہتھیار لے کر حضور کے ہلاک کرنے کو آئے تھے کیونکہ ہنود نے ہم کو لالچ دیا تھا۔ لیکن یہاں ہمارے اوپر از حد ہیبت طاری ہو گئی اور وہ ہتھیار خود بخود ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ ہتھیار گئے کہاں اب تک پتہ نہیں۔ اور تمام رات ہم دونوں کے دل میں کلمہ شریف جاری رہا اور تمام رات بے چینی رہی۔ اب خدا کے واسطے خطا معاف فرمائیں اور ہم دونوں کو مسلمان کر لیں۔ چنانچہ حضور نے ہر دو کو مسلمان کیا اور رخصت کیا اور مجھ سے فرمایا کہ وہی کام تھا جس کی نسبت ہم رات اِن سے کہتے تھے کہ کر لو۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ غصے کے وقت بھی کسی کو بددعا نہ دیتے تھے بلکہ جو شخص برائی سے پیش آتا اس کے واسطے بھی بہتری کی دعا فرماتے اور اکثر جس کسی کو مارتے یا غصّے ہوتے اس کو ہدایت نصیب ہو جاتی تھی۔ پھر فرمایا ان کے پاس غصّہ تھا اور ہمارے پاس رحم۔ ہم نے اپنے رحم پر خیال کر کے ان کی ہدایت کے واسطے نیک دعا کر دی۔

ہیبتِ حق است ایں از خَلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحبِ دَلق نیست

ترجمہ: یہ خدا تعالیٰ کا رُعب ہے مخلوق کا نہیں یہ رُعب اس گودڑی نشیں فقیر کا نہیں بلکہ اُس خدا کا ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز میر عنایت علی صاحب تھانیسری خدمتِ حضور میں بیٹھے تھے اور ہیر رانجھے کی کتاب لے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میر صاحب یہ کیا کتاب ہے؟ تو میر صاحب نے عرض کیا کہ حضور ہیر رانجھے کے عشق کا قِصّہ ہے جو بال ناتھ سے جا کر بیعت ہوا۔ فرمایا پڑھ کر سناؤ۔ وہ پڑھنے لگے جب بال ناتھ جوگی کا ذکر آیا جس کا رانجھا چیلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر فیض ہے پرُ کھتاّ فیض ہے۔

فصل چہارم

کرامات وسیفِ لسانی

ارشاد: آپ کی عادت مبارک تھی کہ گیارہ بجے حجرہ کھلتا تھا اور آپ باہر تشریف لاتے تھے۔ اور ایسا معمول تھا کہ اپنے سامنے چڑیوں کو دانے ڈلوایا کرتے تھے اور الگ برتن میں پانی رکھوا دیتے تا کہ وہ بھی کھائیں پئیں۔ ایک روز آپ باہر تشریف لائے ایک چڑیا دانے چُگ رہی تھی کواڑوں کی آواز سن کر وہ اڑ گئی۔ جب وہ اڑ گئی تو فرمانے لگے افسوس یہ اڑ گئی اور یہ بھوکی تھی۔ اچھا اب جب تک یہ چڑیا آ کر دانے نہ چُگ لے گی تب تلک ہم بھی کھانا نہ کھائیں گے۔ درویشوں کو جو ہر وقت حاضرِ خدمت رہتے تھے سخت تردّد ہوا اور چاہا کہ کسی اور چڑیا کو پکڑ کر دانے چگا دیں۔ فرمایا بھوکی تو وہ چڑیا تھی، جب تک وہی چڑیا دانے نہ چگے گی ہم کھانا نہ کھائیں گے۔ وہ چڑیا وہاں سے اُڑ کر روشندان میں جا بیٹھی تھی۔ فرمایا بھولی آجا اب چُگ لے اب تجھے کوئی نہ چھیڑے گا۔ چنانچہ فوراً وہ چڑیا آئی اور اطمینان کے ساتھ اس نے دانے چگے۔ جب وہ پیٹ بھر چکی تب فرمایا کہ ہاں اب لاؤ ہم بھی کھانا کھائیں گے۔

ارشاد: ایک روز عصر کے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ درود شریف پڑھنے میں مشغول تھے۔ لوگوں کا بھی بہت سا مجمع تھا اور سب پر ایک سکرت ولذّت طاری ہو رہی تھی۔ سکرت کی حالت میں کسی شخص نے عرض کیا کہ حضور آپ کے سامنے ایک بہت ہی لذت اور محویت ہوتی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان کے سروں پر چڑیاں آ آ کر بیٹھتی تھیں اور ان کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ بمجرد آپ کے اس فرمانے کے ایک چڑیا آپ کے سر پر آ بیٹھی۔ فرمایا بھولی ہم تو ایک مسئلہ بیان کرتے تھے تو سچ مچ ہی سنت ادا کر گئی۔ اچھا تجھے بھی ثواب تو ہو گیا۔ بہت دیر تک وہ بیٹھی رہی پھر اڑ گئی۔ اور بارہا دیکھا ہے کہ جب درود خوانی میں شروع اور حجرہ سے باہر ہوتے تو چڑیا آ کر کوئی زانو مبارک پر بیٹھ جاتی اور کوئی سر مبارک پر اور بیٹھ کر محو ہو جاتی تھی۔

ارشاد: ایک روز بہشت کا تذکرہ تھا کہ بہشت میں جانے والوں کی کیا نشانیاں ہیں اور کون سے

عملوں والے بہشت میں جائیں گے؟ میں نے عرض کیا حضور بہشتیوں کے بارے میں آیا ہے
یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۵ (ترجمہ:۔طواف کریں گے اوپر اُن کے (یعنی ان کے اردگرد پھریں گے) بچے جو ہمیشہ وہیں رہیں گے۔۱۲

یعنی وہاں چھوٹے چھوٹے بچے اور حوریں ہیں۔فرمایا ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ایک دفعہ ہمارا پلنگ بہشت میں اٹھا لے گئے۔ہم نے دیکھا کہ بہشتیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ہماری گود میں کھیلتے ہیں۔ہمیں بہشت کی ہوا ایسی خوش معلوم ہوئی کہ ہم اس بدنِ عنصری کے ساتھ ہوتے تو ہمارا حال شادیٔ مرگ سا ہو جاتا۔اور چھوٹی مائی صاحبہ کے بارے میں جو فوت ہو گئیں فرمایا کہ یہ بھی وہیں تھیں۔

نقل ہے کہ کسی گاؤں کی ایک عورت بہت ہی سخت مریض تھی اور کچھ اس قسم کا مرض تھا کہ ہر وقت ہائے ہائے کرتی اور دونوں ہاتھوں کو اِدھر اُدھر مارتی رہتی تھی اور ہر وقت ہاتھ مارنے سے اس کی کلائیوں میں سے خون بہنے لگا تھا اور بے ہوش تھی اس کے کسی طرح کا ہوش نہ تھا۔ اس کے وارث جب علاج معالجہ سے عاجز آ گئے تو گاڑی میں ڈال کر اس کو حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے آئے۔آپ اسی مکان میں تشریف فرما تھے جس کے سامنے اب چھت پڑی ہوئی ہے اور لڑکے پڑھتے ہیں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ حضور ہم تو علاج معالجہ سے تنگ آ گئے اسے کچھ آرام نہیں ہوتا۔آپ اس کے واسطے دعا فرماویں۔ اتنا کہہ کر گاڑی وہیں چھوڑی اور شہر میں چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد چند لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ لوگ بڑے بیوقوف ہیں۔لو دیکھو مریضہ کو یہیں گاڑی پر چھوڑ گئے۔آپ نے فرمایا کہ ہم تو حکمت بھی نہیں جانتے، کوئی عامل اور عالم فاضل نہیں ہم کیا کریں؟ اتنے میں حکیم معزالدین مرحوم آ گئے۔ان کو فرمایا حکیم جی! دیکھو تو کیا بیماری ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔پھر مجھے فرمایا مولوی صاحب تم ہی دیکھو۔میں نے عرض کیا حضور میں بھی تو حکمت نہیں جانتا۔وہ برابر ہائے ہائے کرتی تھی اور رحم آتا تھا۔عشاء کا وقت تھا۔دونوں ہاتھ اٹھا کر آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا یہ مجھے تیرا بندہ سمجھ کر یہاں چھوڑ گئے ہیں اور یہ تیری بندی ہے تو اسے شفا عطا فرما اور اس پر فضل کر۔بمجرد اس دعا کے اس نے ہائے ہائے کرنا اور ہاتھ پاؤں مارنے موقوف کر دیئے۔فرمایا مولوی صاحب دیکھو اب اس کا

کیا حال ہے؟ میں نے دیکھا اور جا کر عرض کیا کہ اب کسی قدر آرام ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا اچھا پھر دعا ہی کریں۔ اور دعا کی کہ خداوندا! اسے شفا عطا فرما اور اس پر فضل کر۔ پھر فرمایا مولوی صاحب اب تو دیکھو کیا حال ہے؟ دیکھا تو اسے ہوش آ گیا تھا۔ میں نے جا کر عرض کیا کہ حضور اب تو ہوش بھی آ گیا۔ فرمایا ابھی چلنے پھرنے نہیں لگی؟ میں نے عرض کیا نہیں حضور۔ پھر تیسری دفعہ کہا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کئی بار اسی طرح فرما کر دعا کی کہ اے خداوندا! اسے بالکل ہی شفا عطا فرما دے اور اس پر فضل کر۔ فرمایا دیکھو تو اب کیا حال ہے؟ دیکھا تو گاڑی سے اتر کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا تیرا کیا حال تھا؟ اس نے کہا جی میں نہیں جانتی کیا بات تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا گلا کسی نے دونوں ہاتھوں سے دبا رکھا تھا اور میرا گلا گھٹا ہوا تھا اب مجھے بالکل آرام ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پاؤں سے چل کر اپنے گھر چلی گئی۔

نقل ہے کہ ایک روز ہندو عورت اپنے چھوٹے لڑکے کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئی۔ وہ لڑکا اندھا تھا۔ عرض کیا حضور یہ لڑکا نابینا ہے دعا فرماویں کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو جاویں۔ فرمایا اوہو ہم کو تو طِب بھی نہیں آتی، نہ ہم حکیم ہیں۔ تو اس کا علاج کسی حکیم سے کرا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں بہت علاج کرا چکی ہوں کچھ آرام نہیں ہوتا آپ دعا ہی کریں۔ فرمایا اچھا جا دعا کر دی ہے اللہ تعالیٰ آرام کرے۔ وہ لڑکے کو لے کر باہر چلی گئی۔ جب حضرت شاہ عبدالرسول صاحب کے باغ کی دیوار کے شرقی کونے کے پاس پہنچی تو لڑکے کو ٹھوکر لگی۔ وہ گر پڑا اور اس کی پیشانی میں کسی رگ پر نوک دار ٹھیکری ایسی چبھی کہ بہت سا خون بہہ گیا اور لڑکے کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بچے کو لئے ہوئے پھر حاضر ہوئی اور تمام ماجرہ عرض کر کے کہا کہ حضور آپ کی دعا سے اس کی آنکھوں میں روشنی ہو گئی۔ آپ نے فرمایا آہ دوا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کر دی تجھے دوا کرنے کی بھی تکلیف نہ ہوئی۔

منشی محفوظ علی خان سے نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فصلِ ربیع شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ جب چنوں کی فصل شروع ہو تو ہمیں سبز چنے یعنی بوٹ نئے کرا دینا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ چنوں کی فصل آئی اور پک پکا کر کٹ بھی گئی۔ یہاں تک کہ منشی محفوظ علی خاں

اپنے وطن میں غلّہ موسم ربیع جمع کر کے پندرہ روز کے بعد واپس بھی آ گئے مگر کسی درویش کو حضور کا ارشاد یاد نہ آیا۔ جب منشی صاحب موصوف واپس آئے تو دیکھا کہ درویش بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور سخت حیران و پریشان ہیں کیونکہ اب حضور کو تازہ چنے یاد آئے تھے اور فرمایا تھا کہ معلوم نہیں ان درویشوں کو کیا ہو گیا کہ ہمیں چنے بھی نئے نہ کرائے۔ حضور کو بوجہ سکرت اور مغلوب الحالی کے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اب کونسی فصل ہے اور اس فصل میں کیا کیا اناج ہوتا ہے۔ لدھیانہ، دہلی، لاہور، امرتسر وغیرہ متعدد شہروں میں سبز بوٹوں کے واسطے تار اور خطوط روانہ کئے گئے مگر کہیں سبز بوٹ نہ ملے۔ حضور کے تمام محبت والے پریشان تھے۔ میاں غلام محمد اسٹیشن ماسٹر انبالہ نے بھی بڑا زور مارا مگر سبز بوٹوں کا کہیں پتہ نہ ملا۔ غرض درویشوں کو اس پریشانی اور کدو کاوش میں چار پانچ روز گزر گئے۔ آخر انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ کہیں سے خشک بوٹ بدقت تمام مہیا کر کے انہیں پانی میں بھگو کر رکھا لیکن کار برآری کے قابل نہ ہونے تھے، نہ ہوئے۔ ہر طرف سے بڑی لاچاری و مایوسی ہو گئی تھی کہ یکا یک ایک شخص بہت عمدہ سبز چنوں کا بڑا سا گٹھہ سر پر لئے ہوئے ریل سے اترا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور کہنے لگے کہ دو روپیہ چار روپیہ جس قدر تیرا جی چاہے قیمت لے لے لیکن یہ بوٹ ہمیں دے دے۔ اس نے بڑی سختی سے کہا کہ صاحب آپ ہزار روپیہ دیں تو بھی میں نہیں دوں گا۔ میں نے نذر مانی ہوئی ہے جب تک میں وہ نذر پوری نہ کروں گا اگر کسی نے ہاتھ بھی اس کے لگایا تو اس کی جان لے لوں گا اور اپنی جان کھو دوں گا۔ میں نے یہ چنے بے موسم بوئے تھے جب کہ بیجنے کا وقت بالکل نکل چکا تھا اور یہ نذر مانی تھی کہ اگر یہ چنے حسبِ دل خواہ پیدا ہو گئے تو میں سب سے پہلے اس میں سے سبز بوٹ حضرت خواجہ سائیں توکّل شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ جب تک نذر پوری نہ ہو گی ان چنوں کو ہاتھ لگانا، ان کا استعمال کرنا، کھانا پینا میرے اور میرے سب گھر والوں کے واسطے حرام ہے۔ دینا تو درکنار میں کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دوں گا۔ درویشوں نے جب یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہم بھی حضور ہی کے واسطے خریدتے تھے۔ آخر حضور کی خدمت میں لا کر پیش کئے گئے۔ آپ نے ان میں سے کچھ تناول فرمائے اور فرمایا یہ ہماری دعوت تھی۔

نیز منشی محفوظ علی خاں سے منقول ہے کہ جن دنوں میں بیعت ہوا مجھے ایک بڑا سخت موذی مرض تھا۔ وہ یہ کہ میرے دل پر یکا یک ایک قسم کی گرمی سی پیدا ہوتی جس سے معاً چکر سا آتا اور فوراً

قے ہو جاتی اور جب تک میں کچھ کھانا یا میوہ وغیرہ نہ کھا لیتا تب تک تسکین نہ ہوتی۔ دن رات میں کوئی چار پانچ دفعہ کا شمار نہ تھا بلکہ ہر وقت بادام، کشمش، کھوپرہ، چنے کی دال بریاں[1] اور بہت سی دیگر کھانے کی چیزوں سے میری جیبیں بھری رہتی تھیں اور میں ہر وقت کھاتا رہتا تھا۔ ہر چند علاج و معالجہ کرا کر تھک گیا تھا مگر کسی چیز سے آرام نہ ہوا تھا۔ اسی حالت میں رمضان شریف کا موقع آ گیا۔ جس روز رمضان شریف کا چاند نظر آیا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ محفوظ علی خاں تو کل شام کو روزہ یہیں افطار کرنا اور کھانا بھی ہمارے ساتھ یہیں کھانا تمہاری دعوت ہے۔ انکار کی مجال ہی نہ تھی۔ لاچار طوعاً و کرہاً عرض کرنا پڑا کہ بہت اچھا حضور۔ اور اس وقت بھی وہیں حضور کے ساتھ کھانا کھایا۔ میں نے اس وقت سے پہلے بوجہ اس مرض کے کبھی روزہ نہیں رکھا تھا۔ سخت فکر دامنگر ہوئی۔ خیر نو بجے رات کے میں اپنے مکان پر پہنچا اور گھر والوں سے کہا کہ یوں کرو دس سیر پختہ دودھ منگا لو اور اس میں چار سیر پختہ چاول ڈال کر کھیر پکاؤ۔ میں اب جلدی سے سو رہتا ہوں۔ دو بجے مجھے جگا دینا۔ پھر میں صبح صادق تک تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کھاتا رہوں گا شاید دس بجے تک روزہ رہ جائے۔ میں تاکید کر کے سو رہا۔ لیٹتے ہی ایسی بے ہوشی کی نیند آئی کہ مجھے ہوش اور کسی بات کی خبر نہ رہی ورنہ ہمیشہ میرا معمول تھا کہ ایک دفعہ بارہ بجے اٹھ کر کھانا کھاتا تھا۔ پھر دو بجے پھر چار بجے اور کبھی کبھی ان اوقات کے درمیان بھی ایک دو دفعہ کھا لیتا۔ غرض میری تمام رات کھانے اور سونے جاگنے ہی میں گزرتی تھی۔ کیا ہوا جو یونہی گھڑی دو گھڑی کے واسطے کبھی آنکھ لگ گئی۔ ورنہ ہمیشہ یہی مصیبت رہتی تھی اور میں تقریباً چار روپیہ کی چیزیں میوے، پھلی، پھلواریاں وغیرہ خرید کر کھا جاتا تھا۔ الغرض شب کے دو بجے گھر والوں نے مجھے جگایا تو خلافِ عادت مطلقاً مجھے بھوک کا احساس نہ ہوا یونہی برائے نام کھیر کے آٹھ نو چمچے کھائے اور کہا کہ اس وقت تو مجھے بھوک نہیں اور نیند کا غلبہ ہے چار بجے جگا دینا اس وقت کھاؤں گا اب تو میں سوتا ہوں۔ پھر لیٹ گیا اور معاً نیند آ گئی۔ چار بجے گھر والوں نے پھر جگایا اس وقت بھی مجھے بالکل بھوک نہ تھی پھر سو رہا اور ایسا سویا کہ دن کے آٹھ بجے جا کر آنکھ کھلی۔ جب اٹھا اور خیال کیا تو دیکھا کہ دل پر گرمی وغیرہ کچھ نہیں اور بھوک بھی معلوم نہیں ہوتی اور وہ جو گرمی کی وجہ سے چکر سے آ کر قے ہو جاتی تھی اور جب تک کچھ کھا نہ لیتا

---

[1] بھنی ہوئی

تھا تسکین نہ ہوتی تھی وہ بھی ندارد۔ میں اٹھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر کچہری جانے لگا۔ میری عادت تھی کہ جب کچہری جانے لگتا تو گو اچھی طرح شکم سیر ہو کر گھر سے نکلتا تھا مگر پھر بھی جب میں اپنے مکان کے نکڑ کے پاس پہنچتا جو آٹھ دس قدم کے فاصلہ پر ہے فوراً بھوک لگ جاتی اور جب تک میں وہاں نکڑ پر کھڑا ہو کر بادام وغیرہ جو کچھ موجود ہوتے ان میں سے کچھ کھا نہ لیتا تب تک مجھ سے آگے چلا نہیں جاتا تھا۔ اور بازار میں گزرتے ہوئے یہ حالت تھی کہ تمام دکانداروں کے ساتھ میری آڑھت تھی۔ جو چیز جس کی دکان پر نظر پڑی بلا پوچھے اور بغیر قیمت کا فیصلہ کئے اٹھا کر کھالی اور کچہری کو چل دیا، شام کو کچہری سے واپس آتے ہوئے سب کی قیمت ادا کر دی۔ جب میں اپنے مکان کی اس نکڑ پر پہنچا تو کھڑا ہو گیا اور خیال کیا تو دیکھا کہ اب بھی گرمی وغیرہ دل پر کچھ نہیں اور نہ بھوک ہی معلوم ہوتی ہے۔ میں وہاں سے آگے چل دیا اور بازار میں دونوں طرف دکانوں کو دیکھتا ہوا جاتا تھا مگر طبیعت کسی چیز کی طرف مائل نہ ہوتی تھی اور نہ بھوک تھی۔ جب میں بازار سے بخیر و عافیت نکل گیا تو دل میں خیال آیا کہ خدا کا شکر ہے دس بجے تک تو جھوٹ سے بچے، آئندہ خدا مالک ہے۔ الحاصل کچہری میں جا کر کام کرنے لگا۔ وہاں کچھ ایسی مصروفیت ہوئی کہ بھوک تو درکنار وقت کا بھی پتہ نہ لگا اور جھٹ سے چار بج گئے۔ اس وقت خیال آیا کہ آج تو جلدی ہی چار بج گئے اور ارادہ کر لیا کہ اب تو اگر جان جاتی رہے تو بھی روزہ افطار نہ کروں گا۔ دو گھنٹہ میں کہاں کا مرا جاتا ہوں۔ آخر کار وہاں سے سیدھا حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت مبارک میں پہنچا وہیں روزہ افطار کیا اور حسب الحکم حضور کے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس روز کے بعد پھر اس مرض کی شکایت نہیں ہوئی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سُؤْرِ الْمُؤْمِنِ شِفَآءٌ (ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کے جوٹھے میں شفا ہے۔)

نقل ہے کہ ایک روز تقریباً نو بجے صبح کے ایک مسلمان ڈپٹی شمال کی طرف ورلے حجرہ میں حضرت صاحب کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا اور حضور نے اسے کھانا کھلانے کا حکم درویشوں کو دیا ہوا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد چند اہلِ مقدمہ دیہاتی گنوار آئے اور بلا تامل اس ڈپٹی کا نام لے کر کہنے لگے کہ حضور فلاں ڈپٹی بڑا ظالم ہے وہ اس طرح ظلم کرتا ہے یوں اہلِ مقدمہ کو ستاتا ہے۔ غرض اس قسم کی شکائتیں کیں۔ آپ نے انہیں منع فرمایا کہ ہُوں ہُوں۔ اتنے میں وہ ڈپٹی حجرہ سے نکل آیا۔ اُس

سے رہا نہ گیا اور بڑی سختی کے ساتھ کہنے لگا کہ تم پر ضرور ظلم کروں گا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا ''ہُوں ہُوں اویوں نہیں کہنا چاہیے۔ظلم کرنا منع ہوتا ہے۔'' اس نے کہا نہیں حضور اب تو میں ان پر ظلم ہی کروں گا۔ آپ نے پھر روکا۔ اس نے پھر وہی اصرار کیا۔ آخر آپ نے غصہ سے فرمایا۔ مارو اس بھوتنی کے کو۔ ایک درویش نے اس ڈپٹی کو یوں ہی ایک دھکا دے دیا۔ آپ کو جوش آیا تو اٹھ کر اس کو وضو کرنے کی جگہ ڈال کر خوب ہی مارا۔ پھر دوسری طرف سے پلٹا کر مارا۔ پھر وضو کی نالی میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا جا چلا جا۔ اس نے کہا حضور اب تو میں یہیں رہوں گا، اب کہاں جاؤں؟ اب تو میں کہیں نہ جاؤں گا۔ آپ کو اس پر رحم آیا پھر فرمایا اسے کپڑے دے دو۔ چنانچہ کپڑے دیئے گئے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس پر زیادہ غصّے ہوتے تھے اس پر رحم بھی زیادہ آتا تھا اور بہت جلد رحم آ جاتا تھا۔ مگر یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ آپ کے مارنے سے چوٹ نہیں لگتی تھی۔ آخر اس نے عاجزی کی تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور فرمایا تیرے دل سے وہ بات نہیں گئی جس کے واسطے ہم نے مارا تھا۔ اچھا جا اور دیکھ ناحق نہ لکھنا۔ بعد میں آپ نے گنواروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ تمہیں اس طرح ظالم وغیرہ اس کو نہیں کہنا چاہیے تھا، اس بات سے اس کو غصہ آ گیا بلکہ تمہیں یوں کہنا چاہیے تھا کہ ہم حق پر ہیں یا یہ فیصلہ حق پر نہیں کرتا۔ خیر یہ ڈپٹی اب ضرور ظلم کرے گا۔ تم یوں کرنا وہ جو اپیل ہوتا ہے وہ کرنا۔ پھر ایک شخص کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بندے اللہ کے ان ڈپٹیوں کے حکم کا وہ آگے کیا کیا کرتے ہیں اسے اپیل ہی تو کہتے ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں حضور اپیل ہی ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں بس وہی کرنا۔ ہم دعا کریں گے اللہ تعالیٰ ٹھیک کر دے گا۔ آخر وہ گنوار بھی چلے گئے۔ ڈپٹی یہاں سے سیدھا کچہری میں پہنچا اور جاتے ہی غصہ میں پہلے وہی مثل نکال کر فیصلہ لکھا اور ان کے واسطے قید اور جرمانہ کی سزا لکھی۔ ابھی وہ اچھی طرح لکھ کر فارغ نہ ہوا تھا کہ یکا یک دونوں شانوں کے درمیان پشت پر دنبل نکلا اور ایسی سخت تکلیف ہوئی کہ بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوش ہوتے وقت کہا کہ مجھے ڈولی میں ڈال کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں لے چلو۔ چنانچہ اسے ڈولی میں ڈال کر لائے۔ آپ جیسا کہ آپ کی عادت مبارک تھی تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے اونچی آواز کے ساتھ اللہ اللہ اللہ اللہ یعنی اسم ذات پڑھتے ہوئے باہر تشریف لا رہے تھے کہ وہ ڈولی آپ کے سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ آپ نے اس کی نسبت دریافت کیا۔ لوگوں

نے اس کی کیفیت سنائی۔ آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب اس کو کہو اپنے گھر چلا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے گھر گیا اور مر گیا۔ ان گنواروں کو فیصلہ سنایا گیا۔ آخر انہوں نے اپیل کیا وہ منظور ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دیہاتی حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک بیل نذرانہ کے واسطے لائے۔ ایک درویش باہر کھڑا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی وہ پوچھنے لگے کہ حضرت شاہ صاحب آگئے ہیں یا نہیں۔ اس نے کہا شاہ صاحب علیہ الرحمتہ تو ہمیشہ یہیں رہتے ہیں، آپ تو کہیں جاتے ہی نہیں، وہ دیکھ اندر تشریف رکھتے ہیں۔ آخر وہ اندر گئے اور وہاں بھی اسی طرح کی باتیں کیں اور کہا کہ حضرت شاہ صاحب نے تو خود ہی فیصلہ لکھا تھا، آپ ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ ہم بہت دوڑے لیکن آپ ہم سے پہلے ہی آگئے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ ہم یہاں سے کس جگہ جاتے ہیں۔ ہم تو اسی حجرہ کے اندر رہتے ہیں، چپ رہو۔ وہ کہنے لگے کہ حضور آپ نے تو ہمارا فیصلہ لکھا اور ہم کو جیل خانہ سے بری کیا۔ فرمایا چپ رہو۔ جاؤ روٹی کھاؤ۔ یہ بات نہیں کہا کرتے۔ وہ پھر کچھ کہنے لگے۔ آپ نے پھر انہیں روک دیا اور فرمایا جاؤ انہیں کھانا کھلا دو اور یہ بیل کیوں لائے ہو؟ ہمیں کون سا کھیتی کرنا ہے؟ لے جاؤ یہ بیل اور پیسے دے دو۔ اس بیل کو گھاس کھلاؤ اور انہیں جلدی کھانا کھلا کر رخصت کر دو۔ جب انہیں رخصت کیا تو وہ باہر جا کر پھر وہی ذکر کرنے لگے۔ آخر وہ درویش ان کو رخصت کر کے اندر آیا تو پوچھا وہ باہر کیا کہہ رہے تھے؟ اس نے عرض کیا نہیں حضور وہ تو کچھ اور باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا کبھی کبھی فقیر کا قدم دور جا پڑتا ہے، پر وہ روح کے قدم ہوتے ہیں اور یہ بدن یہیں رہتا ہے۔ لیکن وہ زمیندار بھی عقیدہ کے پکے تھے اسی وقت بیل کو بیچ کر قیمت لائے اور عرض کیا حضور ہم وہ بات تو نہیں کہنے کے پر آپ یہ روپے لے لیں۔ چنانچہ وہ روپے لنگر میں دے دیئے گئے۔

ارشاد: باہر والے کمرہ میں جہاں اب چھت ہے اور لڑکے پڑھا کرتے ہیں وہاں بیٹھ کر میں پڑھایا کرتا تھا۔ غربی دیوار کے اوپر جس جگہ کہ میں بیٹھا کرتا تھا کڑیوں کے پاس ایک سانپ رہتا تھا۔ مجھے تو معلوم تھا لیکن اور درویش نہ جانتے تھے۔ ایک روز جبکہ ہمارے میں سے وہاں کوئی نہ تھا طالب علموں نے اس سانپ کو مار ڈالا۔ حضور کو خیال آیا تو فرمانے لگے یہاں ایک سانپ فیض لینے آتا تھا وہ کہاں گیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور وہ طالب علموں نے مار ڈالا۔ فرمایا وہ ہماری توجہ میں آتا تھا۔

قلب کا فیض تو اسے بھی ہو گیا تھا۔ انہیں خبر نہیں تھی۔ سانپ سمجھ کر مار ڈالا۔ اچھا اسے دفن کر دینا۔

نقل صحیح ہے کہ ایک روز گیارہ بجے دن کے کچھ سوداگر کابلی ایک گائے لئے ہوئے آپ کے یہاں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ہم نے یہ گائے بہت قیمت میں لی تھی اب یہ دودھ نہیں دیتی بلکہ اس کے بچے کا بھی گزارہ نہیں چلتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم اس کے گھاس وغیرہ میں تو کمی نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا حضور دیکھ لیں یہ کیسی موٹی تازی ہے۔ ہم اسے گھاس وغیرہ خوب دیتے ہیں۔ آپ نے اس کے سینگوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا او بندی رب کی! انہوں نے تیرا حق ادا کر دیا، تیرے بچے کا حق ادا کر دیا اور تُو ان کا حق ادا نہیں کرتی۔ اگر تو ان کا حق ادا نہیں کرے گی تو قیامت کے دن تیری ہی پکڑ ہونی ہے۔ بمجرد آپ کے اس فرمان کے اس کے چاروں تھنوں سے دودھ بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا او خدا کے بندو! تم اس کی شکایت یونہی کرتے ہو۔ یہ اچھا خاصہ دودھ دیتی ہے۔ خیر وہ گائے کو لے گئے رات کو دس بجے گائے کو ساتھ لے کر وہ سوداگر پھر آئے اور عرض کیا کہ حضور اس کا دودھ بند ہی نہیں ہوتا۔ آپ گائے کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ تجھے یہ کہا تھا کہ ان کا حق دے دیا کر۔ جا اس طرح نہ کیا کر۔ ان کا حق دے دیا کر بچے کا حق رہنے دیا کر اور اپنے معمول کے وقت پر جا کر دیا کر۔ آپ کے اس ارشاد کے ساتھ ہی گائے کا دودھ بند ہو گیا اور وہ سوداگر گائے کو واپس لے گئے۔

ارشاد: ایک مرتبہ حضور ایک گاؤں میں تشریف لے گئے آپ کے دو مرید ہمراہ تھے۔ وہاں ایک حجرہ آپ کے واسطے خالی کر دیا گیا۔ آپ نے وہاں قیام فرمایا۔ اس حجرے میں ایک بڑا سانپ رہتا تھا۔ درویش جو آپ کے پاس تھے وہ نیچے چٹائی پر سوتے تھے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ رات کے ایک یا دو بجے جبکہ آپ اٹھتے تھے اگر آپ کے اشارہ ''ہوں'' کے ساتھ ہی چراغ نہ جلایا جاتا تھا تو آپ گھبرا جاتے تھے۔ چنانچہ حسب معمول آپ ایک بجے اٹھے اور فرمایا ''ہوں'' فوراً چراغ جلایا گیا۔ وہ سانپ ساری رات ایک درویش کے نیچے دبا رہا کیونکہ وہ چٹائی کے نیچے پہلے ہی سے دبا ہوا تھا اور کسی نے دیکھا نہ تھا۔ تین روز وہاں قیام رہا۔ جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو درویش سے فرمایا کہ اب اس حجرے میں مت جانا۔ درویش نے عرض کیا کہ حضور اسباب تو نکال لاؤں۔ فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ جب درویش حجرے میں گیا تو سانپ پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہم تو اب

جاتے ہیں تو یہیں حجرے میں موج کیا کر۔ تو نے ہماری اچھی مہمانی کی ہے۔

ارشاد: ایک روز دن کے ایک بجے آپ وضو فرمانے لگے۔ معمول تھا کہ آپ کے واسطے دو لوٹے ہوا کرتے تھے۔ ایک میں بھائی مغلی شاہ پانی لینے گئے ہوئے تھے اور دوسرا لوٹا آپ سے کوئی ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر رکھا تھا۔ آپ نے پانی لینے کا اشارہ فرمایا۔ اس وقت حجرے میں میرے سوا اور کوئی نہ تھا اور آپ کو میرا موجود ہونا معلوم نہ تھا۔ میں پانی دینے کے واسطے اٹھنے ہی لگا تھا کہ آپ نے ہاتھ سے لوٹے کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا جیسے کسی کو بلایا کرتے ہیں۔ لوٹا آپ کے پاس فوراً آ گیا۔ ادھر میں باہر نکل آیا تو انگلی کے اشارے سے فرمایا ''ہوں ہوں'' یعنی کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ سچ ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ترجمہ: اللہ کے بندے کی بات، اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے سنائی دی ہے۔

ارشاد: ایک روز میں حدیث شریف پڑھ رہا تھا شاید ترمذی تھی یا کوئی اور کتاب۔ حدیث شریف میں ذکر تھا کہ بہشت میں ایک ایک محل پانسو برس کی راہ کی مسافت کے برابر اونچا ہوگا اور ایک ایک درخت بھی اتنا اونچا ہوگا کہ جس کی مسافت پانسو برس کے راستہ کے برابر ہوگی۔ ایک درویش نے یہ حدیث شریف جو سنی تو مسکرا کر عرض کیا کہ حضور بہشتیوں کو تو بڑی مصیبت ہوگی۔ فرمایا وہ کیسی؟ عرض کیا کہ حضور پانسو برس تو چڑھنے میں لگ جائیں گے پھر میوے کس طرح کھائیں گے؟ فرمایا جب بہشت والے ارادہ کریں گے تو وہ درخت خود بخود ان کے سامنے آ کر جھک جایا کریں گے۔ وہاں توت کا ایک پھل دار درخت تھا حضور کے دروازہ سے شمال کی طرف۔ حضور نے اس توت کے درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا مثلاً جس طرح یہ درخت کھڑا ہے۔ اگر اسے کہیں آ جا تو فوراً سامنے آ کر جھک جائیں گے۔ میں درخت کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ بمجرد آپ کے اس فرمان کے وہ درخت میرے اوپر کو ہوتا ہوا حضور کے سامنے زمین سے آ لگا۔ آپ نے فرمایا او ہم نے تجھے تو نہیں کہا تھا بلکہ ہم نے تو صرف بہشت کا ایک مسئلہ بیان کیا تھا تو سمجھا کہ مجھ کو ہی کہا ہے۔ جا تو اپنی

جگہ جا کھڑا ہو چنانچہ وہ فوراً اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔ تو اس وقت سائل نے پوچھا کہ حضور کس کلام کے پڑھنے سے یہ چیزیں تابع ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ تجلی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر وارد ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے تمام حجر و شجر آپ کے سامنے جھک پڑے تھے۔ یہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے فیضان کا اثر ہے۔

اور جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے خوشنودی اور پرورش روحِ رسول اللہ ﷺ کی شروع ہو جاتی ہے اور حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے تعلق سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں اور اس کے واسطے بہشت کی نشانیاں یہیں شروع ہو جاتی ہیں ؎

مردِ کامل کو جو تو سمجھے حقیر — ہے نظر بندی یہ اے مردِ خبیر
ہے وہ شاہِ دوجہانِ بحر و بر — تو جسے سمجھا ہے مفلس اے پسر
حکم میں ان کے ہیں یہ سنگ و حجر — چوب و باد و آب و خاک و خشک و تر

ارشاد: ایک بلاّ جس کا نام موتی تھا حضور کے مکان میں رہا کرتا تھا۔ ایک روز حضور کے پاس سے گزرا آپ نماز پڑھ کر بیٹھے تھے۔ اس بلےّ کو پکڑ کر فرمانے لگے تو بھی نماز پڑھا کر۔ پھر اس کی گردن پکڑ کر اور زمین کی طرف جھکا کر فرمایا او تجھے نماز کی انکل تو آتی نہیں۔ پر اب یہ پڑھا کر اللہ اللہ وہ بلاّ بھی ساتھ ہی ''اوں اوں'' یعنی اللہ اللہ کرنے لگا اور ایسا محو ہوا کہ اسی محویت میں رہا اور جب تک زندہ رہا اس کے اندر سے وہی ذکر کی آواز آتی رہتی۔

ایک روز آیت کریمہ کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ یہ فلاں فلاں فائدے کے واسطے پڑھی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک روز ہم یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے۔ سکرۃ کی حالت میں دیکھا کہ بہشت کے درختوں کی ڈالیاں ہماری طرف جھک پڑی ہیں اور ان کے میوے ہمارے منہ کے قریب آ گئے ہیں۔ ہم نے اس خیال سے کہ کہیں یہ درخت ہمارے اوپر نہ آ گریں سر پیچھے کو ہٹا لیا۔

ارشاد: ایک روز تذکرہ ہو رہا تھا کہ فلاں بزرگ سے ایسے ایسے واقعات ظہور میں آئے کہ خواب میں انہوں نے کسی کو جا کر کچھ کہہ دیا اور اس نے اسی طرح کر دیا۔ آپ نے فرمایا ہاں اس طرح بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ رحیم داد خاں کے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آیا تھا اور انہوں نے ہم سے آ کر بیان کیا تھا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ میاں رحیم داد خاں جو حضور کی پرانی مسجد کے امام تھے، انہیں مسجد

میں کنواں بنانے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر شملہ میں آپ کے متوسلین میں سے کوئی شخص ہو تو اس کا پتہ نشان مجھے بتا دیں تا کہ میں اس کے ذریعہ سے کچھ روپیہ وصول کر لاؤں۔ آپ نے ایک شخص کا پتہ بتایا کہ فلاں شخص کے پاس چلے جانا۔ میاں جی رحیم داد خاں شملہ گئے اور اس شخص سے ملے۔ اس نے کہا کہ رات خواب میں سائیں توکل شاہ صاحب مجھے فرما گئے تھے کہ میاں جی رحیم داد خاں صاحب تمہارے پاس آتے ہیں انہیں اس قدر روپیہ دے دینا۔ میں تیار ہی تھا اور صبح ہی روپیہ جمع کر لیا تھا۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو میں وہیں بھیج دیتا۔ چنانچہ میاں صاحب کو انہوں نے روپیہ دے دیا اور میاں جی صاحب روپیہ لے کر واپس انبالہ شریف آئے تو خدمتِ عالیہ میں عرض کیا کہ حضور اگر آپ نے اسی طرح خواب میں کہہ دینا تھا تو مجھے اتنی دور بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

ارشاد: ایک روز کرامت کا ذکر آیا۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور کرامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کرامت فعل اللہ تعالیٰ کا ہے اور بندہ بیچ میں صرف وسیلہ ہوتا ہے۔ اور اولیاء اللہ سے جو کوئی کرامت ظہور میں آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادۂ الٰہی سے ظہور میں آتی ہے۔ اولیاء اللہ جب تک ارادۂ الٰہی معلوم نہیں کر لیتے تب تک اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور چونکہ اولیاء اللہ اس کا ذکر کرتے اور اس کی رضا میں ساعی[1] رہتے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ ان سے ظاہر کرا کے ہدایت کا سبب بنا دیتا ہے تا کہ لوگوں کو اس سے محبت ہو اور اس بندے سے ہدایت جاری ہو اور لوگوں کے واسطے بخشش کی صورت نکل آوے۔ اور دوسرے رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی اس سے تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جبکہ ان سے اس قسم کی کرامتیں ظہور میں آتی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے طفیلی ہیں پھر آنحضرت ﷺ کی تو بڑی شان ہے۔

ارشاد: ایک مرتبہ ایک شخص گل شیر خاں نامی چھچھر والی کا ایک پٹھان حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس تین روپے جیب میں تھے۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ دو روپے تو کرایہ وغیرہ کے واسطے رکھ لئے جائیں اور ایک روپیہ حضرت صاحب کی نذر کیا جائے چنانچہ اس نے ایک روپیہ پیش کیا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا رہنے دے کرایہ وغیرہ میں کام آ جائے گا۔ اس نے بہت اصرار کیا آخر آپ نے رکھ لیا۔ جب وہ رخصت ہو کر اسٹیشن پر پہنچا تو

[1] کوشش کرتے ہیں

جیب میں جو ہاتھ ڈالا تو تینوں روپے موجود تھے۔ غرض اسی طرح آپ کا ایثار باطنی بھی بہت تھا۔

ارشاد: جلال آباد فیروز پور کے آس پاس کا رہنے والا ایک شخص بہت بڑا نامی چور تھا۔ ایک بار اس کے بھائی بھتیجے بیٹے کسی چوری کے مقدمے میں گرفتار ہو گئے۔ اس شخص نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا نام سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میں بہت ہی تنگدست ہو گیا ہوں میرے بیٹے بھتیجے وغیرہ چوری کر کے لاتے اور ہمیں کھلاتے تھے وہ گرفتار ہو گئے۔ اب ہمارا بہت ہی برا حال ہے، حضور دعا فرماویں کہ وہ چھوٹ جاویں اور قدیم سے ہمارا پیشہ یہی چوری ہے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمایا کہ تو چوری چھوڑ دے انہیں حاکم چھوڑ دے گا اور توبہ کر کہ آئندہ چوری نہ کرنا اور نہ اپنی اولاد کو چوری کرنے دینا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو سب چھوٹ جائیں گے تو کوئی اور سبب مہیا کر لینا۔ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت پاوے گا۔ وہ حضور کے سامنے چوری سے توبہ کر کے گھر واپس چلا گیا۔ اس کے پاس ایک بھینس تھی جو ڈیڑھ دو سیر پختہ دودھ دیتی تھی۔ بھینس کی اس نے بہت خاطر تواضع گھاس دانے وغیرہ سے کرنی شروع کی۔ تھوڑے ہی دنوں میں بھینس کا دودھ اتنا بڑھ گیا کہ اس کے گھی دودھ وغیرہ سے گھر کا گزارہ چلنے لگا اور وہ مقدمے سے بری ہو گئے۔ بعد ازاں انہوں نے وعدہ کے موافق چوری قطعاً چھوڑ دی اور نماز کے پابند ہو گئے اور ساتھ ہی درود شریف بھی کثرت سے پڑھنے لگے۔ ایک بار وہ پھر حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضور ہم نے چوری بالکل چھوڑ دی۔ نماز اور درود شریف میں بھی خوب دل لگتا ہے مگر تنگدستی بہت ہو گئی ہے۔ پیٹ تو ہمارا دونوں وقت بھر جاتا ہے لیکن اخراجات کافی طور پر نہیں چلتے۔ چاہیئے تو یوں تھا کہ نماز وغیرہ کے پڑھنے اور نیک کام کرنے سے ہماری تنگی دور ہو جاتی اب جو یہ تنگی زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ غرض انہوں نے شکایت کے طور پر کچھ عرض کیا تھا۔ فرمایا سنو۔ تنگی وغیرہ کا کچھ خیال نہیں کرنا چاہیئے بلکہ آدمی کو چاہیئے کہ عبادت کرتا رہے پھر اللہ تعالیٰ آپ ہی فضل کر دیتا ہے۔ اور عبادت کا خاصہ ہے کہ وہ فائدہ ہی پہنچاتی ہے اور برائی کا خاصہ ہے کہ ہمیشہ اس سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

ہمیں ایک نقل یاد آئی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے رات بھر زنا کیا۔ صبح کو جب وہ مکان سے نکلا تو اسے سو روپیوں کی ایک تھیلی ملی۔ اور ایک شخص نے تمام رات عبادت

کی جب صبح مسجد سے نکلا تو اس کے پاؤں میں ایک ایسی سلاخ آہنی چبھی کہ دوسری طرف نکل آئی۔ اس عابد کے دل میں خطرہ گزرا کہ جس شخص نے تمام رات زنا کیا اسے تو فائدہ ہوا اور میں نے رات بھر عبادت کی تو مجھے یہ تکلیف پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اس عابد کو بلا کر سمجھا دو کہ ہم عبادت کرنے والے کو کبھی تکلیف نہیں دیا کرتے بلکہ عبادت ہر حال میں فائدہ ہی پہنچاتی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ جس شخص نے زنا کیا ہے اس کی تقدیر میں آج کے دن بادشاہ ہونا لکھا تھا اور اس عابد کی تقدیر میں سولی چڑھنا۔ جب اس نے تمام رات عبادت کی تو ہم نے اس کی عبادت پر رحم فرما کر اس کی تقدیر میں سے سولی چڑھنا مٹا دیا اور پچھلے گناہ اس کے تمام معاف کر دیئے اور آئندہ نیک کاموں کی توفیق عطا کر دی اور بجائے سولی کے اسے یہ تھوڑی سی تکلیف پہنچا دی جو ذرا سی دیر میں اچھی ہو گئی۔ اور اس دوسرے نے چونکہ تمام رات گناہ کیا ہم نے اس کی تقدیر میں سے بادشاہی کاٹ کر بجائے اس کے یہ سو روپے دے دیئے۔ وہ سو روپے دیکھ کر خوش تو ہو گیا مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ اور کتنا بڑا نقصان اس کا ہو گیا۔

یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ عبادت کرتے رہو اللہ تعالیٰ فضل کر دے گا۔ اس شخص کو یقین آ گیا اور اپنے گھر جا کر کھیتی وغیرہ کرانے لگا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل کیا۔ اب اس کی دینی و دنیاوی دونوں حالتیں اچھی ہو گئیں۔ چنانچہ گزشتہ سال بھی عرس شریف کے موقعہ پر آیا تھا اور کہتا تھا کہ جس قدر فراغت مجھے اب ہوئی ہے چوری کے زمانہ میں کبھی اتنی وسعت نہ ہوئی تھی۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہم چوری کرتے تھے ہر وقت غم ہم پر طاری رہتا تھا اور اب وسعت پہلے سے بھی دو چند ہے مگر غم کبھی پاس نہیں آتا اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بدمعاشوں کے رجسٹر سے ہمارا نام بھی کٹ گیا۔ اس سے پہلے علاقہ میں جہاں کہیں چوری ہوتی تھی سب سے پہلے ہمیں بلایا جاتا تھا، اب کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ پھر ہنس کر کہنے لگا جب سے ہمارا نام بدمعاشوں کے رجسٹر سے کٹا ہے ہمیں امید ہو گئی ہے کہ بجائے بدمعاشوں کے اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام ضرور نیک بندوں کے دفتر میں لکھ دیا ہوگا۔

صحبتِ شاں خاک را اکسیر کرد
لطفِ شاں بر ہر دلے تاثیر کرد

ارشاد: شیخ نظام دین جو کہ آج کل پٹیالہ میں سرشتہ دار عدالتی کے ماتحت اہلمد[1] ہے اور زندہ ہے، وہ ایک ایسے موذی مرض میں گرفتار تھا کہ متواتر تین سال تک اس نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور نہ اس سے پیٹ بھر کر کھایا جاتا تھا، نہ ٹھنڈا پانی پیا جاتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ برف سے پانی کو ٹھنڈا کر کے اس میں کپڑا بھگو کر منہ اور سینہ پر پھیر لیتا۔ سرد پانی بالکل نہ پی سکتا تھا اور جو پیتا تھا تو تھوڑا سا گرم کر کے اور وہ بھی بہت کم۔ اور کھانا قدرے قلیل اس حیلے سے کھاتا کہ چپاتی کا پاپڑ شوربے میں بھگویا اور کسی طریقہ سے حلق سے نیچے اتار لیا۔ ایک مرتبہ وہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا طالب ہوا۔ آپ نے اسے توبہ کرائی، بیعت کیا اور واقعی اس نے سچی توبہ کی۔ کھانے کا وقت ہوا۔ آپ کھانا کھانے لگے تو نظام الدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ آوے منڈے تو بھی ہمارے ساتھ کھالے۔ اس نے عرض کیا حضور میں تو کھانے سے معذور ہوں۔ تین سال ہوئے مجھ سے کھانا کھایا نہیں جاتا اور نہ پانی پیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا او تو کھالے۔ اس نے پھر انکار کیا۔ آخر آپ نے پھر جو فرمایا تو وہ کھانے لگا اور ایک روٹی سالم کھا گیا۔ آپ نے فرمایا اور کھا۔ ایک اور کھائی، پھر فرمایا اور کھا، ایک ہی اور کھائی، پھر فرمایا اور کھا، اور کھائی۔ اسی طرح تین چار روٹیاں کھا گیا۔ اور برف کا ٹھنڈا پانی تھا ایک تام لوٹ اُس پانی کا پی گیا۔ بعد فراغت کہنے لگا کہ حضور مجھے جلدی پٹیالہ بھیج دیں تا کہ میرے جنازہ کی تجہیز و تکفین اچھی طرح ہو جائے اَب میں زندہ نہیں رہوں گا۔ فرمایا او ابھی تجھے اچھے اچھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ جا سو رہو۔ آخر وہ حجرے میں گیا اور ایسا سویا کہ ظہر کا وقت بھی قضا ہو گیا تب کہیں جا کر آنکھ کھلی۔ عرض کیا حضور اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور کی توجہ سے اب آرام میں ہوں۔ کسی طرح کی تکلیف نہیں اگر چاہوں تو اور بھی کھا سکتا ہوں۔ چنانچہ اس روز سے ہمیشہ کھاتا پیتا رہا۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فِیْ سُؤْرِ الْمُؤْمِنِ شِفَآءٌ۔ (ترجمہ:۔ مومن کے جھوٹے میں شفا ہے۔۱۲) مومن سے مراد ایسے ہی کامل مومن ہوتے ہیں۔

ارشاد: ایک روز صبح کا وقت تھا، دن نکل آیا تھا۔ نماز کے بعد حجرے میں تشریف لائے اور چار ہندنیاں عورتیں کچھ بیر اور کچھ اور پھل سیب یا انار وغیرہ لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئیں اور وہ پھل حضور کے سامنے رکھ کر خاموش بیٹھ گئیں۔ میں حاضر خدمت تھا۔ منجملہ ان کے ایک عورت کی

[1] محرر، جو عدالتوں میں پیش کار کے ماتحت لکھنے اور اجرا کا کام ہے

طرف اشارہ کر کے مجھے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کو ان میں سے ایک بیر دے دو۔ عورت نے عرض کیا کہ حضور اپنے ہاتھ سے دیں۔ فرمایا یہ بھی ہمارا ہی ہاتھ ہے۔ اس نے پھر عرض کیا کہ حضور اپنے ہی ہاتھ سے دیں۔ آپ نے فرمایا بھولی یہ بھی ہمارا ہی ہاتھ ہے۔ آخر میں نے ایک بیر اٹھا کر اسے دے دیا اور اس نے لے کر اسی وقت کھا لیا۔ بعدہٗ وہ سب چلی گئیں۔ بعد مدت وہ عورت حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کیا۔ میں جو اس روز حاضر ہوئی تھی تو اِس غرض سے آئی تھی کہ میرے اولاد نہیں ہوتی تھی شاید خدا تعالیٰ آپ کی دعا سے مجھے اولاد عطا فرماوے۔ جب آپ نے مجھے بیر دیا تھا تو میں سمجھ گئی تھی کہ یہ جو پھل دیا ہے تو ضرور مجھے پھل ہوگا۔ سو حضور کی دعا سے مجھے اسی روز حمل ٹھہر گیا اور پھر لڑکا پیدا ہوا جو موجود ہے۔

ارشاد: ایک روز آپ حقیقتِ عیسوی کا فیضان لے رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک شخص حاضرِ خدمت ہوا اور حضور سے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ درود شریف پڑھا کر۔ اُس نے درود شریف پڑھا تو استغراق کی حالت اس پر طاری ہوئی۔ اس کے بعد تین دن تک اس کی حالت یہ رہی کہ جس شخص پر دم کرتا اسے فوراً آرام ہو جاتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت بھی ہوتی تھی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا اور ان کے نور کی یہی تاثیر تھی اس لئے وہی تاثیر اس سے بھی سرزد ہوتی رہی۔ تین دن تک یہی حالت رہی۔ بعد ازاں وہ حالت جاتی رہی۔ میں نے دریافت کیا کہ حضور یہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا جس وقت وہ ہمارے پاس آیا تھا اس وقت ہم حقیقتِ عیسوی کا فیضان لے رہے تھے، اس پر بھی وہی فیضان وارد ہو گیا تھا۔ اب وہ فیضان ہٹ گیا تو وہ حالت بھی جاتی رہی۔

ارشاد: ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ معہ ایک درویش کے مکان سے باہر نکل کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص آیا سلام علیک کی اور مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ ابھی شاہ عبدالرسول صاحب کے باغ کے گوشہ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ پھر لوٹا اور آ کر سلام کیا اور رخصت لے کر چلا گیا۔ اسی طرح تین دفعہ اس نے کیا۔ تیسری بار فرمانے لگے ایک مخلص سے "تم نے دیکھا یہ شخص کیا کر رہا تھا؟ اس نے عرض کیا حضور یہ شخص کچھ بے سمجھ سا ہے۔ فرمایا بے سمجھ تو نہیں ہے اس کے پاس ہماری ایک شے ہے وہ اسے جانے نہیں دیتی اور کھینچ کر پھر لاتی ہے اور یہ دیتا نہیں۔ چوتھی

بار پھر آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے ایک شخص نے دس روپے حضور کے دینے کے لئے دیئے تھے۔ مجھے ضرورت تھی میں چاہتا تھا کہ اپنا کام کرلوں حضور کو پھر دے دوں گا۔ مگر جب حضور کے پاس سے جاتا ہوں تو میرا دل پکڑا جاتا ہے، جب حضور کی طرف رجوع کرتا ہوں تو چھوٹ جاتا ہے۔ سو لیجئے حضور کا مال ہے۔ حضور نے اس درویش سے فرمایا کہ لے لو، یہ حلال طیب مال ہے۔ اس نے لے لیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے میں سے تو نہیں رکھ سکتا کسی کی امانت میں خیانت منع ہے۔ ہاں اگر تجھے ضرورت ہے تو اب لے لے۔ اس نے نہ لئے اور کہا کہ حضور دعا کرو میرا کام ہو جائے۔ حضور نے دعا فرمائی اور وہ چلا گیا۔ پھر اس درویش سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے پاس اس طرح بھیجتا ہے کسی اسباب کی اسے حاجت نہیں۔

نقل ہے کہ ایک روز حضور علیہ الرحمتہ ظہر کے وقت اندرونی حجرے کے سامنے تشریف فرما تھے کہ ایک ہندو سادھنی جس کا سر منڈا ہوا اور ننگا تھا اور دونوں بازو بھی کھلے تھے اور پستان سے اوپر کا حصہ بھی ننگا تھا۔ باقی پستان کے اوپر بغلوں کے نیچے سے لپیٹے ہوئے آئی، جس کے ساتھ بہت سے تماشائی تھے وہ آکر کھڑی ہو گئی اور وہ نوعمر لڑکا معلوم ہوتی تھی۔ ایک درویش نے عرض کیا کہ حضور یہ کوئی ہندو لڑکا ہے۔ فرمایا نہیں تو بلکہ عورت ہے۔ وہ آکر وضو کی جگہ سے گیلی مٹی لے کر منہ پر ملنے لگی۔ حضور نے فرمایا کہ ایک آنہ اِس کو دے دو۔ اس درویش نے دے دیا۔ وہ پھر کہنے لگی کہ محمد ﷺ کا پیسہ دے دو یعنی کلمہ شریف میرے سینے میں داخل کردو۔ حضور نے فرمایا کہ کلمہ شریف پاک ہے اور پاک ہی جگہ میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں بھنگ چرس وغیرہ اشیاء ہوں وہاں نہیں جایا کرتا، جا چلی جا۔ وہ چلی گئی۔ آپ خلافِ شریعت امور کو ایسا مکروہ جانتے تھے۔

ارشاد: ایک روز اسی جگہ جہاں اب حضور کی خانقاہ شریف ہے ایک کنجری سیاہ فام آئی اور عرض کیا کہ حضور میرے لئے دعا فرماویں۔ ایک درویش حضور کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ اگر اس کنجری کا نکاح میرے ساتھ ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضور نورِ باطن سے اس کے خطرہ پر مطلع ہو گئے اور پیچھے کی طرف منہ کر کے فرمایا ''اوہوں، یہ تیرے لائق نہیں۔'' اور اس کے واسطے دعا فرمائی کہ یاالٰہی تو اس کے واسطے بہتر کر، اس کا بھلا کر اور اس کے واسطے حلال روزی کی صورت کردے تو بڑا کریم ہے، تیرے خزانے بڑے وسیع ہیں، میرے پاس تیرا سمجھ کے آئی ہے،

ایسا کر کہ یہ دوزخ سے چھوٹ جائے۔ دوسرے ہی روز کسی کے ساتھ نکاح کر کے چلی گئی اور پیشہ قطعی چھوڑ دیا اور اس کا دل دنیا سے سرد ہو گیا۔ وہ درویش صاحبِ نسبت تھا۔ فرمایا تیرا نکاح کہیں اور اچھی جگہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کا نکاح اچھی ہی جگہ ہو گیا۔

ارشاد: ایک دفعہ مویشیوں میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ چپنیاں لے کر لکھوانے کے واسطے حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت میں آئے اور بہ اصرار کہا کہ حضور ہمارے مویشیوں سے مرض نہیں جائے گا جب تک حضور اپنے ہاتھ سے ہم کو یہ نہ لکھ دیں۔ حضور نے میرے داہنے ہاتھ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم پڑھ کر دائرہ کھینچا اور اَللّٰهُ شَافِيْ اَللّٰهُ كَافِيْ پڑھ کر دم کیا اور فرمایا کہ مولوی صاحب لکھ دو۔ اور ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا لے جاؤ یہ ہمارا ہی ہاتھ ہے۔ اس سے ان کی تسلی ہو گئی اور میں نے اسی طرح سے دائرہ لکھ کر انہیں دے دیا اور پھر یہ دائرہ معمول ہو گیا۔ جب کبھی مویشیوں کے مرض کے واسطے یہ دائرہ لکھ کر دیا فوراً آرام ہو گیا اور چونکہ آپ نے دائرہ کھینچتے وقت بسم اللہ شریف پڑھی تھی اس سے میں نے خیال کیا کہ بسم اللہ شریف بھی گول ہی لکھنی چاہیئے ورنہ آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ دائرہ یہ ہے۔



ارشاد: ایک دفعہ قحط سالی ہوئی لوگ عاجز آ کر حضور کے پاس آئے کہ حضور استسقاء کی نماز میں تشریف لے چلیں۔ حضور نے فرمایا ہمیں فرصت نہیں اور نہ طاقت ہے۔ لوگوں نے بہت منت کے ساتھ اصرار کیا کہ حضور گاڑی لائیں یا کوئی اور سواری لائیں اور بہت عاجزی کی تو فرمایا ہمارے مولوی صاحب کو لے جاؤ۔ چنانچہ مجھے بھی فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔ چونکہ بازار کے بنیئے ہم کو ہنسا کرتے تھے کہ مسلمان نماز پڑھ کر بارش لینے چلے ہیں جیسا کہ ان کا خدا سے کوئی رشتہ ہے۔ میں نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے عرض کیا کہ حضور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ فرمایا جاؤ ہم بھی ساتھ ہوں گے۔ میں چلا گیا اور نماز استسقاء اس طرح ادا کی کہ پہلی رکعت میں بعد فاتحہ کے القارعة دوسری میں سورہ الکٰفرون پڑھ کر نماز تمام کی۔ پھر خطبہ شروع کیا۔ جب [1] قلب ردا کی تو بلا بادل وغیرہ کے بجلی چمکی۔ جب دعا میں مشغول ہوا تو ذرا سا غلبہء سکرۃ سا معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب موجود

[1] چادر کا بدلنا

ہیں اور دعا مانگ رہے ہیں، آمین آمین فرما رہے ہیں۔ اور لوگوں پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ زار زار روتے تھے۔ ابھی دعا میں ہی مشغول تھے کہ بدلیاں بن کر چھوٹی چھوٹی بوندیں ہمارے ہاتھوں پر پڑنی شروع ہوگئیں۔ بعد الفراغ وہاں سے چلے۔ ابھی شہر کے قریب نہیں گئے تھے کہ موسلا دھار بارش ہونے لگی اور مکان پر آنے تک تمام راستے پانی سے بھر گئے، یہاں تک کہ تین روز تک برابر بارش ہوتی رہی۔ جب ہم شہر میں پہنچے تو بنیوں کو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے لو بھئی مسلمان بارش لے ہی آئے۔

نقل معتبر ہے کہ ایک لڑکا کانپور کی طرف کا آیا۔ وہ اور اُس کا باپ دونوں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے مرید تھے اور اس کا باپ ڈپٹی تھا۔ اس لڑکے نے عرض کیا کہ حضور جو مدد قیامت کے دن فرمانے والے ہیں وہ ابھی کر دیں۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے اس کو جھڑکا اور تنبیہ کی۔ اس نے کہا کہ حضرت میرے والد کو پھانسی کا حکم ہوا ہے، اب میرا کیا رہ گیا ہے؟ دس روز میعاد میں ہیں۔ میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا جب تک اس امر کا فیصلہ نہ کرلوں۔ غرض دروازہ پر پڑا رہا۔ شام کو اس لڑکے سے فرمایا کہ پچھلی رات جب ہم باہر نکلیں تو ہمارے پیچھے چلے آنا۔ چنانچہ اسی رات کو حضور تالاب غربی شہر انبالہ پر تشریف لے گئے۔ درویشوں کے ساتھ وہ لڑکا بھی پیچھے چلا گیا۔ حضور نے تالاب میں غوطہ لگا کر حبسِ دم کیا۔ درویشوں کو فکر ہوا کہ خدانخواستہ کہیں ڈوب نہ گئے ہوں کیونکہ اس میں پانی بے اتھاہ تھا اور حضور کو دیر ہوگئی تھی۔ اچانک دیکھا کہ حضور کنارہ پر کھڑے ہیں اور فرمایا کہ جا چھوٹ گیا۔ لڑکے کو ایسی تسلی ہوئی کہ وہیں سے رخصت ہو کر سیدھا ریل پر چلا گیا۔ چند روز کے بعد وہ لڑکا اور اس کا باپ دونوں معہ نذرانہ اشرفیوں اور شیرینی کے آئے اور دیئے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ لڑکا تو کہتا تھا کہ پھانسی کا حکم ہوگیا ہے اور تم ہمارے پاس سالم آئے ہو؟ تمہارا ابھی کچھ پتہ نہیں ملتا۔ کبھی کچھ کہتے ہو کبھی کچھ۔ وہ شخص عرض کرنے لگا کہ حضور واقعی بات ہے۔ جس روز لڑکا یہاں سے گیا ہے اُسی روز رات کو سیشن جج کو خیال آیا کہ روئیداد میں غلطی نہ ہوئی ہو، مثل کو مکرر غور کر کے فیصلہ لکھوں۔ مثل جو دیکھی تو میری نسبت ذرہ بھر بھی ثبوتِ جرم نہ ملا۔ بلکہ جس جگہ یہ لکھا تھا کہ اس پر جرم ثابت ہے وہاں بجائے اس کے یہ لکھا ہوا ملا کہ یہ اس جرم سے بری ہے۔ چونکہ وہ حکم دے چکا تھا، مجھے بلا کر کہا کہ اگر تم معافی نامہ لکھ دو تو تم کو بری کردوں کہ میں نے ناحق تم کو قید کیا۔ میں نے معافی نامہ لکھ دیا، اس نے مجھے رہا کر دیا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ ابتدا میں جب کئی وقت فاقہ کو ہو گئے تو درویشوں نے عرض کیا کہ حضور بھوک نے تنگ کر دیا۔ حضور درویشوں کو لے کر جنگل کو چلے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور روٹیاں تو بازار میں ہیں۔ فرمایا ہماری خدا تعالیٰ کے یہاں ہیں۔ اور دریائے گھگھر سے پار تقریباً تین کوس تک تشریف لے گئے۔ ہمیں جنگل میں، جو آبادی سے بہت دور تھا، پہنچ کر سجدہ میں پڑ گئے اور پہلے سجدہ سے ایک بڑی محبت اور درد کے ساتھ فرمایا ''اللہ'' تمام حاضرین پر ایک لذت اور سکرت طاری ہو گئی اور دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ ہر ایک لذت میں مست ہو کر سجدہ میں گر گیا۔ جب ایک گھنٹہ تک سجدہ میں پڑے رہے تو کسی نے آواز دی کہ اٹھ کر کھانا کھا لو۔ اٹھ کر دیکھا تو بہت سا مالیدہ[1] رکھا ہوا پایا۔ حضور نے فرمایا کہ ہم یہ کھانا نہیں کھائیں گے، خبر نہیں کہ یہ کس مذہب والے نے پکایا ہے اور دوسرے یہ زمین پر پڑا ہے۔ ہم وہ کھانا کھائیں گے جو پاک وصاف ہو گا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ایک سینی قسم قسم کے طعاموں سے بھری ہوئی آسمان کی طرف سے اتری اور آواز آئی کہ پاک شخص کے واسطے پاک ہی کھانا نازل کیا جاتا ہے۔ سب نے وہ کھانا کھایا اور برتن وہیں چھوڑ کر واپس انبالہ چلے آئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ گھر میں بھی فتوحات کثرت سے ہوئے اور گھر میں دیگچیوں میں کھانا تیار ہو رہا ہے۔ اس روز سے بعد پھر کبھی اس لنگر خانہ میں فاقہ نہیں ہوا بلکہ دن بدن بڑھتا ہی گیا۔

اس موقعہ پر ہم اس لئے حکایت کتاب کشف المحجوب سے نقل کر کے درج کرتے ہیں تا کہ اس بارہ میں لوگوں کے دلوں میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ جب کفار نے حضرات اولیاء اللہ کے طفیل سے دعا مانگی تو کفار کی دعا قبول ہو گئی اور کھانے کا طبق ان کے واسطے اتر آیا۔ پھر جو اولیاء اللہ بلا وسیلہ دعا کریں تو ان کی دعا سے آسمان سے کھانا اتر آنا کیا بعید ہے بلکہ عین قرینِ قیاس اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا اظہار ہے۔ وھو ہذا۔

اور ان معنوں میں ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ سے ایک حکایت بیان کرتے ہیں جو اس جگہ بہت ہی مناسب ہے۔ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے میں اپنی عادت کے موافق تنہا جنگل میں گیا۔ جب مجھے گئے ہوئے کچھ عرصہ گزرا تو گوشہ سے ایک شخص اٹھا اور مجھ سے ہم نشینی چاہی۔ میں نے اس میں نگاہ کی۔ اس کے دیکھنے سے میرے دل میں ایک نفرت آئی۔ میں نے کہا یہ کس لائق ہو گا؟ مجھے

---

[1] روٹی کے ٹکڑوں کو چورا چورا کر کے اس میں کھانڈ اور گھی ملانے سے جو چیز تیار ہوتی ہے۔

کہا ابراہیم! رنج دل نہ ہو کیونکہ میں نصاریٰ میں سے ہوں اوران کے راہبوں سے ہوں اور تیری صحبت کی امید پر روم کے شہروں کی سب سے آخری حد سے آیا ہوں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ بیگانہ ہے تو میرا دل آسودہ ہوا اور ہم نشینی کا طریق اختیار کرنا اور اس کا حق ادا کرنا مجھ پر زیادہ آسان ہوا۔ میں نے کہا اے نصاریٰ کے زاہد! میرے پاس کھانے پینے کی چیز نہیں ہے، مجھے خوف ہے کہ تجھے اس جنگل میں رنج پہنچے گا۔ جواب دیا کہ اے ابراہیم! دنیا میں تیرا اس قدر شہرہ ہے اور تو ابھی تک روٹی پانی کا غم کھاتا ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے راہب کی اس خوش کلامی سے بڑا تعجب ہوا۔ تجربہ کے واسطے میں نے اس کی صحبت کو قبول کیا کہ اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچا ہے۔ جب سات راتیں اور دن ہم چلے تو ہمیں پیاس لگی۔ راہب کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے ابراہیم! جہان میں تیرا اس قدر ڈھول بجاتے ہیں یعنی تیری مشہوری ہے اب کچھ دکھلا کیونکہ مجھے پیاس کے مارے تیرے حضور میں گستاخی کے سوا چارہ نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے زمین پر سر رکھا اور کہا اے اللہ! مجھے اس بیگانے کے سامنے خوار نہ کر کیونکہ عین بیگانگی میں مجھ پر اس کا نیک ظن ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کافر کا ظن میرے حق میں پورا کرے۔ جب میں نے سر اٹھایا تو ایک طبق دیکھا جس پر دو روٹیاں اور دو شربت کے پیالے رکھے تھے۔ ہم نے اسے کھایا پیا اور وہاں سے چلے۔ جب اور سات دن گزر گئے تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں اس نصاریٰ کا تجربہ کروں تاکہ وہ اس سے پہلے کسی اور چیزوں میں میرا امتحان کرے اور کوئی چیز مجھ سے مانگے اور اپنی عاجزی دیکھے۔ میں نے کہا اے نصاریٰ کے راہب! کچھ لا کیونکہ آج تیری باری ہے، مجاہدہ کے ثمرہ سے تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے زمین پر سر رکھا اور کچھ کہا۔ ایک طبق پیدا ہوا، چار روٹیاں اور چار پانی کے شربت کے پیالے اس پر رکھے تھے۔ مجھے اس پر بہت تعجب ہوا اور رنج دل ہوا اور اپنے زمانے سے ناامید۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ کافر کے لئے ظاہر ہوا ہے۔ میں کھاؤں تو یہ اس کی مدد دیتی ہے۔ میں یہ کب کھاتا ہوں۔ مجھے کہا اے ابراہیم کھالے۔ کہا کہ میں نہیں کھاتا۔ پوچھا کس سبب سے؟ میں نے کہا کہ تو اہل نہیں ہے اور اس کرامت کا ظاہر ہونا تیرے حال کی جنس سے نہیں اور میں اس کام میں متعجب ہوں۔ اگر اس کو کرامت پر خیال کروں تو کافر سے کرامت روا نہیں اور اگر میں کہوں کہ معونت ہے یعنی مدد دینی ہے تو مدعی کے لئے شبہ ہوتا ہے۔ مجھ سے کہا اے

ابراہیم! کھالے اور خوشخبری ہو تجھے دو چیزوں سے۔ ایک تو میرے اسلام سے جو یہ ہے اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔) اور دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے نزدیک تیرا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ میں نے کہا کیونکر؟ کہا، اس جنس سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے شرم سے زمین پر سر رکھا اور کہا اے اللہ! اگر محمد ﷺ کا دین سچا ہے اور تیرا پسند کیا ہوا ہے تو مجھے دو روٹیاں اور دو پانی کے شربت کے پیالے دے۔ اور اگر ابراہیم خواص تیرا ولی ہے تو مجھے دو پانی کے شربت کے پیالے اور دو روٹیاں اور دے۔ جب میں نے سر اٹھایا تو طبق حاضر پایا۔ ابراہیم نے اس سے کھایا اور وہ جوانمرد راہب بزرگوں میں سے ایک بزرگ ہوا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ اوائل میں حضور علیہ الرحمتہ نند سنگھ کے باغ میں تھے۔ رات کا وقت تھا اور اکثر حضور رات کو باغ یا قبرستان میں چلے جایا کرتے تھے۔ اس روز باغ کا باغبان آیا اور کہنے لگا حضور ایک شخص میرا دشمن ہے اس نے مجھ پر موٹھ چلائی ہے۔ فرمایا کہ موٹھ کیا ہوتی ہے؟ کہا حضور جادو ہوتا ہے، کچھ پڑھ کر ہنڈیا میں بند کر دیتے ہیں اور جس پر وہ پڑتی ہے وہ بیمار ہو کر مر جاتا ہے۔ فرمایا اچھا تو ہمارے پاس بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا اور موٹھ آتی ہوئی اس کو دکھائی دی۔ کہا حضور وہ چلی آ رہی ہے اب مجھے مار دیں گے۔ آپ نے جس ہاتھ میں تسبیح تھی اسے پھیلا کر اور کسی قدر اونچا کر کے فرمایا اِس کے نیچے آجا۔ وہ اُس کے نیچے آبیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ موٹھ بھی قریب آ گئی۔ حضور نے ہاتھ کا اشارہ کیا وہ دور جا گری اور پھٹ گئی اور اس میں سے دو بلیاں نکل کر بھاگ گئیں۔ صبح کو دو شخص ہندو آئے اور عرض کیا کہ حضور ہمیں مسلمان کر لیں۔ حضور نے فرمایا تم نے کیا بات دیکھی جو مسلمان ہونے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ رات ہم نے ایک شخص پر موٹھ چلائی تھی۔ اس موٹھ کا خاصہ یہ ہے کہ یا تو جس پر چلائی جاوے اس کو مارے گی اگر وہ نہ ملے تو لوٹ کر چلانے والے کو مارتی ہے۔ حضور نے ایسا کیا کہ نہ اس کو ہی نقصان پہنچا نہ ہم کو ہی کچھ تکلیف ہوئی، اس واسطے ہم جان گئے کہ مسلمانوں کا دین بڑا سچا اور پکا ہے۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں کو مسلمان کر لیا

اور وہ چلے گئے۔

نقل ہے کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا ایک مرید مست کسی جنگل میں یادِ خدا کرتا تھا۔ ایک شیر جنگل سے بھاگتا ہوا اس کے پاس سے گزرا۔ شیر کے پیچھے ایک سکھ رئیس شکار کھیلتا ہوا آیا اور مست کے پاس سے گزرا۔ مست نے اٹھ کر شیر کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا، خبردار! یہ شیر ہمارے جنگل کا ہے اس کو نہ مارنا۔ اور شیر سے کہا اُدھر نہ جایا کر۔ رئیس خوفزدہ ہو کر چلا گیا۔ یہ خبر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کو پہنچی۔ پھر وہ مست آیا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ او مَست! ایسا نہ کیا کر، ایسی باتوں سے درویش فتنۂ خلق ہو جاتا ہے۔ اور وہاں سے اس کو پھر اور جنگل میں بھیج دیا۔

نقل ہے کہ ایک شب حضور کے مکان پر ایک چور چوری کے لئے آیا۔ ہر چند مکان پر چڑھنا چاہا کہ اوپر جا کر چوری کرے مگر چڑھا نہ گیا۔ جب لاچار ہو گیا تو حضرت صاحب علیہ الرحمتہ باہر تشریف لائے اور اس سے فرمایا کہ بھائی تو ویسے ہی کچھ روٹی وغیرہ لے لے۔ باقی زیور، نقد روپیہ، پارچات وغیرہ یہاں نہیں ہے جو تو چُراوے۔ وہ بہت ہیبت زدہ ہوا اور حضور کے پاؤں مبارک پر گر پڑا اور چوری سے مطلقاً توبہ کر کے نامِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔

نقل ہے کہ حاجی کریم بخش جو آپ کے درویشوں میں تھے اور اب تک زندہ ہیں ایک بار حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کسی بات پر ان سے گھبرا گئے۔ وہ وضو کرا رہے تھے۔ غصّے میں فرمایا او کریم بخش جا کنوئیں میں گر پڑ۔ تھوڑی دیر کے بعد حاجی کریم بخش مشک لے کر بارو کے کنوئیں پر پانی لینے گیا۔ ڈول جو لٹکایا تو واقعی کنوئیں میں گر پڑا مگر چوٹ بالکل نہ لگی۔ ادھر شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا او ہو کریم بخش تو کنوئیں میں گر گیا۔ مگر خیر لوگوں نے جلدی ہی حاجی کریم بخش کو باہر نکالا۔ وہ مشک بھر کر بڑی دیر کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے۔ فرمایا او کریم بخش اتنی دیر کہاں لگائی؟ عرض کیا حضور میں کنوئیں میں گر پڑا تھا۔ فرمایا چوٹ تو نہیں آئی۔ اس نے کہا آپ نے ہاتھ پر تھام تو لیا تھا پھر چوٹ کیسے لگتی۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ   تیرِ جستہ را باز گر داند ز راہ

ترجمہ:۔ اولیاءاللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی طاقت عطا ہوتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لا سکتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضور ڈیرہ بسی سے پرے رائے پور کے قریب کسی گاؤں میں جذب و مستی کے عالم میں تھے۔ یہ حضور کا عام حکم تھا کہ کوئی شے کھانے پینے کی ہمارے پاس کھلی نہ لایا کرو۔ ایک شخص کھلا پانی لے کر چلا آیا۔ حضور کی زبان مبارک سے نکلا کہ تو اندھا ہے، جانتا نہیں کہ کھلا پانی نہیں لایا کرتے ؟ وہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ اِس کے بعد حضور کو ہمیشہ اس کا خیال رہا اور اگر کسی سے خلافِ طبع حضور کوئی کام ہو جاتا تو یہ فرماتے کہ بے خبر ہیں۔ بات نہیں سمجھتے اور کوئی کلمہ نہ نکالتے۔ ہر وقت زبان کی بہت احتیاط رکھتے کہ کوئی کلمہ نقصان دہ نہ نکلے۔ چونکہ آپ کی سیف زبانی کا یہ حال تھا کہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا فوراً اسی طرح ظہور ہو جاتا تھا اس لئے حضور زبان سے کوئی کلمہ نکالنے میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔



فصل پنجم

تصرفات و مقامات

نقل ہے کہ انبالہ میں کادے شاہ نامی ایک مجذوب رہا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک اور مجذوب آ گیا اور اس نے انبالہ میں رہنے کا ارادہ کیا۔ کادے شاہ کہتا تھا میں رہوں گا اور وہ دوسرا کہتا تھا میں رہوں گا۔ مجبور ہو کر ایک روز کادے شاہ نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ حضور فلاں مجذوب مجھے یہاں رہنے نہیں دیتا، آپ فرمایئے میں کس جگہ جاؤں؟ آپ نے فرمایا جا وہیں جا بیٹھ، وہ آپ ہی چلا جائے گا۔ چنانچہ کادے شاہ وہاں پہنچا تو اس مجذوب نے کہا اچھا بھئی زبردست نہیں رہنے دیتا۔ لے اچھا ہم جاتے ہیں، چنانچہ وہ چلا گیا۔ کادے شاہ کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ ننگا رہتا تھا صرف ایک لنگوٹی رکھتا تھا، مگر جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ اس طرف کو نکلتے تو کپڑا اوپر لے لیتا اور کہا کرتا کہ مولوی صاحب تشریف لے آئے ہیں ان کی تعظیم کرنی چاہیے۔ اور آپ کی بہت ہی تعظیم کیا کرتا اور حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی کادے شاہ کی تعریف فرمایا کرتے۔ فرماتے کہ یہ کادے شاہ کامل مجذوب ہے اور جب ہم اس کے پاس آ کر کھڑے ہوا کرتے تھے تو ہمارے لطائف میں جوش ہو جاتا تھا۔

نقل ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت آپ باہر تشریف لائے۔ ایک کالا سا مجذوب جس کے منہ سے رالیں یعنی لعابِ دہن ٹپک رہا تھا حاضر ہوا اور کہنے لگا حضور مجھے وہاں سے اٹھا دیا ہے اور میری جگہ ایک اور کو لا بٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ جا تو اپنی جگہ جا بیٹھ اسے اور جگہ بھیج دیتے ہیں۔ وہ چلا گیا۔ فرمایا یہ کسی چھوٹی سی بستی کا قطب تھا۔ کسی قطب کی رنجش کی وجہ سے یہ ہٹا دیا گیا تھا۔ شکل وشباہت اور طرزِ گفتگو سے وہ مجذوب جنگلی معلوم ہوتا تھا کیونکہ جنگل کی بولی بولتا تھا۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک شخص پٹیالہ کا باشندہ حضور شاہ صاحب کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور بہت گریہ وزاری کے ساتھ عرض کیا کہ حضور میرے چار پانچ گاؤں ملکیت کے تھے وہ بخشی نے چھین لئے اور میری گرفتاری کے واسطے وارنٹ جاری کرا رکھے ہیں۔ وزارت میں اپیل کیا تھا وہاں سے میری گرفتاری کا حکم جاری ہو گیا۔ اب سوائے حضور کے دربار کے میرا کہیں ٹھکانا نہیں، میں اسی دروازہ پر ہمیشہ پڑا رہوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا ٹھہرے رہو۔ چنانچہ وہ تقریباً پندرہ

روز ٹھہرا رہا۔ پھر فرمایا جا تو سیدھا اپنے گھر چلا جا اللہ تعالیٰ سب کام ٹھیک کر دے گا اور تاکید فرمائی کہ کہیں ٹھہرنا مت، اِسی وقت سیدھا پٹیالہ جا۔ وہ حسب الارشاد چلا گیا اور راجہ کے ہاں ایک معمولی سا سوال دیا وہ منظور ہو گیا۔ اور راجہ نے اس کے حاکمِ بالا کو حکم دیا کہ اس شخص کو ابھی راضی کر ورنہ تو دیکھے گا جس طرح ہم تجھ سے پیش آئیں گے۔ غرضیکہ بہت دھمکایا۔ چنانچہ اس حاکم نے اس کو راضی کیا اور اس کے تمام گاؤں وغیرہ اسے واپس دے دیئے۔ آخر وہ خوش خوش واپس آیا اور لنگر کے واسطے سات سو بیگھ زمین دینے لگا اور مجھ کو درمیان میں سفارشی بنایا۔ میں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے عرض کیا۔ فرمایا ''ہوں ہوں'' ہمارے سامنے اِس قسم کی باتیں مت کیا کرو۔ پھر میں نے مدرسہ کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا وہ قدیم ہے اور دنیا اور اس کی سب چیزیں فانی ہیں۔ ہمارا بھروسہ اس قدیم پر ہے اور لنگر و مدرسہ کو بھی ہم اسی کے بھروسے پر رکھتے ہیں۔ آخر کار وہ زمین ہرگز منظور نہ فرمائی۔

نقل ہے کہ ایک مسلمان ڈپٹی انسپکٹر جو حضور کا بڑا مخلص مرید تھا ایک بار وہ اور اس کی بیوی حضور کے سلام کے واسطے آئے۔ وہ یکہ میں سوار چلے آ رہے تھے اور حضور باہر تشریف فرما تھے۔ یکا یک اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تو وہیں کھڑا رہ، نہ ہم تیرا نذرانہ لیتے ہیں نہ تجھ سے ملتے ہیں، جا چلا جا۔ وہ غریب مایوس ہو کر رونے لگا۔ درویش جو وہاں موجود تھے انہیں خیال آیا تو ان میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور کوئی صورت اس کے واسطے فرمائی جاوے، یہ بڑا مخلص اور محبت والا اور عاشقِ پیر ہے، اس کو بڑا سخت صدمہ ہوا ہے۔ حضور خاموش کچھ سوچتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے کہ اگر یہ کتا اور چمار اسی طرح بیٹھے رہیں اور یہ اسی طرح یکہ سمیت اس گلی سے گزر جائے تو لے لیں گے۔ صورتِ موقعہ یوں تھی کہ جنوب سے شمال کی طرف تو گلی جاتی تھی اور گلی کے عین کنارے پر غرب کی جانب چمار بیٹھا ہوا تھا اور شرق کی جانب کُتا اب ہم سب حیران ہوئے کہ کیا کیا جائے۔ چمار تو خیر انسان ہے اس کو کہہ دیا جائے کہ وہ بیٹھا رہے مگر کُتے کا کیا علاج؟ آخر جب یکہ کو لانے لگے تو کُتا اٹھ کر چلا گیا۔ حضور نے فرمایا افسوس، اس کُتے کو لاؤ ورنہ کام بگڑ جائے گا۔ آخر درویش گوشت وغیرہ دکھا کر اس کتے کو لائے اور بٹھا کر ایک چمار کو پکڑا دیا پھر یکہ نکالا۔ جب وہ نکل چلا تو فرمانے لگے کہ بس اب خیر ہو گئی۔ اللہ تیرا شکر ہے۔ اس سے نذرانہ بھی لے لیا۔ دو تین روز کے

بعد وہ رخصت ہوکر اپنے کام پر واپس چلا گیا۔ اس وقت تو سب کے سب اس خیال کو یونہی سمجھتے رہے مگر جب وہ اپنے تھانہ میں گیا تو اس نے خط لکھا کہ ٹھیک اسی وقت جبکہ اس کا یکہ انبالہ پہنچا تھا اس پر ایک سنگین معاملہ ہوگیا جس میں بڑا سخت خطرہ تھا اور وہ معطل کر دیا گیا۔ چنانچہ تھانہ میں حکم بھی آچکا تھا مگر جب وہ تھانہ میں پہنچا تو اسی وقت دوسرا حکم آ گیا کہ غلطی سے پہلا حکم دیا گیا تم بدستور اپنے عہدہ پر قائم رہو۔ تب اس کی حکمت معلوم ہوئی کہ وہ بلا اس کُتے اور چمار پر ٹل گئی تھی۔

نقل ہے کہ ایک روز نابھہ یا پٹیالہ کی ریاست کا ایک سکھ آیا، بے قراری اور گریہ وزاری میں مصروف۔ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضور میری تمام زمین کے اندر نہر گزر گئی اور اس کا مجھے کچھ معاوضہ نہیں دیا گیا۔ میں عیال دار اور غریب ہوں میرا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اب نہایت عاجز و مجبور ہوکر اور بے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کیونکہ نہر کا کھدنا شروع ہوگیا۔ حضور نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی الٰہی گو یہ سکھ ہے اور بے دین ہے مگر مجھے تیرا سمجھ کر میرے پاس آیا ہے اب تو جان۔ اور بہت ہی عجیب حالت اس وقت ہوئی۔ تھوڑی دیر کے مراقبے کے بعد فرمایا کہ جا بہتر ہوگا۔ وہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آیا اور عرض کی کہ حضور حکامِ نہر کا ارادہ بدل گیا مجھے درخواست بھی نہ دینی پڑی اور نہر انہوں نے خود بخود ہی وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف کو کھود دی اور یہ سب حضور کی دعا کی برکت ہے۔ چنانچہ اب اسی طرف کو جاری ہے۔

ایک تحصیلدار جو خاص انبالہ میں تعینات تھا اس نے بیان کیا کہ میرے پاس ایک مقدمہ کسی گاؤں کا دائر تھا۔ ان میں سے ایک فریق جو حق پر تھا وہ شاہ صاحب سے ملنے والا تھا اور میں نے دوسرے فریق سے رشوت لی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ مقدمہ اس کو دوں۔ پہلا فریق حضرت شاہ صاحب کے پاس گیا اور دعا چاہی تو حضرت شاہ صاحب نے اپنی عادت کے موافق، کہ ہمیشہ اہلِ مقدمہ کے بارہ میں آپ کی فقط یہی دعا ہوا کرتی تھی کہ خدا حق کرے، یہی دعا کی۔ انہوں نے بَقَسم عرض کیا کہ حضور ہم حق پر ہیں اور تحصیلدار نے رشوت لے لی ہے۔ حضور نے مکاشفہ کے ذریعہ سے ان کا حق پر ہونا اور میرا رشوت لینا معلوم کرلیا۔ سردی کا موسم رات کے وقت میں تختے بند کئے ہوئے اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ اچانک آدھی رات گزرے حضور شاہ صاحب تشریف لائے اور مجھے بیدار کر کے فرمایا کہ خبردار جو فلاں مقدمہ میں ان کے خلاف حکم کہا ورنہ تحصیلداری سے جاتا

رہے گا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ رشوت کے روپے واپس کر، یہاں حکومت ہماری ہی ہے۔ یہ کہہ کر حضور غائب ہو گئے۔ میرے مکان کے اندر تین دروازے تھے ایک ڈیوڑھی کا، دوسرا صحن کا، تیسرا اندر مکان کا اور پہرا بھی کھڑا تھا۔ میں نے اٹھ کر تمام دروازے دیکھے، بدستور بند پائے۔ خوف ہوا۔ چنانچہ میں نے رشوت کے روپے واپس کر کے حق حق فیصلہ کر دیا۔

نقل ہے کہ پیر جی امداد حسین سکنہ انبالہ شہر سجادہ نشین شاہ عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب سے بیعت تھا مگر ورد و وظائف وغیرہ فرمودۂ آنحضرت بہت ہی کم کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ بیمار ہوا اور سکراتِ موت اس پر طاری ہوئی۔ اس وقت اس نے ایک آدمی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کی حضور میری مدد و دستگیری کا یہ وقت ہے حضور میری خبر لیں۔ حضور نے سائیں عبدالکریم عرف مغلی شاہ کو پانی پر دم کر کے دیا اور فرمایا کہ تین چُلّو اس کو پلا دو اور کلمہ شریف پڑھاؤ۔ چنانچہ بھائی مغلی شاہ صاحب نے جا کر وہ پانی سیپی میں ڈال کر تین سیپیاں اس کو تین دفعہ کر کے پلائیں اور کلمہ شریف پڑھایا۔ کلمہ شریف کا پڑھانا تھا کہ پیر جی کے تمام بدن میں کلمہ جاری ہو گیا اور اخیر وقت اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر روح بدن سے جدا ہوئی۔ بعد وفات بدن پر پسینہ تھا اور آدھ گھنٹہ تک برابر حرکت کلمہ شریف کی بدن میں محسوس ہوتی رہی۔

یہ میرا مشاہدہ ہے کہ سائیں محمد علی شاہ جو آپ کے پیش امام اور لنگر کے منتظم تھے بیمار ہوئے۔ جب ان کا وقت اخیر ہوا تو حضور علیہ الرحمۃ نے حسبِ عادت اس کو فرمایا کہ محمد علی شاہ نماز کی نیت کر لے۔ اس نے نماز کی نیت باندھی مگر بوجہ غفلت کے سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ کی جگہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بڑے زور سے اور بڑی دیر تک یہی پڑھتا رہا یہاں تک کہ روح بدن سے نکل گئی۔ تقریباً تین چار بجے رات کے ان کا وصال ہوا تھا۔ صبح کی نماز کے وقت بموجب فرمان حضرت علیہ الرحمۃ میرے پاس مسجد میں، جس جگہ میرا قیام تھا، مولوی عبدالرحیم صاحب نے جا کر کہا کہ بھائی محمد علی شاہ کا انتقال ہو گیا چلو ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کریں۔ میں اسی وقت حاضر ہوا تو حضور علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ مولوی صاحب! کل خواب میں ہم نے درویش کی قبر نکلتی دیکھی تھی سو محمد علی شاہ کا انتقال ہو گیا، جاؤ اس کے کفن وغیرہ کی تجویز کرو۔ میں نے جو اس کو جا کر دیکھا تو بدن سے پسینہ جاری تھا

اور گرم تھا، نبض چل رہی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اس کا بدن تو گرم ہے اور پسینہ جاری ہے کس کو دفن کریں؟ فرمایا کہ فوت تو ہو چکا ہے خیر اگر تم کو ظن ہے تو حکیم کو دکھلا دو۔ حکیم کو بلا کر دکھلایا تو اس نے نبض دیکھ کر کہا گو بدن سے پسینہ جاری ہے اور گرم ہے نبض بھی حرکت میں ہے مگر یہ تمام کام جان کا نہیں، نہ اس میں جان ہے یہ تو کوئی اور ہی طاقت ہے کہ جس کے باعث یہ حالت ہے۔ جب حکیم دیکھ کر چلا گیا تو میں نے حجرہ میں جا کر عرض کیا کہ حضور حکیم کہتا ہے کہ جان تو نکل گئی یہ کوئی اور جان ہے۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر حجرہ سے باہر تشریف لائے اور جس حجرہ میں سائیں محمد علی شاہ کا جنازہ تھا اس کے دروازہ پر باہر ہی سے کھڑے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ بلّے بلّے بلّے نور موجیں مار رہا ہے۔ مولوی صاحب! فقیر کی موت اسی طرح ہوا کرتی ہے اور یہ یار کے وصل کی گرمی ہے۔ آخر بڑی دیر کے بعد جسم ٹھنڈا ہوا اور احاطہ شاہ عبدالرسول میں دفن کرنے لگے۔ جب لحد کے اندر اس کو رکھ دیا تو اس کی عجیب ہی کیفیت ہوئی اور بے حد انوار اس پر برسنے لگے۔ قبر سے جنوب کی طرف میں اور حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہوئے تھے اور حضرت صاحب علیہ الرحمتہ اس پر فیض ڈال رہے تھے۔ آپ کے چہرہ پر کسی قسم کا رنج وغیرہ نہ تھا اور بھائی محمد علی شاہ کے جسم پر مختلف کیفیتیں اور حالتیں وارد ہو رہی تھیں۔ ایک رنگ جاتا تھا دوسرا آتا تھا۔ بڑی دیر کے بعد فرمایا شکر ہے کہ محمد علی شاہ کا کام پورا ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فقیر کو اتنی طاقت دی ہے کہ قبر میں بھی مقامات طے کرا دے۔ اس وقت کی حالت محمد علی شاہ کی دیکھ کر پھر حضور نے فرمایا کہ فقیر کی موت بھی بیاہ ہے۔ تمام مقامات اس کے موت کے ساتھ ہی کھل گئے ؎

صحبتِ شاں خاک را اکسیر کرد
لطف شاں بر ہر دلے تاثیر کرد

ترجمہ شعر:۔ ان کی صحبت مٹی کو کیمیا بنا دیتی ہے۔ ان کی نوازشات ہر دل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو مقامات اس کے باقی رہ گئے تھے وہ توجہ میں حضور نے پورے کر دیئے۔ بعد ازاں فرمایا کہ ہمارے پیر بھائی سائیں عبداللہ شاہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ عبداللہ شاہ دفن وغیرہ کے بعد کئی روز تک ان کی قبر پر جاتے اور ان کی روح پر تصور کر کے اسمِ ذات پڑھتے رہے۔

چنانچہ ان کی والدہ کو قبر ہی میں فیض ہو گیا تھا اور ان کی روح قبر میں ہی ذاکر ہو گئی تھی۔

اور ایک میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر کوئی شخص حضور کے ہاں تین روز تک لنگر میں رہا اور صحبت میں بیٹھا تو اس کی ظاہر صورت میں خوبصورتی آ جاتی تھی۔ اور اچھے امراء اور شائقین لوگوں کی زبان معلوم ہوا کہ جو مزہ اور لذت حضور کے لنگر کی روٹی کو بلا خواہش و بھوک کے بھی جس قدر چاہی کھالی کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی اور اندر جا کر اس روٹی نے بہت اصلاح اور درستی کی۔ اور خاندانوں کے بعض درویشوں نے کئی مرتبہ مجھ سے ذکر کیا ہے کہ اگر ہمارا کوئی مقام بند ہوا اور کسی طرح نہیں کھلا اور اتفاقیہ ہم نے یہاں آ کر لنگر کا کھانا کھایا تو فوراً وہ مقام کھل گیا۔ اور بہت سے درویشوں کو قبض[1] واقع ہوتا تھا تو یہاں لنگر میں آ کر کھانا کھاتے اور قبل اس کے کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے ذکر کیا جائے یا حضور اس کی طرف توجہ فرماویں صرف وہ کھانا کھانے سے ہی قبض دور ہو کر فیضان کُھل جاتا تھا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ درویش و مسافر بہت سے لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ حضور حجرے سے باہر تشریف لائے ان کو کھاتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ لوگ کھاتے رہے تو حضور نے فرمایا کہ یہ نور ہی نور ہے کھاؤ خوب کھاؤ۔ تو ایک ایک آدمی نے آٹھ آٹھ دس دس بلکہ ایک نے تیرہ روٹیاں کھائیں اور ان کو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوئی بلکہ بہت نے یہ کہا کہ ہم کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ اس لنگر کی روٹی کا خاصہ دیکھا ہے کہ جس نے کھالی اکثر اس کا جو مرض ہوا جاتا رہا اور اب بھی اس میں یہ بات موجود ہے۔

حضور کے لنگر میں عام قاعدہ مساوات کا تھا۔ امیر غریب سب کے واسطے ایک کھانا، روٹی اور مسور کی دال تھی۔ جمعرات کو میٹھے چاول اور گوشت روٹی ہوتی تھی اور سب کو یہی ملتی تھی۔

ایک دفعہ ایک ڈپٹی جو پہلے مرزا قادیانی کا مرید تھا عقیدۃً حضور علیہ الرحمتہ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور لنگر کا کھانا کھا کر میرے پاس آیا۔ میں اس وقت حدیث شریف پڑھا رہا تھا۔ آ کر کہنے لگا کہ یہ دال کس چیز کی ہوتی ہے جو لنگر میں پکائی جاتی ہے؟ میں نے کہا مسور کی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ مسور یہاں مِل سکتی ہے یا کسی اور ملک سے آتی ہے؟ میں نے کہا کہ یہیں بازار سے

---

[1] قبض سے مراد انوارات کے ورود اور اسرار کے انکشافات کا ظاہر نہ ہونا ہے۔

خریدی جاتی ہے۔ اس نے کہا مجھے قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں بہت ہی خوش خوراک ہوں اور کثیر تنخواہ باورچی کو دیتا ہوں اور ہمیشہ عمدہ ہی کھانے تیار کراتا ہوں مگر مجھے کبھی ایسی لذت ان کھانوں میں نہیں آئی جو یہاں کی اس روٹی اور دال میں ہے، اس کا خمیر ہی عجیب ہے۔ میں نے کہا یہاں کے خمیر اور مصالحوں میں نور ہے۔ اس کی لذت تمہارے کھانوں میں کہاں۔

ایک عجیب بات اس لنگر خانے کی یہ ہے کہ یہاں زائرین جتنے دن رہتے تھے وہ اگرچہ کئی کئی دفعہ اور بکثرت کھانا کھاتے تھے کیونکہ ہمیشہ افراط سے کھانا لنگر میں رہتا تھا مگر کبھی زائرین میں سے کوئی بیمار نہیں ہوا بلکہ باہر سے بھی بیمار ہو کر آیا اور یہاں رہ کر کھانا کھایا اور تندرست و راضی ہو گیا۔

اور کئی دفعہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ رات ہم نے بڑی بلیّات اس محلہ میں سے نکالیں پھر اس دوسرے محلہ میں چلی گئیں، پھر وہاں سے مار مار کر نکال ڈالیں، پھر اور جگہ چلی گئیں، وہاں سے بھی نکالیں۔ بس اب خیر ہو گئی سب نکل گئیں۔ میں نے پوچھا کہ حضور وہ کیسی ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے قد کی ہوتی ہیں اور بدصورت بھی۔ وہ آ کر لوگوں کو چمٹ جاتی ہیں اس کو ہیضہ و تپ کہنے لگ جاتے ہیں۔ جب یہ بات ہوا کرتی تو حضور اکثر لوگوں کو صدقات وغیرہ کی طرف متوجہ فرماتے۔ اور فرمایا کرتے کہ ہم شہر میں بازاروں میں سوتے ہوئے لوگوں کو ہمیشہ دیکھ آتے ہیں کوئی ذکر میں مشغول ملتا ہے اور کوئی کچھ کام کرتا ہے اور کوئی کچھ کام کرتا ہے۔ یہ میرے مشاہدہ کی بات ہے کہ جب تک حضور حیات رہے تو انبالہ میں وبا وغیرہ بہت کم آئی اور اگر آئی بھی تو جلدی جاتی رہی۔

ایک دفعہ پاؤں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مراقبہ میں تو تم بڑے بڑھے ہوئے ہوتے ہو اور دور دور کی سیر کرتے ہو اب کیوں نہیں چلتے۔ پھر خود ہی فرمایا رُوح کے پاؤں ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں حافظ مسلم والی مسجد میں رہا کرتا تھا اور کبھی تو وہیں جمعہ پڑھاتا تھا اور کبھی کبھی آپ کی مسجد میں جا کر بھی جمعہ پڑھا دیتا تھا لیکن آپ کو اکثر میں ہی جمعہ پڑھاتا تھا۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کبھی دوسری مسجد میں جمعہ پہلے ہو لیتا تھا تو آپ وہیں تشریف لا کر جمعہ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ وہیں حافظ مسلم والی مسجد میں جمعہ پڑھنے تشریف لائے۔ بعد نماز آپ پر حالتِ استغراق طاری ہوئی۔ اس حالت میں اکثر آپ کے پاؤں زمین پر ٹھہرا نہیں کرتے تھے اور درویش دونوں طرف سے آپ کے مونڈھے پکڑ کر چلایا کرتے تھے اور ایک عجیب

مستی کی حالت ہوتی تھی۔ میں نے حسبِ معمول آپ کا مونڈھا پکڑ لیا۔ جب وہاں سے آپ سڑک پر پہنچے اور پُلی پر سے نیچے اترنے لگے تو سامنے سے پچاس ساٹھ آدمیوں کا گروہ آرہا تھا، وہ سب کے سب آپ کی صورت دیکھ کر آپ کے پاؤں میں سجدہ میں جا پڑے۔ میں نے ان کو سخت دست کہا اور بڑے غصّہ سے کہا کہ تم مشرک ہوگئے۔ پھر بعد میں میری نظر بھی آپ کی صورت پر جا پڑی۔ فوراً میں بھی بے اختیار سجدہ میں گر گیا۔ تقریباً پانچ ہی منٹ کے بعد آپ کو ہوش آ گیا اور ہوش کے آتے ہی سب کے سب سجدہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آج تو ہم سب سے بڑا سخت گناہ ہوا ہے۔ فرمایا کیا؟ میں نے عرض کیا ہم سب نے آپ کو سجدہ کیا حالانکہ یہ شرک ہے۔ اور آپ سجدہ سے سخت ناراض ہوا کرتے تھے۔ فرمایا تمہیں مجبوری تھی اور اس کی وجہ اور ہی تھی۔ وہ جو حقیقتِ کعبہ کی جاہ وجلال والی تجلّی کعبہ شریف پر وارد ہوتی ہے آج ہم اس حقیقت کا فیضان لے رہے تھے۔ وہ فیضانِ عشق پکتے پکتے حقیقتِ کعبہ ساری ہی ہم پر وارد ہوگئی تھی۔ اس تجلّی کا یہ خاصہ ہے کہ زبردستی لوگوں کو اپنی طرف سجدہ کراتی ہے، تو جو تجلّی مسجود الیہ کعبہ شریف پر وارد تھی وہی تجلّی یہاں تھی۔ یہ اس تجلّی کی کشش اور جبر کا اثر تھا کہ زبردستی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ کر سجدہ کرا لیا اور اس وقت جو کوئی سامنے آتا وہی بے اختیار سجدہ کرتا اور اب اس حقیقت کی بجائے دوسری حقیقت کا فیضان بدل گیا اس واسطے یہ سب لوگ سجدہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

فصل ششم

موازنہ با اکابر و سعادتِ ازلی

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہم نے خواب میں دیکھا کہ بوعلی شاہ قلندر اور میں ایک ہی حوض میں نہا رہے ہیں۔ انہوں نے ایک آدمی کو میرے سامنے کر کے فرمایا کہ آپ اس کا کام کر دیں۔ میں نے کہا اچھا۔ پھر میں نے بھی اپنا ایک آدمی ان کے سامنے کر کے کہا کہ آپ اس کا کام کر دیں۔ انہوں نے کہا اچھا۔ پھر جب ہم دونوں نہانے سے فراغت پا چکے تو بوعلی شاہ قلندر نے اپنا رومال میرے سامنے پیش کیا اور کہا لو اس سے اپنا منہ پونچھ لو۔ میں نے کہا جناب بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے مجھے اس سے معاف رکھیں۔ پھر قلندر صاحب بڑی محبت اور خوشی سے ملے اور معانقہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الرحمتہ مقامِ جذب میں انتہائی مرتبہ رکھتے تھے اور چونکہ سکر[1] سے صحو[2] میں آ گئے تھے اس لئے قلندر صاحب جیسے اکابر بھی آپ کے سامنے ادب کے ساتھ پیش آئے اور اپنا رومال منہ صاف کرنے کے لئے پیش کیا۔

پیر جی عنایت حسین صاحب لودھیانوی اور حاجی محمد علی رائے پوری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم ہمراہ شاہ صاحب علیہ الرحمتہ عرس شریف پر جالندھر گئے۔ حضرت حاجی صاحب مخدوم رحمتہ اللہ علیہ، آپ کے دادا پیر، نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کا مقبول آ گیا اب ہم کو کچھ فکر نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بزرگ جن کو مقبولِ خدا کا لقب حضور نے دیا ہے یہ کس مقام میں ہیں؟ اس وقت عمر مبارک حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی بہت ہی کم تھی۔ جواب میں فرمایا کہ ہم نے اپنے تمام مریدوں کے مقامات دیکھ لئے مگر اس کے مقام کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ یہ شخص اپنے پیر سے بھی اور دادا پیر سے بھی اور بہت سے بزرگوں سے بھی بڑھا ہوا ہے، اس کے مقام کا پتہ نہیں کہ اس کی سیر کہاں تک ہے؟ جہاں تک ہماری رسائی ہے اس سے بدرجہا آگے ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ شاہ آباد میں بہ مسجد کلاں افغاناں ٹھہرے ہوئے تھے وہاں مراقب ہو گئے۔ درمیان مراقبہ کے ایک درویش صاحب کمال رامپور کے رہنے والے نقشبندی سلسلہ کے آئے اور وہ بھی حضور کے ساتھ ہی مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ جب بڑی

---

1. سکر کے لفظی معنی ہیں بے ہوشی۔ تصوف کی اصطلاح میں وہ حالت جس میں کوئی شخص حال سے منسوب ہو کر دنیا و مافیہا سے عارضی طور پر بیگانہ ہو جاتا ہے۔
2. صحو۔ بیداری۔ یہ سکر کا متضاد ہے یعنی سکر سے واپس ہوش میں آنا یا ہوش میں رہنا

دیر کے بعد حضور مراقبہ سے فارغ ہوئے تو ان کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا کہ تم کس وقت آئے تھے؟ وہ کہنے لگا کہ حضور جس وقت آپ سیر کمالاتِ نبوت سے فارغ ہو کر کمالاتِ رسالت کی حالت میں تھے اس وقت آیا تھا۔ میں ایک دو مقامات تو آگے اور آپ کے ساتھ گیا مگر پھر آپ کا کچھ پتہ نہ ملا۔ آپ نے پوچھا کہ تم اچھے ہو۔ عرض کیا ہاں حضور راضی ہوں مگر میں نے یہ کمال کسی درویش میں نہیں دیکھا جیسا کہ آپ میں ہے۔ اس قدر تیز سیر مقامات کی کسی فقیر کو حاصل نہیں۔ آپ بڑے تیز اور بلند پرواز ہیں اور آپ کی رسائی بہت دور ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم اس کے عاجز مسکین سے بندے ہیں یہ اس کی غریب نوازی ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحبزادہ صاحب حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے چھاؤنی انبالہ تشریف لائے۔ حضور علیہ الرحمتہ کو بلایا تو آپ بوجہ آدابِ مرشدان پا پیادہ ان کی خدمت مبارک میں چھاؤنی تشریف لے گئے اور صاحبزادہ صاحب سے ملاقات کی۔ حضرت صاحبزادہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے پوچھا کہ شاہ صاحب یہ جو ایک نور کا دریا ہوتا ہے جس میں تمام زمین اور جہان کی کُل اشیا ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہیں کیا اس تک آپ کی سیر ہو چکی ہے؟ حضور نے فرمایا کہ میاں صاحبزادے! یہ تو عنصری تجلی عالمِ خلق کی ہے کوئی مقام نہیں جو اس نقیر پر اوّل ہی اوّل کھل چکا تھا۔ پوچھنا ہو تو کوئی عرش سے اوپر عالمِ امر کی بات دریافت فرماؤ۔ صاحبزادہ صاحب نے دو نفل پڑھ کر شکریہ ادا کیا اور کہا کہ شکر ہے اس مالک کا کہ ہمارے باپ دادا کے سلسلہ میں ایسے صاحبِ کمال موجود ہیں۔ بعد ازاں حضور ان سے رخصت ہو کر اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے تھوڑی دیر کے بعد بذریعہ سواری واپس انبالہ شریف تشریف لے آئے۔

پیر جی عنایت حسین صاحب لودھیانوی سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ آپ کے دادا پیر، فرماتے تھے کہ جس روز پہلے پہل ہی شاہ صاحب پر ولایت کھلی ہے تو پشاور سے بمبئی تک آپ کی ولایت کے تصرفات کا آوازہ دیا گیا تھا اور حاکمِ ہندوستان آپ کو پکارا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شاہ صاحب علیہ الرحمتہ پر ولایتِ صغریٰ کھلی تھی اور فرماتے تھے کہ برکات اس کے علاوہ ہیں ان کی تعداد ہی نہیں یعنی بے شمار ہیں۔ سچ ہے **السعید من سعد فی بطن اُمّہٖ**. (ترجمہ۔ سعید یعنی نیک بخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی نیک بخت ہو چکا ہو۔)

فصل ہفتم

توحید و غلبۂ نسبت اور کمالِ تکمیل

ارشاد: ایک روز علمِ توحید کے بارہ میں حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علمِ توحید جس پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہوتا ہے اس کو عنایت ہوتا ہے ورنہ علمِ توحید کا پورا حاصل ہونا مشکل ہے۔ ایک مرتبہ ہم کو سیر واقع ہوئی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت ہی بڑا دریا ہے اور بہت سی بڑی بڑی دستاروں والے مولوی اور ٹوپیوں والے صوفی اس دریا میں داخل ہوئے اور ہر ایک اپنی ہمت کے موافق پار نکلنے کے واسطے تیز رَو ہو رہا ہے۔ کوئی ٹخنوں تک چل کر بیٹھ گیا، کوئی پنڈلیوں تک چل کر رہ گیا، کوئی گھٹنوں تک پہنچ کر رہ گیا اور اسی میں مستغرق ہو کر ڈوب گیا اور پگڑی ٹیڑھی ہو گئی۔ ہم آگے بڑھے چلے جا رہے ہیں ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ علمِ توحید کا دریا ہے۔ اور یہ لوگ عالم اور صوفی ہیں یہ اس علم کو حاصل کرنے لگے تھے جہاں تک جس کی ہمت تھی حاصل کر لیا آخر تھک ہار کر رہ گئے۔ ہر چند کہ وہ دریا عمیق[1] عظیم اور بے کنار معلوم ہوتا تھا مگر ہم اس سے بہت جلدی پار ہو گئے کچھ بھی دیر نہ لگی اور سارا ہی طے کر لیا۔

نقل ہے کہ ایک درویش انبالے آئے ہوئے تھے، انبالہ میں ان کے کچھ مرید بھی تھے۔ میں عصر کے بعد حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت سے واپس جا رہا تھا جب میں اس چھوٹے سے پُل کے پاس پہنچا جو حضرت صاحب کے روضہ کے پاس غرب کی طرف واقع ہے تو وہ درویش بھی سامنے سے آ ملے اور مجھے خطاب کر کے کہا۔ مولوی صاحب آپ بڑے عالم و فاضل اور بڑے بزرگ ہیں آپ کے پیر عصر کی نماز دیر کر کے پڑھتے ہیں آپ انہیں نصیحت کریں۔ قرآن شریف میں آیا ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (ترجمہ۔ حفاظت کرو اپنی نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی) اور وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے اس کی حفاظت ضرور کرنی چاہیے۔ میں نے جواب دیا کہ اس حفاظت سے مراد فوت نہ ہونے دینا ہے یعنی نمازِ عصر کو فوت نہیں ہونے دینا چاہیے۔ باقی آپ وہاں جاتے ہی ہیں تقدیم و تاخیر کے بارے میں خود حضور میں ہی

---

[1] گہرا

عرض کردینا۔ وہ تو آگے نکل گئے اور میں بھی پھر واپس حضرت صاحب کی خدمت میں گیا لیکن تھوڑی دیر دانستہ اِس واسطے کی کہ مبادا حضرت صاحب کے دل میں میری طرف سے کوئی خیال گزرے۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ مارے ہیبت کے ان درویش صاحب کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ سوال کرسکیں اور بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ آپ نے خود ہی فرمایا یہ لوگ اچھے ہیں اور ان کو آسانی ہے۔ فقط قلبی ذکر کو فقیری سمجھ بیٹھے ہیں اور آگے قدم نہیں اٹھایا صرف اسی پر قناعت کرکے بیٹھ رہے۔ جب وہ حالتِ اس فقیر پر وارد ہوئی جو غوث بہاؤالحق ملتانی علیہ الرحمتہ پر وارد ہوئی تھی اور انہوں نے دو برس تک تہبند تک نہیں باندھا تھا اور بے ہوش جنگلوں میں پڑے رہتے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کو تہبند ہی بندھوا دیتا نماز کا تو کیا ذکر تھا۔ اِس فقیر نے اُس حالت میں بھی کبھی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ اس فقیر کی پرورش روحِ رسول اللہ ﷺ سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی رہی ہے کہ باوجود ان حالات کے ابتدا سے آج تک کبھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل اور روحِ رسول اللہ ﷺ کی پرورش ہی کی برکت ہے کہ کبھی نماز نہیں قضا ہوئی ورنہ ان مقامات میں حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی رحمتہ اللہ علیہ جیسوں کی نماز بوجہ سکرت اور غلبہء حال کے رہ گئی ہے۔ پھر بعد اس کے انہیں درویش نے حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ سے دعا کرائی کہ حضور آپ دعا فرمادیں کہ مجھے تہجد کی نماز نصیب ہو جائے تہجد کی نماز مجھ سے ادا نہیں ہوتی۔ فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ نماز تہجد نصیب کرے۔ پھر وہ تہجد کے پابند ہو گئے۔

اس پر آپ نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا مولوی صاحب ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل رہا ہے۔ جب ہم پر وحدتِ وجود کھلی اور وحدت کا ایک بے کنار دریا نظر آیا چاروں طرف ایک ہی ایک نظر آتا تھا اور وہ حالت ہوگئی تھی کہ جس حالت میں شیخ منصور علیہ الرحمتہ نے اَنَا الْحَقُّ کہا تھا۔ جوش کی حالت تھی اور مجھے اپنا وجود نہیں نظر آتا تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا وجود اس بے کنار دریا کا ایک قطرہ ہے اور وہ قطرہ پھر اس میں مِل گیا، محض وحدت ہی وحدت ہوگئی ہے۔ جب یہ حال وارد ہوتا تھا، میں اپنے بدن میں سوئیاں چبھوتا۔ جب سوئی کے چبھنے سے بدن کو تکلیف محسوس ہوتی تو کہتا کہ اگر تو خدا ہے تو سوئی کے چبھنے سے تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ خدا تعالیٰ تمام تکلیفوں سے پاک ہے، تو جس کو سوئی سے تکلیف نہیں پہنچتی وہی خدا ہے۔ پھر جب کبھی سوئی کے

چبھنے کی بھی تکلیف نہ ہوتی تو میں یہ حیلہ کرتا کہ آگ کا دہکتا ہوا انگارہ بدن پر رکھ دیتا۔ جب بدن سے لگتا اور اس کی تکلیف محسوس کرتا تو پھر کہتا کہ اگر تو خدا تھا تو اس آگ نے تجھے کیوں جلایا؟ بس معلوم ہوا کہ تو خدا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی ذات ان تمام جھگڑوں سے بری ہے۔ غرض اس زمانے میں ہمیں بڑی دقت پیش آتی تھی مگر اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا ہی فضل رہا اور حضرات خواجگان کی ارواح سے ایسی پرورش ہوئی کہ خدا تعالیٰ کی عنایت سے کبھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ خاص پرورش روحِ رسول اللہ ﷺ کے طفیل تھا کیونکہ ہم درود شریف بہت ہی کثرت سے پڑھتے تھے ورنہ اور کوئی اتنا نہ کرسکتا۔ بعض اوقات جب سوئی اور آگ کی انگارے سے بھی تکلیف نہ ہوتی تو ہم بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے کہ خداوندا تو وحدہٗ لاشریک اور بڑا ہی کارساز ہے تو ہی اپنی مدد بھیج اور میرے اوپر رحم کرتا کہ میں تیری نماز ادا کرلیا کروں، تو بے نیاز ہے۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دریائے بے کنار سے پار نکال کر شاہراہِ شہود پر ڈال دیا۔ پہلے تو ہم اسی کو ایک بہت بڑی چیز جانتے تھے مگر آگے چل کر معلوم ہوا کہ توحید کے آگے شاہراہِ شہود ہے۔

اکثر آپ کی عادت مبارک تھی کہ گیارہ بجے دن کے باہر تشریف لاتے اور ہوا کو چلتے اور درختوں کو جھومتے دیکھ کر فرماتے بلّے بلّے یہ درخت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور مست ہو ہو کر وجد کر رہے ہیں اور یہ سب یادِ الٰہی میں مستغرق ہیں۔ پھر فرماتے ہیں یہ جتنی چیزیں ہیں ان سب کی تار پتلی والے کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ ہلاتا ہے، تو یہ ہلتے ہیں اور نہیں ہلاتا تو نہیں ہلتے۔

نیز آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ گیارہ بجے دن کے باہر تشریف لاتے تو بعض اوقات زمین و آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے بلّے بلّے تیرے کتنے بڑے بڑے آسمان ہیں کتنی بڑی بڑی زمینیں ہیں۔ تو کتنا بڑا سمیع و بصیر، علیم و خبیر خدا ہے کہ ان سب چیزوں کی خبر لیتا ہے، اور ان سب کی حفاظت کرتا ہے۔ چیونٹی کی بھی تو خبر لیتا ہے، ہاتھی گھوڑا بھی تیری خبر سے الگ نہیں۔ تو بڑا ہی رب ہے، تیرے جیسا کوئی ربّ نہیں۔ پھر فرماتے تو بڑا ہی رحم والا رب ہے جو میرے جیسے مسکینوں کی بھی خبر لیتا ہے تیری رحمت اور ربوبیت بڑی ہی عام ہے۔ پھر نیم وا آنکھیں کر کے حق حق کرتے ہوئے استغراق میں ہو جاتے۔ میں جب ان الفاظ پر غور کرتا تو اس آیت کے موافق

نکلتے، اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (ترجمہ:۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے الٹنے پلٹنے میں نشانیاں ہیں ان عقل والوں کے واسطے جو ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر یعنی اپنے بستروں پر۔ اور جو فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور کہتے ہیں ''اے ہمارے پروردگار تو نے یہ سب کچھ باطل نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے سو ہمیں عذابِ دوزخ سے بچائے رکھنا''۔ واقعی وہ ذکر وفکر والا گروہ یہ اولیا اللہ ہی کا پاک گروہ ہے۔)

اس کے علاوہ آپ کی زبانِ مبارک سے ہم اور بہت سے الفاظ سنا کرتے تھے جو آپ شانِ الوہیت کی عظمت کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے۔

ارشاد: ایک روز تذکرۂ حضور حقائقِ توحید بیان فرمانے لگے اور فرمایا کہ ایک روز حضرت رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا جوش میں آئیں اور کہا کہ لوگ شرک کر رہے ہیں۔ کوئی امیدِ بہشت پر کوئی عذابِ دوزخ کے خوف سے یادِ الٰہی کرتا ہے حالانکہ یہ تمام چیز بمقابلہء دیدارِ الٰہی کے ہیچ ہیں۔ اور ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے میں آگ لے کر کھڑی ہوئیں اور قدم اٹھایا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کہاں تشریف لے جاتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ پانی دوزخ میں ڈال کر اسے بجھاؤں گی اور اس آگ سے جنت کو جلاؤں گی کیونکہ یہی دونوں شرک کرا رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا آپ خداوند تعالیٰ کی مشیّت کو بدلنا چاہتی ہیں؟ تو خاموش ہو گئیں۔

فرمایا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کا یہ فرمان حالتِ سکرت کا تھا ورنہ عقیدہ یہ نہیں تھا۔ پھر فرمایا کہ لذتِ دیدارِ خداوند تعالیٰ تمام نعما[1] سے افضل و اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف میں ہم نے ایک آیت سنی ہے کہ عاشقوں کو گروہ در گروہ جب بہشت کی طرف ہانک کر لے جائیں گے تو وہ نہیں جائیں گے اور کہیں گے کہ الٰہی ہم نے سنا ہے کہ وہاں بڑی نعمتیں اور لذتیں ہیں۔ ہمیں یہ لذتیں تیرے دیدار سے محروم کر دیں گی۔ خداوندا تو ہمیں دوزخ میں ڈال دے پر اپنا دیدار دے دے، ہم جنت میں ہرگز نہیں جائیں گے۔ حکم ہوگا کہ ان کو زنجیروں میں باندھ کر لے جاؤ۔ وہ گر پڑیں گے

1۔ نعمت کی جمع

اور نہیں جائیں گے اور روئیں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے میرے عاشقو! بہشت ہی میرے دیدار کی جگہ ہے تم وہاں جا کر میرا دیدار کرو۔ تو گو دگو دکر اور دوڑ دوڑ کر چلے جائیں گے اور وہاں جا کر لذتِ دیدارِ الٰہی دیکھیں گے اور اسی مشاہدہ کے نشے اور استغراق میں بے ہوش ہو کر ستر ہزار برس پڑے رہیں گے۔ حوریں دعا کریں گی کہ الٰہی جن کی خاطر تو نے ہمیں پیدا کیا تھا وہ تو ہماری طرف منہ بھی نہیں کرتے اور نہ ہم کو دیکھتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا ہم اپنے دیدار کی تجلیات تم پر وارد کرتے ہیں تب ان کا رخ تمہاری طرف ہوگا۔ تب وہ عاشقوں کا گروہ ذاتِ الٰہی کا دیدار دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوگا۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ آپ تو اللہ اللہ کرتے ہیں اور میں اس اللہ کے نقش کو دیکھ لیتا اور سجدہ کر لیتا ہوں کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لفظ اللہ کو کاغذ یا کسی اور چیز یا جگہ پر لکھ کر سجدہ کرنا کفر ہے۔ لفظ اللہ جو ہے وہ اللہ کا نام ہے، نام کو سجدہ کرنا درست نہیں، جس کا یہ نام ہے اس کو سجدہ کرنا چاہیئے۔ اور اللہ کے نام کو سجدہ کرنا کفر ہے کیونکہ جو ذات اس لفظ کا مصداق ہے وہ اللہ ہے یہ لفظ اللہ نہیں ہے، لفظ تمہارا لکھا ہوا ہے۔

نقل ہے کہ نمازِ مغرب کے بعد عین توجہ کے وقت ایک شخص حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت بابرکت میں آ کر عرض کرنے لگا کہ یا حضرت میں ذکرِ خدا بھی کرتا ہوں اور اس کے عذاب وغیرہ کو بھی بہت یاد کرتا ہوں مگر مجھے نہ کبھی رقت ہوتی ہے نہ رونا آتا ہے میرا قلب بہت ہی سخت ہے۔ حضور دعا کریں کہ میری سختیِ قلب دور ہو جائے اور رونا آیا کرے۔ ہر چند میں حیلے کرتا ہوں مگر کبھی رونا نہیں آتا۔ حضور علیہ الرحمۃ نسوار لے رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک نظر اس کی طرف کر کے فرمایا کہ تجھے رونا کیوں نہیں آتا؟ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ زار زار رونے لگا اور گریہ و رقت بے حد اس پر طاری ہوئی۔ آپ نے فرمایا تو ابھی تو کہتا تھا کہ مجھے گریہ نہیں ہوتا یہ اب کیا ہو گیا؟ عرض کیا کہ حضور جس وقت آنجناب نے میری طرف آنکھ اٹھا کر فرمایا کہ ''کیوں رونا نہیں آتا'' اسی وقت ایک نور آپ کی آنکھ سے میرے قلب میں پہنچا اور مجھے بے قرار کر دیا۔ اس شخص کی یہ حالت بہت عرصہ تک رہی اور ہمیشہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے روتا اور استغفار کرتا رہا۔

ایک روز ایک فقیر پاؤں میں لکڑی کے پوے ڈالے ہوئے آیا۔ حضور کی عادت مبارک تھی

کہ کبھی کبھی حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور جو شخص سامنے نظر آجاتا اس سے فرماتے کہ کس غرض سے آئے ہو کیا مطلب ہے، کیا کہتے ہو، جو کچھ کہنا ہو کہو۔ اس روز بھی حسبِ معمول باہر تشریف لائے۔ اتفاقاً وہ فقیر سامنے نظر پڑ گیا۔ اپنی عادت کے موافق فرمایا کہ کہو کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا حضور مجھے سونا بنانا سکھا دو۔ حضور جوش میں آ کر اور گردن پکڑ کر اس کو حجرہ کے اندر لے گئے اور بڑی دیر کے بعد حتیٰ کہ ظہر کا وقت بھی آخر ہو گیا تب باہر تشریف لائے۔ میں اس فقیر کو مسجد میں لے گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور عجیب حالت اس کی دیکھی کہ بولا نہیں جاتا تھا اور سکرت اس پر طاری تھی۔ مسجد میں جا کر اس سے پوچھا کہ بتا کیا کیفیت گزری؟ وہ کہنے لگا کہ مجھے حجرے کے اندر لے جا کر اور مصلّے کے نیچے سر دے کر ڈال دیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ سونے چاندی اور جواہرات کی نہریں جاری ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ میں نے عرض کیا کہ یہ حال ہے۔ فرمایا جا اور آگے چل کر دیکھ یہ نہریں کہاں سے آتی ہیں اور مجھے ایک دھکا اور دے دیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ ایک نوری تختہ پر لفظ اللّٰہ لکھا ہوا ہے اور اس کے ایک ایک حرف سے ایک ایک نہر جاری ہے۔ فرمایا دیکھ لے، اِس سے کیمیا آتی ہے اِس کو پکا۔ اور بعدہٗ قلب میں اللّٰہ لکھ کر مجھے توجہ دے دی۔ اب میرے بدن کے جوڑ جوڑ سے اللہ اللہ جاری ہے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں جنگل کو چلا گیا دنیا کی محبت اس کے قلب سے سلب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت جگہ پکڑ گئی اور کیمیا کی خواہش اس کے دل سے بالکل جاتی رہی اور نامِ خدا کی گرفتاری میں گرفتار ہو گیا۔ الحق ما قال المجدد السّرهندی رضی الله تعالیٰ عنه صحبة الشيخ الكامل المكمل كبريت احمر نظره دواء و كلمته شفاء و دونها خرطا لقتاد (ترجمہ۔ سچ فرمایا مجدّد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ شیخ کامل مکمل کی صحبت اکسیر ہے۔ اس کی نظر دوا ہے اور اس کا کلام شفا اور بغیر اس کے کانٹوں میں ہاتھ گھسیٹنا ہے۔)

اولیاء اطفالِ حق اند اے پسر ظاہری و باطنی بس با خبر

ترجمہ شعر: مخلوق (اولیاءِ کرام) اللہ کا کنبہ ہے اے بیٹے جو ظاہر و باطن سے خبر دار ہوتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک مسافر آیا بہت شکستہ حال، نہ بدن پر کپڑا، نہ پاؤں میں جوتا، بیمار اور بھوکا وہ چند روز حضور علیہ الرحمتہ کے ہاں رہا۔ بیماری زیادہ ہوگئی حتیٰ کہ سکراتِ موت شروع

ہوگئی۔ وہ کرب کی وجہ سے ''ہائے اماں ہائے اماں'' پکار رہا تھا۔ حضور باہر تشریف لائے، پوچھا کہ کون ہے؟ درویشوں نے اس کا حال بیان کیا۔ حضور علیہ الرحمتہ نے اس کی طرف جھک کر اور خیال کے ساتھ توجہ دے کر فرمایا کہ اماں سے اللہ تعالیٰ زیادہ رفیق ہے، تو اللہ اللہ کر۔ مسافر اللہ اللہ میں ایسا مستغرق ہوا کہ اس کا ہر ہر عضو ذکرِ اللہ کرنے لگا اور ایک دن رات برابر ذکر میں مستغرق رہ کر راہی ملکِ بقا ہوا۔ حضرت علیہ الرحمتہ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کرایا۔ وقتِ دفن اس پر انوارات کے نزول کا عجیب حال تھا اور انوارات اس پر خوب برس رہے تھے۔ پھر فرمایا دیکھا یہ اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہوا ہے کہ آدمی برے افعال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ دوزخ ایک بالشت بھر رہ جاتا ہے۔ پھر اس سے کوئی فعل ہو جاتا ہے کہ اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا اس کا ایمان سلب ہونے لگا تھا۔ ہمیں بڑی شرم آئی کہ ہمارے مکان پر بے ایمان مرے۔ ہم نے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے بڑی غریب نوازی کی کہ ہماری دعا قبول فرمائی اور اس کا ہمارے یہاں آنا یہی نیک عمل تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ جنازوں پر کم جایا کرتے تھے مگر اس کے جنازہ پر ساتھ تشریف لے گئے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہم اوائل عمر میں حافظ ضامن علی سکنہ تھانہ بھون سے ملے۔ وہ وجد بہت کیا کرتے تھے اور سماع خوب سنتے تھے۔ ہم اسی وجد کی حالت میں ملے تو انہوں نے ہم کو بغل میں لے کر بہت ہی دبایا اور کس کر گھوٹا اور تین مرتبہ بڑے زور کے ساتھ دبایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید ہم کو بھی وجد میں مستغرق کرنا چاہتے ہیں مگر ہمیں کچھ بھی نہ ہوا۔ ہم نے کان میں کہا کہ آپ خواہ کتنا ہی زور لگائیں ہمیں کچھ بھی اثر نہیں ہوگا۔ تو چھوڑ کر کہنے لگے واہ درویش تو بڑا زبردست ہے۔ اس وقت آپ کی عمر چھوٹی ہی تھی۔

ارشاد: ایک دن رسول اللہ ﷺ کی حضوری کا ذکر تھا۔ فرمایا جو نعمت کسی امتی پر وارد ہوتی ہے وہ رسولِ کریم ﷺ کے دربار سے ملتی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے دربار میں جانے کے واسطے تیار ہیں۔ دیکھا کہ ہم ایک حوض پر وضو کر رہے ہیں اس واسطے کہ پاک وصاف ہو کر رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوں۔ یہاں انبالہ میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے ان کا نام محمد سعید تھا۔ بڑے ہی متقی و پرہیزگار بزرگ تھے اور آپس میں ہماری

ان کی بہت محبت تھی۔ اسی حالت میں جب کہ میں وضو کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ وہی مولوی محمد سعید صاحب رسول اللہ ﷺ کے دربار سے میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ یاد فرمارہے ہیں کہ اس انبالے والے مست نے اتنی دیر کہاں لگادی۔ میں جلدی وضو سے فارغ ہو کر رسول کریم ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا۔ سیّد المرسلین ﷺ بہت خوش ہوئے اور اپنے سر مبارک کا تاج تو مجھے دے دیا اور خود نیا منگا کر سر مبارک پر رکھ لیا۔ میں نے لے کر پہلے تو اس کو بڑی محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس دن سے تکمیل ہوگئی اور مخلوقِ خدا کو بہت ہی ہدایت ہو رہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مقامِ تکمیل تھا اور اس روز سے ہم نے یہ عجیب بات دیکھی کہ جس کسی کو ہم درود شریف یا کوئی اور چیز بتلاتے ہیں وہ چھوٹنے نہیں پاتا۔ اس سے ہم نے معلوم کیا کہ یہ ارشاد کی نشانی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہمیں ارشاد عطا ہوا ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب اور دیگر مریدین کے علاوہ بہت سے اور درویش جو حضرت صاحب کے مرید نہ تھے بلکہ اور بزرگوں سے بیعت اور سلسلہ رکھتے تھے حاضرِ خدمت تھے۔ آپ نے مراقبہ کیا تو ان دیگر سلاسل کے درویشوں کو خیال آیا کہ ہم بھی مراقب ہو بیٹھیں دیکھیں تو سہی کہ حضرت شاہ صاحب کی سیر کہاں تک ہے کیونکہ وہ بھی سب کے سب مجاہد و مرتاض[1] درویش تھے اس خیال کے آتے ہی وہ سب بھی مراقب ہو بیٹھے۔ کوئی ولایتِ صغریٰ میں رہا اور کوئی ولایتِ کبریٰ میں، ولایتِ علیا تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ حقائق کا تو ذکر ہی کیا تھا کیونکہ وہ آگے بہت دور ہیں۔ حضور سب مقامات کو طے کرتے ہوئے آگے بہت دور نکل گئے۔ جب حضور نے مراقبہ سے فراغت پائی تو وہ درویش جو باہر کے آئے ہوئے تھے سب آپ کے قدموں میں گر پڑے اور آپ کے پاؤں چومے اور عرض کیا کہ حضور ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ آپ کے ساتھ اُڑ سکیں ہم تو یہیں رہ گئے۔

نقل ہے کہ ایک روز پیر جی عنایت حسین صاحب لدھیانہ والے جو حضرت علیہ الرحمتہ کے خاص مریدوں اور عاشقوں میں سے تھے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے عرض کرنے لگے کہ میں ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ جالندھر شریف والوں کی مجلس میں تھا۔ آنجناب کسی مرید کو ذکر تلقین فرمارہے تھے۔ بعدہٗ اس مرید نے عرض کیا کہ حضور میں اسی قدر ذکر کیا کروں یا زیادہ کر لیا

[1] ریاضت کرنے والا

کروں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ بھائی تم بھی اتنا ہی کرلیا کرو اور ہم بھی اتنا ہی کر لیتے ہیں۔ ہم سے توکل شاہ مست کی طرح چکی تو پسوائی نہیں جاتی ۔ وہ آپ بھی پیستے ہیں اور دوسروں سے بھی پسواتے ہیں اور اس سے کثرتِ ذکر و کثرتِ مشغولی مراد لیتے تھے۔ تو حضور علیہ الرحمتہ نے سن کر فرمایا کہ جس چکی کو ہم پیس رہے ہیں ظاہر و باطن اس کا آٹا خلقِ خدا کھائے گی بھی بہت۔ اور جو بہت پیستے ہیں ان کے کھانے والے بھی بہت ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ظہور ایسا ہوا کہ تمام جہان نے دیکھا۔ دکن کی طرف کے ایک بزرگ ایک دفعہ آپ کے حضور میں آئے تو دیکھ کر بے اختیار فرمانے لگے کہ یہ شبابِ توکل ہے یعنی توکل کی صفت پر پورا جوانی کا وقت آ گیا اس دربار میں۔

حاجی علی محمد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضور شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کو وضو کرا رہا تھا عشاء کا وقت تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب رائے پور کی طرف تشریف نہیں لے جاتے، حضور کے تشریف لے جانے سے بہت خلقت کو فیض تھا۔ فرمایا اس قطب تارے کو دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ فرمایا یہ کبھی اپنی جگہ سے ہلتا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اب ہمارا بھی یہی حال ہو گیا۔

نیز حاجی علی محمد رائے پوری سے منقول ہے کہ حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ جالندھر والے انبالہ تشریف فرما تھے اور حضور شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کا ایک درویش اجمیر شریف گیا ہوا تھا۔ حاجی صاحب علیہ الرحمتہ کو معلوم ہوا کہ فلاں درویش اجمیر گیا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مست کا ہم بڑا ادب کرتے ہیں کیونکہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور تمام بزرگان کی ارواح اس طرف متوجہ ہیں۔ میں تمام ارواح پاک کا فیض اس جگہ دیکھتا ہوں پھر وہ درویش اجمیر شریف کس واسطے گیا جب کہ سب کچھ یہیں موجود ہے۔

نقل ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور میاں بہادر علی شاہ صاحب ٹھسکہ والوں کی باہم بڑی محبت تھی۔ جب میاں بہادر علی شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا تو حضور جہلم پر ٹھسکہ تشریف لائے۔ چونکہ حضور کو بوجہ پابندی اپنے طریقہ کے سماع سے پرہیز تھا اور آپ قوالی نہیں سنتے تھے بدیں وجہ خانقاہ سے باہر آپ کا خیمہ پہلے ہی سے دور باغ میں لگایا گیا تھا۔ ایک فقیر کامل مست نہ معلوم کس جگہ سے وہاں آ گزرا اور دیکھ کر کہنے لگا کہ اس بابا کے اوپر بڑا فیض برس رہا ہے۔ حضور مراقب تھے، وہ بھی پسِ پشت بیٹھ کر فیض کھینچنے لگا۔ جب فیض کھینچتے کھینچتے بڑی دیر گزر گئی اور وہ فقیر

برداشت نہ کرسکا تو حضور کی پشت مبارک پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا کہ بابا بڑا ہی تکڑا یعنی زبردست ہے۔ چونکہ اس کے تھپکنے سے حضور کا خیال مراقبہ سے ہٹ گیا تھا، دھمکی کے طور پر فرمایا او تو یہ کیا کرتا ہے فیض جتنا جی چاہے لے لے۔ حضور کی اس دھمکی سے وہ مجذوب بے تحاشا اٹھ کر بھاگ گیا۔ پھر فرمایا یہ مجذوب بڑی جلدی سیر ہو جاتے ہیں طاقت ان کی تھوڑی ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ ابھی حضور علیہ الرحمتہ کی عمر کم تھی نابالغ تھے یا قریب بلوغ کہ ایک شخص محکم دین نقشبندی سلسلہ سے لدھیانہ میں تھا حضور علیہ الرحمتہ اس کے پاس گئے۔ حالانکہ وہ اپنے مریدوں سے یہ کلمہ پڑھوایا کرتا تھا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ محکم دین رسول الله (ترجمہ۔ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے محکم دین رسول اللہ کا ہے۔) اس نے حضور کو دیکھ کر کہا کہ اس لڑکے کا سر قُطبوں میں دکھلائی دیتا ہے یعنی یہ قُطبوں میں سے ہے۔ حضور علیہ الرحمتہ نے یہ نقل خود سنائی۔ فرمایا کہ مجھے اس وقت بھی اس کا یہ کلمہ پڑھوانا پسند نہیں تھا اور میں یقیناً جانتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی اس کلمہ میں داخل ہونے کا مستحق نہیں۔ پھر فرمایا کہ تھا وہ کسی بڑے درجہ میں مگر وہ کسی وجہ سے اپنے درجے سے گر گیا تھا۔ علماء نے اس پر کفر کے فتوے بھی دیئے تھے۔ اس نے ہمیں بھی کہا کہ تم ہمارے مُرید بنو مگر ہمیں اس سے طبعی نفرت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچپن ہی سے آپ کی پرورش روحِ رسول اللہ ﷺ سے ہوتی رہی ہے۔

ارشاد: ایک دفعہ خود میں نے عرض کیا کہ حضور کیا قطب کو اپنی قطبیّت کی خبر بھی ہو جاتی ہے؟ فرمایا کہ عقلمند پڑھا ہوا شخص جب قطب ہوتا ہے تو اس کو لباس پہنایا جاتا ہے اور عمامہ باندھا جاتا ہے۔ بعضوں کا رسول اللہ ﷺ سے بعضوں کا ہاتفِ غیب سے آوازہ ہو جاتا ہے کہ یہ قطب ہو گیا۔ اور جو اَن پڑھ مگر صالح و پرہیزگار ہو یا چھوٹے گاؤں کا قطب ہو ان میں سے بعضوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مگر غوث کو تمام خبر ہوتی ہے کیونکہ فریاد رسی اس کا کام ہوتا ہے۔ پہلے احکامِ الٰہی اس پر وارد ہو کر پھر جہان میں تصرف کرتے ہیں گویا خدا تعالیٰ کی مراد دنیا میں وہی ہوتا ہے جس پر حروفِ مقطعات کھلتے ہیں وہ قطب ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا قطب ایک شہر کا بھی ہوتا ہے اور گاؤں کا بھی اور ایک محلّہ کا بھی اور ان کے واسطے علم کی بھی ضرورت نہیں بلکہ بعض لوگوں کو اپنی قطبیت کی خبر ہوتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ قطب ہونے کے لئے خبر ہونا شرط نہیں۔ ان کے طفیل سے آبادی

ہوتی ہے اور غضب وار دنہیں ہوتا۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ اور غوث وہ ہوتا ہے جس کا لطیفۂ نفس پورے طور سے فانی ہو جاوے۔ اس کے متعدد نکاح ہوتے ہیں اور فتوحات بہت ہوتی ہیں اور ظاہری رئیس ہوتا ہے۔ اکثر سردار قوم اور معزز لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسرارِ حروفِ مقطعات اس پر وارد ہوتے ہیں۔ قطبِ مدار تمام زمین پر ایک ہوتا ہے اور اکثر وہ جنگل میں رہتا ہے۔

نقل ہے کہ حضور کی عادت مبارک تھی کہ بعض اوقات تمام ران پر ہاتھ نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ کہنیوں کو اٹھائے رکھتے تھے۔ جب دوزانو بیٹھتے اور ہاتھ دھوتے تو زانو پر ہاتھ ٹکا لیتے اور کہنیاں کھڑی رکھتے یعنی ران پر نہ لگنے دیتے۔ ایک روز پیر جی عنایت حسین مرحوم نے اس کی اصلیت حضور سے دریافت کی کیونکہ بوجہ ان کی نیک بختی اور عابد ہونے کے ان سے حضور اکثر راز کی باتیں فرمادیا کرتے تھے اور ان کو جنتی ہونے کی خوشخبری دیا کرتے تھے۔ فرمایا جب کوئی ولی، قطب ہو جاتا ہے تو اس کو نوری شکل میں حکومتِ باطنی کی تلوار خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے مرحمت ہو جاتی ہے، وہ ہر وقت برہنہ رانوں پر رکھی رہتی ہے اس واسطے ہم کو اپنی بانہیں اس سے الگ رکھنی پڑتی ہیں۔ اور کبھی تو ایک ہوتی ہے لیکن اکثر دو تلواریں بھی کھنچی رہتی ہیں۔

ایک روز ایک درویش کا ماجری والے لوگوں سے تکرار ہو گیا۔ حضور کو خبر ہوئی تو وضو کراتے ہوئے بھائی مغلی شاہ نے دیکھا کہ حضور کے سینہ مبارک سے ایک تلوار نکل کر چلی اور پھر واپس سینہ مبارک میں آ گئی۔ یہ حال حضور سے عرض کیا۔ فرمایا آگے تو نہیں گئی؟ عرض کیا نہیں حضور وہیں سے واپس لوٹ آئی۔ فرمایا ہاں آج علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ والی تلوار چلی تھی مگر خدا نے فضل کیا کہ رک گئی۔

نقل ہے کہ ایک مولوی صاحب علی کریم نامی بہار کے رہنے والے حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضور مجھے نفس بہت تنگ کرتا ہے اور ستاتا ہے۔ حضور نے فرمایا ہم تمہارے نفس پر فیض ڈالے دیتے ہیں کچھ تم بھی سنبھالنا خدا بہتر کرے گا۔ فرمایا کہ شام کو آ کر توجہ لینا۔ ان مولوی صاحب کو مانک پور جانا تھا۔ انہیں حضور کا فرمان تو یاد نہ رہا اور اس گاؤں کو چل دیئے۔ جب شام ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ مولوی صاحب کہاں گئے؟ کسی نے عرض کیا کہ وہ تو گاؤں چلے گئے۔

آپ نے فرمایا کہ اچھا ہم اس کو وہاں ہی فیض دیتے ہیں۔ چنانچہ حضور نے یہاں ہی سے اس کو نفس پر فیض دیا اور وہ راستہ ہی میں درود شریف پڑھنے لگے اور ان کو اس قدر فیضان ہوا کہ حالات کھلنے لگے اور واردات کی کثرت ہوئی اور استغراق ہو گیا۔ اور ادھر لوگوں کا بھی ہجوم ہو گیا خلقت تعظیم کرنے لگی اور مانک پور میں ان کی خوب قدر و منزلت ہوئی اور ہر طرف سے لوگ ہر طرح کا سلوک بھی کرنے لگے اور مولوی صاحب خوب عیش کرنے لگے۔ لیکن حُقّہ کثرت سے پیتے تھے اور ذکر اذکار میں صرف درود شریف کی گیارہ تسبیحیں تھیں۔ ایک روز وہ مولوی صاحب اپنے دل میں کہنے لگے کہ آخر فقیری لے ہی لی، میں تو بہت کچھ سمجھا تھا لیکن یہ تو صرف گیارہ تسبیحوں میں ہی فقیری ہے۔ اور لوگوں میں اختلاط دنیاداروں کی طرح بہت کیا ایک روز اس نے حالتِ سکرت میں دیکھا کہ ایک فانوس جل رہا ہے اور جلتے جلتے وہ گل ہو گیا۔ اس کے بعد ان مولوی صاحب نے ذکر اذکار سب چھوڑ دیئے اور حقہ پینے لگ گئے کیونکہ اسی کی کثرت تھی۔ لوگوں سے اختلاط بڑھایا ہر وقت لوگوں میں بیٹھے باتیں کرتے اور حقہ پیتے رہتے تھے۔ آخر وہ انکشافاتِ واردات سب بند ہو گئے اور مولوی صاحب کی طرف سے سب لوگوں نے بھی رخ پھیر لیا اور بالکل فیضان نہ رہا۔ حضور کی خدمت میں آیا اور حال عرض کیا کہ پہلے تو کام اچھا بن گیا تھا اور خوب عروج ہوا لیکن اب آ کر بالکل گم ہو گیا یہاں تک کہ اب کوئی پوچھتا بھی نہیں اور دل میں لذت درود شریف کی بھی نہیں رہی اور ساتھ ہی وہ خواب عرض کیا۔ حضور نے فرمایا یہ ٹھیک تھا۔ ہم نے تو نفس پر فیض ڈال دیا تھا لیکن تم نے اس کی حفاظت نہ کی۔ اب وہ چلا گیا، یہی اس فانوس کے گل ہونے کے معنے ہیں۔ وہ اس لطیفہ کا نور تھا جو بد احتیاطی اور غفلت کی وجہ سے جاتا رہا اور لطیفہ سیاہ ہو گیا ہے۔

نقل ہے کہ حضرت علیہ الرحمتہ کا ایک خاص درویش لاہور سے پرے جانے لگا تو حضور نے سائیں مغلی شاہ سے فرمایا کہ ایک لوٹا پانی کا بھر کر اس کے ساتھ دے دو اور کہہ دو کہ راستہ میں اسی کا پانی پینا۔ خیر وہ ریل میں سوار ہو کر چلا۔ جب راستہ میں امرتسر سے ورلی طرف پہنچا تو ایک طوائف بھی اسی کمرہ میں آ سوار ہوئی۔ اس کے ساتھ کئی آدمی اس کے اور بھی تھے اور پانی بھی ان کے پاس تھا۔ روٹی کھانے کے وقت درویش کو اپنے پانی کا خیال نہ رہا اور وہ طوائف پانی دینے لگی اور درویش نے اس سے پانی لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ درویش کا پاؤں نیچے لوٹے پر لگنے سے اپنا پانی یاد

آ گیا۔ اس وقت ان کا پانی چھوڑ کر اپنا پانی پی لیا۔ اس طوائف نے جو درویش کی طرف دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر درویش کے پاس آ بیٹھی اور درویش کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔ اس درویش نے حضرت علیہ الرحمتہ کا خیال کیا کہ حضرت اس بلا سے بچایئے۔ یکا یک وہ طوائف وہاں سے اٹھ کر خود بخود دوسرے تختہ پر جا گری اور گرتے ہی بے ہوش ہوگئی اور کلمہ شریف اس کے بدن میں جاری ہوگیا۔ اس کے ساتھی رونے لگے۔ ان میں شاید اس کا بھائی بھی تھا وہ کہنے لگا کہ یہ اس فقیر کے پاس ناحق جا بیٹھی معلوم نہیں اس نے کیا جادو اس پر کر دیا۔ آخر وہ لاہور تک اسی بے ہوشی کی حالت میں پہنچی اور انہوں نے بمشکل اس طوائف کو ریل سے اتارا۔ وہ درویش اسی طرح سوار آگے چلا گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد واپس انبالہ شریف پہنچا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے پوچھا کہو خیریت سے گئے، اس نے عرض کیا ہاں حضور خیریت سے گیا اور خیریت سے ہی واپس حاضر ہوگیا۔ تبسم کر کے فرمایا ہاں خیریت سے گئے ہی جیسے گئے، پھسل تو پڑے تھے پانی پر ہی۔ پھر فرمایا کہ ہم کو جب خبر لگی کہ ہمارا درویش لٹ چلا تو ہم بھاگے۔ ریل دوڑی جاتی تھی، ہم نہ مل سکے۔ پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک سے امداد لی اور وہاں فوراً پہنچے تو تم کو اس کے جال سے بچایا۔ سفر میں ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ پانی پر ہی پھسل پڑے۔ اگر تو اس پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتا تو کبھی وہ تمہارے پاس نہ آتی۔ فرشتے جو تمہاری حفاظت پر مامور تھے وہ تمہارے پانی پر ہاتھ بڑھانے کے ساتھ ہی تم سے الگ ہوگئے تھے۔ لیکن وہ طوائف گانا بجانا نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد وہ درویش لاہور گئے۔ ان کے سر میں درد تھا۔ کسی نے کہا یہاں ایک مائی عُمری رہتی ہے وہ جو دم کرتی ہے تو درد جاتا رہتا ہے اور وہی ریل والا تمام قصہ سنایا۔ اس درویش نے کہا اس کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ آئی اور ان درویش کو دیکھتے ہی پاؤں پر گر پڑی اور بہت ہی شکر گزاری ظاہر کی کہ آپ ہی کی بدولت مجھے یہ نعمت نصیب ہوئی۔ اب تک وہ مائی عمری کمبل اوڑھتی ہے اور مسجد کے سقاوہ[1] کا پانی بھرا کرتی ہے مگر پوشیدہ۔ درویش نے جو اس سے ریل کا حال دریافت کیا تو اس نے یہ قصہ سنایا کہ جب میں اس درویش کے پاس جا کر بیٹھی تو اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے اس شکل وشباہت کا آیا اور اس نے ''ہوں ہوں'' کا اشارہ انگلی سے کیا۔ اس اشارے کے ساتھ ہی کلمہ

1۔ پانی کی ٹینکی

شریف میرے دل میں جاری ہوگیا اور میں بے ہوش ہوگئی۔ اب دنیا کی طرف سے میرا دل بالکل سرد ہوگیا اور خوب مزہ آتا ہے۔ اس درویش نے جو وہ حلیہ مقابل کیا تو ہو بہو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ قبلہ کا تھا۔ اب وہ فوت ہوگئی ہے۔

گر نگردد طالباں را دست گیر
طالباں ہرگز نگیرند دست پیر

ترجمہ شعر: اگر مریدوں کے لئے کوئی دستگیری کا اہل نہ ہوتا تو مرید کبھی بھی شیخ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔

نقل ہے کہ ایک درویش حضور کا خاص تھا وہ ذکر و شغل بہت کرتا تھا اور انبالہ شہر میں ہی الگ جگہ پر رہا کرتا تھا۔ ایک عورت اس کے انوارات پر عاشق ہوگئی۔ ایک روز بارش ہو رہی تھی اور اس کے پاس کے رہنے والے تمام درویش اپنے اپنے حجروں میں تھے کہ وہ عورت مردانہ لباس میں موقع تنہائی کو غنیمت جان کر آئی اور چپکے سے اس فقیر کے پاؤں دبانے لگی۔ اس فقیر نے خیال کیا کہ شاید کوئی درویش پاؤں دباتا ہوگا مگر پاؤں دبانے میں جب اس عورت کے ہاتھوں کے چھلّے پنڈلیوں کو سخت سے اور نامانوس معلوم ہوئے تو انہیں شبہ سا ہوا۔ انہوں نے سختی کے ساتھ دھمکا کر کہا کہ تو کون ہے اور اس بے وقت تیرے یہاں آنے کا کیا موقع ہے؟ اس نے اپنا ارادہ بد ظاہر کیا اور کہا کہ یا تو یہ فعل کرو ورنہ ابھی تم کو رسوا اور ذلیل کردوں گی۔ وہ خائف ہوئے اور حضرت علیہ الرحمۃ سے مدد چاہی تو دیکھا کہ آپ خود موجود ہیں اور اس کو اشارہ سے فرمایا چلی جا۔ وہ چلی گئی اور خون کی قے اس کو آئی، صبح کو مر گئی، اور پھر ایسا خاتمہ اس گھر کا ہوا کہ کوئی آدمی نہ رہا۔

ایک روز وصال سے تقریباً ایک سال پہلے علی الصبح مجھے طلب کیا۔ میں فوراً حاضرِ خدمت ہوا۔ فرمایا آؤ مولوی صاحب بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا تو آپ نے یہ خواب سنایا۔ فرمایا ہم نے دیکھا کہ ہم یہاں سے چل کر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے فرمایا آؤ آج رات یہیں رہو، چنانچہ ہم وہیں رہ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قلب ایسا ہے کہ جیسا کوئی بہت بڑا گنبد ہو اور جیسے بڑے زور سے نہر کا پانی پڑتا ہے اس طرح نور اس میں وارد ہو رہا ہے اور اس پر نورانی تجلیات اس طرح وارد ہو رہی ہیں جیسے بڑے زور سے نہر کا موسلا دھار دہانہ پڑ رہا

ہو۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں آپ کے قلب میں داخل ہو کر اندر سے اس کی سیر کرلوں ۔ فرمایا ہاں جاؤ خوب سیر کرو۔ چنانچہ اجازت ہوتے ہی میں اس کے اندر داخل ہوا اور خوب سیر کی۔ بہت ہی بڑا قلب تھا پر ہم نے بھی تمام ہی کی سیر کر لی۔ پھر ہم وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بھی فرمایا کہ ایک رات ہمارے ہاں مہمان رہو، چنانچہ ہم ان کے ہاں بھی مہمان رہے۔ کھانا کھایا اور ان سے اجازت لے کر ان کے لطیفۂ روح کی سیر کی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ان کے ارشاد کے بموجب ایک رات مہمان رہے۔ وہاں کھانا کھایا اور ان کے لطیفہ ء روح کی سیر کی، اجازت لے کر۔ پھر اسی طرح حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے یہاں ایک ایک رات مہمان رہے، ان کے حکم کے موافق اور کھانا کھایا، اور ان دونوں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ سرّ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ ء خفی کی خوب ہی سیر کی۔ پھر حضرت سیّد المرسلین ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آج رات کو یہیں رہو چنانچہ ہم وہیں رہے اور کھانا کھایا اور پھر اجازت لے کر آپ کے لطیفہ ء اخفیٰ کی سیر کی۔ پھر آگے پتہ نہ لگا کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے۔ حقیقت محمدیہ ﷺ تک تو پہنچے پھر وہاں سے رخصت ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ پھر ہماری آنکھ کھل گئی۔ یہ کیا بات تھی؟ وہاں تو ہم اتنی راتیں گزار کر آئے تھے پر یہاں ایک رات بھی پوری نہ گزری۔

اس خواب کے سنتے ہی جوشِ مسرت میں میں نے حضور کے گھٹنوں کو بوسہ دیا اور مصافحہ کیا۔ حضور بھی مسکرائے۔ پھر منجانب اللہ خود ہی میرے ذہن میں یہ آیت آئی فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ (ترجمہ۔ اور جب آپ فارغ ہو جائیں تو یادِ حق میں مشغول ہوں جائیں اور اپنے ربّ کی طرف پوری توجہ رکھیں۔) اس آیت کا مضمون مطابق ہوتے ہی مجھے بڑی تشویش و حیرانی ہوئی اور بے اختیار رِقّت وزاری مجھ پر طاری ہوگئی کیونکہ یہ خاص شانِ رسول اللہ ﷺ میں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس جس وقت اے محمد رسول اللہ ﷺ تم فارغ ہو گئے ہو تبلیغ احکامِ الٰہی سے پس کھڑے ہو اور طرف ربّ اپنے کے بالکلیہ رغبت کرو۔ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت روئے اور دوسرے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت

خوش ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبب رونے کا دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اِس میں آپ کے وصال کا اشارہ ہے کیونکہ جب آپ فارغ ہو گئے کارِ نبوت سے تو آپ کو دنیا سے اٹھالیں گے کیونکہ جب مولا کا کام ہو جائے تو اہلکار بلا لئے جاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کے واسطے یہ خواب بڑا ہی مبارک ہے مگر ہم فدویان کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا ہو گیا۔ فرمایا یہ کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضور اس خواب کا یہی مطلب ہے کہ جس کام کے واسطے فقیر دنیا میں آتا ہے وہ پورا ہو چکا کیونکہ ولایت کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ[1] باقی نہیں رہا۔ باقی نبوت کے مقام میں ولی کی سیر نہیں ہوتی کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے واسطے مخصوص ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اب حضور کے وصال کا وقت آ گیا۔ آپ نے بات ٹالنے کے طور پر فرمایا یہ بات تو ہونی ہی ہے پھر اس کا کیا فکر ہے، کوئی اور بات کرو۔ اور پھر ساتھ ہی شکر گزاری کے طور پر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو اس حالت کے ساتھ لے جائے۔ دنیا میں ہم سے ہوا تو کچھ نہیں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے جو اس حالت کے ساتھ یہاں سے جائیں تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

میری عادت تھی کہ اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا اور آپ کے حالات کو متقدمین اولیاء اللہ کے حالات سے مطابقت دیا کرتا۔ ایک روز میں ایک کتاب جس میں کہ سوانح حضرت غوث بہاؤالدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ درج تھے دیکھ رہا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی پر ذاتی تجلّی وارد ہوئی اور آواز آئی کہ اے بہاؤالحق! جو شخص ایک دفعہ تیرا منہ دیکھ لے وہ قطعی جنتی ہے۔ غوث بہاؤالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اس خیال سے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میرا منہ دیکھ کر بخشی جائے اور بہشتی ہو جائے تو بڑی خوشی کی بات ہے، پالکی میں سوار ہو گئے اور نقیب کو فرمایا کہ تو اس طرح آواز دیتا ہوا چل کہ جو شخص غوث بہاؤالحق کا منہ دیکھ لے گا وہ بہشتی ہو جائے گا۔ اور کہاروں کو حکم دیا کہ گلی گلی میں ہماری پالکی پھراؤ۔ جب وہ پالکی ایک گلی میں گزری تو وہاں حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ ایک مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ جب وہ پالکی آپ کے برابر نکلی تو آپ کے مرید کو جو حاضرِ خدمت تھا اور شائد وہ محکم الدین تھا فرمایا کہ جا تو بھی غوث بہاؤالحق کا منہ دیکھ لے تاکہ

---

[1] کی

جنتی ہو جائے۔ اس نے پالکی کی طرف پشت کر کے کہا کہ جب میں نے بارہ برس تک آپ کو وضو کرایا اور خدمت کی اور پھر بھی جنتی نہ ہوا تو ایک ساعت غوث بہاؤالحق کا منہ دیکھ کر جنت میں جانے کی مجھے بھی ضرورت نہیں۔ اس وقت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا اور اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا قسم ہے خدا کی کہ بارہ ہزار بار یہی تجلّی مجھ پر وارد ہوئی اور آواز آئی کہ جو تیرا منہ دیکھ لے گا وہ قطعی بہشتی ہے مگر میں نے ایک دفعہ بھی کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ ایک دفعہ میں نے ہی دعا کی تھی کہ خداوندا غوث بہاؤالحق بھی میرا بھائی ہے ایک مرتبہ اس پر بھی یہ تجلّی وارد فرمادے، تو میری دعا سے اس پر یہ تجلّی وارد ہوئی ہے۔ پھر آپ نے اسی مضمون کا ایک رقعہ لکھ کر غوث بہاؤالحق کے پاس بھیج دیا۔ لکھا تھا اے برادر بہاؤالحق کہ بہ تجرید تجلّی دروازہ ہزار بار ہر روز وارد مے شود و بر ہر تجلّی آواز مے آید کہ ہر کہ روئے تو دید من او را بخشیدم لیکن گاہے بر زبان نیاوردم برائے سبب علی الخلق تا کسے انکار نکند۔ بدعا ایں فقیر بر تو یک بار ایں تجلّی وارد شدہ است۔ تو در ہمیں یک مرتبہ چنیں غوغا افگندۂ خاموش باش فا فتنہ خلق نشوی۔ از ایں چنیں شور و غوغا کمالِ درویش نقصان مے پذیرد و بکمی گراید ما علی الرسول الا البلاغ۔

ترجمہ: اے میرے بھائی بہاوالحق! تجلّی تجرید مجھ پر روزانہ بارہ ہزار مرتبہ وارد ہوتی ہے اور ہر تجلّی کے ورود کے وقت مجھے کہا جاتا ہے" کہ جو کوئی تیرا چہرہ دیکھ لے گا میں اسے بخش دوں گا۔"، مگر میں کبھی یہ بات زبان پر نہیں لایا تاکہ کوئی شخص ناسمجھی کی وجہ سے انکار نہ کر بیٹھے۔ اور اے بھائی! میں نے ایک دفعہ آپ کے لیے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ یہی تجلّی بہاوالحق پہ وارد فرما۔ جبکہ آپ نے ایک مرتبہ میں ہی یوں شور برپا کر دیا ہے۔ خاموش رہیں تاکہ مخلوق میں فتنہ فساد برپا نہ ہو۔ اس شور و غوغا سے مقامات روحانیہ کے اندر درویش نقصان اٹھاتا ہے اور تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس حکایت کو دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ آپ اور تمام باتوں میں تو اکابر متقدمین کے برابر ہیں۔ اس بات میں معلوم نہیں کہ یہ پہلے گزر چکی ہے یا آنے والی ہے۔ دعوتِ انبیاء کی بشارت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک روز علی الصبح سائیں مغلی شاہ الائچی دانے لئے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا مولوی صاحب ابھی میاں صاحب نے فرمایا کہ جو شخص یہ الائچی دانے کھائے اور ہمارا منہ دیکھ لے وہ قطعی بہشتی ہے۔ تم نے بھی کہیں کتاب میں دیکھا ہے؟ میں نے ان کی بات کو تو

ٹال دیا اور کہا لاؤ یہ الائچی دانے مجھے دو۔ انہوں نے الائچی دانے مجھے دے دیئے۔ میں نے ان کے پاس سے الائچی دانے لے کر کچھ کھائے اور کچھ اپنے پاس رکھ لئے۔ ہماری اس بات چیت کو حضرت صاحب علیہ الرحمتہ بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔ میں وہ الائچی دانے لئے ہوئے حضرت علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مبارک باد عرض کی۔ بعد ازاں حاجی کریم بخش حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا حضور مغلی شاہ الائچی دانے لئے ہوئے اِس اس طرح کہتا پھرتا ہے۔ کیا واقعی حضور نے انہیں ایسا کہنے کا حکم دیا ہے؟ اور میرا خیال ہے کہ آپ مغلی شاہ کو روک دیں کیونکہ شہر میں اگر چرچا ہوا تو معلوم نہیں کہ مولوی لوگ کیا کیا کہیں گے؟ فرمایا ہاں اسے ہم نے ہی کہا ہے اور آج یونہی موج ہے مولوی لوگ کچھ ہی کہیں۔ پھر فرمایا غوث بہاؤالحق اور بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہما پر یہ وقت آیا تھا اگر ہم پر آ گیا تو کیا حرج ہے؟ اپنے اپنے وقت پر ہر ایک پر آ ہی جاتا ہے۔ آج یونہی موج ہے، جو چاہے ہمارا منہ دیکھے اور جو دیکھے گا وہی بہشتی ہو جائے گا۔ دوپہر تک آپ اسی حالت میں رہے۔ بعد دوپہر فرمانے لگے۔ اللہ اللہ کیا کرو درود شریف پڑھو۔ اسی میں لگے رہو۔ ہماری باتوں پر کچھ خیال نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

ایک روز صبح کے وقت میں حاضرِ خدمت ہوا۔ فرمایا مولوی صاحب یہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ کیا کلام ہے؟ میں نے عرض کیا حضور یہ قرآن شریف کی آیت ہے اور تمام آیت یوں ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (ترجمہ۔ خبردار رہو تحقیق اولیاء اللہ پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غم کھاویں گے۔) فرمایا اچھا اس سے پہلے اولیاء اللہ کا لفظ بھی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں حضور ہے۔ پھر فرمایا اس کے معنی کیا ہوئے؟ میں نے عرض کیا حضور اس کے یہ معنی ہیں کہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم ہے۔ فرمایا اس خوف، وغم کے نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا حضور اس کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اولیاء اللہ ہیں انہیں عذابِ قبر، حشر، قیامت، میزان، پُل صراط، دوزخ وغیرہ وغیرہ کا کچھ خوف اور غم نہیں ہے۔ فرمایا یہ سارا تو لَا خَوْفٌ میں آ چکا کیونکہ انہیں کوئی خوف جو نہ ہوا۔ پھر غم کا ہے کا باقی رہ گیا؟ میں نے عرض کیا حضور اس کا مطلب آپ جانتے ہوں گے۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب، عذابِ قبر، قیامت، میزان، حساب وکتاب، پُل صراط وغیرہ کا کچھ خوف نہ رہا اور وہ بلا حساب بخشے گئے تو خوف

تو ہر طرح کا جاتا رہا مگر غم اس بات کا رہا کہ دیکھئے اجر وثواب اور جنت میں مراتب بھی پورے ملتے ہیں یا کسی قدر کمی بیشی ہوتی ہے یعنی اس امر کا غم رہتا ہے کہ اجر وثواب اور مراتب بھی پورے ہی ملیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ان مراتب اور اجر وثواب کے بارے میں بھی کسی طرح کا غم نہ ہوگا۔ پھر فرمایا ہمیں تین تین دفعہ یہ آواز آتی ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی تجھے اس گروہ میں داخل کردیا جن کے بارہ میں یہ آیت ہے، تجھے نہ خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کا غم ہوگا، ہم نے تجھے بے حساب بخش دیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور یہ بشارت خاص حضور ہی کے واسطے ہے یا آپ کے ملنے والوں کے واسطے بھی۔ فرمایا یہ بشارت ہمارے ملنے والوں کے واسطے بھی ہے اور جو ان کے ملنے والے ہوں گے ان کے واسطے بھی اور جو کوئی ہمارے سلسلہ میں قیامت تک ہماری نسبت حاصل کرے گا اور ہمارے طریقہ کا پابند رہے گا ان سب کے واسطے یہ بشارت ہے۔ اس بات کا حکم بھی اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی روحِ مبارک سے بھی اس کی تصدیق ہوگئی اور پھر مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے دفتر میں ہمیں ان سب کے نام لکھے ہوئے دکھائے جو قیامت تک ہمارے سلسلہ میں داخل ہوکر ہماری نسبت حاصل کریں گے اور ہمارے طریقہ کے پابند رہیں گے اور اس بشارت میں داخل ہیں۔

ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام اولیاء اللہ کو ایک لقب عنایت ہوتا ہے، آپ کا بھی تو کوئی لقب اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہوگا؟ فرمایا ہم مسکین جیسے آدمی ہیں ہمارے کیا نام ہونے ہیں۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کے حضور میں تو ہمیں انبالہ والا مست کہتے ہیں اور عرش کے اوپر ہمارا لقب حبیب الرحمٰن پکارا گیا ہے۔ پھر فرمایا طالب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرید، دوسرے مراد مراد وہ ہوتا ہے جس کے دل میں ابتدا ہی سے جذب اور محبت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ ایسے شخص کے لئے کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت ہونا ضروری ہے اور وہ بہت جلد واصل ہوکر اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور مُرید وہ شخص ہوتا ہے جس کے دل میں پہلے سے جذب اور محبت اللہ تعالیٰ کی نہ ہو لیکن وہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت ہوکر ذکر وشغل اور ریاضت ومجاہدہ کرتا ہوا بتدریج سلوک میں ترقی کرے۔ ایسا شخص بھی متقدمین اولیاء اللہ کے سے ریاضات ومجاہدات کرتا ہوا آخر میں واصل ہوکر محبوب بن جاتا ہے۔ اور حقیقت الامر یوں ہے کہ عرش سے اوپر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر

انسان کی ایک حقیقت موجود ہے جس کے ذریعہ سے ہر ولی اللہ واصل ہوتا ہے۔ اور ان حقیقتوں میں سے ہر ایک حقیقت کا اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم رب ہوتا ہے۔ پس ہر ولی اللہ جس حقیقت کے ذریعہ سے واصل ہوتا ہے اور جس اسم سے اُس ولی اللہ کی پرورش ہوتی ہے جو اسم اس کا رب یعنی پرورش کرنے والا ہوتا ہے اسی حقیقت اور اسم سے اس کا لقب عرش کے اوپر پکارا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں اپنی حقیقتِ عبدیت کے ساتھ واصل ہوئے تھے اور آپ کی اس حقیقت کی پرورش تجلی رحمت سے ہوئی تھی۔ اس واسطے آپ کا لقب عبدالرحمٰن عرش کے اوپر پکارا گیا تھا۔ چنانچہ اسی طرح حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا لقب حبیب الرحمٰن پکارا گیا۔ کیونکہ اس لقب حبیب الرحمٰن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ محبتِ الٰہی میں ثابت قدمی کی وجہ سے آپ حبیب ہوئے اور آپ کی حقیقت کی پرورش تجلیِ رحمٰن سے ہوئی اور اسمِ رحمٰن آپ کا ربّ تھا اسی وجہ سے آپ کا لقب عرش کے اوپر حبیب الرحمٰن پکارا گیا۔ حضرت خواجہ مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمتہ اللہ علیہ کا لقب بھی عرش کے اوپر حبیب الرحمٰن ہی پکارا گیا تھا۔

باب ہفتم

حالاتِ وصال وغیرہ

فصل اوّل: وفات

فصل دوم: متفرقاتِ کتاب

فصل اوّل

وفات

وفات سے کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے کہ آپ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب آج ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی بلا ہمارے حجرہ کے دروازے کے سامنے کھڑی ہے اور وہ بلا اس قدر بڑی ہے کہ صرف اس کا منہ ہی ہمارے حجرہ کے برابر ہے۔ ہمیں خیال ہوا کہ کوئی جن ہوگا کیونکہ جن بھی ایسی ایسی ہیبت ناک شکلوں میں سامنے آجایا کرتے ہیں۔ آخرکار وہ ہم سے ہم کلام ہوئی۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں موت ہوں۔ ہم نے کہا تو ویسے ہی آئی ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئی ہوں۔ ہم نے کہا اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئی ہے تو ہم کو کیا عذر ہے؟ خدا تعالیٰ کا حکم بخوشی منظور ہے لیکن پھر ہمارے ساتھ تو کیا کرے گی؟ کہا میں پہلے آپ کا خون پیئوں گی پھر گوشت کھاؤں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے ہمیں بیماری آئے گی اور یہی مرض الموت ہے۔ میں اور دیگر درویش جو اس وقت حاضرِ خدمت تھے ہم سب کو بے اختیار رنج وغم کے گرداب نے آگھیرا اور ہم پر ایک عجیب حسرت و مایوسی اور یاس و حرماں کا سماں طاری ہوگیا۔ ہم لوگ ہر چند جبر اور ضبط کرنا چاہتے تھے مگر طبیعت بے قابو ہوئی چلی جاتی تھی۔ حضور علیہ الرحمتہ نے بڑی تسلی اور اطمینان کے ساتھ فرمایا تم گھبراتے کیوں ہو، آخر موت کو تو ایک روز آنا ہی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے تسلی آمیز ارشادات فرمائے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد مجھے اتفاقاً اپنے وطن جانے کی ضرورت پڑی۔ میں اجازت

کے واسطے حاضرِ خدمت ہوا اور گھر جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے، بہتر ہے گھر چلے جاؤ۔ مگر جلدی آ جانا اور شریعت کے موافق ہمیں غسل دینا اور ہماری تجہیز وتکفین بالکل شریعت کے مطابق کرنا۔ مجھ پر رنج وافسوس ہوا۔ فرمایا رنج وافسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، تم اطمینان کے ساتھ گھر جاؤ مگر ہاں جلدی واپس آ جانا۔ آخر کار میں گھر گیا، پندرہ روز وہاں رہا اور میرے پاس وہیں حضور کی بیماری کی اطلاع پہنچی۔ میں فوراً وہاں سے انبالہ شریف واپس پہنچا تو دیکھا کہ حضور کو اسہال ہیں۔ آپ اکثر حالتِ صحت میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا مجھے شہادت کی موت عطا فرمانا۔ چنانچہ یہ اسی دعا کی برکت تھی کہ حضور کو اسہال شروع ہو گئے کیونکہ اسہال کے ذریعہ سے جو موت ہو شریعتِ رسول اللہ ﷺ میں وہ شہادت کی موت لکھی گئی ہے۔ خیر جب میں واپس آیا اور آپ کو اسہال میں مبتلا دیکھا تو اس وقت حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی یہ حالت تھی کہ نماز پنجگانہ باجماعت ادا فرماتے تھے اور تمام اذکار واشغال اور مراقبات وغیرہ اسی طرح پورے کرتے تھے جیسے کہ حالتِ صحت میں۔ آپ کے جس قدر معمولات تھے ان میں سے ایک بھی کم نہیں ہوا تھا۔ کئی روز اسی حالت میں گزر گئے۔ علاج ومعالجہ ہوتا رہا۔ آپ دوا پیتے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی سنّت سمجھ کر دوا کھاتے پیتے ہیں ورنہ یہ ہم جانتے ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے دوا کچھ نہیں کر سکتی۔ اور لوگوں کے ساتھ کشادہ پیشانی اور فراخدلی سے ملاقات فرماتے تھے۔ کسی قسم کے رنج وافسوس اور گھبراہٹ وغیرہ کے آثار آپ میں بالکل نہیں پائے جاتے تھے۔

آپ نے ظہر کی نماز باہر ہی پڑھی۔ نماز سے فراغت پاتے ہی تھوڑی دیر کے لئے آپ پر کچھ غشی سی طاری ہوئی مگر جلدی سے ہوش آ گیا۔ حضور نے ہوش میں آ کر فرمایا افسوس ہمیں خبر نہ تھی کہ گھوڑی چٹیل میدان میں ہی گر جائے گی۔ اب روح بدن سے آزاد ہو کر اوپر جانا چاہتی ہے اور بدن اس کے آگے ہاتھ باندھتا ہے کہ خدا کے واسطے ذرا ٹھہر جا۔ بعد ازاں پردہ ہو گیا اور حضور اندر مکان میں تشریف لے گئے۔ سب خادمان بھی ساتھ ہی گئے۔ مکان کے اندر چارپائی پڑی تھی جس کا سرہانا شمال کی طرف تھا اور پائنتی جنوب کی طرف، آپ اس پر جا لیٹے اور لیٹتے ہی پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت وہاں پر میں اور سائیں مغلی شاہ، خلیفہ مظفر علی خاں، مولوی عبدالرحیم مسکین، حاجی کریم بخش اور دیگر ہر وقت کے پاس رہنے والے خاص خاص درویش حاضرِ خدمت تھے۔ آپ کی

وہ بے ہوشی کی حالت دیکھ کر ہم سب کے سب رونے اور کفِ افسوس ملنے لگے۔ اور مجھ سے ضبط نہ ہوسکا تو اسی حالت میں آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ تھوڑی دیر میں حضور کو ہوش آیا تو فرمایا روتے کیوں ہو، اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہماری شفا کے واسطے دعا کرو۔ ہم سب کو ایک طرح کی تسلی سی ہوگئی۔

میں کسی کام کے واسطے باہر گیا تو میرے پیچھے کسی درویش نے کہا کہ حضور حالتِ بے ہوشی میں مولوی صاحب نے آپ کو سجدہ کیا تھا؟ آپ کی عادت مبارک تھی کہ سجدہ سے سخت ناراض ہوتے تھے۔ سائیں مغلی شاہ وغیرہ سے پوچھا کہ کیا واقعی مولوی صاحب نے سجدہ کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا نہیں حضور ویسے ہی روتے روتے ان کا سر حضور کے پائے مبارک پر لگ گیا تھا۔ فرمایا اس کا نام سجدہ نہیں، یہ محبت کی بات تھی۔ پھر سائیں مغلی شاہ نے کہا حضور میرے واسطے دعا فرمائیں کہ میرا خاتمہ بخیر ہو، میرا تو اور کہیں ٹھکانا ہی نہیں۔ فرمایا تمہارے سب کے ساتھ اچھا معاملہ ہوگا اور سبھی کا خاتمہ بخیر ہوگا، اطمینان رکھو۔

ازاں بعد آپ کی صحت کے واسطے بکرے ذبح کرا کر ان کا گوشت اللہ کے واسطے تقسیم کیا گیا۔ محبت والے لوگ ہر چہار طرف سے حضور کی عیادت وزیارت کے واسطے ہجوم کر آئے۔ چنانچہ دہلی سے حکیم لطیف حسین خاں صاحب مرحوم بھی آئے اور دیگر بہت سے اطباء جمع ہوگئے۔ ہر چند تدبیریں کیں مگر کسی تدبیر سے افاقہ ہونے میں نہ آیا۔ حکیم معز الدین مرحوم بھی آ گئے، وہ بھی بہت کچھ تدبیریں کرتے رہے ان سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر آپ بیٹھ کر نماز باجماعت پڑھنے لگے اور اپنے معمولات اب فکر کے ساتھ پورے فرمانے لگے۔ اسی حالتِ بے ہوشی میں حضرت صاحبزادہ عبدالخالق صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ وہ رونے لگے۔ آپ نے ان کی بھی تسلی وتشفی کردی۔ چنانچہ وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے اسی روز واپس چلے گئے مگر تین چار ہی روز کے بعد پھر واپس آ گئے۔ اس بے ہوشی کے بعد مرض کی تکلیف تو بدستور رہی مگر ویسے آپ کی طبیعت قائم تھی اور ہر شخص سے، جو زیارت کو آتا، بڑی تسلی وتسکین اور اطمینان کے ساتھ ملاقات فرماتے۔

اس زمانہ میں خیرات بہت کی گئی صدقات وغیرہ بہت کیے گئے۔ چنانچہ کچھ بکرے خاص لنگر سے ذبح کرا کر ان کا گوشت تقسیم کیا گیا۔ سیّد علی احمد صاحب نے بھی جو کرنال میں ملازم تھے اور

حضور کے خاص محبین میں سے تھے کچھ بکرے ذبح کرا کر تقسیم کرائے گئے۔ اور کئی روز تک اسی طرح چار چار پانچ پانچ بکرے ذبح کئے گئے اور کئی دن تک پلاؤ تقسیم ہوتا رہا۔ چنانچہ ایک دو مرتبہ حضور نے بھی اس میں سے ایک دو لقمہ تناول فرمایا تھا۔ وصال سے تین چار روز پہلے ایک دن فرمایا۔ آج ہم نے دیکھا کہ ایک بے حد نور ہے جس کی نہ کہیں ابتدا ہے نہ انتہا ہے، ہم وہاں گئے وہاں ایک دیوار ہے دیوار سے پرلی طرف ہمیں بلایا گیا مگر ہم نے جواب دے دیا کہ ابھی ہم نہیں آتے۔ حضور کے اس ارشاد سے ہم لوگوں کو گونہ تسلی ہوئی کہ شائد اب صحت ہو جائے۔ اس زمانہ میں زائرین خبرِ علالت سن کر دور دور سے بکثرت زیارت کے لئے آتے تھے اور ان کو دستہ دستہ کر کے زیارت کرائی جاتی تھی اور صرف اتنی مہلت ملتی تھی کہ بخوبی زیارت کر سکیں، بات چیت کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ انہی ایام میں میر رستم علی شاہ آئے۔ حضور نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب ہمارا دل یہاں رہنے کو نہیں چاہتا۔ پھر بار بار اس طرح فرمانا شروع کیا کہ اب ہماری روح اس بے حد نور کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ دنیا میں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہاں بڑے بڑے جھگڑے فساد ہیں، اب یہاں سے دل اٹھ گیا۔ غرض بار بار اسی قسم کے ارشادات اکثر فرمایا کرتے۔

آخر وہ دن آیا کہ جس روز اس شناورِ[1] دریائے وحدت کو قیدِ عنصریات سے رہا ہو کر مطلوبِ حقیقی کے ساتھ وصلِ عریانی ہونا تھا۔ وہ دن ہم لوگوں کے واسطے بڑا ہی بلا خیز، غم آمیز اور پُر آشوب دن تھا۔ چار ربیع الاول ۱۳۱۵ھ[2] کو چہار شنبہ[3] کا دن تھا کہ آپ نے صبح کی نماز با جماعت ادا کی مگر چار پائی پر لیٹے ہوئے اشارہ کے ساتھ۔ اس کے بعد نیچے زمین پر ایک چٹائی بچھوائی اور چار پائی سے اتر کر اس پر لیٹ رہے اور بطریق مسنون سر آپ کا شمال کی طرف تھا اور پاؤں جنوب کی طرف۔ بعد ازاں قریب دس بجے کے آپ پر ایک عجیب جوش اور تپش و عشق کی حالت جوش زن ہوئی۔ ہم لوگوں پر جو جو مختلف کیفیتیں اس روز وارد ہوئیں ان کے بیان کے واسطے نہ اس مختصر مجموعہ میں گنجائش ہے اور نہ ان کی تحریر کی یہاں کچھ ضرورت۔ الحاصل آپ کی وہ حالت ساعت بساعت ترقی کرتی گئی۔ آپ نے سب کو بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ میں حضور کے سرہانے بیٹھا تھا اور سائیں مغلی شاہ غرب کی جانب سر تھامے ہوئے۔ اور باقی جناب مولوی عبدالخالق صاحب و جناب میاں خالق داد صاحب و منشی محفوظ علی خاں صاحب و میر یوسف علی شاہ صاحب غرض کن کن

---

[1] تیراک۔ تیرنے والا [2] بمطابق 4 اگست 1897ء [3] بدھ

کے نام گنوائے جائیں حضور کے ہر وقت پاس رہنے والے خاص خدام سب ہی موجود تھے۔

آپ اُس حالتِ ذوق وشوق اور جوش وتپش میں کبھی اٹھتے کبھی لیٹتے اور بار بار پانی پیتے۔ بھائی مغلی شاہ آپ کا سرآگے سینے کی طرف پکڑے ہوئے تھے اور میں پیچھے کمر کی جانب سنبھالے ہوئے تھا۔ اُس وقت حضور زبان سے نہیں بول سکتے تھے اور بجائے اس کے سائیں مغلی شاہ کا انگوٹھا اپنی انگلیوں میں لے کر ایک خاص طریقہ سے دباتے جس سے سمجھا جاتا کہ حضور اٹھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس اشارہ کے ساتھ ہی ہم فوراً اٹھا کر بٹھا دیتے، پھر لیٹ جاتے۔ پھر اشارہ فرماتے تو ہم پھر بٹھا دیتے۔ آپ نے فرمایا پردہ اٹھا دو، چنانچہ وہ چقیں جو دروازوں پر پڑی ہوئی تھیں سب کی سب اٹھا دی گئیں۔ اسی حالت میں جناب صاحبزادہ میاں خالق داد صاحب سرہانے کی طرف پاس آ کر شجرہ سنانے لگے۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا ''ہوں ہوں'' یعنی مت پڑھو۔ وہ خاموش ہو گئے۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا صاف کپڑے پہناؤ چنانچہ پہنا دیئے گئے۔ پھر تیمم کے لئے اشارہ فرمایا چنانچہ فوراً تیمم کرا دیا گیا۔ پھر پوچھا کہ کیا نماز کا وقت ہے؟ میر یوسف علی شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور نماز کا وقت تو نہیں، آپ اپنے اللہ کی طرف دھیان کریں۔ آپ بیٹھے تھے۔ سائیں مغلی شاہ سامنے سینہ کی طرف سے آپ کا سر پکڑے ہوئے تھا اور میں پیچھے کمر کی طرف سے تھامے ہوئے تھا کہ آپ نے پہلے میرا اور پھر سائیں مغلی شاہ اور سائیں کریم بخش کا ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑ کر آسمان کی طرف آنکھوں سے اشارہ فرمایا۔ ہم اس کا کچھ مطلب نہ سمجھے اور معاً آپ سلطان الاذکار میں مشغول ہو گئے۔ ایک بار حبسِ دم کیا اور سانس لیا پھر دوسری مرتبہ حبسِ دم کر کے سانس لیا پھر تیسری مرتبہ حبسِ دم کیا تھا کہ روح اس قفسِ عنصری سے نجات حاصل کر کے محبوبِ حقیقی کے ساتھ بے حجاب جا واصل ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

سائیں مغلی شاہ نے چونکہ حضور کا واصل ہونا معلوم کر لیا تھا، بے تاب ہو کر کہا مولوی صاحب حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کو لٹا دو۔ میں نے پوچھا کیا حضور فرماتے ہیں کیونکہ مجھے پیچھے ہونے کی وجہ سے آپ کا واصل ہونا معلوم نہ ہوا تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ حضور ابھی سلطان الاذکار میں ہی مشغول ہیں۔ سائیں مغلی شاہ نے جواب دیا کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ تو جا واصل ہوئے اور کھلم

کھلا دیدار کے مزے لُوٹنے لگے۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ وہ جو حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے سلطان الاذکار شروع فرمانے سے پہلے میرا اور سائیں مغلی شاہ اور کریم بخش کا ہاتھ اپنے داہنے دستِ مبارک میں لے کر آسمان کی طرف اشارہ فرمایا تھا وہی آپ کا آخری مصافحہ تھا۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ اس تمام مکان میں سرخ نور کا ایک گنبد بن گیا اور ہم پر ایک عجیب قسم کے فیضان کا غلبہ ہُوا اور محویت طاری ہوگئی۔ جس قدر حاضرین موجود تھے سب کی ایک عجیب کیفیت تھی۔ اپنی اپنی محبت کے اندازہ کے موافق ہر ایک جوشِ محبت میں محو ہو کر نقشِ دیوار بن گیا تھا اور اکثروں سے بے اختیار دیوانہ وار مضطربانہ حرکات سرزد ہونے لگیں۔ چنانچہ مولوی عبدالخالق صاحب فرطِ محبت کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مولوی عبدالرحیم صاحب مسکین تو جذبِ محبت کے ہاتھوں ایسے لاچار ہوئے کہ بے اختیار ہو کر طاقی سے جا ٹکر ماری تختے کھل گئے اور وہ بے ہوش ہو کر پرے جا گرے۔ غرض سب کی حالتیں ایسی ہی تھیں، کوئی دیوار سے سر ٹکراتا تھا اور کوئی آہ وزاری میں مشغول تھا اور ہر ایک کی عجیب حالت تھی۔ اور مجھے تو کچھ ہوش ہی نہیں تھا، نہ نالہ وفریاد زبان سے نکلتی تھی نہ آہ و فغاں۔ کچھ ایسی محویت طاری تھی کہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ مگر خدا جزائے خیر دے میر یوسف علی شاہ صاحب کو کہ ایسے نازک وقت میں بھی زمامِ صبر ہاتھ سے نہ دی اور سب لوگوں کو تسلی وتشفی اور دلاسا دیتے اور صبر کی ہدایت کرتے رہے۔

اسی حالت میں دیکھا کہ تمام مکان میں سبز نور کا گنبد بن گیا اور اس نور کے ظاہر ہوتے ہی سب حاضرین پر تسلی وتسکین وارد ہوگئی۔ بعد ازاں ہر چہار طرف محبت رکھنے والے لوگوں کے پاس تار بھیج دیئے گئے۔ تمام شہر میں ایک شور اور واویلا مچ گیا۔ لوگ جوق در جوق حضور کی آخری زیارت کو آنے لگے۔ پھر آپ کا جنازہ مبارک اسی احاطہ میں لا کر رکھا گیا جس جگہ کہ اب حضور کا روضہء مبارک ہے۔ لوگ چاروں طرف سے حضور کے آخری دیدار کے واسطے اُمڈ آئے۔ یہاں تک کہ پردہ نشیں مستورات جو مدت العمر میں کبھی باہر نہ نکلی تھیں ڈولیوں میں سوار ہو کر آنے لگیں اور یہ کثرت ہوئی کہ جس جگہ سے ڈولی کا کرایہ دو پیسے تھا اس وقت چار آنہ ہو گیا بلکہ آخر میں بارہ آنہ تک بڑھ گیا کہ وہاں سے روتی ہوئی آتی تھیں اور حضور کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن حضور کی محبت انہیں کشاں کشاں لاتی تھی اور سب آخری دیدار کرتی تھیں۔ ایک طرف

پردہ کرا کر عورتوں کو زیارت کراتے تھے، بے ترتیبی کسی قسم کی نہ تھی۔ ادھر دہلی، پٹیالہ، کرنال وغیرہ اطراف و جوانب سے بھی لوگ حاضر ہو گئے۔

آخر بصد دقت عصر کے وقت آپ کو غسل دیا گیا اور خود میں نے اور مولانا عبدالخالق صاحب نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ شریعت کے موافق جن جن مواضع کے دھونے اور جس قدر پانی ڈالنے کی تاکید حضور علیہ الرحمتہ نے فرمائی تھی حسب الحکم اسی طرح عمل میں لایا گیا۔ جنازہ مبارک کے واسطے چارپائی کی جو ضرورت ہوئی تو میر یوسف علی شاہ صاحب رو پڑے اور کہا چارپائی لانے کا مستحق میں ہی ہوں۔ چنانچہ انہیں کے نئے غیر مستعمل پلنگ پر نعش مبارک لٹائی گئی اور تجہیز و تکفین کے متعلق جس قدر ضروریات تھیں وہ سب بھی میر یوسف علی شاہ صاحب کے صرف سے خریدی گئی تھیں۔ عصر کے بعد چونکہ وقت تھوڑا رہ گیا تھا اس لئے جنازہ کا پڑھنا بعد مغرب تک ملتوی رکھا گیا۔ مگر ابھی لوگوں کے گروہ کے گروہ آخری دیدار کے مشتاق و منتظر تھے۔ ہمیں تدفین کے واسطے جلدی تھی۔ لوگوں نے آخری دیدار کے واسطے کہا تو مولانا عبدالخالق صاحب نے یہ تجویز سوچی کہ جنازہ مبارک کو اس طرح ہاتھوں پر اٹھایا جائے کہ لوگ بخوبی دیکھ سکیں۔ مغرب کے بعد احاطہ میں خلق کا ہجوم بہت بڑا ہو گیا تھا اس لئے نماز پڑھنے کے واسطے جنازہ میدان میں لے گئے۔ میدان بڑا وسیع تھا۔ خلقت کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ صفیں درست کی گئیں اور ہم نے خود کھڑے ہو کر صفوں کی ترتیب کرائی تو پہلی بار کی نماز میں اٹھارہ صفیں تھیں اور ہر صف میں ایک ہزار آدمی تھے۔ چونکہ اس صدمہء جانکاہ کی وجہ سے مجھے اپنی طبیعت پر قابو نہ تھا اور خلیفہ مظفر علی خاں صاحب بوجہ بزرگی کے، باوجود اس صدمہ دلخراش کے ضابطہ[1] اور مستقل مزاج رہے تھے اس لئے نماز پڑھانے کے واسطے انہیں کو منتخب کیا گیا اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پہلی بار نماز سے فراغت پاتے ہی اور بہت سی خلقت ہجوم کر آئی، یہاں تک کہ شہر کے ہندو بھی آ جمع ہوئے۔ دوسری دفعہ پھر نماز جنازہ پڑھی گئی اور بہت سے ہندو بھی ویسے ہی ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا تم باوجود ہندو ہونے کے نماز میں جو آ شریک ہوئے ہو اس کی کیا وجہ ہے، اور تم نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا میاں صاحب شاہ صاحب تو اوتار تھے ان کی ہمیں محبت تھی اور وہی محبت ہمیں کھینچ لائی تھی۔ اور نماز میں تو ہم یوں کہہ رہے تھے کہ اے پرمیشر میاں صاحب کے واسطے جو کچھ مسلمان مانگتے ہیں وہی دعا ہم بھی کرتے

---

[1] صابر

ہیں تو میاں صاحب کو ہماری مانگ سے بھی زیادہ دینا۔ مگر اس دوسری دفعہ میں ہم نے شمار نہیں کیا کہ کس قدر آدمی تھے۔ رات ہوگئی تھی۔ جنازہ اٹھایا گیا چنانچہ دو رویہ صفیں ہوگئیں اور جنازہ مبارک اسی ہیئت کے ساتھ اٹھا کر احاطہ تک لائے اور حسب الارشاد حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے جہاں حضور نے حیات میں ہی فرمادیا تھا تقریباً دس بجے شب کے عین شریعتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق وہ گنجینہ اسرارِ ربانی[1] فرشِ خاک کے سپرد کیا گیا۔

میں اور سائیں مغلی شاہ اور میر یوسف علی شاہ صاحب نے اور ایک دو صاحب اور بھی تھے، مگر مجھے نام یاد نہیں رہا، حضور علیہ الرحمتہ کو لحد میں رکھا اور پھر آخری دیدار کے واسطے روئے مبارک کھولا تو اس وقت بھی آپ کا چہرہ مبارک ویسے ہی چمک رہا تھا جیسا کہ حالتِ حیات میں ہوا کرتا تھا۔ ظاہر بُشرہ[2] سے کوئی علامت موت کی نہیں پائی جاتی تھی۔ نیچے فقط خاک تھی اور لحد کے اوپر لکڑی کے برگے[3] رکھے گئے۔ اس کے اوپر چٹائی بچھائی گئی اور بعدہٗ جناب صاحبزادہ خالق داد صاحب نے ایک بوتل عرق گلاب چھڑکی۔ بعدازاں مٹی ڈال کر قبر مبارک عین شریعت کے موافق درست کی گئی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد ایک عجیب بات یہ دیکھی گئی کہ جو محبت والے لوگ خبر وصال سن کر دور دراز کے سفر سے آخری دیدار کے واسطے حاضرِ خدمت ہوئے تھے تو ہر چند جذبِ محبت کی وجہ سے آتے ہی ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور بہت کچھ آہ و فغان اور نالہ و زاری کرتے تھے مگر حضور رحمتہ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑتے ہی گریہ بالکل بند ہو جاتا تھا اور ایک عجیب قسم کا سرور اور لذت ایسی حاصل ہوتی تھی کہ تمام رنج و غم یک لخت بھول جاتے تھے۔ تدفین سے فارغ ہوتے ہی وہی زخم پھر ہرا ہو گیا اور سب پر رنج و غم کی ایک تیرہ تار گھٹا چھا گئی کیونکہ جس آفتابِ ہدایت وارشاد کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر تسکین ہو جاتی تھی اب وہ نورانی چہرہ بھی چھپ چکا تھا۔ غم کا گویا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اس وقت کی کیفیت ایک سخت اندوہ ناک تھی۔ قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کا عشرِ عشیر بھی بیان کر سکے۔

الغرض چند صاحبِ نسبت بزرگ اس غرض سے قبر پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں قبر میں حضور کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اندر سے کلمہ شریف کی آواز آ رہی

---

[1] اللہ تعالیٰ کے رازوں کا خزانہ [2] چہرہ [3] شہتیر

ہے۔ اور حضور کی روحانی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ اوّل تو ان مراقبہ کرنے والوں کو کلمہ طیبہ کے ذکر میں ایسا استغراق ہُوا کہ ان کو ماسویٰ اللہ کے ہوش نہ رہا۔ معلوم کرنا تو درکنار رہا بلکہ تین روز تک اسی استغراق میں رہے۔ پھر وہ بے شمار مخلوق جو دفن کرنے کے بعد کھڑی ہوئی تھی اس نے بے اختیار کلمہ شریف پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ بہت سے ہندو جو اس وقت وہاں موجود تھے وہ بھی بے اختیار کلمہ شریف پڑھنے لگے اور آدھ گھنٹہ تک کلمہ شریف کا یہی جوش رہا۔ وہ بزرگ پہلے تو سکوت کیے ہوئے مراقب بیٹھے رہے مگر کلمہ شریف کا جوش زیادہ بڑھ گیا تو وہ بزرگ بھی عام لوگوں کے ساتھ کلمہ شریف پڑھنے میں مشغول ہو گئے اور کہا یہ قبر کے اندر کے کلمہ شریف کا جوش ہے جو یہاں ظاہر ہو رہا ہے۔ تیسرے دن پھر ایک بزرگ قبر پر جا مراقب ہوئے کہ دیکھیں تو منکر نکیر کا برتاؤ کیسا رہا؟ حضرت علیہ الرحمتہ سے روحانی ملاقات ہوئی۔ پوچھا حضور کے ساتھ حساب قبر کا کیسا رہا؟ فرمایا کیسا حساب کتاب؟ انہوں نے کہا حضور کتابوں میں لکھا ہے کہ اس طرح قبر میں دو فرشتے آ کر سوال کیا کرتے ہیں، ایک منکر ہے دوسرا نکیر۔ حضور نے ہاتھ سے ایک خاص اشارہ کر کے فرمایا ہمارے سامنے تو کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔

اس کے علاوہ آپ کے وصال کے وقت جو جو بزرگوں والی خصوصیات وقوع میں آئیں ہم انہیں متقدمین اکابر اولیاء اللہ کے حالاتِ وفات کے ساتھ مطابق کئے دیتے ہیں، صاحبِ عقلِ سلیم خود سمجھ لے گا۔ منجملہ دیگر خصوصیات کے ایک یہ خصوصیت حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے وصال کے وقت وقوع میں آئی کہ آپ کا وصال ایسے وقت میں ہوا جبکہ کسی نماز کا وقت نہ تھا کیونکہ دس بجے دن کے حضور کا وصال ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ وقت کسی فرض نماز کا نہیں ہے اور صبح کی نماز آپ با جماعت ادا فرما ہی چکے تھے۔ پس آپ کے ذمہ فرائض میں سے کوئی فرض باقی نہیں رہا تھا اور آپ تمام فرائض سے سبکدوش ہو کر اپنے محبوبِ حقیقی سے واصل ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے جو وہ اپنے برگزیدہ اور مقبول بندوں پر مبذول فرمایا کرتا ہے۔

چنانچہ نقل ہے کہ بدر الدین اسحاق شامی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک بزرگ کا وصال ہُوا جو بڑے کامل اور اللہ تعالیٰ کے مقبول اور بڑے مشہور ولی اللہ تھے۔ حضرت بدر الدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے، جو ان بزرگ کے وصال کے وقت موجود اور ان کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے،

پوچھا کہ ان بزرگ کی موت کیونکر وقوع میں آئی۔ لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت آخری وقت میں ان پر سکرت و بے ہوشی طاری ہوگئی تھی اور ایک یا دو نمازیں ان کی فوت ہوگئی تھیں۔ حضرت بدرالدین اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا "بہ نمرد، بہ نمرد، بہ نمرد، ہر چند کہ ایمان سلامت بہ برد۔" (ترجمہ۔ مردانگی نہ رہی، مردانگی نہ رہی، مردنگی نہ رہی اگرچہ ایماں سلامت رہا۔) لوگوں نے پوچھا حضرت اس کی کیا وجہ؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے جو احکام اور فرائض ان کے ذمہ تھے اور جن کا ادا کرنا ان کے ذمہ ایک بڑا بھاری بوجھ بمنزلہ قرض کے تھا اس قرض سے پوری طرح سبکدوش نہ ہوئے گو اس سے ان کے مرتبہ میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی مگر شانِ مردانگی کے خلاف ہوا۔ مردانگی اس بات کی مقتضی تھی کہ یہ کوتاہی بھی وقوع میں نہ آتی اور لوگوں کو آگاہی ہو جاتی کہ جس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے اس کے احکام میں اس طرح کی دلاوری و مردانگی سے کام لینا چاہیئے کہ اس کے احکام کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ نہ رہ جائے۔ بس اسی قضا کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ "بہ نمرد" ورنہ ان کے مرتبہ اور شان میں کسی طرح کا نقصان واقع نہیں ہوا۔

دوسری خصوصیت جو بڑی شان اور عظمت پر دلالت کرتی ہے یہ تھی کہ آپ کی وفات بعینہٖ اسی طرح وقوع میں آئی جس طرح کہ حضرت قیوم اوّل، امامِ ربانی، مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی واقع ہوئی تھی۔ اور جس طرح حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے پابندیٔ سنّت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہوا تھا اسی طرح حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے وصال کے وقت بھی ظہور میں آیا۔ چنانچہ کتاب روضۂ قیومیہ میں سے حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالاتِ وصال کے متعلق جس قدر عبارت ہے وہ بجنسہٖ یہاں درج کی جاتی ہے اس سے بخوبی موازنہ ہوسکتا ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

آنجناب پر ضعف غالب ہوا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ[1] غایت استقامت سے آپ کی عبادت اور اوقاتِ وظائف میں کوئی خلل واقع نہیں ہُوا۔ اسی طرح ذکر و شغل وظائف اور مراقبہ اور دن رات کے ورد اور باجماعت نماز ایامِ صحت کی طرح تا بہ آخر دم ادا ہوتے رہے اور دقائقِ شریعت میں سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سہ[2] شنبہ کی رات ماہِ صفر کی اٹھائیسویں تاریخ کہ اس سے اگلا دن آپ کے

1۔ بہت زیادہ 2۔ منگل

وصال کا تھا، آپ اپنے خدمتگاروں کو فرماتے تھے کہ اب آخری رات تمہاری تکالیف کی ہے، کل تم اِس محنت سے آزاد ہو جاؤ گے تم پر بہت محنت پڑی ہے۔ رات بھر یہ ہندی مصرعہ پڑھتے رہے ع

آج ملاوا کہ پیا ، سب جگ دیواں وار

یعنی اے قوم ہمنشیں! آج وصال کا دن ہے، میں اِس خوشی میں تمام جہان کی دولت صدقہ کرتا ہوں۔ رات بھر تمام مسنون دعائیں، جو صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہیں، پڑھیں۔ ایک تہائی رات باقی تھی کہ اٹھ کر وضو کیا اور نماز تہجد کھڑے ہو کر پڑھی اور فرمایا کہ یہ ہماری آخری تہجد ہے اور ایسا ہی ہوا کہ صبح کے بعد رحلت فرمائی۔ چوتھائی رات باقی تھی فرمایا کہ[1] اصل اصبح لیل بلکہ قریب فجر تک ہی یہی حرف فرماتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو فجر کی نماز ادا کر کے حسبِ عادت قدیم مراقبہ فرمایا۔ پھر اشراق کی جمعیت سے پڑھی اور ماثورہ دعائیں بھی پڑھیں۔ پھر فرمایا پیشاب کے واسطے چلمچی لاؤ۔ چلمچی لائی گئی۔ اس میں ریت نہ تھی۔ آپ نے فرمایا لے جاؤ، ریت ڈال کر لاؤ، قطرات کے بستر پر پڑنے کا احتمال ہے ایسے وقت میں بھی احتیاط نہ چھوڑی۔ جب ریت ڈال کر لائے تو فرمایا کہ اب وقت تنگ ہے اس قدر فرصت نہیں کہ پیشاب کر کے پھر وضو کر سکوں۔ اٹھا لو اور مجھ کو فرش پر لٹا دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بستر پر تکیہ لگایا گیا تو بطریق مسنون سر شمال کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف داہنا ہاتھ ٹھوڑی مبارک کے نیچے کی داہنی طرف رکھ کر ذکر میں مشغول ہوئے۔ جب حضرت خازن رحمتہ اللہ علیہ نے دم کی تیزی محسوس کی عرض کیا کہ مزاج کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ہے، جو دو رکعت نماز پڑھ چکے ہیں کافی ہے۔ یہ کلمہ آپ کا آخری کلام ہے پھر سوائے ذکرِ الٰہی کے کسی سے بات نہیں کی اور آخری کلام انبیاء کا بھی ذکرِ الٰہی تھا علیہم السلام۔ ایک لمحہ کے بعد حضرت قیومِ اوّل، مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اللہ اللہ کہتے ہوئے حق سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت صاحب علیہ الرحمتہ اور حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالاتِ وفات کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات بعینہٖ اُسی طریق سے ظہور میں آئی جیسے کہ حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ ابتدائے مرض سے نماز با جماعت اور تمام اذکار و

---

[1] اس رات کی صبح کو واصل باللہ ہو جاؤں گا۔

اشغالِ وظائف ومراقبات تابہ آخردم آپ نے بڑے استقلال کے ساتھ پورے کئے جس طرح حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کرتے رہے تھے۔اور رسول کریم ﷺ کی سنّت کے موافق جس طرح حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے چارپائی سے نیچے زمین پر بستر کرا کراس پرآخری وقت میں استراحت فرمائی تھی ویسے ہی حضرت صاحب علیہ الرحمتہ بھی بعد نمازِ فجر زمین پر چٹائی بچھوا کر بطریق مسنون شمالاً جنوباً لیٹ رہے اور قطع نظر دیگر امور کے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام وسلف صالحین اور جملہ متقدمین اکابر اولیاء اللہ اور حضرت مجدّد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ ذکرِ الٰہی میں واصل بحق ہوئے تھے اسی طرح حضرت صاحب علیہ الرحمتہ بھی سلطان الاذکار میں ہی جوارِ رحمت حق میں تشریف لے گئے۔اور باقی جزوی حالات کا موازنہ اہلِ ہدایت خود کرلیں گے زیادہ طوالت کی چنداں ضرورت نہیں۔کیونکہ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْهِ الْاِشَارَۃ:(عقل مند کیلئے اشارہ کافی ہے۔)

وصال سے چھ ماہ پیشتر کا ذکر ہے کہ ایک روز اندر مکان میں جا کر چھوٹی مائی صاحبہ سے فرمایا کہ لو اب ہم جلدی جانے والے ہیں۔مائی صاحبہ یہ سن کر رو پڑیں اور عرض کیا حضور پیچھے میرا کیا حال ہوگا؟ فرمایا ہم نے تو یہی دعا کی تھی کہ تم ہماری زندگی میں ہم سے پہلے چلی جاؤ مگر معلوم ہوا کہ تم ہمارے بعد ختم فاتحہ دلاؤ گی اور پھر تم جلدی ہمارے پاس آجاؤ گی۔بعد وصال حضرت صاحب علیہ الرحمتہ مائی صاحبہ چھ مہینے حیات رہیں اور شعبان میں شب برات سے دو تین روز پیشتر پٹیالہ میں میرے پاس مائی صاحبہ کی علالتِ طبع کی خبر پہنچی۔میں فوراً انبالہ شریف حاضر ہوا اور عین شب برات کی رات کو آپ نے چھ ماہ کے بعد وصال فرمایا۔آپ کی تدفین کے وقت سر کی طرف سے میں نے اور پاؤں کی طرف سے غلام حسین مائی صاحبہ کے پہلے شوہر کے بیٹے نے پکڑ کر اور کئی ایک دیگر مخلصوں نے مل کر جنازہ مبارک لحد کے اندر رکھا کیونکہ دفن کرنے کا ہمارا ہی حق تھا۔وجہ یہ کہ حقیقی فرزند آپ کے ہمیں لوگ تھے۔اور ان کا روضہ مبارک حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے پہلو میں شرق کی طرف بنا تھا۔

نقل ہے کہ جس روز حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا وصال ہوا اسی روز رات کو ایک بڑے کامل بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک چوپہیہ گاڑی میں ایک نہایت ہی حسین وجمیل اور باشوکت د

بیت شخص سوار ہیں اور حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کو گود میں لئے بیٹھے ہیں اور گاڑی چلی جا رہی ہے۔ ان بزرگ نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ پاس والوں نے جواب دیا کہ سیّد المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کی گود میں یہ حضرت توکل شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

نقل ہے کہ جس روز حضور علیہ الرحمتہ کا وصال ہوا اسی روز ایک بزرگ نے لدھیانہ میں خواب میں دیکھا کہ حضرت علیہ الرحمتہ کی قبر مبارک حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے برابر بنی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ پر مجدد دی فیضان کامل طور سے وارد ہو چکا تھا اور مجدد دی سلوک میں سے کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا اور تابع و متبوع والا فرق درمیان سے اٹھ کر تابع و متبوع ایک ہو گئے تھے۔

ایک اور بات یہاں تحریر کرنی ہے کہ بعد وصال چھ ماہ یا کم و زیادہ کے قریب جب قبر مبارک پختہ کرنے کے ارادہ سے برگوں[1] کے اوپر کڑا پختہ باندھا گیا تو اس وقت ایک طرف سے ایک مخلص نے چوری سے غلبہء عشق کی وجہ سے تھوڑا سا سوراخ، جس سے کہ تمام بدن مبارک دیکھ سکے، کھول کر دیکھا تو تمام بدن مبارک اور کفن مبارک تر و تازہ اور سالم تھا اور خوشبو نے اندر سے اس قدر غلبہ پایا کہ دماغ برداشت نہ کر سکے اور تمام حاضرین کو اندرونی خوشبو نے محو کر دیا پر فوراً وہ بند کر دیا گیا اور اس خوشبو کا اثر دماغوں میں کئی روز تک رہا۔

---

[1] لکڑی کے تختوں

فصل دوم

متفرقاتِ کتاب

بعض لوگوں نے جولکھا ہے کہ حضرت مائی صاحبہ ایک تقریب سے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ پر عاشق وفریفتہ ہوگئی تھیں اور آخرالامر جب بابو صاحب، ان کے پہلے شوہر، فوت ہو گئے تو مائی صاحبہ کو موقع ہاتھ آ گیا اور انہوں نے یہ سفارش حضرت شیخ المشائخ خواجہ حاجی محمود صاحب[1] حضرت علیہ الرحمتہ سے نکاح کرایا۔ یہ اس طرح نہیں۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے اس واقعہ کا کہیں پتہ ونشان نہیں ملا بلکہ یہ ثابت ہوا کہ حضرت مائی صاحبہ ابتدا ہی سے بڑی پاکباز، خداپرست، حق طلب اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نیک بندی تھیں۔ جب آپ بیوہ ہوگئیں تو آپ کا دل دنیا کی طرف سے سرد ہو گیا اور آپ نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے دوسرا نکاح صرف ایک مقبول ولی اللہ کے ظل میں آ جانے کی نیت سے کیا تھا اور ایک ولی اللہ کے ظل میں آنے کی صورت بغیر نکاح کے نکاح جیسی نہیں ہو سکتی تھی۔ جس قسم کے خیالات بعضوں نے آپ کی طرف منسوب کئے ہیں ایسے خیالات سے وہ بالکل پاک اور مبرا تھیں۔ ان کا مدعا صرف اتنا ہی تھا کہ میں اس مقبولِ خدا کے سایہ میں آ کر بے حساب بخشی جاؤں اور عاقبت اچھی ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کی عاقبت بخیر ہوگئی اور حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے پہلو میں ہی مدفون ہوگئیں اور اب وہیں روضہ شریف کے پاس ان کا روضہ متبرک بنا ہوا ہے۔ البتہ اتنی بات درست ہے کہ نکاح حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ کے حکم ہی سے ہوا تھا اور خود حاجی صاحب علیہ الرحمتہ ہی نے نکاح پڑھا تھا۔ اور بعض لوگوں نے جو خلیفہ الٰہی بخش کے متعلق لکھا ہے مجھے اس واقعہ کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ وہ ازسرتاپا غلط ہے اس واسطے مجھے وہ تمام واقعہ لکھنا پڑا۔ وھو ہذا۔

حاجی الٰہی بخش ذات کے نجار[2] تھے اور پیشہ نجاری کیا کرتے تھے۔ ان کا اصلی نام جودالدین نے رکھا تھا ''اللہ دیا'' تھا۔ اُن کو سحر[3] کے سیکھنے کا شوق ہوا اور شاید کچھ سیکھا بھی تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ وہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور کی برکتِ صحبت کی وجہ سے ان کا

---

[1] حضور سائیں توکل شاہ رحمتہ اللہ کے دادا مرشد

[2] ترکھان [3] جادو

دل سحر کی طرف سے سرد ہوگیا اور یادِ خدا کی جانب متوجہ ہوگیا۔ حضور نے ان کو درود شریف پڑھنے کو فرمایا۔ درود شریف کی برکت سے ان کی حالت اور بھی اچھی ہوگئی۔ آخر تھوڑے دنوں کے بعد سحر سے قطعاً توبہ کر کے حضرت صاحب علیہ الرحمۃ سے بیعت کی۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے بعد بیعت ''اللہ دیا'' سے ان کا نام ''الٰہی بخش'' تبدیل کر دیا۔ پھر وہ ذکر و شغل میں بہت مشغول ہوئے اور یہاں تک حالت ہوئی کہ چوبیس ہزار درود شریف ہمیشہ پڑھا کرتے مگر ان کی عقل جنتیوں کی تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَکْثَرُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ بُلْہٌ یعنی اکثر بھولے لوگ دنیا سے جنت میں ہوں گے۔ اور ساتھ ہی بے علم بھی تھے۔

شاہ جی عبداللہ شاہ، اپنے پیر بھائی، کی سفارش سے حضور علیہ الرحمۃ نے ان کو اجازتِ تلقین دے دی تھی مگر فرماتے تھے کہ یہ بے سمجھ ہے اجازت کے قابل نہیں، تمہاری خاطر سے اجازت دے دی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ الٰہی بخش کو کشفِ قبور ہوگیا اور وہ قبروں سے فیض حاصل کرتے ہوئے گجرات پہنچے کیونکہ وہ اکثر سیاحی میں رہا کرتے تھے۔ شاہدولہ صاحب کی قبر سے خوب فیض حاصل کیا اور بہت سے لوگ مرید بھی کیے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے حضور علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیض حاصل کرتے رہے اور یہاں تک حالت ہوئی کہ ان کی شکل کسی قدر حضور علیہ الرحمۃ کی شکل سے مشابہ ہوگئی تھی۔ پھر وہ حضور سے اجازت لے کر حج کے لئے گئے۔ کچھ یونہی تھوڑا سا سرمایہ تھا۔ مگر خیر اللہ تعالیٰ نے ان کا حج کرا دیا اور روضہ مبارک رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ پھر وہاں سے واپس حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاجی الٰہی بخش حضور کے وصال کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے اور لوگوں کو نامِ خدا بتلاتے رہے اور بڑے صاحبِ تصرفات ہوگئے اور باعثِ ہدایت تھے۔ ایک دفعہ فصد لگوائی اور حجام سے کہنے لگے کہ اگر خون نکلنے سے آرام ہوتا ہے تو خوب گہرا نشتر لگاؤ۔ آخر فصد لگوائی اس کی وجہ سے بازو پر ورم ہوگیا اور اسی میں وصال پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. حاجی الٰہی بخش بہت ہی نیک بخت، پاکباز، متقی اور صالح آدمی تھے عاقبت بخیر ہوگئی۔ اصل واقعہ صرف اتنا ہی ہے باقی اور کوئی بات نہیں ہوئی۔

بعد وصال کے خلیفہ الٰہی بخش کو ایک نیک بندے نے خواب میں دیکھا کہ درود شریف پڑھ

رہے ہیں، بہت حضوریِ دل کے ساتھ۔ پھر اس نے خلیفہ جی سے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ خلیفہ جی نے جواب دیا کہ میں یہاں بہت خوش ہوں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہاں رہنے میں تو کوئی کمال حاصل نہیں کیا تھا سوائے تلقین اور بیعت حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کے، کمال اب حاصل ہوا ہے۔

ان کا اور ایک عجیب وغریب قصہ ہے کہ جس روز ان کا وصال ہُوا ہے ایک صاحب کو ان کے مدفون ہونے کے بعد یہ حالت نظر آئی کہ جب اُن کے پاس منکر نکیر آئے ہیں تو ان کی قربت کی وجہ سے خلیفہ جی بہت ہی بیتاب ہو گئے بلکہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اتنے میں روحانیت حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی تشریف لائی تو خلیفہ جی کو ہوش آ گیا اٹھ کر بیٹھ گئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ فقط اتنا فرمایا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی طرف اشارہ کر کے کہ ''میں آپ کا مرید ہوں'' اور حضور شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ ''ہاں میرا مرید ہے۔'' اتنا کلام سن کر منکر نکیر واپس چلے گئے اور خلیفہ جی پر آثار مغفرت کے ظاہر ہو گئے اور وہ درود خوانی میں مشغول ہو گئے ....۔

کامل پیر کی امداد قبر اور حشر میں بطور اتم ظاہر ہوتی ہے اور انہیں اوقات کے واسطے پیر کامل مکمل[1] کی بیعت کرنے کی اشد ضرورت ہے اور کیا ہی عمدہ شعر اس موقعہ پر حضرت بُوعلی شاہ قلندر صاحب کا یاد آیا ہے ؎

گر نگردد طالباں را دست گیر
طالباں ہرگز نگیرند دستِ پیر

ترجمہ: اگر مریدوں کیلئے کوئی دستگیری کا اہل نہ ہوتا تو مرید کبھی شیخ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔

نقل ہے کہ حضور کے ہمسایہ میں ایک شخص نے پرنالہ کا مقدمہ دائر کیا کہ میرا پرنالہ اس جگہ تھا، دوسرا فریق وہاں سے مانع تھا۔ عدالت میں مقدمہ گیا تو ایک فریق حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور نے میرے پرنالہ کو دیکھا ہوا ہے، حضور میرے حق میں شہادت دیں۔ آپ نے فرمایا اگلی بات تو ہمیں یاد نہیں، جس جگہ پرنالہ تھا وہاں لگا دو ہم دیکھ لیں گے اور دیکھ کر پھر گواہی دے دیں گے، کہ یہاں لگا ہوا دیکھا ہے۔ خیر اس نے عدالت میں حضور کی گواہی لکھوا دی۔ ڈپٹی صاحب نے کہا شاہ صاحب کی گواہی ہم وہیں جا کر لے لیں گے۔ جس وقت ڈپٹی صاحب گواہی لینے کے واسطے

---

[1] مکمل

موقعہ پر آئے تو اس وقت حضور شاہ عبدالرسول کی مسجد میں مراقب تھے۔ وہ ڈپٹی وہیں پہنچا۔ ایک درویش نے دروازہ کے پاس دور ہی سے ڈپٹی کو دیکھ کر عرض کیا کہ حضور وہ ڈپٹی گواہی کے واسطے آیا ہے۔ حضور نے دروازے کی طرف دیکھ کر فرمایا کہاں ہے؟ جونہی حضور کی نظر اس پر پڑی وہ فوراً لڑکھڑا کر الٹا گر گیا اور چلایا اور وہیں سے واپس بھاگا اور گواہی لینے سے باز آیا۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ جاتا کیوں ہے گواہی تو لیتا جا؟ اس نے کہا کہ توبہ ہے میری مجھ سے خطا ہوئی، معاف فرمادیں۔ آپ نے معاف فرمادیا اور وہ چلا گیا۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ پختہ خیال ہو گیا کہ امام کے پیچھے الحمد شریف ضرور پڑھنی چاہیے۔ ابھی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارادہ ہی تھا اور الحمد شریف پڑھنی شروع نہیں کی تھی کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت آپ کو نظر آئی اور آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ افسوس آپ ایسے مشائخِ وقت میں سے ہو کر بھی اس مسئلہ میں متردّد ہیں۔ حالانکہ میرے زمانہ سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں اکثر اولیاء اللہ میری تحقیق پر چلتے اور اس مسئلہ میں میرے فتوے پر عمل کرتے آئے ہیں۔ آپ باوجود شیخِ وقت ہونے کے اس کی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں میرے اس طریقہ کی قبولیت ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز نے اپنا وہ ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا معلوم بھی ہے کہ تقلید میں کیا فائدہ ہے؟ ہم پڑھے ہوئے تو نہیں مگر جو بات ہمیں معلوم ہوئی وہ ہم بتا دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت کے مسائل تو سبھی مقبول ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور اللہ تعالیٰ کے احکام جو ہوئے مگر دیکھنا اس بات کا ہے کہ یہ جو اِن مسائل کا عامل ہے اس کے کسب و دخل کی بھی قبولیت و منظوری ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کا استنباط[1] اور آپ کی عادت اور زہد و تقویٰ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منظور و قبول ہو چکا ہے۔ مسائلِ شرعیہ بنفسِ ذاتہٖ تو خوبصورت تھے ہی اب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص کی وجہ سے یہ عنایت اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر فرمائی۔ جو کوئی آپ کے استنباط پر عمل کرے اس کے کسب و عمل میں بھی یہ طاقت آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منظوری و

[1] ایک مسئلہ سے دوسرا مسئلہ اخذ کرنے کا طریقہ

قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔اور ہر شخص کی اپنی ذاتی تحقیق میں یہ طاقت نہیں ہوسکتی کہ بارگاہِ خداوندی میں منظور وقبول ہو سکے اس لئے حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے استنباط اور طریقہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ دنیا فانی ہے فقیر کو اس میں دل نہیں پھنسانا چاہیئے بلکہ اس سے منہ موڑ کر باقی کے ساتھ یاری لگانا چاہیئے تا کہ باقی کے ساتھ خود بھی باقی ہو جاوے۔ چنانچہ نقل ہے کہ ایک بزرگ کا بادشاہ مرید تھا۔ وہ بادشاہ بار بار اپنے پیشوا کی خدمت میں عرض کیا کرتا کہ حضور مجھے حکم دیں تا کہ میں حضور کے واسطے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مکان بنوادوں۔ آپ جواب میں فرمادیا کرتے کہ یہ دنیا خود بھی فانی ہے اور اس کی تمام چیزیں بھی فانی ہیں پھر یہ فانی چیزیں بنانے اور ان میں دل پھنسانے کی کیا ضرورت ہے؟ غرض بادشاہ بار بار عرض کرتا رہا اور وہ درویش ہر بار دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلا کر اسے منع فرماتے رہے۔ ایک روز وہ بزرگ کنارۂ دریا پر بیٹھے تھے کہ اتفاقاً بادشاہ بھی وہاں آنکلا۔ بعد سلام مسنون اور آداب بجالانے کے پھر وہی عرض کی کہ حضور مجھے مکان بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ ان بزرگ نے فرمایا اگر تجھے مکان بنانے کی ایسی ہی خواہش ہے تو اس دریا کے عین منجدھار میں مکان بنادے۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ حضور اس جگہ تو مکان نہیں بن سکتا کیونکہ دریا کی طغیانی اور پانی کی کثرت مکان کی بنیاد ہی نہ رکھنے دے گی۔ تو ان بزرگ نے فرمایا کہ بس! ہمارے نزدیک تمام دنیا اسی طرح فانی ہے جس کو کوئی ثبات وقیام نہیں اور ہر دم فنا اس کے ملیامیٹ کرنے کو مستعد ہے۔ پھر ایسی فانی چیزیں کیوں بنائیں؟

باب ہشتم

معمولات

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول :معمولاتِ عامہ فصل دوم :تصورِ معانی وغیرہ

فصل اوّل

معمولاتِ عامہ

وظائف وغیرہ درود شریف صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضورِ انور علیہ الرحمتہ ابتداءً ہر شخص کو اس کی کثرت کیلئے فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ درود لطیفہءِ قلب کو بہت فائدہ کرتا ہے اور اس کی کثرت سے لطیفہءِ قلب کھل جاتا ہے۔ اس کے پڑھنے کی یہ ترکیب عموماً مریدان کو فرمایا کرتے کہ اس کے پڑھتے ہوئے منہ روضہءِ رسول ﷺ کی طرف کرو اور یہ خیال کرو کہ میں روضہءِ رسول اللہ ﷺ پر بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہوں اور ذاتِ احدیت سے فیض رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک میں آ رہا ہے اور رسولِ کریم ﷺ کے قلبِ مطہر سے میرے قلب میں مثل دھار پانی کے پڑ رہا ہے اور قلب پر ہی نیت باندھ کر اسے پڑھنا چاہیے۔

جو شخص حضور سے بیعت ہونا چاہتا تھا تو اوّل حضور بائیں پستان سے دو انگل جانب بغل قلب پر انگشت شہادت رکھ کر فرماتے اللّٰہ اللّٰہ اور پھر بیعت فرما کر ہر نماز کے بعد ایک تسبیح آیت کریمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور بعد نماز عشاء گیارہ تسبیح درود شریف صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پڑھنا اور دم بند کر کے اللّٰہ اللّٰہ کرنا یعنی اسمِ ذات پڑھنا فرمادیا کرتے۔ دیکھا گیا ہے کہ فوراً اسی وقت اسمِ ذات قلب میں جاری ہو جاتا تھا۔ اور حبسِ دم کا یہ طریقہ فرماتے کہ منہ کی طرف سے قلب میں دم کو بند کر کے قلب سے اللّٰہ اللّٰہ کرنا مگر زبان حرکت نہ کرے فقط دل سے کرنا۔ جس قدر حبس میں ہو سکے ذکر اسمِ ذات کرے۔ جب سانس باہر نکالنے لگے تو منہ سے نہ نکالے، اگر منہ سے نکالا تو دانتوں کے نقصان کا خطرہ ہے بلکہ ناک کے راستے سے نکالے۔ جب سانس نکال چکے تو یہ الفاظ کہے "الٰہی تو پاک ہے میرا دل پاک کر اور محبت

ومعرفت اپنی مجھے دے۔ اور ہدایت فرماتے کہ قلب پر خیال کر کے اللّٰہ اللّٰہ کیا کرو اور چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ہر سانس کے ساتھ ذکر اللّٰہ کیا کرو اور خیال رکھا کرو کہ میرا قلب اللّٰہ اللّٰہ کہہ رہا ہے۔ اور لطیفہء روح پر یہ درود شریف پڑھنے کو فرماتے صَلَّے اللّٰهُ عَلیَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ[1] یا صَلَّے اللّٰهُ عَلیٰ مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ[2] ان دونوں میں سے ایک درود شریف ضرور تلقین فرماتے۔ اور فرمایا کرتے کہ لطیفہء روح اس درود شریف سے کھلتا ہے۔ اور صَلَّے اللّٰهُ عَلیٰ حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمْ[3] یہ درود شریف بھی آپ پڑھا کرتے اور فرماتے کہ اس درود شریف سے لطیفہء سر اور خفی دونوں کھلتے ہیں[4] اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ یہ درود شریف بھی آپ بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ اور لطیفہء اخفیٰ پر خیال کر کے پڑھتے تھے اور فرماتے کہ لطیفہء اخفیٰ اس سے کھلتا ہے اور سیر اس لطیفہ کی اعلیٰ درجہ کی شروع ہو جاتی ہے۔[5] اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ مِأتَه اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَیْهِ اور ایک اس طریقہ سے پڑھتے[6] اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ وَبِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّةٍ مِأتَه اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَیْهِ ط ان ہر دو طریق کے فضائل بہت فرمایا کرتے اور حاجاتِ دینی و دنیوی کے واسطے بہت فائدہ مند فرمایا کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ اگلے مقامات والوں کے واسطے یہ دونوں درود شریف یعنی اخیر کے بہت ہی افضل اور موجباتِ برکات ہیں۔ اور ابتدائی و متوسط مقامات والوں کو اکثر پہلے درود شریف یعنی اوّل پانچوں بتلایا کرتے تھے۔ علیٰ حسب مراتب۔

پہلے دس بجے دن کے اور بعد مغرب سلطان الاذکار حبسِ دم کے ساتھ کم از کم تخمیناً پانچ دم کرتے۔ اور سلطان الاذکار کا طریقہ کلمہ شریف میں آپ کا یہ تھا کہ ہر دو ہاتھوں کے ابہام[7] سے دونوں کانوں کو بند فرماتے اور دونوں ہاتھوں کے سبابہ[8] اور وسطی سے آنکھیں بند کرتے اور بنصر[9]

---

[1] درود بھیجے اللہ اوپر نبی امی کے اور اس کی آل کے اور سلامتی نازل کرے۔

[2] رحمت نازل کرے اللہ اور نبی امی محمد کے اوپر آپ کی آل کے اور سلامتی نازل کرے۔

[3] رحمت نازل کرے اللہ اوپر اپنے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ کی آل کے اور سلامتی نازل کرے۔

[4] اے اللہ درود بھیج اوپر ہمارے سردار محمد اور آل ہمارے سردار محمد کے اور اپنی تمام معلومات کی تعداد کے موافق ۱۲

[5] اے اللہ درود بھیج اوپر ہمارے سردار محمد اور آل ہمارے سردار محمد کے اپنی تمام معلومات کی تعداد کے موافق لاکھ لاکھ مرتبہ اور برکت وسلامتی نازل کر اور درود بھیج اوپر اس کے۔۱۲

[6] اے اللہ درود بھیج اوپر ہمارے سردار محمد اور آل ہمارے سردار محمد کے اپنی تمام معلومات اور ہر ذرہ کے موافق لاکھ لاکھ بار اور برکت وسلامتی نازل کر اور درود بھیج اوپر اس کے۔

[7] ابہام: انگوٹھے ـ [8] سبابہ: انگوٹھے سے ملحقہ شہادت کی انگلی ـ [9] بنصر: درمیانی اور چھوٹی انگلیوں کے درمیان والی انگلی ـ

سے دونوں نتھنے بند کرتے اور بنصر کو ہونٹوں یعنی لب ہائے مبارک پر رکھ کر سانس کو قلب میں بند کرتے۔ جب ختم ہونے کے قریب ہوتا تو نتھنوں کے ذریعہ سے سانس کو باہر نکالتے۔ اور کلمہ شریف کو حبسِ دم میں تصور کا مقام کر کے اس طرح پڑھتے کہ لفظ لَآ اِلٰهَ کو قلب سے روح تک کھینچتے، اور لفظ اِلَّا اللّٰهُ کی ضرب پھر قلب پر لگاتے۔ اور لوگوں کو بغیر حبسِ دم کے، خیال کے ساتھ کرنے کو بھی گاہ بگاہ یہ طریقہ فرما دیا کرتے۔ اور اصل الاصول اور تمام مقامات کو ترقی بخش یہی سلطان الاذکار ہے اور اس طریق سے فقیر پر منازل کھلتے ہیں یعنی وحدتِ وجود کے مشاہدہ سے وحدتِ شہود تک پہنچتا ہے۔ اور اگر خدا کے فضل سے یہ پورے طور پر حاصل ہو جاوے تو اس میں وصلِ عریانی ہو جاتا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ ابتداءً یہ ذکر کسی کو نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ بہت سے مجاہدہ کے بعد کراتے تھے۔

اور نفی و اثبات اس طرح سے فرماتے کہ لفظ لَآ اِلٰهَ کو ناف کے نیچے سے پیشانی پر کو کھینچتے ہوئے داہنے مونڈھے تک لائیں اور لطیفہ روح و خفی و اخفٰی بسر سے گزارتے ہوئے اِلَّا اللّٰه کی ضرب قلب پر لگاویں۔ اور فرماتے کہ یہ خاص طریقہ نقشبندیہ کا ذکر ہے اور اس کو نفی اثبات کہتے ہیں۔ اور [1] سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ط وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کی پانچ تسبیح پڑھنا آپ کا معمول تھا مگر وقت معین کوئی نہ تھا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی صوفی آ کر سوال کرتا کہ میرا فلاں مقام اٹک گیا ہے کھلتا نہیں یا کوئی اور شخص کسی مشکل کے واسطے عرض کرتا تو حل مشکلات کے واسطے اسی کلمہ تمجید کی پانچ تسبیح پڑھنے کا ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے اس کے پڑھنے سے آدمی شیطان کے دھوکے اور خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔ اور پانچ تسبیح [2] سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ ط کی پڑھتے مگر اس کا وقت بھی کوئی معین نہ تھا۔ اور اکثر جب کبھی کوئی شخص بخار درد یا کسی اور تکلیف کے واسطے آ کر سوال کرتا تو سات تار کا دھاگا منگا کر سات سات مرتبہ یہی آیت پڑھ کر دم کرتے اور سات گرہیں دیتے۔ ہر مرض کو اسی سے شفا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اب بھی یہی معمول ہے کہ ہر مرض کے واسطے یہی آیت لکھ کر پانی میں دھو کر پلائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا ہے حتیٰ کہ دردِ زہ کے واسطے بھی یہی دی جاتی ہے۔ آپ کو اس

---

[1] ترجمہ۔ پاک ہے اللہ اور سب تعریف ہے واسطے اللہ کے اور نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر وہ اور اللہ سب سے بڑا ہے اور نہیں ہے مدد گناہوں سے بچنے کی اور نہ طاقت طاعت و عبادت کی مگر ساتھ مدد اللہ برتر بزرگ کے۔ ۱۲ [2] سلامتی ہو یا ایک فرمان ہے پروردگار رحم والے کی طرف سے۔ ۱۲

سے بھی کم فرصت ہوتی تھی۔ درویشوں کو فرما دیا کرتے تھے کہ تم پڑھ دو چنانچہ درویش ہی پڑھ دیا کرتے اور بعض اوقات خود بھی کر دیا کرتے تھے۔

اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ کوئی شخص مریض کو لایا اور عرض کیا کہ حضور اس پر دم کریں تو آپ اس طرح دم کیا کرتے (اللہ فضل کرے چھو)۔ اور کبھی اس طرح دم کرتے (اَللّٰهُ شَافِیُ اَللّٰهُ کَافِیُ چھو) اور اسی سے شفا ہو جاتی تھی۔ اور بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط کی پانچ تسبیح پڑھا کرتے مگر خاص وقت اس کا بھی کوئی نہ تھا اور اکثر بسم اللہ شریف ہی پڑھ کر دم کر دیا کرتے اور اسی سے شفا ہو جاتی۔ اور حضور سیف زبان ایسے تھے کہ جو لفظ آپ کے منہ سے نکلتا وہی تعویذ بن جاتا۔

اور تین ہزار تین سو ساٹھ بار اَللّٰهُ الصَّمَدُ پڑھنے کی اجازت درویشوں کو دیا کرتے اور خود کبھی تو اس تعداد کے موافق اور کبھی گیارہ تسبیح پڑھتے اور فرماتے اس سے باطن کی صفائی بہت ہوتی ہے۔ اکثر دنیا کی تنگیِ رفع ہونے کے واسطے بھی یہی ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے تنگی رزق کیلئے یہ بہت اچھا نسخہ ہے۔ اور فرماتے ہمارے اکثر درویش اس کے پڑھنے سے کھلتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ امیر اللہ شاہ بھی اسی کے پڑھنے سے کھلا تھا۔ اور آپ کے پڑھنے کا یہ معمول دیکھا ہے کہ جب گیارہ بجے باہر نکلتے تو بلند آواز سے اس طرح پڑھتے اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ گیارہ تسبیح۔ اور بعد نماز عشاء بھی بلند آواز سے پڑھتے اور بعض اوقات نیچی آواز سے بھی پڑھ لیتے مگر اکثر یہی معمول تھا۔ اور ہر نماز کے بعد آیہ کریمہ کی ایک تسبیح آپ کا معمول تھا اور اس کا طریق یہ تھا کہ پہلے کم سے کم تین بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ شریف پڑھتے، پھر درود شریف تین مرتبہ، پھر کچھ تھوڑا سا مراقبہ فرما کر آیہ کریمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ترجمہ۔ نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر تو۔ تو پاک ہے تحقیق میں ظالموں سے ہوں۔ ۱۲) کی ایک تسبیح پڑھتے۔ اور اس میں بھی یہی معمول تھا کہ اکثر اوقات جہر کے ساتھ پڑھتے اور بعض اوقات خفی کے ساتھ۔

اور فرماتے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ شریف دس بار پڑھے اس سے، روزی کی تنگی دور ہو جاتی ہے اور سکراتِ موت میں تنگی نہیں ہوتی اور شیطان دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور بعض کا قول ہے کہ جہر اور خفی کے ساتھ پڑھنے میں سر یہ ہے کہ اگر کوئی کلام مقاصد دنیوی کے حصول کی غرض سے پڑھے تب تو جہر کے ساتھ پڑھے کیونکہ اس میں یہ فائدہ ہے کہ جب آدمی بلند آواز سے

ذکر کرے گا تو زمین کے رہنے والے ملائکہ اور تمام احجار و اشجار ذکر سے خوش ہوں گے اور اس کے واسطے دعا مانگیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ اور اگر تقربِ الٰہی کے غرض سے پڑھے تو خفی کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ کی آپ بہت تعریف فرمایا کرتے اور فرماتے کے اوائل میں ہم نے بہت پڑھا ہے۔ ایک روز فرمایا کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا قصہ ہے کہ جب ان کو خرچ کی تنگی ہوئی تو انہوں نے اَللّٰهُ الصَّمَدُ پڑھا۔ دیکھا کہ ان کا تمام حجرہ سونے سے بھر گیا ہے اور دیواریں بھی اندر سے سونے کی ہو گئی ہیں۔ اور خلیفہ الٰہی بخش مرحوم کی زبانی سنا ہے وہ کہتے تھے کہ مجھے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے اَللّٰهُ الصَّمَدُ کی ترکیب اس طرح فرمائی ہے کہ اگر کشائشِ رزق کے واسطے پڑھنا ہو تو اِس طریق سے پڑھے کہ اعتکاف میں بیٹھے اور ہمیشہ روزہ رکھے اور نمازی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھائے اور سوائے اس کھانا کھلانے والے کے اور کسی سے بات نہ کرے، نہ کسی دوسرے کا چہرہ دیکھے نہ اپنا دکھائے۔ حیوانات، جلالی و جمالی سے پرہیز کرے اور ہر روز غسل کر کے پچپن ہزار بار بلا ناغہ پڑھا کرے اور پورے چالیس روز تک پڑھتا رہے اور اس اثناء میں صرف جَو کی روٹی نمک کے ساتھ کھاوے تو بارگاہِ خداوندی سے علاوہ تقربِ الٰہی کے اس کے پانچ روپیہ روز مقرر ہو جاویں گے۔ اور اسی آیہ کریمہ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو منہ والی تلوار ہے، جس قدر اس سے دین حاصل ہوتا ہے اسی قدر دنیا بھی حاصل ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص نے چلہ کے واسطے اجازت مانگی تو فرمایا کہ ہر روز گیارہ تسبیح پڑھ لیا کرے یہی چلہ کافی ہے۔ اور اکثر آپ ان مروجہ چلوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور درود شریف کی کثرت پر خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اِس سے روح رسول اللہ ﷺ سے پرورش شروع ہو جاتی ہے۔

اور ایک بڑا کمال آپ کا یہ دیکھا کہ جو شخص کوئی وظیفہ پڑھ کر آپ کے سامنے آجاتا تو آپ نورِ باطن سے معلوم کر کے اس سے پوچھا کرتے کہ تو فلاں وظیفہ پڑھا کرتا ہے؟ چنانچہ ایک دفعہ جب کہ میں درود شریف کی کثرت کیا کرتا تھا، درود شریف پڑھ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا مولوی صاحب کیا بات ہے ہم تم کو اکثر مدینہ شریف ہی کی گلیوں میں پھرتا ہوا دیکھتے ہیں، تمہاری روح وہیں لگ گئی۔ اور بعض اوقات صرف معلوم ہی فرما لیتے اور دریافت نہ کرتے۔ اور

ایک خاصہ آپ کی طبیعت کا آپ کی تقریروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسولِ اکرم ﷺ کی محبت دونوں کو ایک ہی محبت سمجھتے تھے نہ کہ ان دونوں محبتوں میں کسی قسم کی تفریق کرتے تھے اور نہ ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر مقدم سمجھتے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو عین اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو عین رسول اللہ ﷺ کی محبت جانتے تھے۔ مجھے اس مسئلہ میں اکثر الجھن رہتی تھی مگر مکتوبات شریف میں یہ مکتوب دیکھا تو میری تسلی ہوگئی اور معلوم ہوا کہ آپ کا مشرب بعینہٖ مجددی تھا۔ مکتوب شریف یہ ہے:

جلد اوّل (دُرالمعرفت) مکتوب صد و پنجاہ و دوم۔ بسیادت و نقابت پناہی شیخ فرید صدور یافتہ در بیان آنکہ اطاعتِ رسول عین اطاعت حق است سبحانہ' و ماینا سب ذالک قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اطاعتِ رسول راعین اطاعتِ خود فرمودہ پس اطاعتِ خدائے عز وجل کہ در غیر اطاعتِ رسول باشد اطاعتِ اونیست سبحانہ'۔ واز برای تاکید و تحقیق ایں معنیٰ کلمہ قَدْ آورد تا بوالہوسی درمیانِ ایں دو اطاعتِ جدائی پیدا نکند و یکی را بر دیگری نگزیند و در جائے دیگر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شکایت میکند از حال جماعہء کہ درمیان این دو اطاعت تفرقہ می نمایند کماقَالَ سُبْحَانَہ' یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا۔ آرے بعضے از مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم در سکرِ وقت و غلبہ حال سخنان گفتہ اند کہ مؤذنِ تفرقہ اندمیانِ ایں دو اطاعت و مشعر باختیار محبت یکے بر دیگرے منقول است کہ سلطان محمود غزنوی در ایّامِ پادشاہت خود نزدیک بخرقان فرود آمدہ بود از آں جا وکلائے خود را بخدمت شیخ ابوالحسن خرقانی فرستاد و التماس نمود کہ حضرت شیخ بدیدن او بیایند۔ و بوکلائی خود گفت کہ اگر از شیخ توقفے فہم کنید کریمہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ برخوانید۔ چوں وکلاء از شیخ توقف فہمیدند کریمہ مذکورہ را برخواندند شیخ در جواب فرمودند کہ چنداں گرفتار اطیعو اللہ ام کہ شرمندۂ اطیعو الرسول ام و باطاعت اولی الامر چہ رسد حضرت شیخ اطاعت حق را سبحانہ' در غیر اطاعتِ رسول او دانست۔ ایں سخن از استقامت دور است مشائخ مستقیم الاحوال ازیں قسمِ سخنان تنزہ مینمایند و در جمیع مراتبِ شریعت و طریقت و حقیقت اطاعتِ حق

سبحانہٗ را در اطاعت رسول اومی دانند و اطاعتِ حق سبحانہٗ کہ در غیر اطاعت رسول اوست علیہ الصلوٰۃ والسلام عین ضلالت می انگارند و نیز منقول است کہ شیخ مہنہ و شیخ ابو سعید ابو الخیر مجلسے داشتند و سیّد اجل از اکابر ساداتِ خراسان نیز در مجلسِ ایشاں نشستہ بودند اتفاقاً دران اثنا مجذوبی مغلوب الاحوال پیدا شد حضرت شیخ اورا بر سید اجل تقدیم دادند سیّد را نا خوش آمد بسیّد فرمودند کہ تعظیم شما بواسطہء محبت رسول است علیہ الصلوٰۃ والسلام و تعظیم ایں مجذوب بواسطہء محبت حق سبحانہٗ۔ ایں قسم تفرقہ را نیز اکابر مستقیم الاحوال تجویز نمے نمایند و غلبہ محبت حق را سبحانہٗ بر محبتِ رسول او علیہ الصلوٰۃ والسلام از سکر حال میدانند و جز فضولی نمی انگارند۔ امّا ایں قدر ہست کہ در مقام کمال کہ مرتبہ ولایت است محبتِ حق سبحانہ غالب است و در مقامِ تکمیل کہ نصیبی از مقامِ نبوت است محبت رسول غالب ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰے اِطَاعَۃِ الرَّسُوْلِ الَّتِیْ ھِیَ عَیْنُ اِطَاعَۃِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔

(ترجمہ:۔ مکتوب ایک سو باون۔ سیادت و نقابت پناہ شیخ فرید کے نام صادر ہوا۔ اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری عین اللہ تعالیٰ کی تابعداری ہے اور جو اس کے مناسب ہے۔ فرمایا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جس نے رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کی تو بالتحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کو عین اپنی تابعداری فرمایا ہے۔ پس اللہ عزوجل کی وہ تابعداری جو رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کے خلاف ہو اللہ سبحانہ کی تابعداری نہیں اور انہی معنی کی تاکید و تحقیق کے واسطے اللہ سبحانہ کلمہ قد لایا ہے تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان تفرقہ پیدا نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔ اور دوسری جگہ میں اللہ تعالیٰ اس جماعت کے حال کی شکایت کرتا ہے جو ان دونوں اطاعتوں کے درمیان تفرقہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے۔ یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ یعنی وہ ارادہ کرتے ہیں کہ تفرقہ ڈالیں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں کہ ایمان لاتے ہیں ہم بعض پر اور انکار کرتے ہیں بعض کا۔ اور وہ ارادہ کرتے ہیں اس بات کا کہ اس کے درمیان ایک راستہ بنالیں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں۔) ہاں بعض بڑے بڑے مشائخ نے غلبہء سکر اور غلبہء حال میں ایسی دو باتیں کہی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان جدائی ہونے کی اطلاع کرنے والی ہیں اور ایک کی محبت کو دوسرے کی محبت پر اختیار کرنے کی خبر دیتی ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ سلطان محمود

غزنوی اپنی بادشاہی کے زمانہ میں خرقان کے نزدیک آ کر اترا۔ وہاں سے اپنے وکیلوں کو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ حضرت شیخ اس کی ملاقات کے واسطے تشریف لائیں۔ اور اپنے وکیلوں سے کہا کہ اگر شیخ کی طرف سے کسی قسم کا توقف سمجھو تو آیۃ اطیعو اللہ الایۃ پڑھنا یعنی تابعداری کرو تم اللہ کی اور تابعداری کرو رسول کی (ﷺ) اور تابعداری کرو صاحب حکومت کی اپنے میں سے۔ جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف معلوم کیا تو آیت کریمہ مذکور پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا میں اطیعو اللہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعو الرسول سے شرمندہ ہوں پس صاحب حکومت کی اطاعت کا تو مرتبہ بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ نے حق سبحانہ تعالیٰ کی تابعداری کو غیر اطاعتِ رسول اللہ ﷺ میں جانا۔ یہ بات استقامت سے دور ہے اور مشائخ مستقیم الاحوال اس قسم کی باتوں سے پاک رہتے ہیں اور شریعت و طریقت وحقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہ تعالیٰ کی اطاعت کو اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ اطاعت جو غیر اطاعت رسول اللہ ﷺ میں ہو اس کو عین گمراہی شمار کرتے ہیں۔ اور نیز منقول ہے کہ شیخ مہنہ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر ایک مجلس میں جمع تھے اور اکابر سادات خراسان میں سے سیّدِ اجل بھی ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً اسی وقت ایک مغلوب الحال مجذوب ظاہر ہوا۔ حضرت شیخ نے اس مجذوب کو سیّدِ اجل پر تقدیم دی۔ سید کو اچھا نہ معلوم ہوا۔ انہوں نے سیّد کو فرمایا کہ تمہاری تعظیم رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی محبت حق سبحانہ تعالیٰ کی وجہ سے۔ اس قسم کے تفرقہ کو بھی مستقیم الاحوال بزرگ جائز نہیں سمجھتے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے غالب جو اس کو سن کر حال کے سبب سے جانتے اور محض بیہودگی شمار کرتے ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مقام کمال میں بڑھ کر ولایت کا مرتبہ ہے اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور مقام تکمیل میں جو کہ نبوت کا حصہ ہے رسول اللہ ﷺ کی محبت غالب ہوتی ہے۔ ثابت رکھے اللہ تعالیٰ ہم کو رسول اکرم ﷺ کی محبت پر جو کہ عین سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہے۔

اور فرماتے کہ سلطان الاذکار معدہ خالی ہونے کے بعد حالت میں کرنا چاہیئے شکم سیری کی حالت میں نقصان کرتا ہے۔ اور ابتدا میں سلطان الاذکار آپ پانی میں بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور یہ

عمل پانی میں ہی کرنے کا ہے۔ کیونکہ کتابوں میں دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ اوّل ہی اوّل یہ عمل حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ کو تلقین کیا تھا اور پانی میں کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ مگر مجھ کو حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے ویسے ہی کھلا بغیر پانی کے کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اور جس کو تلقین فرماتے بغیر پانی کے ہی اجازت فرماتے اور اب آخر میں خود بھی بغیر پانی کے کھلا ہی کیا کرتے تھے۔ اور میں نے پانی میں اور بغیر پانی کے دونوں طریقوں سے کیا ہے مگر پانی میں کرنے کا زیادہ فائدہ دیکھا ہے۔

اور ایک وظیفہ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا قُلْ هُوَ اللّٰه شریف تھا۔ اس کو آپ سالم ہی پڑھتے تھے اور وظائف کی اجازت تو ہر ایک کو دے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ سلطان الاذکار کی اجازت بھی فرما دیتے تھے مگر قُلْ هُوَ اللّٰه شریف کی اجازت شاذونادر ہی کسی کو دیتے تھے۔ ابتدا میں تو قل شریف آپ بہت کثرت سے پڑھتے تھے مگر اب آخر وقت میں یہ دیکھا گیا ہے کہ کبھی عصر سے پہلے اور کبھی عصر و مغرب کے درمیان اور کبھی عشاء کے وقت پانچ تسبیح اور بعض اوقات ایک ہزار تک پڑھتے تھے۔ یہ معمول آپ کا قضا نہیں ہوتا تھا اور عموماً اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ اور اس کے پڑھنے یا چلہ کرنے یا عمل میں لانے کا حضرت صاحب قبلہ کی حیات میں تو کوئی خاص طریقہ معلوم نہیں ہوا مگر ایک پیر بھائی کی زبانی میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور حیوانات جلالی و جمالی ترک کرے اور جَو کی روٹی کھایا کرے اور باقاعدہ معتکف حضرت قبلہ کے روضہء مبارک پر ہو کر بارہ روز تک بارہ ہزار بار روز پڑھا کرے تو امید فائدہ کی ہے اور امید ہے کہ اس پر حقیقت قل شریف کی وارد ہو جاوے گی۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی حیات میں ایک دفعہ قل شریف کا یہ تعویذ میں کسی کتاب سے نقل کر کے خدمت میں لے گیا۔ پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو۔ اس کے بعد میں لکھتا تھا۔ اس کی برکت سے ہر ایک مشکل حل ہو جاتی تھی اور ہر ایک بیماری کو آرام ہو جاتا ہے۔ باقی قل شریف کے اسرار و حقائق لاتعداد و لاتحصٰی ہیں اس واسطے درج نہیں کئے جاتے تاکہ کسی نااہل کے ہاتھ میں نہ پڑ جائیں۔ ہر ایک شخص کو میری طرف سے لکھنے کی اجازت ہے، میں نے اس کو ہر امر میں بہت مؤثر پایا ہے۔

وہ تعویذ یہ ہے:

قُلْ	هو	اللّٰه	احد	اللّٰه	الصمد	لم	يلد
هُو	اللّٰه	احد	اللّٰه	الصمد	لم	يلد	ولم
اللّٰه	احد	اللّٰه	الصمد	لم	يلد	ولم	يولد
احد	اللّٰه	الصمد	لم	يلد	ولم	يولد	ولم
اللّٰه	الصمد	لم	يلد	ولم	يولد	ولم	يكن
الصمد	لم	يلد	ولم	يولد	ولم	يكن	لهٗ
لم	يلد	ولم	يولد	ولم	يكن	لهٗ	كفواً
يلد	ولم	يولد	ولم	يكن	له'	كفواً	احداً

اور فرماتے کہ فقیر کا سیر حقیقتِ محمد یہ ﷺ سے آگے نہیں ہوتا۔ اگر حقیقتِ محمد یہ ﷺ سے آگے تجلّی عشقی جو حقیقتِ محمد یہ ﷺ پر وارد ہے بطورِ سیر نظری، فقیر اس تجلّی عشقی کا فیض لے، تو اس وقت میں قل شریف بہت بڑا فائدہ دیتا ہے۔ اسی مقام کو حضرت مجدّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ملک وَ دُوْ دلکھا ہے اور لطائف کے متعلق اسی طرح تلقین فرمایا کرتے:۔

اول لطیفہء قلب نور زرد، قدم حضرت آدم علیہ السلام، ذکرِ اسمِ ذات اللّٰہ اللّٰہ اور قلب پر انگلی رکھ کر فرماتے۔

دوسرا لطیفہء روح نور سرخ سنہرا، قدم حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام، ذکر اسم ذات
تیسرا لطیفہء سر نور سفید، قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام، ذکرِ اسمِ ذات
چوتھا لطیفہء خفی نور سیاہ، قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ذکرِ اسمِ ذات
پانچواں لطیفہء اخفٰی نور سبز، قدم حضرت سیدّ المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ ذکر اسم ذات
چھٹا لطیفہء نفس نور سبز مائل بہ نیلگوں۔ ساتواں لطیفہء قالب، نور خوبصورت آتش مگر بے رنگ۔

اور جگہ ان تمام لطائف کی انگلی رکھ رکھ کر بتایا کرتے جیسا کہ عام مشائخِ نقشبندیہ میں مشہور ہے۔ چنانچہ لطیفہ ءقلب بائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے اور لطیفہ ءروح داہنے پستان سے دو انگشت نیچے اور لطیفہ ء سر بائیں پستان سے دو انگشت کے فاصلہ پر سینے کی جانب اور لطیفہ ء خفی دو انگشت کے فاصلہ پر داہنے پستان سے سینے کی طرف اور لطیفہ ءاخفٰی عین سینے کے درمیان اور لطیفہ ء نفس کی جگہ پیشانی میں اور لطیفہ ء قالب تمام بدن ہے جیسا کہ مشائخِ نقشبندیہ کی کتابوں میں عام طور پر لکھا ہے۔ اور فرماتے یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ میرا قلب جاری ہوگیا معلوم نہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ قلب اس قدر بڑا ہے کہ اس میں ساتوں زمین اور ساتوں آسمان اور عرشِ مُعلّٰے تک کا سیر فقیر کو ہو جاتا ہے۔ اگر قلب پک جائے تو اگلے تمام مقامات پک جاتے ہیں۔ اور اگلے مقامات کی نسبت اِس میں زیادہ محنت کرنا بہت ہی فائدہ دیتا ہے کیونکہ نزول کے وقت ہدایت و ارشاد اس میں ہوتا ہے اور مراقبہ احدّیت و مراقبہ معیّت کی تلقین اِسی قلب میں فرماتے۔ چنانچہ مراقبات کی نیت یہ ہے۔

نیت مراقبہ احدّیت: فیض احدیت کا آتا ہے لطیفہ ءقلب میرے پر اس ذات سے جو مُستجمع[1] جمیع صفاتِ کمالیہ ہے اور مُنزّہ[2] ہے جمیع زوال ونقصان سے اور مُسمّٰی ہے اسم اللہ کا۔



نیت مراقبہ معیت: فیض معیت کا آتا ہے دائرہ ولائتِ صغریٰ سے لطیفہ ءقلب میرے پر اُس ذات سے جو ساتھ میرے ہے اور ساتھ تمام لطائف میرے کے ہے اور ساتھ ہر ذرّہ ذرّات میرے کے ہے اور ساتھ ہر ذرہ ذرات تمام کائنات کے ہے اور جو مفہوم ہے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (ترجمہ۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔) اس کے علاوہ اور کسی لطیفہ پر مراقبہ نہیں ہے اور نہ آپ ہی اور کچھ خلافِ مشائخِ نقشبندیہ فرماتے تھے۔ بعد ازاں ولایتِ کبریٰ کا فیضان ڈالتے تھے جس کی نیتیں حسبِ ذیل ہیں۔

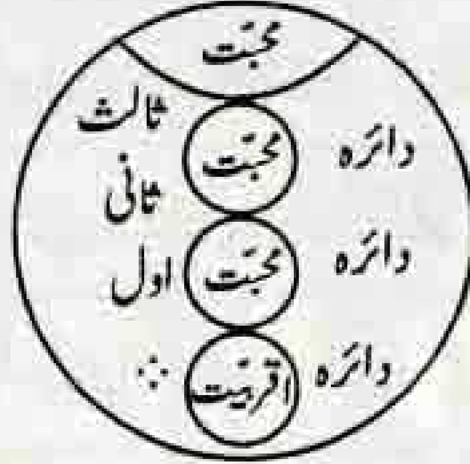
نیت مراقبہ اقربیت: فیض اقربیت کا آتا ہے دائرہ اُولیٰ ولایتِ کبریٰ سے لطیفہ ءنفس میرے پر اُس

---

1 مُ س ت ج م ع جمع کرنے والا 2 پاک

ذات سے جو زیادہ نزدیک ہے میرے شہ رگ میری سے اور جو مفہوم ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد کا (ترجمہ۔ اور ہم زیادہ قریب ہیں طرف انسان کے اس کی شہ رگ سے۔)

نقشہ دائرہ ولایت کبریٰ:۔



نیّت دائرہ محبت اوّل: فیض محبت اوّل کا آتا ہے دائرہ ثانی ولایتِ کبریٰ سے لطیفہء نفس میرے پر جو آتا ہے اُس ذات سے کہ میں محبوب اس کا ہوں اور وہ محبوب میرا ہے اور جو مفہوم ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ کا۔ (ترجمہ۔ دوست رکھتا ہے اللہ ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو)

نیّت دائرہ محبت ثانی: فیض محبت ثانی کا آتا ہے دائرہ ثالث ولایتِ کبریٰ سے لطیفہء نفس میرے پر جو آتا ہے اُس ذات سے کہ میں محبوب اُس کا ہوں اور وہ محبوب میرا ہے، جو مفہوم ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ کا۔ (ترجمہ۔ دوست رکھتا ہے اللہ ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو۔)

نیّت محبت ثالث: فیض محبت ثالث کا آتا ہے قوس دائرہ ولایتِ کبریٰ سے لطیفہء نفس میرے پر جو آتا ہے اُس ذات سے کہ میں محبوب اس کا ہوں وہ محبوب میرا ہے جو مفہوم ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ کا۔ (ترجمہ۔ دوست رکھتا ہے اللہ ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو۔) یہاں تک اسم الظاہر کا فیضان ہے۔

نیت دائرہ ولایتِ علیا: فیض مسمّٰی اسم الباطن کا آتا ہے دائرہ ولایتِ علیا سے اوپر عناصر ثلاثہ میرے کے جو پانی، آگ، ہوا ہیں سوائے خاک کے اُس ذاتِ بحت سے۔



نیت دائرہ کمالاتِ نبوّت: فیض تجلّیاتِ ذاتی دائمی کا آتا ہے دائرہ کمالاتِ نبوّت سے عنصر خاک میرے پر اُس ذات بحت سے۔

دائرہ کمالات نبوت

نیت دائرہ کمالاتِ رسالت: فیض تجلّیاتِ ذاتی دائمی کا آتا ہے دائرہ کمالاتِ رسالت سے ہیئتِ وحدانی میرے پر اس ذات سے۔

دائرہ کمالات رسالت

نیت دائرہ کمالاتِ اولوالعزم: فیض تجلّیاتِ ذاتی دائمی کا آتا ہے دائرہ کمالاتِ اولوالعزم سے ہیئت وحدانی میرے پر ذاتِ بحت سے۔

دائرہ کمالات اولوالعزم

نیت دائرہ حقیقتِ کعبہ: فیض آتا ہے دائرہ حقیقتِ کعبہ سے کہ عبارت ہے مسجودیت ذات پاک اللہ تعالیٰ سے خاص سب مخلوق کے واسطے ہیئت وحدانی میری پر اُس ذاتِ بحت سے۔

دائرہ حقیقتِ کعبہ

نیت دائرہ حقیقتِ قرآنی: فیض آتا ہے دائرہ حقیقتِ قرآنی سے کہ عبارت ہے مبداء بے چوں ذات پاک اللہ تعالیٰ سے ہیئت وحدانی میری پر۔

دائرہ حقیقتِ قرآنی

نیت دائرہ حقیقتِ صلوٰۃ: فیض آتا ہے دائرہ حقیقتِ صلوٰۃ سے کہ کمال وسعت بے چونی ذات پاک اللہ تعالیٰ کی سے مراد ہے ہیئت وحدانی میری پر۔ اس مقام پر سیر قدمی سالک کا اختتام ہوا۔ یہاں سے بیان آغاز سیر نظری ہے۔

دائرہ حقیقتِ صلوٰۃ

نیت معبودیت صرفہ: فیض معبودیت صرفہ سے آتا ہے قُوّتِ نظری میری پر اس ذاتِ بحت سے۔

دائرہ معبودیت صرفہ

نیت دائرہ حقیقتِ ابراہیمی (علیہ السلام): فیض حقیقتِ ابراہیمی کا آتا ہے اوپر ہیئتِ وحدانی میری کے کہ عبارت ہے محبت ذات پاک اللہ تعالیٰ سے صفات اپنی پر۔

دائرہ حقیقت ابراہیمی

نیت دائرہ حقیقتِ موسوی (علیہ السلام): فیض آتا ہے دائرہ حقیقتِ موسوی (علیہ السلام) سے ہیئت وحدانی میری پر کہ عبارت ہے محبت ذات پاک اللہ تعالیٰ سے ذات اپنی پر۔

دائرہ حقیقت موسوی

نیت دائرہ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم): فیض آتا ہے دائرہ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہ عبارت ہے محبت ومحبوبیت ذات پاک اللہ تعالیٰ سے ذات اپنی پراوپر ہیئت وحدانی میرے کے۔

دائرہ حقیقت محمدی

نیت دائرہ حقیقتِ احمدی: فیض آتا ہے دائرہ حقیقتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہ عبارت ہے محبوبیت ذات پاک اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات پراوپر ہیئتِ وحدانی میرے کے۔

دائرہ حقیقت احمدی

نیت دائرہ حبِّ صرفہ: فیض آتا ہے دائرہ حبِّ صرفہ سے قوت نظری میری پر۔

دائرہ حب صرفہ

نیت دائرہ لاتعین: فیض آتا ہے دائرہ لاتعین سے قوت نظری میری پر اس ذاتِ بحت سے۔سوائے دوائر مرقومہ[1] بالا کے تین دائرے اور ہیں کہ معمول ہمارے حضرات کا توجہ دینا ہر شخص کو ان دائروں میں نہیں ہے۔ایک ان میں سے دائرہ سیف قاطع ہے دوسرا دائرہ قیومیت اور تیسرا دائرہ صوم۔

دائرہ لاتعین

دائرہ سیف قاطع | دائرہ قیومیت | دائرہ صوم

جملہ سلاسل نقشبندیہ مجددیہ کا طریق سلوک اسی طرح پر ہے لیکن طریق سلوک میں اس کے علاوہ آپ کی اور بھی خصوصیات ہیں جو یہاں نہیں لکھیں کیونکہ وہ نسبت توکلی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

---

1. اوپر درج کیے ہوئے۔

فصل دوم

معمولات در تصوّر معانی وغیرہ

حضور کا طریق سلوک اس طرح تھا کہ جس وقت آپ کسی کو کلمہ شریف کی تلقین فرمایا کرتے تھے تو فرماتے کہ مقامِ احدیت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنے کا تصور یہ کرے کہ نہیں ہے کوئی مطلوب میرا یا مقصود میرا یا معبود میرا لیکن اللہ تعالیٰ۔ اور مقامِ معیت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے معنے کا تصور لَا مَعِیَ اِلَّا اللّٰهُ کرے یعنی نہیں ہے کوئی شے ساتھ میرے لیکن اللہ تعالیٰ۔ اور مقامِ اقربیت میں لَا اَقْرَبُ بِیْ اِلَّا اللّٰهُ یعنی نہیں ہے کوئی شے قریب تر میرے لیکن اللہ تعالیٰ۔ یعنی خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور لَا مَعِیَ یا لَا اَقْرَبُ یا لَا مَقْصُود سے یہ مطلب نہیں کہ ان الفاظ کو بھی زبان سے ادا کرے بلکہ ذکر کرتے وقت ان کے معنوں کا خیال رکھے۔ اور طریقہ نقشبندیہ میں ولایتِ کبریٰ تک کلمہ شریف کو بطریق نفی و اثبات پڑھتے ہیں اور ولایتِ کبریٰ میں بطریق ذکرِ تہلیلی لسانی، اور ولایت علیا میں ذکر تہلیلی قلبی بطریق سلطان الاذکار کے۔

ہمارے سلسلہ میں طریق اویسیت غالب ہے۔ تو طالب جس وقت مقامِ قلب میں ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے مرشد سے غائبانہ یا حاضر فیض کھینچتا رہے اور خیال رکھے کہ مُرشد کے دل میں ذاتِ احدّیت سے فیض آتا ہے اور میرا دل ان کے دل کے نیچے ہے، اس سے مثل پرنالہ میرے دل میں آتا ہے۔ اس طرح فیض کھینچنے کی عادت خوب پختہ کرے۔ جب اس کی مشق خوب پختہ ہو جائے گی تو طالب ہر بزرگ سے فیض لے سکتا ہے۔ پھر طالب کو چاہیئے کہ غائبانہ اپنے آپ کو روضہء رسولِ اکرم ﷺ پر موجود سمجھے اور رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک سے اسی طرح فیض لیتا رہے۔ اور پھر جہاں کہیں جس بزرگ یا قبر سے فیض لینا ہو اسی طرح سے لیا کرے اور اس مشق کو چھوٹی بات نہ سمجھے یہ بڑا سہل الحصول[1] طریقہ ہے۔ اور درود شریف صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ کی کثرت کرنے سے یہ بات قلب میں خود بخود شروع ہو جاتی ہے لیکن رسولِ اکرم ﷺ کا تصور کر کے پڑھنا چاہیئے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص محبت سے میرے اوپر درود بھیجے میں اس کو اپنے کانوں سے سنتا

---

[1] حاصل کرنے کا آسان طریقہ

ہوں۔ حدیث شریف میں یہ ہے قِیْلَ لِرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ اَرَاَیْتَ صَلٰوۃَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْکَ مِمَّنْ غَابَ عَنْکَ وَمَنْ یَّاْتِیْ بَعْدَکَ مَاحَالُھَا عِنْدَکَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھلِ مُحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ وَتَعْرِضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا (از دلائل الخیرات) (ترجمہ: عرض کیا گیا بارگاہ نبوی ﷺ میں کہ حضور خبر دیں گے ان لوگوں کے درود کی بابت جو درود بھیجتے ہیں آپ پر ان لوگوں میں سے جو غائب ہیں آپ سے اور وہ جو پیدا ہوں گے بعد وصال آپ کے کیا حال ہے ان دونوں کا نزدیک آپ کے فرمایا سنتا ہوں میں درود اپنے محبت والوں کا اور پہچانتا ہوں ان کو اور پیش کیا جاتا ہے میرے سامنے درود غیر اہل محبت کا فرشتوں کے واسطے سے) درود شریف پڑھنے والا خواہ اہلِ محبت سے ہو خواہ کم محبت والا ہو بہر حال رسولِ خدا ﷺ کا تصور رکھنا چاہئیے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب درود شریف پڑھے گا اور کہے گا اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ تو دو باتوں کا تصور ضرور ہوگا، ایک تو ذاتِ پاک حق سبحانہٗ تعالیٰ کا کہ اے اللہ درود بھیج اور مقدم تصور ذاتِ الٰہی کا ہے اور دوسرے اس ذات کا جس پر درود بھیجا جاوے یعنی ذاتِ رسول اللہ ﷺ کا۔ تو مدّعا یہ ہے کہ درود شریف معنی کا تصور کر کے پڑھنا چاہئیے۔ اور جب معنی کا تصور ہوگا تو رسول اللہ ﷺ کا تصور خود بخود ہو جائے گا۔ اِسی واسطے بزرگانِ اکابر نے اسمِ ذات، درود شریف اور ہر ایک عبادت کو بغیر تصور ذاتِ الٰہی پڑھنا نفاقِ خفی فرمایا ہے۔ اِسی کے بارہ میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

برزباں تسبیح و در دل گاؤخر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ترجمہ شعر: زبان پہ سبحان اللہ ہے اور دل میں گائے وبیل اس طرح کی تسبیح کیا اثر پیدا کرے گی۔

اور آپ کے طریق مراقبہ اور طریق جذبِ فیضان میں چند خصوصیتیں اور بھی تھیں جن کے اسرار خاصان میں سے کسی کسی کو معلوم ہوئے ہیں۔ بار ہا دیکھا ہے کہ آپ کبھی اس رگ پر فیض لیتے جو داہنے ہاتھ کی کہنی پر ہے، اور کبھی بائیں ہاتھ والی کہنی کی اُسی رگ پر بطور مراقبہ یعنی فیض آتا ہے ذاتِ احدیت سے۔ اور بعض اوقات داہنے گھٹنے کی رگ پر فیضان لیتے اور کسی وقت بائیں گھٹنے کی رگ پر۔ اور یہ تو آپ کا روز مرّہ کا معمول تھا کہ ناک کی پھونگلی پر فیضان لیتے جسے سلطانا محمودا کہتے

ہیں۔اور پھر لبِ بالا میں جوشہ رگ کی شاخ آئی ہوئی ہے اس پر فیضان لیتے جسے سلطانا نصیرا کہتے ہیں۔اور کبھی کبھی ناک کے اندر جوشہ رگ کی ایک شاخ ہے اس پر فیضان لیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ماسوائے ان لطائف کے جو طریقہ نقشبندیہ میں مشہور ہیں بدن کے اندر اور بہت سے لطائف ہیں، بہت سے ان میں سے پشت میں ہیں اور باقی تمام بدن میں۔اور بہت سے مقامات پر بدن میں سے بھی فیضان لیا کرتے تھے۔

اور آپ کے مراقبات کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے مراقبہ احدیت کرتے اور پھر مراقبہ معیت، پھر اقربیت پھر، محبت اوّل، محبت ثانی، محبت ثالث، کمالاتِ نبوت، کمالاتِ رسالت، کمالاتِ اولوالعزم پھر حقائق میں سیر کرتے ہوئے حقیقتِ محمدیہ (ﷺ)، حقیقتِ احمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔غرض تجلی عشقی تک ہر روز سیر فرمایا کرتے تھے۔یہ نہیں تھا کہ ایک ہی مقام کی سیر پر اکتفا کرتے ہوں یا کسی اخیر کے مقام میں جا کر ٹھہر جاتے ہوں یا اوّل سے دفعتہً اخیر کے مقام پر پہنچ جاتے ہوں بلکہ ہمیشہ اسی طرح بالتفصیل مراقبات فرمایا کرتے تھے۔اور یہ بھی معمول تھا کہ مراقبات شروع کرنے سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو کر روضہ رسول اللہ ﷺ سے فیضان لیا کرتے تھے۔یہ معمول کبھی ترک نہ ہوتا تھا۔اور یہ مراقبات نمازِ مغرب کے بعد ادا کیا کرتے تھے اور نماز صبح سے پہلے بغداد شریف کی طرف متوجہ ہو کر روضہ مبارک حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے اور سرہند شریف کی طرف متوجہ ہو کر روحِ مطہر حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی فیض لیتے تھے۔کیونکہ اس وقت میں دیکھا گیا ہے کہ نسبت اس قدر جوش میں ہوتی تھی اور ذوق وشوق کا اتنا غلبہ ہوتا تھا کہ اس وقت پاس کے بیٹھنے والے جوشِ نسبت کو بصد دِقت برداشت کرتے تھے۔اور صبح کے وقت بھی ان مراقبات سے پہلے روضہ مبارک رسول اللہ ﷺ سے فیض لیتے تھے۔

بعد نماز صبح یہ معمول تھا کہ نماز پڑھتے ہی حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے اور سنّت کے موافق جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے مراقب ہو جاتے اور درویش کو حکم ہوتا کہ جس وقت سورج نکل آئے اطلاع کر دینا۔چنانچہ سورج نکلنے پر اطلاع کی جاتی اور حضور مراقبہ سے فارغ ہو کر ریش اور سر مبارک میں شانہ[1] کرتے، سرمہ لگاتے اور جو کوئی زیارت کا آرزومند ہوتا اس سے مختصر

---

[1] کنگھی

سی ملاقات فرماتے اور بعض اوقات بطور ناشتہ کچھ تناول بھی فرما لیتے ۔ بعد ازاں پھر تختے بند ہو جاتے اور پھر مراقبات کرتے اور علی العموم مراقبہ وسلطان الاذکار سے فارغ ہونے کے بعد اسی کسیر یا چٹائی پر، جو آپ کے حجرہ میں بچھی رہتی تھی اور اس کے اوپر ایک دری اور چھوٹا سا تکیہ ہوتا تھا لیٹ کر دہن مبارک کھول لیتے ۔ اور اس طرح جیسے کہ اکثر لوگ موسم سرما میں منہ سے بھاپ نکالا کرتے ہیں آپ دہن مبارک کھول کر لمبے لمبے سانس لیتے اور اندرونی بخارات بھاپ کے ذریعہ سے خارج فرماتے اور فرمایا کرتے کہ ہمیں تو سب سے بڑا یہ مرض ہے کہ اندر کی تپش جلائے دیتی ہے۔ جب ہم بڑے بڑے سانس لے کر اندر کا دھواں نکالتے ہیں تب کہیں جا کر کسی قدر تسکین ہوتی ہے۔ اور لوگ تو بواسیر وغیرہ کی تکلیفیں محسوس کرتے ہیں مگر آپ کبھی ان تکالیف کا نام بھی نہ لیتے تھے صرف اس اندر کی تپش کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر آپ اچانک اٹھتے اور اٹھتے ہی فرماتے تھے سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ اور اکثر صرف سبحان اللہ کی ایک تسبیح بھی پڑھ لیتے تھے۔ اور کبھی آپ خود نہیں اٹھتے تھے تو کوئی درویش سائیں مغلی شاہ وغیرہ جگا دیتے تھے مگر معمول یہ تھا کہ آپ خود بھی اٹھ بیٹھتے تھے اور اچانک اٹھتے تھے۔ اور پہلے ایک تختہ دروازہ کا تھوڑا سا کھولتے اور بعد تھوڑی دیر کے دوسرا تختہ بھی کھول دیتے تھے۔ اور جس قدر خطوط وغیرہ آتے انہیں سُن کر ان کے واسطے دعائے خیر فرماتے ۔ باہر سے جو زائرین حاضر ہوتے ان سے ملاقات فرماتے، ان کی خیر و عافیت مسکن و موطن اور آنے کی غرض وغیرہ کی بابت استفسار فرماتے ۔ بارہ بجے تک اکثر باہر ہی تشریف رکھتے اور لوگوں سے ملاقات کرتے، اربابِ حاجت کے واسطے دعا فرماتے ۔ پھر کھانا کھانے کے واسطے حجرہ میں تشریف لے جاتے اور بعد از فراغِ طعام حجرہ شریف کے تختے بند فرما لیتے ۔ ایک بجے کے بعد اٹھ کر وضو فرماتے ۔ پہلے تھوڑی دیر مراقبہ کرتے ۔ پھر ظہر کی نماز ادا فرماتے ۔ پھر اگر زائرین میں سے کوئی ملنے والا ہوتا اس سے بات چیت کر لیتے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک بجے سے مدرسہ کے کمرہ میں تشریف لا کر بیٹھ جاتے ۔ پھر وقت ہو جانے پر ظہر کی نماز پڑھتے اور جب بیت الخلا میں تشریف لے جاتے تو سائیں مغلی ڈھیلے رکھ دیتے اور آپ سنت کے موافق ان کا استعمال کرتے ۔ چونکہ بواسیر کی تکلیف آپ کو زیادہ تھی اس لئے بیت الخلا میں دیر زیادہ ہو جاتی تھی اور پانی کے ساتھ طہارت آپ بیت الخلا میں نہیں کرتے تھے بلکہ

غسل خانہ میں تشریف لا کر طہارت کیا کرتے تھے۔

اور وضو کا یہ طریق تھا کہ پانی کا لوٹا سائیں مغلی شاہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور آپ بیٹھ کر ان الفاظ کے ساتھ پہلے توبہ کرتے کہ خداوندا میری توبہ ہے کفر سے شرک سے غیبت سے سب گناہوں سے میری توبہ ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور بعض اوقات صرف کلمہ شریف ہی پڑھتے اور کبھی محض لفظ اِلَّا اللّٰهُ پر ہی اکتفا فرماتے۔ پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہہ کر ہاتھوں پر پانی ڈالتے۔ بسم اللہ شریف کے پڑھتے ہی آپ پر حالتِ سکرۃ و استغراق طاری ہو جاتی تھی اور آپ کو یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ فلاں عضو کتنی بار دھویا جا چکا ہے اور درویش خادم کو حکم تھا کہ جب تین بار ہر ایک عضو دھویا جا چکے تو کہہ دیا کر۔ چنانچہ سائیں مغلی شاہ صاحب بار بار کہا کرتے کہ حضرت صاحب جی ایک دفعہ دھویا گیا، پھر کہتے دو دفعہ دھویا گیا، پھر کہتے تین دفعہ دھویا گیا۔ تب حضور اس عضو کو چھوڑ کر دوسرا عضو دھونا شروع کرتے۔ اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ حضور سائیں مغلی شاہ سے انگلیوں کا اشارہ کر کے غسلِ عضو کی تعداد دریافت کرتے۔ جب سائیں مغلی شاہ کہہ دیتے کہ ہاں حضرت جی تین دفعہ دھویا گیا تب حضور دوسرا عضو دھوتے اور جب تک نہ کہتے آپ برابر پانی ڈالتے رہتے۔ مگر اثناءِ وضو میں بات چیت بالکل نہ کرتے خواہ کیسی ہی ضروری بات ہوتی آپ خاموش ہی رہتے۔ اس کی پابندی آپ میں بڑی سختی کے ساتھ تھی۔ اور تمام وضو تو سائیں مغلی شاہ کراتے مگر پاؤں حضور خود ہاتھ میں لوٹا لے کر اپنے ہاتھ سے دھوتے اور فقہ کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ سوائے غلام زرخرید کے اور کسی سے پاؤں دھلانا جائز نہیں ہے۔ باقی تمام وضو کے لئے تو کسی دوسرے سے امداد لے لے مگر پاؤں اپنے ہاتھ سے ہی دھووے۔ اور کبھی کبھی وضو کرتے وقت سکرۃ نہیں بھی ہوتی تھی بلکہ اچھی طرح ہوش رہتا تھا اور آپ اطمینان کے ساتھ وضو کرتے تھے۔ اور سکرۃ آپ پر اس قدر طاری ہوتی تھی اور حال اتنا وارد ہوتا تھا کہ اس وقت محبین اور ملنے والوں میں سے اگر کوئی آ جاتا تو اس سے محض اجنبیت ہوتی تھی اور اسے اچھی طرح پہچان نہ سکتے تھے۔ اور اسی وجہ سے اس حالت میں فقہ پر آپ کا عمل تھا کہ باوجود اس بات کے کہ آپ کا وضو کئی گھنٹے تک رہتا تھا مگر پھر بھی ہر نماز کے واسطے تازہ وضو فرماتے کہ شاید سکرۃ میں وضو جاتا نہ رہا ہو۔

اور دوزانو بیٹھنے کی عادت اس قدر آپ کی پک گئی تھی کہ اکثر آپ اسی طرح بیٹھتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات آپ کو صرف ایک اسی نشست پر بیٹھے ہوئے چھ چھ گھنٹے گزر جاتے تھے اور آپ کو پرواہ بھی نہ ہوتی تھی۔ اور جب کبھی حضور مجلس میں بیٹھتے تھے تو اہلِ مجلس پر اس قدر ہیبت طاری ہوتی تھی کہ کسی کو کلام تک کرنے کی جرأت نہ پڑتی تھی باوجود اس کے کہ آپ کا خلق عظیم تھا اور ہر شخص آپ سے خوش رہتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمام مجلس میں آپ سے زیادہ خوبصورت کوئی ہے ہی نہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی اجنبی شخص حضور کی زیارت کے واسطے انبالہ شریف آیا اور لوگوں سے کہنے لگا سنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی مجلس میں آدمی بہت ہوتے ہیں پھر میں ان میں سے کس طرح پہچانوں کہ حضرت شاہ صاحب یہی ہیں۔ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ مجلس میں جا کر دیکھنا جو شخص تجھے تمام مجمع میں سب سے زیادہ خوبصورت نظر آئے وہی حضرت شاہ صاحب ہوں گے ان کی سب سے بڑی شناخت یہی ہے۔ اور واقعی بات بھی یہی تھی۔

اور ایک بڑی بات یہ دیکھی کہ جو شخص آپ کی خدمت میں آتا تھا خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی، مسلمان ہو یا غیر مسلم، غرض کسی مذہب اور قوم کا ہو دیکھتے ہی بے ساختہ بول اٹھتا تھا کہ بے شک یہ شخص ولی اللہ ہے اور بلا کسی دلیل اور گفت وشنید کے ہر شخص پہلے ہی آپ کی ولایت کا قائل ہو جاتا تھا۔ اور صحبت کا تو یہ حال تھا کہ جہاں کوئی ساعت دو ساعت آپ کی صحبت میں بیٹھا اور فوراً اس کا حال بدلا اور وہ شخص خدا تعالیٰ کی طرف مشغول ہوا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک سکھ حضور کی خدمت میں آ بیٹھا تھوڑی دیر گزری کہ بے اختیار کہنے لگا اللہ تیری قدرت، اللہ تیری قدرت، اللہ تیری قدرت، بڑی دیر تک ایک بے خودی کی سی حالت میں اسی لفظ کا تکرار کرتا رہا۔

اور توجہ آپ کی ایسی زبردست وتیز تھی کہ جس شخص پر آپ نے ذرا تیزی کے ساتھ توجہ ڈال دی فوراً مجذوب ہو گیا اور پھر الٹ کر اسے دنیا کی ہوش نہ آئی۔ چنانچہ بہت سے درویش حضور کے پہاڑوں اور جنگلوں وغاروں میں کملیاں لئے ہوئے دنیا سے ایسے محو ومدہوش ہو کر یادِ خدا میں لگے ہیں کہ ادھر کا دھیان کبھی بھول کر بھی ان کو نہیں آیا۔ یادِ خدا کی لذت اور جوش وخروش نے انہیں ایسا مستغرق کیا ہوا ہے کہ دنیا کی طرف سے کلی انقطاع اور نماز روزہ یادِ خدا میں پورا استغراق ہو گیا ہے۔ ضلع شاہ پور کی بار اور ادھر ہتھنی کنڈ کے پہاڑوں کی طرف ایسے سینکڑوں مجذوب یادِ خدا میں مشغول

ملتے ہیں جو حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی ایک نظرِ کیمیا اثر کے متوالے پڑے ہیں۔ مگر عجب تماشا ہے کہ باوجود اس مدہوشی کے احکامِ اسلام ان سے کبھی ترک نہیں ہوتے اور شرائع اسلام کی پابندی ان میں بڑی سختی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

اور یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ بہت سے بالکل بے خود اور مدہوش مجذوب آپ کی خدمت میں آئے اور حضور کی ایک نظر کی توجہ سے ان کی مستی و مدہوشی جاتی رہی اور ہوش وحواس میں آ کر احکامِ اسلام بجالانے لگے۔ چنانچہ ایک محمد حسین نامی مجذوب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو مستی و بے خودی نے ایسا اپنے آپ سے باہر کیا تھا کہ مجمع عام میں سب کے سامنے پیشاب کر لیتا تھا، تمام کپڑے پھینک کر ننگا ہو جاتا تھا، کسی سے کسی قسم کا حجاب اس کو نہ ہوتا تھا۔ وہ پھرتا پھراتا حضور کی خدمت میں آ نکلا۔ آپ نے اس پر جو نظر توجہ کی فوراً ہوش آ گیا اور شرائع اسلام کا پکا پابند ہو گیا۔ پھر وہ رخصت لے کر حج کو گیا وہیں اس کا انتقال ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

غرض حضور کی ذات والا صفات میں کچھ عجیب قسم کا جذب وسلوک ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ودیعت رکھا گیا تھا۔ اور کئی ہندو جوگی آپ کی خدمت میں آئے حضور کی نظرِ عنایت سے ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور مسلمان ہو گئے۔ غرض جس مذہب جس فرقے اور جس طریقے کا فقیر آپ کی خدمت میں آتا بظاہر تو آپ اس کے کھانے پینے کی خاطر و مدارات فرماتے اور باطن میں اسی سلسلہ کا فیضان اس پر ڈال دیتے اور اسی سلسلہ میں اس کے مقام کو ترقی ہو جاتی۔ اس سے آپ کا موازنہ اکابر اولیا اللہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی شخص نے سوال کیا کہ حضور کامل کی کیا نشانی ہے جس سے سمجھا جائے کہ یہ شخص کامل ولی اللہ ہے؟ فرمایا کامل کی نشانی ہے کہ کوئی شخص ایک دن، دو دن، تین دن محبت سے اس کی صحبت میں بیٹھے تو دنیا کی طرف سے اس کا دل ہٹ جائے اور خواہشات دنیاوی کی محبت اسکے دل سے کم ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور نامِ خدا کی لذت اس سے آنے لگے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جائے اور وہ کامل ظاہر شریعت کا پابند بھی ہو۔

اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ اپنی تعریف پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کا کوئی مدحیہ شعر آپ کے سامنے لکھ کر لاتا اور سناتا تب تو روبرو ہی اس کو سختی کے ساتھ منع کرتے اور تنبیہہ فرما دیتے۔ اور اگر ویسے ہی کوئی شعر آپ کی مدح میں لکھتا اور آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ اظہارِ

ناراضگی کے ساتھ فرماتے، ہم مسکین آدمی ہیں ہمارے بارہ میں کسی کو شعر لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ غرض آپ اپنی مدح کو بہت ہی ناپسند فرماتے تھے۔ اور اپنی مدح کرنے والے پر ناراض ہوتے اور آپ کی مجلس میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک دوسرے کی غیبت کر سکے بلکہ آپ کسی فاسق و فاجر کی غیبت بھی نہیں کرنے دیتے تھے اور غیبت کرنے والوں پر سخت توبیخ و تنبیہہ فرماتے تھے اور بڑی بڑی دیر تک نصیحت فرماتے رہتے۔

اور اگر کسی سے رنجیدہ ہو جاتے تو بہت جلد معاف فرما دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ ایک درویش پر اس کی کسی غلطی کی وجہ سے سخت ناراض ہوئے اور یہاں تک خفا ہوئے کہ اس کو نکال دیا اور فرمایا اب ہم تم زندگی میں کبھی نہیں ملیں گے۔ وہ درویش حضور کا بڑا ہی عاشقِ زار تھا ایک دم کے واسطے آپ کی دوری گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بیچارہ شاہ عبدالرسول صاحب کی مسجد میں بیٹھ کر رونے لگا۔ اس کے دل میں مختلف خیالات جوش مار رہے تھے۔ کبھی کہتا کنوئیں میں گر کر مر جاؤں، کبھی سوچتا تھا کہ مدینہ شریف چلا جاؤں، آپ کی جدائی اس پر شاق گزرتی تھی۔ غرض ایک خیال آتا تھا دوسرا جاتا تھا مگر حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی محبت کسی طرح اس کو کسی کام کی اجازت نہ دیتی تھی۔ مجھے پتہ لگا تو میں حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس درویش کی تمام حالت ظاہر کر کے یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (ترجمہ۔ بہشت ان لوگوں کے لئے ہے جو غصہ کھانے والے لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے ہیں) آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کے سامنے کوئی آیت یا حدیث شریف پڑھی جاتی تو آپ کا چہرہ مبارک مارے ہیبت کے زرد ہو جاتا تھا اور قرآن شریف و حدیث شریف کے سنتے ہی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوتی تھی کہ بیان نہیں ہو سکتا تھا اور گردن مبارک جھکا کر فرمایا کرتے خداوندا ہم مانتے ہیں تیرا قرآن مجید حق ہے، تیرا نبی ﷺ حق ہے، تیرا حکم حق ہے، تیرے رسول ﷺ کا حکم حق ہے، ہم تیرے سارے حکموں کو مانتے ہیں۔ چنانچہ آیت شریف سن کر حسبِ عادت آپ کا چہرہ مبارک زرد ہو گیا اور فرمایا مولوی صاحب اس کے کیا معنے ہیں؟ میں نے عرض کیا حضور اس کے یہ معنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہشت ان لوگوں کے واسطے تیار کی ہے جو اپنے غصہ کو کھانے والے اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے ہیں۔ اور ساتھ ہی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی وہ حکایت بھی سنائی جو

کتابوں میں لکھی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر سخت ناراض ہوئے۔ اس نے یہ آیت پڑھی۔ آپ اس آیت کے سنتے ہی اس سے خوش ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ اَلْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ کا مطلب تو پورا ہوا ہی نہیں چنانچہ اسی وقت اس کو آزاد کر دیا۔ پھر فرمانے لگے تیرے ساتھ کچھ احسان بھی کرنا چاہیے کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) چنانچہ پھر غلام کو آپ نے کچھ روپے بھی دیئے اور پھر سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کی اور شکریہ ادا کیا کہ خداوندا شکر ہے تیرا کہ تو نے مجھے اپنا حکم ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ یہ قصہ تصوف کی کتابوں میں بتفصیل درج ہے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے آیت کے معنے اور یہ حکایت سن کر اس درویش کو فوراً بلا لیا اور آپ اس سے خوش ہو گئے اور اس بات کے شکریہ میں کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہم سے ایک حکم پر عمل کرایا ہے، کئی روپے کی شیرینی منگا کر تقسیم کرائی۔

پھر مراقبہ یا اور ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے اور عصر کی نماز اخیر وقت پڑھتے اور پھر عصر و مغرب کے درمیان کسی سے کلام نہ فرماتے بلکہ سبحان اللہ کی تسبیحیں پڑھتے رہتے۔ اور اکثر قُلْ هُوَ اللّٰهُ شریف پڑھتے۔ بعد نمازِ مغرب کچھ تھوڑا سا مراقبہ کرتے اور درود شریف کی تسبیحیں پڑھنے کے بعد آپ پر ایسا خوش وقت آتا تھا کہ عام لوگوں کو ملنے کی اجازت بھی ہوتی تھی اور دنیا کی مذمت، توحید کی تعریف، اور اسرارِ تصوف اور یادِ خدا کی تعریف اور مسائل کے متعلق گفتگو فرماتے تھے۔ اور گفتگو اس وقت میں اس قسم کی ہوتی تھی کہ سوائے اہلِ علم اور تصوف کی کتابیں دیکھنے والوں کے عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے لیکن اپنے اپنے مرتبہ کے موافق لذت ہر ایک کو آتی تھی۔ مگر بات چیت تھوڑی دیر کرتے پھر طعام آ جاتا۔ آپ دو تین لقمے تناول فرماتے اور اس سے فارغ ہوتے ہی پھر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ طالب مولا آ کر حلقہ میں بیٹھ جاتے اور فیض لیتے۔ ہر ایک اپنے اپنے مرتبے اور مقام کے مطابق فیض لیتا۔ اس وقت ایسی حالت ہوتی تھی کہ آپ کو کسی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی بلکہ نور کا ایک دریا موجیں مارتا ہوتا تھا اور اس میں سے ہر طالب پر اس کے مرتبے اور مقام کے مناسب خود بخود فیضان وارد ہوتا رہتا تھا۔ [1] مستفیضین میں سے ایک آتا تھا ایک جاتا تھا کوئی کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ مگر ہاں یہ ضرور فرمایا کرتے کہ بہ نسبت چلوں

---

[1] مستفیض کی جمع یعنی فیض لینے والے

کے وصول الی اللہ کے واسطے یہ توجہ کا راستہ بہت ہی قریب ہے اور اس میں وصول جلدی ہو جاتا ہے۔ اور اکثر مخلصین و طالبانِ مولا کو فرمایا کرتے کہ توجہ میں بیٹھا کرو۔ اور آپ کی توجہ بالکل اس شعر کے مصداق ہوتی تھی ؎

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دیں
سخرہ کند بردہ و طعنہ زند بر چلہ

اور گو آپ کے حلقہ توجہ میں ہائے ہو اور جوش و خروش کچھ نہیں ہوتا تھا مگر ایسی استغراقی حالت طاری ہوتی تھی کہ اکثروں کو ہوش نہیں رہتا تھا۔ اور کئی ایک مخلصوں کو تو اسی وقت عروج ہو جاتا تھا اور وہ وہیں حلقہ توجہ میں بیٹھے ہوئے آسمانوں سے آگے عرش تک کی سیر کرنے لگتے تھے۔ اور بعضوں کو توجہ سے فارغ ہو جانے کے بعد بھی کئی کئی گھنٹے تک دنیا و مافیہا کی مطلق ہوش نہیں آتی تھی۔ اور توجہ کے واسطے کوئی خاص دن مقرر نہ تھا بلکہ آپ کی ہر وقت کی صحبت ہی توجہ کے مانند تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑی دیر ہی کچھ بات چیت کی تھی کہ فوراً اس کے دل میں ذکر جاری ہو گیا۔ اور ایک عجیب بات آپ کی توجہ اور صحبت میں یہ دیکھی ہے کہ اگر کوئی تنگ دست فاقہ مست مبتلائے آلام و مصائب آپ کی توجہ اور صحبت میں دو تین دن رہتا تھا، اس کی دنیا کی تنگی اور رنج و مصائب سب جاتے رہتے تھے اور یہ تو ایک معمولی سی بات تھی کہ جو کوئی تھوڑی سی دیر آپ کی توجہ میں بیٹھ گیا تو ہفتہ عشرہ تک اس کو دنیا کا کوئی رنج و غم نہیں ہوتا تھا بلکہ بہت سے لوگ صرف اسی غرض سے توجہ میں بیٹھتے تھے کہ دنیا کے رنج و غم سے بچے رہیں۔ چنانچہ اسی مضمون میں میر یوسف علی شاہ صاحب نے ایک شعر بھی کہا ہے۔ وھو ہذا۔ ؎

دنیا ملتی ہے جدا دین جُدا ملتا ہے
سچ ہے یہ شاہ توکّل سے خدا ملتا ہے

اور بارہا سب سے عجیب بات یہ دیکھی کہ جس وقت آپ حضورِ قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں کھڑے ہوتے تو ایک خاص قسم کی اور عجیب ہی محویت آپ پر طاری ہوتی تھی۔ اور

طُرفہ[1] تر یہ کہ اس حالت میں جو لوگ آپ کو دیکھتے تھے ان پر بھی ویسا ہی یا اس سے کم وبیش حضورِ قلب، لذت ومحویت اور خشوع وخضوع وارد ہو جاتا تھا اور خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف حضورِ قلب کے ساتھ دھیان لگ جاتا اور ہر ایک محو و بے خود ہو جاتا تھا۔ اور بہت سے لوگ اسی لذّت کی وجہ سے حالتِ نماز میں دور سے کھڑے ہوئے حضور کی طرف دیکھا ہی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عید کے موقع پر خلقت کا بہت سا ہجوم آپ کی زیارت کے لئے آیا تھا۔ آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر سب پر لذّت ومحویت اور خشوع وخضوع طاری ہوگیا۔ اور ایسا اکثر ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ جو داخلِ سلسلہ بھی نہ تھے صرف اسی شوق کی وجہ سے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے لئے آیا کرتے تھے اور ان کا کوئی مدّعا نہ ہوتا تھا صرف یہی شوق ان کو کشاں کشاں لاتا تھا اور صرف اس دیکھنے ہی کی برکت سے انہیں خشوع وخضوع میسر ہو جاتا کہ نماز میں عرصہ عرصہ تک وہ اسی حالت میں رہتے۔ تقریباً دس گیارہ بجے رات کے مراقبہ سے فارغ ہوتے ہی پھر یا تو عشا کی نماز پڑھ لیتے اور کبھی کبھی ذرا اور بھی دیر کر کے نماز پڑھتے۔ مگر آپ کی عشا کی نماز عجب آن بان کی نماز ہوتی تھی۔ اس نماز میں حضور کو ایک خاص قسم کی لذّت ومحویت اور عجیب طرح کا ایسا استغراق اور خشوع وخضوع ہوتا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ اکثر تو آپ عشا کی نماز تسلی واطمینان کے ساتھ ہی پڑھتے مگر ہاں کبھی کبھی لذت ومحویت میں ایسا استغراق حاصل ہوتا تھا کہ دوسرا شخص پاس سے آپ کو اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وغیرہ اشارات کرتا رہتا تب کہیں بدقت تمام آپ نماز ادا کرتے۔ اور بعض اوقات تو لذتِ دیدار میں یہاں تک استغراق ہوتا تھا کہ سائیں مغلی شاہ یا کوئی اور درویش جو پاس موجود ہوتا اس کو بار بار اونچی آواز کے ساتھ کہنا پڑتا کہ میاں صاحب جی رکوع کی تسبیحیں پوری ہوچکیں یا سجدہ کی تسبیحیں پوری ہوچکیں یا اَلتَّحِيَّاتُ پوری ہوچکی یا اب دو رکعتیں پوری ہوچکیں، اب تین ہوچکیں، اب پوری چار ہوچکیں۔ غرض ہر رکن نماز کے پورا ہونے پر وہ بلند آواز سے کہتے تب نماز پوری ہوتی۔

اور حضور اکثر عشاء کے وقت بڑے خضوع وخشوع کے ساتھ دعائیں فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا اتنی توفیق عطا فرماوے کہ تیرا حکم پورا ادا کردوں، نماز جو تیرا حکم ہے وہ اطمینان کے ساتھ ادا

---

[1] اس سے انوکھی اور عجیب بات

کرلوں۔ اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو بڑی دیر تک اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے کہ خداوندا تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنی نماز مجھ مسکین ضعیف بندے سے ادا کرادی۔ اخیر میں فرمایا کرتے نماز ہوئی خوب ہے، دیدار سارے میں ہی رہا، رکوع میں بھی، سجدہ میں بھی، اَلتَّحِیَاتُ میں بھی، قیام میں بھی۔ خداوندا تیرا شکر ہے نماز ہوئی تو دیر میں پر ہوئی خوب۔ غرض نمازِ عشاء کا پورا ہونا آپ کے نزدیک ایسا تھا جیسے کسی پہاڑ کو گرانا یا کوئی قلعہ فتح کرنا۔

آخر جب بارہ یا ایک بجے شب کے نمازِ عشا سے فارغ ہوتے تو حجرہ شریف میں تشریف لے جاتے اور مجھے اکثر خدمتِ اقدس میں بلا کر دریافت فرمایا کرتے کہ آج ہم سے کوئی فعل مکروہ تو سرزد نہیں ہوا؟ چونکہ آپ کا عمل عموماً عزیمت[1] پر ہوتا تھا، ہمیں ظاہر شریعت کے موافق آپ کا کوئی فعل مکروہ معلوم نہیں ہوتا تھا، ترکِ مستحب یا خلافِ شریعت کا تو ذکر ہی کیا تھا۔ لیکن آپ خود ہی فرماتے کہ فلاں فعل ہمارا شاید مکروہ ہوگا اور اتنا فرماتے ہی حکم دیتے کہ اس قدر روپے اس فعل کے کفارہ میں صدقہ کردو۔ چنانچہ حسب الارشاد جب کبھی ایسا موقع ہوتا دس گیارہ روپے صدقہ کئے جاتے اور صدقہ کی کوئی تعداد معین نہ تھی۔ کبھی اس مقدار سے کم وبیش بھی ہوجاتی تھی۔ اور ہم کو کچھ خبر نہیں ہوتی تھی آپ خود ہی صدقہ کے واسطے روپیہ کی تعداد معین فرمادیتے۔

بعد ازاں تھوڑی دیر بعد مراقبہ یا درود خوانی کرتے اور پھر حجرہ کے اندر اسی حیثیت سے جیسا کہ پیشتر لکھا جاچکا ہے، کہ زمین پر چٹائی ہوتی تھی اور اس کے اوپر ایک دری اور چھوٹا سا تکیہ یا سردی کے موسم میں بجائے چٹائی کے کسیر، اس طرح لیٹتے کہ سر مبارک شمال کی طرف ہوتا اور پائے مبارک جنوب کی جانب اور منہ مبارک قبلہ معظمہ کی طرف۔ حجرے کے اندر ہمیشہ آپ کا معمول یہی تھا۔ باقی[2] احیاناً اگر باہر لیٹنے کا اتفاق ہوتا تو کبھی بطور[3] ندرت سر مبارک غرب کی طرف اور پائے مبارک شرق کی طرف کرکے بھی تکان اتارنے کے واسطے لیٹ رہتے۔ اور سونے سے پیشتر آپ کا معمول تھا کہ ذرا دھیمی آواز کے ساتھ الفاظ ذیل زبان مبارک سے ارشاد فرماتے "خداوندا! اب، میں سونے لگا ہوں جو پڑھنا تھا پڑھ لیا، جو کرنا تھا کرلیا، جو مراقبے کرنے تھے کرلئے۔ خداوندا! تیرے

---

1. رخصت کا متضاد ہے یعنی کوئی عمل ایسے جس پر شریعت نے رخصت دی ہے مگر تقویٰ یہ ہے کہ اس رخصت کی بجائے ہمت اور عزم سے کام لے اسی کو عزیمت کہا جاتا ہے۔
2. اتفاقاً۔ کبھی کبھار 3. انوکھا پن۔ خلافِ عادت

حکم مانے، تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مانے، تیری تعظیم کی، تیرے نبیوں کی تعظیم کی، تیرے اولیاؤں کی تعظیم کی، تیرے فرشتوں کی تعظیم کی، تیری سب پاک روحوں کی تعظیم کی، اب میں سونے لگا ہوں۔''

چونکہ آپ کا جسم مبارک نور کی طرف منحل ہو چکا تھا اور آپ کی صفاتِ بشریت زائل ہو کر ملک قدس کے ساتھ مشابہتِ تامہ حاصل ہو چکی تھی اور جسم مبارک کلی طور پر نور ہو گیا تھا اس واسطے ہر وقت ارواحِ طیبہ کا ورود آپ کے پاس رہتا تھا۔ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضور کے جسم مبارک کے نور کی طرف منحل ہو جانے سے حضور باوجود قیام اس بدن عنصری کے ملک قدس میں ہر وقت رہتے تھے اور عالمِ قدس آپ کا مسکن ہو گیا تھا اور عرش سے فرش تک حقائق اور ان سب چیزوں کا مشاہدہ ہو گیا تھا اور مشاہدہ دوام حضورِ الٰہی کا تھا۔ اس واسطے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنی سیدھی سادی زبان کے سیدھے سادے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے سونے کی اجازت لیتے تھے ؎

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح
سندھیاں را اصطلاحِ سندھ مدح

ترجمہ شعر: ہندوستان میں رہنے والوں کی ہندی زبان میں تعریف ہے اور سندھ میں رہنے والوں کی سندھی زبان میں۔

اور اس حدیث شریف کے معنے بھی بہت ہی موافق آئے کہ بِیْ یَبْصُرُ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْطَشُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ میرا دوست ہو جاتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی سنتا ہے اور میرے ساتھ ہی پکڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ہر کام اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، سب رضائے الٰہی میں ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ہم کو اسی حدیث کا مشاہدہ ہوتا تھا۔ پھر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور بدرجہ[1] غایت دو گھنٹہ تک سوتے اور سائیں مغلی شاہ آپ کے پاؤں دباتے رہتے۔ اس سے زیادہ ہم نے آپ کو کبھی سوئے ہوئے نہیں دیکھا اور بعض اوقات سونا آپ بھول بھی جاتے تھے۔ پھر جب کوئی درویش یاد دلاتا تو آپ فرماتے اُفوہ بڑا کام رہ گیا، اچھا لو پھر سو ہی رہیں۔ اور ویسے ہی روبقبلہ لیٹ کر تھوڑی دیر ذرا لمبے لمبے سانس

---

[1] زیادہ سے زیادہ

لینے کے بعد اُٹھ بیٹھتے اور فرماتے مغلی سولیا؟ وہ کہتے ہاں حضرت صاحب جی سولیا۔ فرماتے اچھا ہُوا یہ بھی کام ہوگیا۔ لاہاری تسبیح۔ اکثر آپ سونے سے فراغت کے بعد فرماتے اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں جو سوتے ورلے مقام میں ہیں اور اٹھتے اگلے مقام میں ہیں۔ اور کبھی کبھی یہ بھی فرمایا کرتے کہ مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں قربان جایئے ان بندوں کے جو سوئیں ورلے مقام میں اور اٹھیں اگلے مقام میں۔ سو بالتحقیق آپ کو سوتے ہوئے بھی مشاہدہ رہتا تھا اور قرب در قرب مقامات میں ترقی ہوتی رہتی تھی۔ میں اس بات کی وضاحت کے واسطے عبارت ذیل کتاب کشف المحجوب اردو مُصنفہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری مخدوم علی ہجویری علیہ الرحمتہ سے نقل کرتا ہوں تاکہ عام طور سے واضح ہو جائے کہ متقدمین اولیا اللہ پر بھی یہ باتیں ہوتی رہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں اَلصَّفَاءُ صِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوسٌ بِلَاسَحَابٍ۔ (ترجمہ: صفائی دوستوں کی صفت ہے اور وہ آفتاب ہیں بغیر بادل کے۔) کیونکہ صفا یعنی پاک ہونا دوستوں کی صفتوں سے ہے اور صفت وہ ہے جو اپنی صفت سے فانی اور دوست کی صفت سے باقی ہو اور ان کا حال صاحبانِ حال کے نزدیک آفتاب کی طرح ظاہر ہے۔ جیسا کہ خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ سے لوگوں نے حارث رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَه' بِالْاِيْمَانِ وہ بندہ ہے کہ اس کا دل ایمان کے نور سے خدا نے روشن کیا ہے۔ اس کا چہرہ ایمان کی تاثیر سے گوندھ کر بنایا گیا ہے اور خداداد نور سے تصویر بنایا گیا ہے۔ اور بزرگوں نے کہا کہ سورج اور[1] چاند کا نور جس وقت آپس میں مل جائے تو یہ توحید اور محبت کی صفائی کا نمونہ ہے، جب ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہو۔ جہاں محبت اور توحید کا نور ہو وہاں چاند اور آفتاب کے نور کی کیا حقیقت ہے کہ یہ آپس میں مل جائیں؟ اور جب آفتاب اور چاند کا نور ایک دوسرے سے نزدیک ہو تو محبت اور توحید کی صفائی کی طرح ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے مرکب ہو۔ اور جس جگہ محبت اور توحید کا نور ہو وہاں چاند اور آفتاب کے نور کی کیا حقیقت ہے تاکہ اس نُور کو اس کے ساتھ نسبت دیں؟ لیکن دنیا میں ان دونوں نوروں کے سوا کوئی نور زیادہ ظاہر نہیں ہے۔ آنکھ آفتاب اور چاند کے نور سے آسمان کو دیکھتی ہے اور دل توحید اور محبت

[1] نوٹ چاند اور سورج کے ملنے کے یہ معنی نہیں کہ ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے تو علی الاتصال دنیا پر روشنی رہتی ہے۔ کیونکہ صبح کی تاریکی کو آفتاب کا نور پھاڑ دیتا ہے اور شام کی ظلمت کو چودھویں رات کے چاند کی روشنی زائل کر دیتی ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ چودھویں رات کے چاند اور آفتاب کی ملی ہوئی یعنی علی الاتصال روشنی محبت اور توحید کی صفائی کی مانند ہے۔ اور ایک ملاپ کی یہ بھی وجہ ہے کہ چودھویں رات کو چاند آفتاب کے نیچے عین اس کے محاذات میں ہوتا ہے اور آفتاب کا پرتو اس پر پڑتا ہے اور اس کی روشنی تیز ہو جاتی ہے اور اس صورت سے ان دونوں کا ملاپ ہوتا ہے۔ ۱۲

کے نور سے عرش کو دیکھتا ہے اور دنیا میں عاقبت پر آگاہ ہوتا ہے۔ اس طریقے کے سب بزرگ اس پر متفق ہیں کہ جب بندہ مقامات کی قید سے چھوٹ جاتا ہے اور کدورت کے حال سے خالی اور تغیر کے مقام سے آزاد اور تمام نیک احوالوں سے موصوف تو وہ سب صفتوں سے جدا ہو جاتا ہے یعنی اپنی کسی نیک صفت کی قید میں نہیں رہتا اور اسے نہیں دیکھتا اور اس پر مغرور نہیں ہوتا۔ اس کا حال عقلوں کی سمجھ سے چھپ جاتا ہے اور اس کا وقت[1] ظنون کے تصرف سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کا ظہور دور نہیں ہوتا اور اسکے وجود کے لئے اسباب نہیں۔ لَاَنَّ الصَّفَآءَ حَضور بِلا ذھاب و وجود بلا اسباب کیونکہ صفائی نہ دور ہونے والی حضوری ہے اور بلا اسباب کے وجود ہے کیونکہ جس چیز کے لئے غائب ہونا ہو وہ حاضر نہیں ہوتی اور جو چیز ایسی ہو کہ جس کے وجود کے لئے علت اور سبب ہو وہ وجود نہیں رکھتی۔ اور جب اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو دنیا اور عاقبت میں فنا ہو جاتا ہے اور انسانی رفتار میں ربانی بن جاتا ہے۔ سونا اور اینٹ پتھر اسکے نزدیک برابر ہوتا ہے۔ اور تکلیف کے حکموں کا نگاہ رکھنا جو بعض لوگوں پر مشکل ہوتا ہے اس پر آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ حارث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کیف اصبحت یاحَارث قال اصبحت مومناً باللّٰہِ حقاً فقال انظر ما تقول یا حارث ان لکل حق حقیقة فما حقیقة ایمانک فقال عرضت نفسی عن الدنیا فاستوی عندی حجرھا و ذھبھا و فضتھا و مدرھا فاسھرت لیلی وَاظمات نھاری حتیٰ صرت کانی انظر الی عرش رَبِّیْ بارزاً و کانی انظر اھل الجنة یَتَزا وَرُوْنَ فَیھا و کانی انظر الی اھلِ النّار یتصَارِغُونَ وفِی روایة یتغاورون الحدیث۔ (ترجمہ: اے حارث! تو نے کیونکر صبح کی؟ کہا میں نے صبح کی اس حالت میں کہ میں پختہ مومن تھا۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا اے حارث! اچھی طرح دیکھ کہ تو کیا کہتا ہے کیونکہ ہر سچائی کے لئے ایک حقیقت اور دلیل ہے تیرے اس قول کی کیا دلیل ہے؟ کہا کہ میں نے اپنے جسم کو دنیا سے الگ کر لیا ہے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ پتھر، سونا، چاندی، ڈھیلا میرے نزدیک یکساں ہے اور جب میں نے دنیا سے علاقہ قطع کر لیا ہے تو عقبے سے مل گیا ہوں۔ اس لئے بہشت دوزخ عرش کرسی کو دیکھتا ہوں۔

---

[1] ظن کی جمع۔ گمان

آپ ﷺ نے فرمایا عرفت فالزم اے حارث تو نے پہچان لیا۔ اس پر ہمیشگی کر کیونکہ اس کے سوا اور نہیں ہے۔ اتم کلامہ۔) (ملخصاً)

علاوہ ازیں آپ کی سیر تجلیات صفاتی و شیوناتی[1] سے گزر کر مقامِ مشاہدہ بیرنگی تک پہنچی ہوئی تھی اور بیرنگی آپ کا مقام بن گیا تھا۔ ہر وقت تجلّی بیرنگی ذاتی آپ پر وارد رہتی تھی اور وصلِ عریانی حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ بے اختیار نکلتے تھے۔ بیرنگ، بے چون، بے چگون، نرادھار، نرنکار وغیرہ۔ غرض تمام تجلیات کو طے کر کے تجلّی ذاتی بیرنگی آپ کا مقامِ مشاہدہ ہو گیا تھا اور ہر وقت اسی مقامِ بیرنگی میں سیر رہتی تھی۔ چنانچہ آپ ہر وقت فرماتے رہتے تھے بیرنگ ہے تو، بے چون ہے تو، بے چگون ہے تو، تو نرنکار، نرنکار، نرادھار، نرادھار، نرادھار اور انہیں الفاظ سے معلوم ہوتا تھا کہ حضور کا مقام بہت ہی عالی اور متقدمین اولیا اللہ کی طرح تھا۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ مکتوب نمبر ۲۲۱ میں اسی مقام عالی کی نسبت اس طرح فرماتے ہیں: باید دانست کہ وصل در آں متوطن در رنگ مطلب، بے چوں و بے چگوں است اتصالے کہ عقل آں رافہم کند، از بحث خارج است وشایان آنجناب قدس نیست۔ زیرا کہ چوں را بہ بیچوں راہ نیست لَا یَحمل عطَا یَا الْمَلَکِ اِلَّا مَطَایَاهُ۔

(ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اس مقام میں وصل بے چون و بے چگوں کے مطلب کی صورت میں وہ اتصال جسے عقل سمجھ سکے بحث سے خارج ہے اور اس بارگاہ کے لائق نہیں بادشاہ کے عطیوں کو بادشاہی اونٹنیاں ہی اٹھا سکتی ہیں پروردگار کو ان جانوں کے ساتھ ایک بے کیف و بے قیاس اتصال ہے۔)

اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس را باجان ناس

ترجمہ شعر: اس کا ملنا بے کیف و وراء العقل ہے خدا لوگوں کی جانوں کے ساتھ ہے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کبھی ختم نہیں ہوتا جیسی اس کی ذات بے انتہا ہے ویسا ہی اس کی ذات کا مشاہدہ بھی بے انتہا ہے۔ جس فقیر پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اس کو ہر روز نیا مشاہدہ ہوتا ہے اور کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اور جس طرح یہاں کبھی ختم نہیں ہوتا اسی طرح

---

[1] شیون والی۔ شیون شان کی جمع ہے یہاں شیون سے وہ مقام مراد ہے جہاں ذات خدا سے صفاتِ خدا قائم ہیں۔

ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ بہشت میں بھی ختم نہ ہوگا اور بہشتیوں کو ہر روز نیا دیدار ہوا کرے گا اور ہمیشہ دوسروں کا مشاہدہ دیدار پہلے دن کے مشاہدہ و دیدار سے لذت وسرور میں مراتب فوق درفوق ہوگا جس کا بیان کرنا اور سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے۔ پھر فرمایا ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ خداوندا بس کر، کچھ دیدار قیامت کے واسطے بھی رہنے دے۔ چونکہ اُن بزرگ کو مشاہدہ ذاتِ الٰہی میں محویت واستغراق ہو جاتا تھا۔ اس لئے حالتِ سکرۃ واستغراق میں یہ لفظ اُن کی زبان سے نکلتا تھا، ورنہ اہلِ بہشت کو جنت میں جو دیدار ہوگا اس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ کسی ولی اللہ نے آج تک دیدار کا احاطہ کیا ہے اور نہ قیامت تک کوئی اس کا احاطہ کر سکے گا۔

اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو کلام آپ فرماتے تھے ان الفاظ کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے یا سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا ہے۔ اور بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے کلام کو وہ سمجھ سکتا ہے جس کو قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف کی اچھی طرح واقفیت ہو اور اسی وجہ سے آپ کے ارشاد میں بڑی طاقت تھی۔ اور یہاں تک زور کی طاقت تھی کہ ایک مرتبہ آپ حالتِ ذوق وشوق میں بیٹھے ہوئے اونچی آواز کے ساتھ بڑے مزے لے۔ لے کر اللہ اللہ یعنی اسمِ ذات پڑھ رہے تھے۔ اور ایک شخص مولوی محمد شاہ پاس بیٹھے ہوئے سن رہے تھے، وہ سلسلہ بیعت میں داخل بھی نہ تھے، لیکن انہیں آپ کی وہ ذکر کی ادا ایسی پسند آئی کہ اس طرز ووضع کے ساتھ جس طرح کہ آپ ذکر کر رہے تھے وہ بھی ایک مسجد میں جا کر ذکر کرنے لگے۔ جس قدر لوگ مسجد میں موجود تھے وہ بھی سب کے سب مولوی صاحب کا ذکر دیکھ کر انہیں کی طرح ذکر میں مشغول ہو گئے اور سب کو وہی لذت آنے لگی اور بے ساختہ کہنے لگے کہ جیسی لذت اللہ اللہ کے ذکر میں آج آئی ہے ایسی لذّت کبھی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ حضور علیہ الرحمۃ قبلہ نے ان مولوی صاحب کو تلقین بھی نہیں فرمایا تھا صرف سننے اور تشبہ[1] پیدا کرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی۔

اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی سے کلام کرتے یا کسی کو نصیحت فرماتے تو ساتھ ساتھ شہادت کی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ بھی کرتے رہتے۔ اُس انگلی کے اشارے کا اتنا اثر تھا کہ اشارے کے ساتھ ہی قلب میں ایک ضرب سی لگتی اور خوب کیفیت آتی تھی اور بے اختیار قلب

---

[1] مشابہت

میں ذکر جاری ہو جاتا تھا اور نصیحت سامعین کے دلوں میں گھر کر جاتی تھی۔ اور حفاظتِ لسان کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ اللہ اکبر۔ وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا تھا کہ ملاک الدین کَفُّ اللِّسان یعنی دین کا دارومدار زبان کے رکنے پر ہے، اس پر آپ کا پورا عمل تھا۔ اور جس کسی میں آپ کوئی نیک صفت دیکھتے اس کی تعریف اسی نیک صفت کے موافق فرماتے کم وبیش ایک حرف بھی زبان مبارک سے ارشاد نہ فرماتے۔ اور اگر کسی میں کوئی برائی دیکھتے تو اس کے بارہ میں زیادہ جستجو اور ردو قدح[1] نہ کرتے بلکہ بخیال عیب پوشی اِعراض[2] فرماتے۔ اور اگر کوئی آپ کے سامنے کسی کی غیبت کرتا اور جس کی غیبت کی جارہی ہو وہ نماز روزہ کا پابند ہوتا تو وہ فرماتے وہ تو اچھا آدمی ہے، نماز روزے کا پابند ہے، ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ اس طریقہ سے غیبت کرنے والے کو ٹال دیا کرتے۔ آپ کی مجلس علما وصلحا کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ اکثر علماء آپ کی مجلس میں رہا کرتے اور دور دور سے آ آ کر شریک ہوتے تھے۔ آپ کو پابندیٔ سنّت اور شریعتِ رسول اللہ ﷺ کا ادب اس قدر ملحوظِ خاطر تھا کہ علماء کی تعظیم خود بھی کرتے اور دوسروں کو بھی تعظیمِ علماء کی ہدایت فرماتے اور ہر حالت میں علماء اور شریعت کی تعظیم کرتے اور کراتے۔ اور جو کوئی عالم یا سیّد آپ کی مجلس میں آ بیٹھتا تو آپ اس کی طرف کسی کو پیٹھ نہ کرنے دیتے۔

اور حفاظتِ ربی ایسی آپ کے شاملِ حال ہوگئی تھی کہ کوئی امر جس میں اختلافِ شریعت کا شائبہ پایا جاتا ہو اگر اتفاقاً کبھی پیش آجاتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود کوئی ایسا سامان ہو جاتا کہ آپ تک اس کے ارتکاب کی نوبت ہی نہ آتی اور وہ موقعہ بالا ہی بالا ٹل جاتا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دکن کی طرف کا ہندوستان کا رہنے والا ایک فاسق وفاجر پیرزادہ جس کے ساتھ رنڈیاں، بھڑوے، سامانِ مے نوشی، ہاتھی، گھوڑے غرضیکہ ایک بہت بڑا ٹھاٹھ تھا انبالہ شریف میں وارد ہوا اور حضرت علیہ الرحمتہ کی دعوت کہلا بھیجی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم تو دعوت نہیں کھا سکتے، لیکن ہاں ہمارا کوئی درویش چلا جائے گا۔ چنانچہ ایک درویش کھانے کے وقت چلا گیا مگر حفاظتِ الٰہی کا یہ اثر ہوا کہ وہ درویش بھی کھانا کھانے سے بچا رہا۔ پھر وہ پیرزادہ ہاتھی پر سوار ہو کر حضور کی زیارت

---

[1] بحث مباحثہ [2] روگردانی

کے لئے چلا اور حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کا مکان پوچھنے کے لئے دو چار آدمی بھی ساتھ لیتا آیا لیکن باوجود ان سب باتوں کے جب وہ مکان کے قریب آیا تو آپ کا مکان اسے نظر نہ آیا۔ ہر چند اس نے ادھر ادھر اور اُس طرف سے اس طرف کئی بار گلی میں ہاتھی کو چکر دیا مگر مکان بالکل نظر نہ آیا۔ آخر لاچار ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد لوگوں نے خدمتِ اقدس حضرت صاحب علیہ الرحمتہ میں حاضر ہو کر تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا ہوا اُسے مکان نہ ملا۔ وہ شراب خور فاسق و فاجر اگر ہمارے پاس آتا تو ہمیں اس کی تعظیم کرنی پڑتی اور جب ہم تعظیم کرتے تو ہماری وجہ سے یہ علما بھی تعظیم کرتے اور ایک فاسق و فاجر کی تعظیم سے شریعت کے خلاف ہوتا۔ بہتر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اور ہمیں اس کی تعظیم سے محفوظ رکھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اکثر علماء کو اجازتِ بیعت دی اور جو لوگ معمولی لکھے پڑھے تھے وہ بھی آپ کی برکتِ صحبت کی وجہ سے پورے پابندِ شریعت ہو گئے۔ اللہ اللہ عجب اُمّی تھے کہ ان کی معمولی باتیں ہم لوگوں کا علم تھا اور ان کی طرز و روش، چال ڈھال، حرکات و سکنات اہلِ ہدایت کے لئے حُجت اور علماء کے درمیان بطور ضرب المثل مشہور تھی اور علماء حقانی اپنے درس و تدریس کے حلقوں میں بطورِ مثال بیان کیا کرتے تھے کہ فقیر ایسے ہوتے ہیں جیسے حضرت شاہ صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) ہیں۔

اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ گفتگو بہت ہی نرمی اور اور ملائمت سے فرماتے۔ اور جب دو شخص اپنا کوئی باہمی قضیہ و تنازعہ حضور کی خدمت میں لاتے تو آپ ایسی نرمی و تحمل سے سمجھاتے اور ایسے نہج سے تقریر فرماتے کہ فریقین خوش ہو جاتے۔ چنانچہ خود میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ میں مولود شریف میں قیام نہیں کرتا تھا۔ ہمارے پیر بھائیوں نے مجلسِ میلاد شریف منعقد کی اور دانستہ مجھے بھی شرکت کے واسطے بلایا۔ اُن دنوں میرے پھوڑے نکلے ہوئے تھے۔ مولود شریف شروع ہوا۔ جب قیام کا وقت آیا تو اگرچہ میرا ارادہ کھڑا ہونے کا نہ تھا لیکن اس خیال سے کہ یہ تمام مجلس مجھے موردِ طعن بنائے گی۔ میں کسی قدر کھڑا ہو کر معاً بیٹھ گیا۔ مجلس ختم ہو چکی اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کھانا تناول فرمانے کے لئے بیٹھے تو میر یوسف علی شاہ صاحب نے میری نسبت شکایت کی حضور مولوی صاحب نے قیام نہیں کیا۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بلاؤ ہمارے مولوی صاحب کو۔ چنانچہ ایک درویش مجھے بلا کر لے گیا۔ میں حاضرِ خدمت ہوا تو پوچھا کھانا کھا چکے ہو؟ میں نے عرض کیا

حضور کھایا تو نہیں ۔ فرمایا آؤ ہمارے ساتھ ہی کھاؤ۔ جب میں کھانا کھانے بیٹھ گیا تو فرمایا ہاں میر صاحب! آپ کی کیا شکایت تھی؟ انہوں نے وہی بات بیان کی۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟ میں نے عرض کیا حضور کھڑا تو ہوا تھا لیکن پھر جلدی بیٹھ گیا۔ فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا حضور مجھے اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے کا حکم دیا تھا سو بیٹھ گیا۔ مسکرا کر فرمانے لگے۔ اہا یہ تو نزدیک ہی بات آ گئی۔ بتاؤ تو سہی اللہ تعالیٰ سے کس طرح باتیں ہوئیں اور کیونکر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹھنے کا حکم دیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے یوں قیاس کیا کہ نماز خواہ فرضی ہو یا نفلی بہرحال قیام اس میں فرض ہے۔ لیکن جب کوئی تکلیف ہو تو باوجود فرض ہونے قیام کے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر ہی نماز پڑھ لو۔ میرے پھوڑے نکلے ہوئے تھے اور جب میرے واسطے نماز میں بیٹھ جانے کا حکم ہے تو اس قیام میں جو فرض، واجب، سنّت کے کسی درجہ میں بھی نہیں بدرجہ اُولیٰ میرے واسطے بیٹھ جانے کی اجازت ہوئی۔ فرمایا خیر اب مولود میں قیام کے وقت کھڑے ہو جایا کرو۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا حضور اب قیام کیا کروں گا۔ اس پر میر یوسف علی شاہ صاحب نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں صاحب اب شریعت بدل گئی؟ میں نے کہا شریعت نہیں بدلی، لیکن اگر اب کوئی مجھ سے دلیل پوچھے گا کہ تم پہلے تو قیام نہیں کرتے تھے اب کیوں کرنے لگے، تو میں جواب دے دیا کروں گا کہ پیشوا کا حکم ماننا فرض ہے اور حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے قیام کا حکم دیا ہے اس واسطے کرتا ہوں اور دلیل میرے پاس کوئی نہیں۔ پھر دلیل پوچھنے کے واسطے لوگ حضور کی خدمت میں آیا کریں گے۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا او ہو اب ہمیں لوگوں کے ساتھ لڑنا جھگڑنا بھی پڑا کرے گا۔ پھر فرمایا مولوی صاحب، مولود شریف کے قیام کو تم فرض واجب سنّت کچھ نہ سمجھو، پر تم اس نیت سے قیام کر لیا کرو کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت جو حیوانات، نباتات، ملائک، حجر و شجر غرض تمام موجودات کی روحانیت نے آنحضرت ﷺ کی تعظیم کے واسطے قیام کیا تھا۔ ہم اس کی نقل کرتے ہیں اور اس قسم کی نقل شریعت میں منع نہیں۔ اور دوسرے قیام کے وقت یہ مراقبہ کر لیا کرو کہ رسول اللہ ﷺ کا فیض میرے دل میں آ رہا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ لو میر صاحب! اب میں قیام بھی کیا کروں گا اور لوگوں کو جواب بھی دے دیا کروں گا کیونکہ اب یہ مسئلہ طریقت کا مسئلہ بن گیا اور طریقت کے مسئلہ میں دلیل کی

کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ میری اس بات سے بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا آہ! اب ہمارا مولوی بات سمجھ گیا۔ لو خوب کھانا کھاؤ۔

بعد ازاں کسی شخص نے کہا کہ حضور جو لوگ قیام نہیں کرتے انہیں درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی نہیں اور ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی بہت محبت ہے۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ محبت تو دونوں کو ہے ان کو بھی اور انہیں بھی مگر اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہے۔ ان کی سمجھ میں یہی آیا ہے کہ قیام سنّت کے خلاف ہے اور وہ پابندیٔ سنّت کے خیال سے قیام کو منع کرتے ہیں اور ان کی سمجھ میں یہی آیا ہے باقی محبت دونوں کو ہے۔ الحاصل آپ نے ایسے طریقے سے فیصلہ فرمایا کہ میر یوسف علی شاہ صاحب کی طبیعت بھی خوش ہوگئی اور میرا بھی اطمینان ہوگیا اور مسئلہ کا تصفیہ بھی عین شریعت کے موافق ہوگیا۔ بعد اس کے جب کبھی موقع میلاد شریف کا آیا تو مجھے بعینہٖ وہ موقع یاد آجاتا اور میں قیام کرتا تو عجائب کیفیات اور انوارات و روحانیت سیّد المرسلین ﷺ کی طرف سے وارد ہوتے جو احاطہء عقل سے باہر ہے۔ اب قیام میں ایک عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور واردات انوارات حقیقتِ محمدیہ ﷺ کی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں سوال کیا کہ حضور یہ جو لوگ بزرگوں کی فاتحہ دلاتے ہیں اور قوالی وغیرہ بھی کراتے ہیں فاتحہ کے ساتھ اس قوالی وغیرہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے یا نہیں۔ فرمایا ہم تو پڑھے ہوئے نہیں ہمیں مسئلے نہیں آتے۔ بڑے حضرت صاحب یعنی حضرت حاجی محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضور کے دادا پیر کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے قرآن شریف پڑھوایا طعام پکایا اور ساتھ ہی قوالی بھی کرائی پھر ختم کے واسطے بڑے حضرت صاحب کو بلایا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا ''خداوندا! یہ جو قرآن شریف پڑھا گیا اور طعام پکایا گیا ہے اس کا ثواب تو ان بزرگ کی روح کو پہنچا دینا اور جو یہ قوالی، گانا بجانا، رنڈیوں بھڑوں کا ناچ وغیرہ انہوں نے کرایا ہے اس کا ثواب ان کے ماں باپ کی ارواح کو پہنچا دینا۔'' آپ کی خامشی اور قول دلوں کو زندہ کرنے والا، غفلت اور جہل کو دور کرنے والا، لوگوں کے دلوں میں حیاتی ڈالنے والا، اور پابندیٔ سنّت پر توفیق و ترغیب دلانے والا تھا۔ اور بالکل اس نمونے کا تھا جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ وَھُوَ ھٰذا۔

من کان سکوتہ حیاء کان کلامہ حیاۃ جس کی خاموشی حیا کے سبب سے ہو اُس کا کلام دلوں کے واسطے حیاتی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی گفتار دیدار سے ہوتی ہے اور جو گفتار بغیر دیدار کے ہو وہ ان کے نزدیک خوار ہوتی ہے۔ اور جب تک باخود ہوں نہ بولنے کو بولنے سے زیادہ دوست رکھتے ہیں اور جب غائب ہوں تو لوگ ان کے قول کو جان پر لکھتے ہیں۔ اور اسی واسطے اس پیر نے یہ کہا ہے من کان سکوتہ ذھبا کان کلامہ لغیرہ مذھباً جس کا[1] سکوت اپنے سے غائب ہونے کے سبب ہو اس کا کلام غیر کے واسطے مذہب ہوتا ہے۔ پس چاہیئے کہ طالب اُس زبان کو جو عبودیت میں ہو خاموش کرے تاکہ وہ زبان جس کی گویائی ربوبیت سے ہو بولے اور اس کی عبارت مریدوں کے دلوں کا صیاد ہو۔ اور بولنے میں ادب یہ ہے کہ بغیر امر کے نہ بولے اور بولے تو امر میں بولے اس کے غیر میں نہ بولے۔ اور چپ رہنے میں یہ ادب ہے کہ جاہل نہ ہو اور نہ غافل۔ مریدوں کو چاہیئے کہ پیروں کے سخن میں دخل اور تصرف نہ کریں اور ان پر غریب[2] عبارت نہ لائیں۔ اور اس زبان سے کلمہ شہادت کہا ہے اور توحید میں متحرک ہوئی ہے جھوٹ اور غیبت نہ کہے اور مسلمانوں کو رنج نہ دے اور درویشوں کو تنہا نام سے نہ پکارے۔ اور جب تک اس سے کوئی چیز نہ پوچھیں نہ کہے پس سخن کہنے میں ابتدا نہ کرے۔ اور درویش کے چپ رہنے کی شرط یہ ہے کہ باطل پر چپ نہ رہے اور کہنے کی شرط یہ ہے کہ سوائے حق کے اور کچھ نہ کہے۔ اور اس کی شاخیں اور لطیفے بہت ہیں لیکن میں نے اس مقدار پر کفایت کی تاکہ کتاب لمبی نہ ہو۔ انتہی کلامہ۔

اور واقعی آپ کی ایسی حالت تھی کہ جب آپ کا خاموشی کا وقت ہوتا تھا اور مراقبہ وغیرہ میں آپ مشغول ہوتے تھے تو مارے ہیبت کے کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ گفتگو کر سکے۔ آپ کی خاموشی کا رُعب اس قدر چھاتا تھا کہ بڑے بڑے حکام مارے ہیبت کے اس وقت میں سامنے جاتے ہوئے کانپتے تھے چہ جائیکہ کوئی کلام کر سکے ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست | ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

ترجمہ شعر:۔ یہ خدائی رعب ہے۔ مخلوق سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ ہیبت اس گدڑی پوش کی

---

[1] اپنے سے غائب ہونے کے یہ معانی ہیں کہ فنائی الذات ہو اور اپنی ہستی ذات میں گم کرنے کی وجہ سے اپنے آپ سے غائب ہو جائے۔

[2] غریب عبارت نہ لانے کے یہ معانی ہیں کہ جو سیدھے سادے الفاظ پیشوا کی زبان مبارک سے ارشاد ہوئے ہوں ان میں کمی بیشی نہ کرے، بلکہ بجنسہ اسی طرح نقل کر دے۔

نہیں بلکہ اس کے خالق کی ہے۔

اور یہاں تک حالت تھی کہ اس وقت اگر کوئی سلام علیک بھی کرتا تو خود جواب نہ دیتے بلکہ کسی درویش کو اشارہ فرما دیتے اور وہ سلامُ علیک کا جواب دیتا اور فرماتے کہ سلامُ علیک کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ جب دوسرے کے جواب سے یہ فرض ادا ہو سکتا ہے تو اس کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ضروری ہے کہ اپنے کام میں لگا رہے۔ اور جب گفتگو کے وقت دُرِ معانی کو سِلکِ تقریر[1] میں نظم فرماتے تو ایسے طریقے سے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ کی پابندی ہر ہر لفظ اور فقرہ میں ملحوظِ خاطر رہتی۔

خوشی ہو یا رنج، محبت ہو خواہ غصہ، ہر حال میں آپ پابندیٔ شریعت کا خیال رکھتے تھے۔ کسی پر بہت ہی غصّے ہوتے تو اس وقت بھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ اس کو لعنت ملامت کریں یا سخت وست کہیں بلکہ اس حالت میں بھی بہت ہی نرمی اور ملائمت سے صرف اتنا فرماتے کہ تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنے ایک صاحبِ علم درویش پر ناراض ہو کر فرمایا کہ تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ آپ کی ناراضگی کے ساتھ ہی اس درویش کی نسبتِ باطنی بھی سلب ہو گئی۔ دو تین روز تک آپ کی ناراضگی قائم رہی۔ آخر الامر اس درویش نے حاضرِ خدمت ہو کر بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ معافی چاہی۔ آپ نے خوش ہو کر معاف فرما دیا اور معافی ہوتے ہی اس کی نسبت پھر عود کر آئی اور تازہ ہو گئی۔ کچھ لوگ اس درویش سے رنجیدہ ہو کر شاکی تھے۔ انہوں نے نسبت کی تازگی دیکھ کر بطورِ شکایت عرض کیا کہ حضور فلاں شخص بڑا ہی خراب اور فسادی آدمی ہے اُسے فیض نہیں دینا چاہیئے تھا۔ آپ نے فرمایا سنو! وہ اللہ کا بندہ ہے اور فیضان اللہ کی رحمت ہے۔ ہم مسکین بندے کیا چیز ہیں کہ کسی کو دیں اور کسی کو نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا بڑا خیال ہے۔ ہم جیسے اللہ تعالیٰ کے ہزاروں بندے ہیں۔ اگر ہم کسی سے فیضان روک لیں گے تو اللہ تعالیٰ اُسے کسی ایسے بندے سے فیضان دلا دے گا جو ہم سے بھی اچھا ہو۔ ہمارے سامنے اس قسم کی شکائتیں مت کیا کرو۔ بتا دینا ہمارا کام ہے باقی ہدایت اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو خود ہی دے دیا کرتا ہے۔ ہم جو کسی پر ناراض ہوتے ہیں وہ اپنی ذاتی غرض کے واسطے نہیں ہوا کرتے بلکہ اس صورت میں اس کا

---

[1] لڑی میں پرونا یعنی مفہوم کو خوبصورتی کے ساتھ بیان کرنا۔

کوئی بڑا فائدہ ہمارے مدِ نظر ہوتا ہے۔ اور جو چیز اس فائدے کے حصول میں خلل انداز ہو اس کے دفعیہ کے واسطے ناراض ہوتے ہیں تا کہ وہ مانع اس سے دور رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اپنی رحمت کو اوپر غصے اپنے کے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

اور آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قلب بڑی ہی کام کی چیز ہے یہ سنور جائے تو سب کچھ سنور جاتا ہے۔ فقیر کو چاہیئے کہ جس قدر محنت کرنی ہو اس پر کرلے۔ پھر اس کے درست ہونے سے آگے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ حضور علیہ الرحمتہ کے اس ارشاد کی علّت[1] یہ ہے کہ آدمی ایک جامع نسخہ ہے۔ جو کچھ تمام موجودات میں ہے وہ سب اکیلے انسان میں موجود ہے اور جو کچھ انسان میں ہے وہ سب اکیلے قلب میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے حضرت علیہ الرحمتہ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ قلب اگر چہ بہ نسبت اگلے مقام کے عشرِ عشیر بھی نہیں مگر اس میں یہ کمال ہے کہ اس کی اصلاح ہونے سے تمام انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اس کے مہذب ہو جانے سے اگلے مقامات کے واسطے راستہ کھل جاتا ہے اور قلب کی بہت ہی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی وضاحت و تفصیل کے واسطے ہم مکتوباتِ امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی جلد ثالث کا مکتوب نمبر ۴۵ و نمبر ۱۱ یہاں بجنسہٖ نقل کرتے ہیں وَھُوَ ہٰذا

(معرفۃ الحقائق) مکتوب چہل و پنجم بمولانا سلطان سرہندی اور علو شانِ قلب مومن و منع ایذاءِ آں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدٍ وّاٰلہٖ اجمعین امّا بعد فاعلموا ان القلب جار اللّٰہ سبحانہ ولیس شی اقرب الی جناب قدسہ کالقلب ایاکم وایذاءہٗ ای قلب کان مومناً کان اوعاصیاً فان الجار وان کان عاصیاً یحمٰی فاحذروامن ذلکَ واحذروا فانہ لیس بعد الکفر الذی ہو سبب ایذاء اللہ سبحانہ ذَنْبٌ مثل ایذاء القلب فانہ اقرب ما یصل الیہ سبحانہ والخلق کلھم عبید اللہ سبحانہ والضرب والاھانۃ لِعَبدِ ایّ شخص کان یوجب ایذاء مولاہ فما شان المولی الذی ہو المالک علی الاطلاق فلا

[1] وجہ۔ سبب

يتصرف فی خَلْقِهٖ الابالقدرالذی امربه فانه ليس بداخل فی الايذاء بل هو امتثال لامر اللّٰه تعالٰی مثلُ الزانی البكرحده مأته سوط فلوزاد احد علٰی مأته سوط كان ظلماً وداخلاً فی الايذاء واعلمو ان القلب افضل المخلوقات و اشرفها وكماان الانسان افضلها لِاجماله وجمعه ماَ فی العالم الكبير كذٰلِكَ القلب لجامعية ما فی الانسان وكمال بساطته واجماله وكلما كان الشی اشد اجمالاً واكثر جمعية يكون اقرب الٰی جنابهٖ تعالٰی وان ما فی الانسان اما هو من عالم الخلق او عالم الامر والقلب برزخ وفی مراتب العروج يعرج لطائف الانسان اِلٰی اصوله مثلا يكون عروجه اولا الی اصل الماء ثم الی اصل الهواءِ ثم الیٰ اصل النار ثم الٰی اصُول اللطائف ثم الی الاسم الجزئی الذی هوربه ثم الیٰ كُليه ثم الی ماشاء اللّٰه تعالی بخلاف القلب فانه ليس له اصل يعرج اليه، بل يكون العروج منه اولا اِلی الذات تعالی وانه باب غيب الهوية لكن الوصول من طريق القلب وحده بغير ذالک التفصيل متعسر بل انّما يتيسرذلک الوصول بعد اتمام ذالک التفصيل الاتریٰ ان الجامعية والتوسعة فيه انما يكون بعدطيه تلک المراتب التفصيلية والمراد من القلب هٰهنا هو القلب الجامع البسيط الابسط لا المضغة اللحمية۔

پینتالیسواں مکتوب مولانا سلطان سرہندی کے نام قلبِ مومن کی علوشان اور اس کو تکلیف نہ پہنچانے کے بیان میں ۔اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ. امابعد معلوم ہو کہ بالتحقیق قلب اللہ سبحانہٗ کا ہمسایہ ہے اور کوئی شے بارگاہِ قدس خداوندی کے زیادہ قریب نہیں مثل قلب کے۔ پس اس کی ایذا سے بچو خواہ کوئی سا قلب ہو، مومن ہو یا عاصی۔ کیونکہ ہمسایہ اگرچہ عاصی ہی ہو تاہم اس کی حمایت کی جاتی ہے پس اس سے پرہیز کر اور بچو کیونکہ کفر کے بعد جو کہ اللہ سبحانہٗ کی ایذا کا بالذات سبب ہے کوئی امر ایذاءِ قلب کے مانند نہیں۔ اس لیے کہ قلب اللہ سبحانہٗ کا وصل حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ قریب ہے۔ پس تحقیق مخلوقات تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی مملوک غلام ہے اور کسی شخص کے مملوک غلام کو مارنا اور اس کی

اہانت کرنا مولیٰ کی اہانت کا موجب ہوتا ہے پس اس مولیٰ کی شان کا کیا کہنا ہو جو علی الاطلاق مالک ہے۔ سو نہ تصرف کیا جاوے اُس کی مخلوق میں مگر اُسی مقدار کے موافق جس کا اس نے حکم فرمایا ہے اور بلا شک وہ ایذا میں داخل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری ہے۔ مثلاً کنواری عورت کے ساتھ زنا کرنے والے کی سزا سو دُرّے ہیں پس اگر سو دُرّوں سے زیادہ ایک بھی بڑھا دیا تو وہ ظلم اور ایذا میں داخل ہوگا۔ اور واضح ہو کہ قلب افضل و اشرف مخلوقات سے ہے اور انسان کا فضل و کمال اس کے اجمال و عالم کبیر کا جامع ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایسے ہی قلب بھی انسان کا جامع ہونے اور اپنی کمال بساطت و اجمال کی وجہ سے تمام مخلوقات سے اشرف و افضل ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز میں جس قدر زیادہ اجمال اور جتنی کثرت کی جامعیت ہوگی وہ چیز اسی قدر بارگاہ خداوندی کے زیادہ قریب ہوگی۔ علاوہ ازیں اجزائے انسانی یا عالمِ خلق سے ہیں یا عالمِ امر سے اور قلب برزخ ہے۔ اور مراتب عروج میں آدمی اپنے اصول کی طرف چڑھتا ہے۔ مثلاً پہلے اس کا عروج پانی کی اصل کی طرف ہوگا، پھر ہوا کی اصل کی طرف، پھر آگ کی اصل کی طرف، پھر اس اسم جزئی کی طرف جو اس کا رب یا مبدا تعین ہے، پھر اپنے قلب کی طرف، پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ بخلاف قلب کے کہ اس کی کوئی اصل ہی نہیں جس کی طرف اسکا عروج ہو بلکہ اس سے ابتدأ ذات کی طرف عروج ہوتا ہے جو کہ غیب و بست کا دروازہ ہے۔ لیکن صرف قلب کے راستہ سے بغیر اس تفصیل کے ذات کا وصل مشکل ہے بلکہ ذات کا وصل اس تفصیل کو پورا کرنے کے بعد ہی آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ قلب میں جامعیت اور وُسعت ان مراتب تفصیلیہ کو طے کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اور قلب سے مراد اس جگہ وہ قلبِ بسیط[1] جامع ہے نہ کہ گوشت کا ٹکڑا۔

(معرفۃ الحقائق) مکتوب یازدہم :۔ بسیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخانی در بیان جامعیت انسان کہ مرکب از اجزاءِ عشرۂ عالم امر و خلق است و ترجیح قلبِ انسان بر عرشِ مجید۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ آدمی نسخہ ایست جامع کہ مرکب از اجزاءِ عشرہ است از عناصرِ اربعہ و نفسِ ناطقہ و قلب و روح سرّ و خفی و اخفی و قویٰ و جوارح دیگر کہ در انسان است راجع بہمیں اجزاء است و ایں اجزاء بایک دیگر متضادہ اند تضاد و عناصرِ اربعہ بایک دیگر ظاہر است و

---

[1] وسیع

ہمچنیں ضدیت عالمِ خلق با عالمِ امر ہویدا است و پنجگانہ عالمِ امر ہر یکے با مرے مخصوص است و بکمالے منسوب۔ ونفسِ ناطقہ خود خواہاں ہوائے خود است ہیچ یکے سر فرود نمی آرد وعنایتِ خداوندی جل سلطانہ ایں اشیاء متضادہ را بقدرت کاملہ خود سورت ہر کدام راشکستہ جمع فرمودہ است ومزاج خاص وہیئت وحدانی عطا نمودہ بعد از حصولِ مزاج خاص وہیئتِ وحدانی بحکمت بالغہ خود صورتے اور ابخشیدہ است تا حفظ اجزائے متفرقہ متضادہ او نماید۔ ایں مجموع را مسمّی بانسان گردانیدہ وباعتبارِ جامعیّت وحصول ہیئت وحدانی بشرف استعداد خلافت مشرف ساختہ ایں دولت بعد از انسان ہیچ یکے را میسّر نشدہ است۔ عالمِ کبیر اگرچہ بزرگ است۔ امّا از جامعیّت خالی است و از ہیئت وحدانی بےنصیب۔ ایں ماجرا در جمیع افرادِ انسانی ثابت است وعوام وخواص انسان دریں معنی شرکت دارند باید دانست کہ اشرف اجزاء عالم کبیر عرش مجید است وتجلّی مخصوص بآن فوق تجلّیاتِ اجزاءِ دیگر است زیرا کہ آں تجلّی جامع است وآں ظہور مجمع اسماء وصفات وجوبی است تَعَالَتْ وَ تَقَدَّسَتْ وایضاً آں تجلّی دائمی است گنجائش استتار ندارد وقلب انسان کامل کہ مناسبت بعرش دارد وآں را عرش اللہ می خوانند از اں تجلّی عرشی نصیب وافر دارد وحظ کامل۔ غایت مافی الباب آں تجلّی کلی است وایں تجلّی نسبت بآں جزئی است امّا قلب مزیتے دارد کہ در عرش نیست وآں شعور بہ متجلّی است وایضاً قلب مظہر یست کہ گرفتاری بظاہر خود دارد بخلاف عرش کہ ازیں گرفتاری خالی است پس ناچار قلب رابواسطۂ ایں شعور وگرفتاری مقصود ترقی ممکن است بلکہ واقع۔ زیرا کہ بحکم المرء مع من احب قلب باکسے است کہ بآں گرفتاری دارد ومفتون محبتِ اوست۔ اگر محبّ اسماو صفاتست با اسماو صفات است واگر محبّ ذاتست تعالیٰ وتقدس معیت آنجا درست کردہ واز گرفتاری اسما وصفات درگذشتہ بخلاف عرشِ مجید کہ تجلّیِ مجرد از اسماء وصفات در حقِ او غیر واقع است۔ والسلام۔

ترجمہ:۔ گیارہواں مکتوب: سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخانی کے نام انسان کی جامعیت کے بیان میں جو کہ عالمِ امر در عالمِ خلق کے دس اجزاء سے مرکب ہے اور عرشِ مجید پر قلبِ انسان کی ترجیح کے بیان میں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آدمی ایک نسخہ جامع ہے جو دس اجزاء سے مرکب ہے یعنی عناصرِ اربعہ، نفس ناطقہ، قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ سے اور قوی ودیگر جوارح جو کہ انسان میں ہیں وہ بھی انہیں اجزاء کی طرف راجع ہیں اور یہ اجزا باہم ایک

دوسرے کی ضد ہیں۔ عناصرِ اربعہ کا باہم ایک دوسرے کی ضد ہونا ظاہر ہے اور ایسے ہی عالمِ خلق کا عالمِ امر کی ضد ہونا بھی عیاں ہے۔ اور عالمِ امر کے پانچوں لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ ایک کام کے لئے مخصوص ہے اور ایک کمال کی طرف منسوب۔ اور نفس ناطقہ بالتحقیق اپنی خواہشات کا خواہاں ہے، اور کسی ایک کے سامنے سر نہیں جھکاتا اور عنایتِ خداوندی جل سلطانہٗ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان اشیاء میں سے ہر ایک کے غلبے کو توڑ کر جمع فرمایا اور مزاج ہیأتِ وحدانی عطا کی۔ اور بعد حاصل ہونے مزاج خاص اور ہیأتِ وحدانی کے اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کو ایک خاص صورت بخشی تاکہ اُسکے متفرق اور متضاد اجزاء کی حفاظت کرے اور اس مجموعے کا نام انسان رکھا اور جامعیت دحصول ہیأتِ وحدانی کے اعتبار سے اس کو استعدادِ خلافت کے شرف کے ساتھ مشرف کیا۔ یہ دولت انسان کے بعد کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ عالمِ کبیر اگرچہ بڑا ہے لیکن جامعیت سے خالی اور ہیأتِ وحدانی سے بے نصیب ہے۔ یہ معاملہ تمام افرادِ انسانی میں ثابت ہے اور عوام و خواص انسان ان معنی میں شرکت رکھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ عالمِ کبیر کے اجزاء میں سب سے زیادہ بزرگ عرشِ مجید ہے اور جو تجلی اسکے ساتھ مخصوص ہے وہ دوسرے اجزاء کی تجلیات سے بالاتر ہے کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور وہی اسما و صفاتِ وجوبی کے ظہور کی مستحق ہے۔ نیز وہ تجلی دائمی ہے، امتیاز کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اور انسانِ کامل کا قلب جو کہ عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور جس کو عرش اللہ کہتے ہیں اُسے اس تجلی کا بہت بڑا حصہ حاصل ہے اور بہرۂ کامل نصیب۔ حاصل کلام وہ تجلی کلی ہے اور یہ تجلی بہ نسبت اس کے جزوی۔ لیکن قلب ایک فوقیت رکھتا ہے جو عرش میں نہیں اور وہ فوقیت تجلی والی ذات کا شعور ہے۔ اور نیز قلب ایک مظہر ہے جو ذات صاحبِ ظہور کے ساتھ گرفتاری رکھتا ہے بخلاف عرشِ مجید کے کہ وہ اس گرفتاری سے خالی ہے۔ پس ناچار قلب کو بسبب اس شعور اور گرفتاری کے ترقی ممکن بلکہ واقع ہے کیونکہ بحکم المرء من احب قلب اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ گرفتاری رکھتا ہے اور جس کی محبت کا مفتون ہے۔ اگر اسماءِ صفات کا محبّ ہے، اسماء وصفات کے ساتھ ہوگا اور اگر ذات کا محبّ ہے تعالیٰ و تقدس تو اسماء صفات کی گرفتاری سے گذر کر ذات کے ساتھ معیت کر لے گا بخلاف عرشِ مجید کے کہ جو تجلی اسماء وصفات سے خالی ہے وہ اس کے حق میں واقع نہیں۔ والسلام۔

قطعہ تاریخ عربی

ریختہ کلک معارف سلک ابوالصواب جناب مولوی محمد حنیف علی صاحب رعبؔ قریشی
چشتی صابری رشیدی شاہ آبادی

اِنَّ هٰذا الکتٰب لَارَیْبَ فَیْهِ — اشْتَاقَهُ كُلُّ عَارِفٍ بِاللّٰهِ
یَالَه، مِنْ نِکَاتِ فَقْرٍوَّ زُهْدٍ — اُوْدِعَتْ فِیْهِ اللَّفْظِیْنِ الدَّاهِی
کُلُّ مَنْ یَّنْبَغِیْ اَلْوُصُوْلَ اِلَی اللّٰهِ م — سُلُوْکاً فَیَنْبَغِیْ اَنْ یُّبَاهِی
ذَاکِتٰبُ، اَمْ غَارَةُ، فِیْ کَمَالِ م — اَلْحُسْنِ وَالتیهِ غَیْظَةُ الْاَشْبَاهِ
تِلْکَ اَلْفَاظُه، تَجَلَّتْ حُرُوْفًا — اَمْ بَدَت اَلْسُنٌ، بِلَا اَفْوَاهٍ
بَارَکَ اللّٰهُ فِی مُصَنِّفِهٖ الْحَبْرِ م — اَلْحَلِیْمُ الْمُجَاهِدِ الْاَوَّاهِ
مَنْ غَدَا کَاسْمِهِ الْمبارِکِ محبو م — بِالْکل اَلورٰے بِعِزٍّ وجَاهٍ
کَامِلاً فِی الْحجی بِغَیْرِ ارتیَابٍ — فَائِقًا فِی التَّقٰی بِغَیْرِ اشتبَاهٍ
بَامُسَمّٰی کَالْاِسْمِ مَحْبُوب عَالَم — یَاحَبِیْبِیْ وَیَامُحِبَّ الالٰه
اَلَّذِی طِیْبُ خُلُقِهٖ قَدْ اَفَاضَ م — اَلْمُسْتَضْعَفِیْنَ فَائِح الْاَفْوَاهِ
اَنْتَ اَفْدِیکَ قَدْ اَتَیْتَ بِذِکْرِیٰ — لَمْ تُغَادِرْ مَجَالَ عُذْرٍ لِّسَاهِیْ
ذَاکِتٰبٌ، مُنَوَّرٌ، وَّلَعمرِےْ — لَیْسَ شَاناً بِهٖ کِتٰبٌ، یُّضَاهِیْ
کَیْفَ لَاوَهُوَ فِیْهِ اٰثَارُ، شَیْخٍ — تُرْبُ اَقْدامِهٖ ضِیَآءُ الْجِبَاهِ
فَکِتٰبٌ، هٰذَاکَ اَمْ نَارُمُوْسٰی — لَمْ تَکَدْ اَعْیُنٌ، تَرَاهَا لَمَاهِیْ

قَالَ فِیْ عَامِ طَبْعِهٖ التَّمِّ رُعْبٌ
لَامِعُ الْبَرْق مِنْ تَوَکُّل شَاہ
۱۷۱ ۳۳۳ ۹۰ ۷۶۲

۱۳۲۶ھ ہجری

فارسی

دلا زیں مشکل آباد اَمَل تا کے بروں آئی / کہ نافہمیدہ لا آسماں شمار درس الائی
ازاں محجوبی از کشفِ رموزِ عَلَّمَ الْاَسْمَاء / کہ بااسم آمدی مشغول و فارغ از مسمائی
باقلیم حقیقت چوں رسیدن آرزو داری / کہ در دشتِ مجاز آوارہ گردد گم فرمائی
ایا گم کردہ منزل ہاں بزن دستے بدامانے / کہ بے خضرِ رہے طرفے نہ بندد راہ پیمائی
بصد زور جوانی خواجہ برنائی بنفسِ دُوں / کہ بے امداد پیری گندہ پیری گرچہ برنائی
بیا بنگر دریں روشن کتاب وجاں منور کن / کتابے نے کہ تابے آفتابِ معرفت زائی
مہے اوجِ شریعت را دُرے بحرِ طریقت را / گلے باغِ حقیقت را بصد خوبی و رعنائی
دُرے، نے قلزمے بیحد وپایاں کاندراں زائد / ہزاراں دُر و مرجاں باہزاراں شانِ یکتائی
گلے ۔نے گلشنے فردوس ساماں کاندراں خیزد / ہزاراں لالہ و گل باہزاراں حسنِ زیبائی
زہے حالاتِ آں فرمانروائے کشورِ باطن / توکّل شاہ شاہِ ملکِ جان در مسند آرائی
رقم زد لوحش اللہ اندریں مجموعۂ دلکش / شہِ محبوبؔ عالم جانِ علم و کانِ دانائی
عرُو۔سے پردہ داری برقع غیب از رخ افگندہ / شہود افروز آمد بہر چشم ہرتماشائی
نگارے شمع رُوئے برکشیدہ پردۂ عارض / فروغِ محفلِ نظارہ شد از جلوہ افزائی

پے تاریخ طبعش رُعبؔ روشن فکر خوش گفتہ

بنام ایزد کتابے بلکہ تاب نور آمائی

۹۳ ۲۲ ۴۳۳۰ ۵۷ ۴۰۳ ۲۵۶ ۶۲

۱۳۲۶ھ

ایضاً

زِکلکِ حضرتِ محبوبؔ عالم حق بیں — طراز بستہ شُد ایں نقش دلکش و مرغوب
زہے کتاب کہ دارد چہ دلکشا ہنجار — زہے صحیفہ کہ دارد چہ جانفزا اسلوب
مگو کتاب کہ رشکِ چمن گلے رعنا — مگو صحیفہ کہ گل پیرہن نگارے خوب
گلے، چہ گل کہ شمیمش برائے اہلِ دِل ست — چو بوئے پیرہن یوسف از پے یعقوب
سنیں طبع ز رُعبؔ شگفتہ طبع شنو — بشیرو یوسف عرفان صحیفہ محبوب

۵۸ ۱۹۳ ۴۰۱ ۱۵۶ ۵۱۲

۱۳۲۶ء

اُردو رُباعی

اللہ اللہ یہ شگفتہ گلزار — جس پر ہیں ہزار باغ سو جی سے نثار
ہاں مژدۂ ریاضِ قرب کہ گل چینو — آئی ہے معارف کے گلستاں میں بہار

۱۳۲۶ھ

قطعہ

ہاں کہاں ہیں سالکانِ مسلکِ فقر و سلوک — ہاں کدھر ہیں کس طرف ہیں طالبانِ قُرب یار
الصّلا اے میکشانِ بادۂ ذوقِ حضور — مژدہ اے لب تشنگانِ شربتِ وصلِ نگار
اس کے حالاتِ مقدس چھپ کے شائع ہوگئے — ساقیٔ خم خانہء عرفاں تھا جو عالی تبار
مرشدِ پیروجواں وہ جس کا نامِ پاک ہے — حضرتِ شاہِ توکّل شاہ شیخِ روزگار
ماہِ دارِ معرفت جانِ صفا اصلِ وَرَع — کامگارِ مکرمت کانِ شرفِ کوہِ وقار
خزنِ جودوسخا کی اس کے دنیا خوشہ چیں — خوانِ ایثاروکرم کا اس کے عالم زَلّہ خوار
اسکی ذاتِ پاک کا فیضان تھا اعزاز آفریں — شہر انبالہ کو جتنا ہو بجا ہے افتخار
گو ہے اب نظروں سے اوجھل وہ جمالِ باکمال — اس کے پرتو سے مگر پُرنُور ہیں شہر و دیار
جانشینِ حق گزیں اس کا سلامت چاہیئے — اب یہ روشن شمع اس مشعل کی ہے آئینہ دار
جانشیں وہ کون؟ یعنی مخزنِ علم و عمل — حضرتِ محبوب عالم عالمِ عرفاں شعار

وہ دقائق داں حقائق بیں معارف دستگاہ — جس کی یہ تصنیفِ اقدس ہے مبارک یادگار
اِک کتاب اس کو کہوں یا ایک باغِ جانفزا — جس میں گلبن سینکڑوں جس میں ہزاروں لالہ زار
اللہ اللہ بارک اللہ واہ واصلّ علیٰ — کیا پھلا پھولا چمن ہے کیا فضائے خوشگوار
لوٹ اس کے ہر ورق پر ہیں ہزار ارباب دِل — جس طرح اک برگِ گل پُرغش عنادل سو ہزار

نغمہ زن ہے بہر سالِ طبع رُعبِ خوش نوا
واہ اب آئی معارف کے گلستاں میں بہار

۲۰۸ ۱۰۰ ۵۶۱ ۳۰ ۳۹۱ ۲۱ ۳ ۱۲

۱۳۲۶ھ

کتاب بہترین رفیق ہے

''سیرتِ صالحین'' پر چند انمول کتابوں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ جو حُبِ درویشاں اور صُحبتِ درویشاں کا نہایت قوی سبب ہے۔ اپنے رنگ میں یہ انوکھی اور اچھوتی تصانیف ہیں جو انتہائی سادگی کے باوجود بے پناہ جاذبیّت اور تاثیر میں یکتا ہیں۔ نتیجتاً سراسر چشمہ ہدایت، ان کی خوبی و حُسن فنِ ادب کا معیار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ان کو پرکھا جائے بلکہ ان کا حسن و جمال مرہونِ منّت ہے اس کمال کا جس نے ان صلحاء اداولیاء کو حسن و جمال اور کمال خوبی کا پیکر بنا دیا تھا جیسے روحانیت کا وہ معنوی حسن ان سادہ عبارات میں پھوٹ رہا ہے اور وہی معنوی حُسن ہے جو اِن کے پڑھنے سے قلوب کو مسحور کر لیتا ہے۔ درویشی اور فقر کے چہرہ سے حجاب اُٹھ کر شاہدِ مقصود کا چہرۂ اصلی خدّ وخال میں سامنے آ جاتا ہے ذہنی اور قلبی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ تھکا اور اُلجھا ہوا ذہن راحت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس سادگی اور جاذبیّت کی بنا پر ہر طبقے کا آدمی یکساں فائدہ حاصل کرتا ہے۔ ان کے مطالعہ سے سینکڑوں نہیں ہزاروں کج روطبائع سلامتی پر چل نکلیں۔ ہزاروں کتابیں بغیر کسی اشتہار اور پبلسٹی کے ہر طبقہ اور ہر قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ چکی ہیں۔

ذکرِ خیر المعروف بہ صحیفۂ محبوب

مشتمل بر حالات سراپا کرامات وخوارق عادات نمونہ سلف حجۃ اللہ خلف متوکل علی اللہ حضرت خواجہ توکّل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ مُصنّفہ خواجہ محبوب عالم رحمتہ اللہ علیہ سیدوی خلیفۂ اعظم حضرت قبلہ شاہ صاحب انبالوی رحمتہ اللہ علیہ جس کا ایک ایک باب معرفت کا بحرِ بے کنار۔ ایک ایک فصل کتاب وسنت کی ترجمان، ایک ایک صفحہ عاشقانِ مولا کے لئے حرزِ جاں، ایک ایک فقرہ ہدایت کا سبق، ایک ایک لفظ ذوق وشوق کا مظہر، ایک ایک حرف روحانیت کے نور سے بھرپور کتاب کی خوبصورتی کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ بغیر کسی اشتہار اور پبلسٹی کے اس کے سولہ ایڈیشن ابھی تک شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس کا انگریزی ترجمہ بھی شروع ہے۔

ذکرِ محبُوب

سادہ زبان۔ عام فہم۔ سلیس اردو۔ دلکش انداز

حضرت توکّل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ محبوب عالم شاہ صاحب سیدوی قدس سرہٗ کی سوانح حیات کا ایمان افروز مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک علمبردارِ تصوف اور صاحبِ کرامت ہستی کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ بلکہ یہ کتاب آپ کی مقدس زندگی کے اس پہلو کی آئینہ دار ہے جس سے ایک چشمہ نور جاری ہوا اور لاکھوں بندگانِ خدا اس سے سیراب ہوئے۔ اس کے پڑھنے سے قارئین پر ایک ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ زنگ آلود دل دریائے سرمدی میں پیراک محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اس کے مؤلف ایک مستند عالم خانقاہ محبوبیہ کے پہلے سجادہ نشین حضرت خواجہ صدیق احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اس کا دیباچہ نہایت محنت وکاوش سے اس نظریہ کے تحت لکھا ہے کہ علمِ تصوف کے مبتدی اور طالبانِ حق تصوف کی پیچیدہ اصطلاحات کے معانی سے بہرہ ور ہوکر کتاب ہٰذا کے مطالعہ سے پورا پورا استفادہ کرسکیں۔ علاوہ ازیں یہ کتاب اردو ادب میں سوانح نگاری کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب ہے۔

خیرالخیر

قطبِ زمانی امامِ ربّانی، حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے طریقت کی بنیاد مذہب پر رکھ کر ایک بہت بڑا تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا ہے اور طریقت میں سلوک کا ایسا کامل نصاب بنا دیا ہے. جس میں تمام لطافتیں اور حد درجہ کا اعتدال سمو کر عین اسلام اور مذہب کی فطرتِ سلیم کے مطابق ڈھال کر تیار کر دیا۔ امامِ ربّانی رحمتہ اللہ علیہ نے عرفان کے پھولوں کا ڈھیر اکٹھا نہیں کیا بلکہ ان پھولوں کا عطر اور روح لے کر بازارِ عرفاں میں لا سجایا۔ مجدّدی سلوک پر سیّدنا مرشدنا حضور قبلۂ عالم خواجہ محبوب عالم رحمتہ اللہ علیہ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ سلوکِ مُجدّدی پر اس سے بہتر کتاب اُردو میں آج تک شائع نہیں ہوئی۔

تنویرالابصار

مذہب حقہ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے (۱) ذکر (۲) عبادت۔ طریقت کی بنیاد تو پہلے ہی ذکر پر ہے۔ ذکر ہی سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اس خاک نشین کو عرش بریں پر جا بٹھاتی ہے۔ اور یہ کیفیت بغیر ذکر کے پیدا نہیں ہوسکتی۔ بالکل ایسے جیسے کوئی گاڑی بغیر پٹرول کے نہیں چل سکتی اسی طرح بغیر کیفیت پیدا ہوئے قربِ الٰہی کی منازل اور پھر مشاہدہ جو تمام مذاہب کا اصل مقصود ہے کبھی بھی، حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس موضوع پر قبلہ عالم حضرت خواجہ محبوب عالم رحمتہ اللہ علیہ نے، ذکر و ذاکرین کی فضیلت پر رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کے پڑھنے سے ذکر کا شوق ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔

اَسراءِ جمیل اِلیٰ ربِّ الجلیل
المعروف بہ
شبِ حسیں برعرشِ بریں

وَاقعہ معراج حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ہے جس میں صرف آپ منفرد اور تمام انبیاء سے ممتاز ہیں۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جاوے بجا ہے اور اس کی جتنی اشاعت ہو کم ہے۔

یہ معجزہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال پر ایک محکم دلیل ہے۔ اس پر علماء و صوفیاء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن قبلہء عالم خواجہ محبوب عالم رحمتہ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تمام احادیث کو واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے یکجا کر دیا ہے اور اس میں تصوف کی چاشنی شامل کر دی ہے۔ حضرت مصنف کو اس واقعہ سے بے پناہ پیار اور لگاؤ تھا۔ آپ فرمایا کرتے کہ اس رات خدا اور اس کے محبوب کے وصل اور وصال کی ایسی کیفیات کا وُرود ہوتا ہے جو لذ الاشیا معلوم ہوتی ہیں۔ یہ کتاب آپ کے اس محبت اور لگاؤ کا عظیم شاہکار ہے۔ واقعہء معراج النبی علیہ السلام پر اتنی تفصیل اور اس انداز سے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ اردو میں اس موضوع پر ابھی تک کوئی کتاب موجود نہیں۔ خصوصاً دیباچہ جو حضرت خواجہ صدیق احمد شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے جس میں معراج روحانی یا جسمانی میں جو اختلاف ہے اس کو نہایت احسن انداز میں لکھا گیا ہے۔ باوجود مختصر ہونے کے مدلّل ہے بلکہ بیشتر ازیں اس موضوع پر اتنا مدلّل مضمون یقیناً نہیں لکھا گیا۔

اسلامی تصوّف

اس رسالہ میں موجودہ دور میں تصوّف اور طریقت پر مسلمانوں کی علمی جماعتوں سے جو اعتراضات کیے جا رہے ہیں ان کے مختصر اور محققانہ، عالمانہ اور صوفیانہ انداز میں جوابات دیئے گئے ہیں۔ اسے پڑھ کر اللہ کے فضل و کرم سے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

خصائصُ الکبریٰ

خصائصُ الکبریٰ حدیث پاک کی کتابوں میں سے ایک مُستند، مفید اور عظیم المرتب کتاب ہے۔ اس کے مؤلّف حضرت علامہ ابن الکتب عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو خود ایک بلند پایہ دُنیائے اسلام کی شہرہ آفاق اور معتمد علیہ شخصیت ہیں۔ مشہور ہے کہ جب حضرت علامہ نے خصائصُ الکبریٰ کی تالیف کا کام شروع کیا تو کم و بیش پچھتر بار بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری اور باریابی کا شرف پایا اور بالمشافہ زیارت نصیب ہوئی۔ اس سعادت کے حصول کی غالباً وجہ یہ تھی کہ احادیث کریمہ کے الفاظ کی صحت کے بارے میں روبرو عرض معروض کر کے تصدیق کر سکیں۔ خصائصُ الکبریٰ کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے بہت کم لوگ اس سے استفادہ کر سکتے

ہیں۔ انتہائی ضرورت تھی کہ اس کا ترجمہ آسان، عام فہم اور سلیس اردو میں کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ حضرت خواجہ صدیق احمد سیدوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشد ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس کتاب کی پہلی جلد کا آسان اُردو زبان میں ترجمہ لکھ کر اُمت مصطفیٰ ﷺ پر احسانِ عظیم کیا اور اپنے لئے سرمایہ حیات اور آخرت کے لئے ذخیرۂ حسنات جمع کیا ہے۔

محمد احمد ہاشمی
(ایم ایس سی۔ کیمسٹری)

☆☆☆